onlinemagazinepk.com/recipes
نئے اُفق
aanchalpk.com

ماہنامہ
حجاب کراچی
اگست 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک
میرے خواب زندہ ہیں
نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول
دل کے دریچے
صدف آصف کا سلسلے وار ناول
شب آرزو تیری چاہ میں
نائلہ طارق کا منفرد سلسلے وار ناول
اس کے علاوہ
فریدہ فری، راؤ سمیرا ایاز، نفیسہ سعید، رمشا زینب، عالیہ توصیف، حرا قریشی
سحرش فاطمہ مونا شاہ قریشی و دیگر بہنوں کی خوب صورت تحریریں
قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے
طب نبویؐ، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب
شوخئ تحریر، حسن خیال، ہومیو کارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں/ (021-35620771/2)

بانی مدیرہ — زیب النساء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی

مدیرہ — قیصر آرا

نائب مدیرہ — سعیدہ نثار

مدیر خصوصی — طاہر احمد قریشی

مدیرہ معاونین — جویریہ احمد

روبین احمد

| | |
|---|---|
| جلد | 39 |
| شمارہ | 05 |
| اگست | 2017 |

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات و دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

f /Naeyufaq Aanchal & Hijab official group

f /women.magazine

# اس شمارے میں




پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔ دفتر کا پتہ: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

معزز قارئین آپ سے التماس ہے www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے لیے مسلسل اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے ۔اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کے اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox کی Adblocker Extension کو Pause کر دیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے Pause کر دیں ۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کے Adblocker کے Pause ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات **Green Box** والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔

## مستقل سلسلے



خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

# Join Us on Facebook

## Get Notificatons of Newly Uploaded Books

## Follow below Image to Get Notifications of Newly Uploaded Books

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے کہ ”جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔“ (مسلم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگست ۲۰۱۷ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

میرے ساتھی کارکن اور میری طرف سے پیشگی یوم قائم پاکستان مبارک ہو ہماری نئی نسل کو تو یہ پتہ ہی نہیں کہ پاکستان کیسے قائم ہوا کیسے لوگوں نے نقل وطن کیا کیسے لاکھوں لوگوں کو بھارتی دہشت گردوں نے اپنی دہشت و بربریت کا نشانہ بنا کر اپنی آزادی کا جشن منایا اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ نئے قائم ہونے والے ملک میں جو اسلام کے نظریہ کے باعث قائم ہوا چلے جائیں تا کہ ان کے جائیداد اور زمینوں پر بلاشرکت قبضہ کیا جاسکے۔ صدیوں سے بھائی چارے اور سلوک سے رہنے والوں نے اپنے پڑوسیوں کو نشانہ بنایا انہیں ان کے خاندان سمیت قتل کردیا گیا۔ خون کی ندیاں بہادی گئیں بچ کر نکل آنے والوں کو بھی دوران سفر نشانہ بنایا گیا۔ بہنوں بیٹیوں کو بے آبرو کیا گیا مال واسباب جو بچ گیا یا بچا کر نکال لائے تھے اسے بھی لوٹ لیا گیا تقسیم ہند ایک دردناک خون آشام داستان ہے جتنا بھی کہا جائے وہ کم ہے آج یہ سطور لکھتے ہوئے بہت سے اپنے پیارے یاد آ گئے آنکھیں نم ہوگئیں اللہ سبحان وتعالیٰ ہماری ہمارے وطن کی حفاظت فرمائے آمین۔

وطن عزیز میں ایک بار پھر افراتفری کا سماں ہے حکومت جارہی ہے حکومت بچ جائے گی دونوں فریق اپنی اپنی ہی کوشش میں لگے ہوئے ہیں عوامی جذبات واحساسات کی نہ حزب اختلاف کو پروا ہے نہ حزب اقتدار کو ایک کرسی کو گرانے میں لگا ہے تو دوسرا اپنی کرسی بچانے میں۔ وطن عزیز کی جو بدنامی اور رسوائی ہورہی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آرہی ہر کوئی اپنی ڈفلی اپنا راگ الاپ رہا ہے ارے میں کہاں چلی گئی جذباتی ہو کر اللہ سبحان وتعالیٰ خیر کرے آئیں اب چلتے ہیں آپ کے آنچل کی جانب۔

میں تمام بہنوں کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے عید نمبر اور عید نمبر ثانی کو پسند کیا آپ کی پسند ہی ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہے ہمیں آگے اور مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے آپ کے محبت نامے ہمارا سرمایہ ہیں آپ کی آرا اور تجاویز ہمیں روشنی عطا کرتی ہیں اور ہم آپ کے خطوط کے بے چینی سے منتظر رہتے ہیں اس ماہ کے شمارے کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہہ رہی کامل یقین اور بھرپور اعتماد کے ساتھ آپ کو پیش کررہی ہوں دیکھنا ہے کہ آپ کو کس قدر پسند آتا ہے۔ بہنیں نوٹ فرمالیں ستمبر کا آنچل عید الاضحیٰ نمبر ہوگا۔

اس ماہ کے ستارے

مادر اطلحہ نسیم سحر مریم فضل عباسی ام ایمان قاضی نازیہ جمال اقرا گلزار بشریٰ تنویر حمیرا علی فرحین اظفر حرا قریشی فہمیدہ غوری نرمین مرجیو۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو

قیصر آرا

# حمد

تُو ہی تھا جب کچھ نہ تھا میرے خدا
تُو رہے گا ہوگا جب سب کچھ فنا

تیری ہستی ماورائے عقل ہے رب کریم
ابتدا کوئی ہے تیری نہ کوئی ہے انتہا

ایک تیری ذات رب لم یزل
بالیقیں ہے خالق ارض و سما

تُو ہی کرتا ہے خطا سے درگزر
تُو ہی دیتا ہے مریضوں کو شفا

تُو ہے مالک تُو ہی پالن ہار ہے
تُو ہی سب کچھ سب کو کرتا ہے عطا

ذات تیری ہے رحیم و مہرباں
تُو گناہ گاروں کی سنتا ہے دعا

تُو ہمیں اپنی محبت بخش دے
ہے قمر ناچیز کی بس یہ دعا

ریاض حسین قمر

# نعت

درِ نبی ﷺ پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت کھلے گی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

اسی توقع پر جی رہا ہوں یہی تمنا جلا رہی ہے
نگاہِ لطف و کرم نہ ہوگی تو مجھ پر جینا حرام ہوگا

یہاں نہ مقصد ملا تو کیا ہے وہاں ملے گا طفیل حضرت ﷺ
نہ شامِ مطلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا

دیارِ رحمت پہ ہوگا قبضہ انہیں کا ہر سو بجے گا ڈنکا
جو حشر ہوگا تو دیکھ لینا انہیں کا سب انتظام ہوگا

انہیں شفاعت سے کام ہوگا لقب ہے جن کا شفیع محشر
ہے سب کا دار و مدار اس پر وہی مدار المہام ہوگا

کیے ہی جاؤں گا عرض مطلب ملے گا جب تک نہ مطلبِ دل
نہ شامِ مطلب کی صبح ہوگی نہ یہ فسانہ تمام ہوگا

ہوئی جو کوثر پہ باریابی تو کیفِ میکش کی دھج یہ ہوگی
بغل میں مینا نظر میں ساقی خوشی سے ہاتھوں میں جام ہوگا

حضرت کیف ٹونکی

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

مدیرہ

## سمیرا شریف طور...... گوجرانوالہ

عزیزی سمیرا! سدا سہاگن رہو آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا اور بے ساختہ دعا نے لبوں کا احاطہ کرلیا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو جلد از جلد صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور زندگی کی بہت سی خوشیوں سے ہمکنار کرے آمین۔ اسی علالت کے باعث سمیرا اس بار قسط نہیں لکھ پائیں، تمام قارئین سے بھی آپ کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے تاکہ جلد روبہ صحت ہوکر آنچل میں اپنی تحریر کے سنگ جلوہ گر ہوں۔

## عفت سحر...... گجرات

پیاری عفت! شاد و آباد رہو آپ کی ساس کی رحلت کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا اللہ سبحان وتعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ بے شک آپ کے اور دیگر اہل خانہ کے لیے یہ ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن اس نازک وقت میں صبر و شکر کا دامن تھامے رکھیں، اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔

## شازیہ مصطفی...... کراچی

ڈیئر شازیہ! سدا سہاگن رہو آپ کی والدہ کے انتقال پُرملال کے متعلق جان کر بے حد رنج ہوا ماں کی دائمی جدائی کا غم بے شک ایک بڑا سانحہ ہے اور صبر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں لیکن ہر مشکل وقت میں ہمارے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ ہر کام منجانب اللہ ہے۔ آپ اس مشکل وقت میں صبر و شکر سے کام لیں یعنی ماں کو دعاؤں کے تحائف بھیجیں، بے شک آپ کی دعائیں ان کے حق میں مستجاب ٹھہریں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔

## حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

پیاری حمیرا! سدا شاد رہو یہ جان کر بے حد دکھ ہوا کہ آپ اپنی والدہ کے مشفق سائے سے محروم ہوگئی ہیں، بے شک اپنی جنت کو کھو کر زمانے کے سرد و گرم برداشت کرنا ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ درد و غم میں، ہر خوشی میں سب سے پہلے ہمیں اسی رشتے کی یاد ستاتی ہے، ایسے نازک وقت میں آپ یقیناً افسردہ ہیں لیکن پریشان ہونے اور رونے کی بجائے ان کے لیے دعائے خیر کریں کیونکہ کے اچھے اور نیک اعمال والدین کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوتے ہیں، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی والدہ کے درجات بلند کرے اور آپ سمیت دیگر اہل خانہ کو صبر عطا فرمائے آمین۔

## پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

میں نے کل شب چاہتوں کی سب کتابیں پھاڑ دیں
صرف ایک کاغذ پر لکھا لفظ ماں رہنے دیا

عزیزی پروین! خط کے آخر میں لکھے اس شعر نے ساری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی آپ کی والدہ کی رحلت کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا بے شک والدین اللہ سبحان و تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور اس نعمت سے محرومی آپ کے لیے نہایت تکلیف دہ امر ہے۔ والد کے بعد والدہ کی دائمی جدائی ان مشکل لمحات میں ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی والدہ کے درجات بلند فرمائے اور آپ سمیت تمام لواحقین کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔

## پرنسز اقو...... تلہ گنگ

ڈیئر پرنسز! جگ جگ جیو آپ کی غیر حاضری ہم نے بھی محسوس کی، کچھ لوگ رونق محفل ہوتے ہیں آپ انہی میں سے ایک ہیں، مختصر ملاقات میں آپ کی مصروفیات کے ساتھ جڑا آنچل سے رشتہ ہمارے لیے خوشی کا باعث ہے۔ آنچل آپ کے لیے ہی سجایا جاتا ہے اس بار آپ کی نگارشات تاخیر سے موصول ہوئیں آئندہ ماہ کے لیے

سنبھال رکھیں ہیں' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو زندگی و آخرت کے ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

### بشریٰ کنول سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ

پیاری بشریٰ! خوش و آباد رہو' آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا' نیرنگ خیال میں نظموں وغزلوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے جن میں سے ہر ماہ منتخب شاعری ہم شامل کرتے ہیں' آپ سے پہلے بھی کافی لوگ اپنی باری کا انتظار کررہے ہیں' امید رکھیں ان شاء اللہ جلد ہی آپ کی نظم و غزل اپنی جگہ بنالے گی' باقی نگارشات آنچل میں صفحات کی کمی یا دیر سے موصول ہونے کی بناء پر حجاب میں جگہ بنالیتی ہیں' اس لیے مایوس ہونے کی بالکل ضرورت نہیں' دوست کا پیغام ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ماہ شامل اشاعت کرلیں گے۔

### ارم صبا...... نامعلوم

ڈیئر ارم! سدا خوش رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بزم آنچل کا حصہ بننا چاہتی ہیں اور لکھنے کا شوق رکھتی ہیں اگر آپ اس طرح کے کالمز پر لکھنا چاہتی ہیں تو ان میں سے کوئی ایک ٹاپک چن کر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرسکتی ہیں اور کام کی باتیں سلسلے کے نام سے اپنے نام اور شہر کے نام کے ساتھ ارسال کردیں اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوا تو آنچل وحجاب کی زینت ضرور بن جائے گا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کا حامی وناصر رہو' بزم آنچل میں خوش آمدید۔

### سعدیہ حورعین حوری...... بنوں' کے پی کے

ڈیئر حوری! خوش وخرم رہو' آنچل سے آپ کی وابستگی اور والہانہ محبت کے متعلق جان کر اچھا لگا' آنچل کی ہر کہانی اور دیگر سلسلے آپ کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کرتے ہیں' آپ کے یہ الفاظ ہمیں خوب سے خوب تر اور بہتر سے بہترین کے سفر کی جانب گامزن رکھتے ہیں۔ آپ کی والدہ کی برتھ ڈے اگست میں آتی ہے تو ہماری جانب سے بھی انہیں ڈھیروں مبارک باد' اللہ سبحان وتعالیٰ ان کا سایہ آپ پر سلامت رکھے اور وہ ایسے بہت سے دن اپنے بچوں کی سنگ دیکھیں' آپ کا پیغام آئندہ شامل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

### ہنزہ چوہدری...... ہری پور

عزیزی ہنزہ! سدا مسکراؤ' بے شک آپ کا کہنا بجا ہے وقت اور حالات انسان کو بہت کچھ سکھاتے بھی ہیں اور سمجھاتے بھی ہیں آپ نے جن موضوعات پر کہانی لکھی ہے وہ جلد پڑھ کر دیکھ لیں گے اگر آپ کی تحریر آنچل کے معیار کے مطابق ہوئی تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

### دلکش مریم...... چنیوٹ

ڈیئر دلکش! سدا شاد رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ عمرہ کی غرض سے ماہ رمضان میں اس مقدس شہر میں تھیں جسے دیکھنا جہاں قیام کرنا ہر کسی کی آرزو ہوتی ہے' آپ نے ہمیں دعاؤں میں یاد رکھا بے حد مشکور ہیں' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے' آئندہ ماہ تبصرے کے ساتھ ضرور شامل محفل رہیے گا۔

### سعدیہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

ڈیئر سعدیہ! سکھی رہو' سب سے پہلے تو یہ افسوس ناک خبر جان کر بے حد صدمہ ہوا کہ آپ کی جنت آپ سے دور ہوکر منوں مٹی تلے جا سوئی ہے' بے شک ماں جیسے رشتہ سے دائمی جدائی اور فرقت کی یہ گھڑیاں اور ایک ایک پل آپ کے لیے دشوار ہوگا کیونکہ ماں ایسی ہستی ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں جو ہر دکھ' ہر غم میں' ہر خوشی میں سب سے پہلے یاد آتی ہے اور جس کی یاد کبھی فراموش نہیں ہوسکتی' اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے اور والدہ کے درجات بلند کرے' آپ کا شکوہ درست ہے لیکن بعض اوقات مصروفیات یا اپنی الجھنوں میں پھنس کر انسان دیگر باتیں بھول جاتا ہے اور امید ہے آپ کا یہ شکوہ بھی اسی سبب ہے ورنہ جان بوجھ کر دیدہ دانستہ کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا' بہرحال آپ نظم ارسال کردیں آئندہ لگ جائے گی دیگر گھریلو حالات پر آپ کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو ہمت دے اور آپ دونوں کے رشتے میں انسیت ومحبت پیدا کردے آمین۔

### الفت شہباز...... نوشہرہ ورکاں

ڈیئر الفت! چاہت والفت کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ موصول ہوا، سب سے پہلے تو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کا ساتھ اگرچہ آنچل سے پرانا نہیں لیکن آپ کے والہانہ جذبات و احساسات نے اپنا تاثر خود بخود قائم کرلیا۔ بے شک آنچل کا پلیٹ فارم سب کے لیے یکساں ہے آپ بھی اپنی صلاحیتوں کو اس کے ذریعے دنیا کے سامنے منوا سکتی ہیں آپ کی غزل پڑھ لی بہتر ہوگا کہ آپ اپنی ذاتی کاوش "نیرنگ خیال" آنچل کے سلسلے کے لیے ارسال کریں اور ہر سلسلہ میں اپنا نام اور شہر کا نام ضرور لکھیں، امید ہے تشفی ہوجائے گی آنچل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ آئندہ بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

## ملالہ اسلم...... خانیوال

عزیزی ملالہ! شاد و آباد رہو، مفصل حالات پڑھ کر آپ کے تمام خیالات و جذبات کا بخوبی اندازہ ہوگیا، پھوپو کی ڈیتھ اور اس کے بعد اس مشفق ہستی سے جدائی جو آپ کے نزدیک بڑی ماں کی حیثیت رکھتی تھی یقیناً تکلیف دہ لمحات ہیں لیکن شاید اس میں بھی اللہ سبحان وتعالیٰ کی مصلحت ہوگی، اب آپ رخصت ہوکر پیا دیس سدھار جائیں گی خوشی کے ان لمحات میں ان کی دعائیں آپ کے ہمراہ ہوں گی۔ ہماری طرف سے بہت سی نیک تمنائیں آپ کی نئی زندگی کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے آمین۔

## انعم زہرہ...... ملتان

پیاری انعم! آباد رہو آپ کے خط کی ایک ایک سطر سے آپ کے رنج والم کا بخوبی اندازہ ہوگیا، بے شک آپ کے والدین اور بذات خود آپ کے لیے یہ ایک بڑی آزمائش اور کٹھن مرحلہ ہے اپنی بیٹی کے گھر کو یوں اجڑتے دیکھنا ماں باپ کی بے بسی کی انتہا ہے ویسے بھی اولاد کا دکھ سب سے بڑا ہوتا ہے اس شخص کے لیے ہدایت کی دعا ہے کہ جو اس رشتے کو طلاق کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے آپ ان مشکل گھڑیوں میں اللہ سبحان وتعالیٰ سے مدد مانگئے بے شک وہی دکھی دلوں کی پکار سنتا ہے یہ آزمائش کی گھڑیاں جلد گزر جائیں گی ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو زندگی کی بہت سی خوشیوں سے نوازے کہ آپ اپنے سارے غم بھول جائیں آمین۔

## زندگی تنویر خلیل...... پشاور

ڈیئر زندگی! شاد و آباد رہو آپ کا افسانہ "آنچل کی لاج" شائع ہوچکا ہے، غالباً آپ کی نظروں سے نہیں گزرا یا آپ نے دیکھا نہیں بہرحال دیگر افسانے جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ آپ کے بہتر حالات کے لیے دعاگو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے لکھنے کے معاملات میں آسانی عطا فرمائے آمین۔

## نورعین...... فیصل آباد

ڈیئر نورا! جگ جگ جیو، آپ سے یوں نصف ملاقات بے حد خوشگوار رہی اور آپ کی کہانی کے ڈھلنے پر بھی بے حد افسوس ہوا، بہرحال آپ نے کزن کی ڈھلائی نہیں کی یہ بہت اچھا کیا۔ ہم بھی آپ کی مجبوری کو سمجھتے کام چلا ہی لیں گے یہ ناول پڑھ کر جلد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے، امید ہے پہلے کی طرح اسے بھی سراہا جائے گا بہرحال آپ اپنے لیے شگفتہ اور دلچسپ موضوعات کو مختص کریں کیونکہ آپ کا پہلا ناول اسی وجہ سے بے حد پسند کیا گیا تھا، کوشش کریں گے کہ آپ کا آنچل کے صفحات پر جلد جگہ دی جاسکے، خوش رہیں۔

## ماہم نور انصاری...... حیدر آباد

ڈیئر ماہم! سدا شاد رہو، آپ کی ارسال کردہ دونوں تحریریں پڑھ ڈالیں "کہانی ایک صفحے کی" ہلکے پھلکے موضوع پر لکھی شگفتہ تحریر ہے لیکن جیسا کہ آپ کی امی نے کہا کہ اس سے بہتر لکھ سکتی تھیں وہی رائے ہماری بھی ہے لیکن ابھی چونکہ طفل مکتب ہے اور پہلی کاوش ہے لہٰذا غلطی کی گنجائش ہے، بہرحال اصلاحی عمل اور کانٹ چھانٹ سے گزر کر جلد اپنی جگہ بنالے گی۔ آپ کی دونوں تحریریں منتخب ہوگئی ہیں، اس کامیابی پر مبارک باد، حمیرا قریشی سے اپنے تعلق کی وضاحت کردیں تو مزید اچھا لگے گا۔

## تانیہ الطاف...... ڈھوک چراغ دین

عزیزی تانیہ! سدا مسکراؤ، تعارف جلد باری آنے پر لگ جائے گا اور پیغام بھی جلد شامل ہوجائے گا۔

### نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ، ڈسکہ

ڈیئر نورین! سدا خوش رہو آپ کی تحریر کے ساتھ نامہ موصول ہوا جس موضوع پر آپ قلم اٹھانا چاہ رہی ہیں اس کے لیے ہمارا ماہنامہ نئے افق موجود ہے آپ اپنی تحریر کا خلاصہ نئے افق میں بھیج سکتی ہیں آپ کی تحریر ”آخری گناہ“ موضوع اور انداز تحریر کسی نامور مصنفہ کی تحریر سے متاثر شدہ لگ رہے تھے جس کی بناء پر اسے قبولیت کا درجہ نہیں دے سکے جبکہ ہمت وقبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری اسی طرح کے موضوع کو اپنے مزاج کا حصہ بنائیں۔

### کنزہ مریم...... للیانی

عزیزی کنزہ! ہنستی مسکراتی رہو شگفتہ اور برجستہ انداز میں لکھا آپ کا مفصل خط پڑھ ڈالا آپ کے اس انداز نے ہمارے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی ویسے تجاویز اچھی اور قابل غور ہیں۔ آپ کی یہ تحریر ”ٹھہر گیا موسم“ منتخب ہوگئی ہے لیکن اب آئندہ سال عید نمبر میں ہی لگ پائے گی البتہ باقی تحریریں جلد شامل کرلیں گے۔ آپ کی تحریر ”کم بخت“ موصول نہیں ہوئی غالباً محکمہ ڈاک کی نذر ہوگئی ہے۔ ہماری طرف سے آپ لکھاری بن سکتی ہیں۔ محنت کے ساتھ محنت کے بعد چولہا چکی میں خود کو نہ جھونکیں لیکن اتنا ضرور سیکھیں لیں کہ لکھنے کے ساتھ ساتھ گھرداری بھی آجائے آپ مکمل ناول ارسال کردیں لیکن اسی شگفتگی اور دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھیے گا جو اس خط میں ہمیں نظر آرہی ہے تاکہ جلد اپنی جگہ بنالے موضوع کی انفرادیت اور دلچسپی آپ کے لیے بہترین اور خوش آئند ثابت ہوگی سدا خوش رہو۔

### عرشیہ ہاشمی...... ضلع کوٹلی، آزاد کشمیر

ڈیئر عرشیہ! سدا خوش وخرم رہو آپ کی تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں ”دل کے سب دروازے کھول، رانی بنی راج کرے“ اور ”پیا من چاہی“ ان میں سے کوئی بھی جلد شامل کرلیں گے اسی لیے آپ بے فکر رہیں جلد آپ کی تحریر حجاب یا آنچل کے صفحات پر جگہ بنالے گی۔

### ثناء کنول...... لودھراں

پیاری ثناء! جیتی رہو آپ کی جانب سے تین تحریریں بعنوان ”بے حس، صندل اور جگنو اور گل“ موصول ہوئیں تینوں پڑھ ڈالیں، آپ کی کہانی کا ابتدائی حصہ اچھا ہے خوب صورت الفاظ اور خوب صورت منظر کشی ہے لیکن کہانی پر گرفت کمزور ہے انداز تحریر میں وہ پختگی موجود نہیں ہے جو تحریر کو قبولیت کا درجہ دے سکے ان باتوں کو مدنظر رکھ کر قلم اٹھائیں اور کوشش کریں کہ مختصر مگر موثر لکھیں امید ہے اس ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنائیں گی اور کوشش جاری رکھیں گی۔

### انیسہ ناز تحصیل حضرو...... ضلع اٹک

پیاری انیسہ! سدا خوش رہو آپ کی ارسال کردہ تحریر ”تمہاری دید میری عید“ پڑھ ڈالی شگفتہ اور ہلکے پھلکے موضوع پر لکھی گئی یہ تحریر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب رہی لیکن چونکہ عید نمبر کے حوالے سے ہے اس لیے آئندہ عید نمبر تک آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔ اس لیے اس دوران کوئی افسانہ چاہیں تو ارسال کردیں، موضوع کی انفرادیت اور دلکشی کا خیال رکھیے گا۔

### ماہین جاوید...... نامعلوم

ڈیئر ماہین! خوش رہو ”کاماً مد“ کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اس سے مزید بہتر لکھ سکتی ہیں یہ تحریر منتخب ہوگئی ہے اسی طرح کے موضوعات پر کوشش جاری رکھیں۔

### منزہ مغل...... سرگودھا

ڈیئر منزہ! سدا آباد رہو آپ کی تحریر ”خاک ہوجائیں گے“ کے عنوان سے موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ مزید محنت ومطالعہ کے بعد مزید بہتر لکھ کر اپنا نام اور اپنی پہچان بناسکتی ہیں یہ تحریر حجاب کے لیے منتخب ہوگئی ہے جبکہ دوسری تحریر کے لیے معذرت، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے آئندہ بھی دیگر موضوعات پر طبع آزمائی جاری رکھیں۔

### زینب ملک ندیم...... گوجرانوالہ

پیاری گڑیا! آباد رہو آپ کی تحریر ”درد عشق جدائی“ موصول ہوئی اور پڑھنے کے بعد قبولیت کی سند پاگئی انداز تحریر اور موضوع کا چناؤ دوسری تحریر سے مختلف تھا جب آپ کی دوسری تحریر ”مجھے بچالے میرے خدا“ الجھاؤ کا شکار ہے اختتام بھی ٹھیک سے واضح نہیں ہے اس لیے قبولیت کی

سند حاصل نہیں کرسکتی۔

### زیبا حسن مخدوم...... نامعلوم

ڈیئر زیبا! شاد رہو آپ کی تحریر اور آرٹیکل موصول ہوگئے ہیں، جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے اگر حجاب یا آنچل کے معیار کے مطابق ہوا تو جلد اپنی جگہ بنالے گا آئندہ اپنے شہر کا نام مت بھولیے گا ویسے لگتا ہے آپ بہت بھلکڑ ہیں، کبھی کہانی کا صفحہ غائب اور کبھی شہر کا نام خوش رہیں۔

### ساریہ چوہدری...... ڈنگہ، گجرات

ڈیئر ساریہ! سدا شاد رہو "دل دریا سمندر ڈونگے" کے عنوان سے تحریر موصول ہوئی محبت کے موضوع پر لکھی یہ تحریر اپنے انداز بیاں اور خوب صورت الفاظ کی بدولت جگہ بنانے میں کامیاب ٹھہری، آپ کی یہ تحریر جلد آنچل یا حجاب کی زینت بن جائے گی یہ کامیابی مبارک ہو۔

### سلمیٰ ملک...... نامعلوم

پیاری بہن سلمیٰ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر "سحر ہوگئی" موصول ہوئی پڑھ کر انداز ہوا کہ آپ محنت کے بعد بہتر لکھ سکتی ہیں، اس لیے پہلے مختصر تحریر قلم بند کریں تاکہ لکھنے میں پختگی آئے اس تحریر کا موضوع کچھ خاص نہ تھا، اسی بناء پر قابل اشاعت میں جگہ نہیں بناسکی۔

### قابل اشاعت:۔

ڈگری، میری عید ہے بار بار، کاما آمد امید، سوہنا رب، محبت ہمسفر میری ایک ادھوری ادھوری کہانی، آفتاب، نیلم تم پا از الی دل جلی، ملنے کے نہیں نایاب ہیں، کہانی ایک صفحے کی، دل کے سب دروازے کھول، تم ملو تو عید ہو، وہ ہر امعیار، خاک ہوجائیں گے محبتاں ان کہا قصہ، وحشی آنکھیں تم آؤ تو عید کریں۔

### ناقابل اشاعت:۔

فلک چاند اور تارا، سفر تنہا نہیں کرنا، ایک لمحہ، یہ کیسی چھاؤں، خالی گیلری، گل بے حس، صندل اور جگنو، عروج عمر میری سوچ کا، وہ پہلا تاثر، محافظ ٹائم پاس سوچ کا، درد استحصال، زندگی کیا ہے، وفا ہے ذات عورت کی، معذوری، تصور کو حقیقت سے پرکھ، سائے، اے عشق بھلا میری توقیر کیا، محبت خواب اور سمندر، محبت ذات تمہاری سی، ج سے جنید، عورت زمیں، مرد آسماں، مجھے بچالے میرے خدا، سحر ہوگئی، عنایہ کی عید، خواب نگر، عید ہماری گلیوں، عید اپنوں کے سنگ، عشق دیوانہ، محبت کی جیت، پاک نشیمن، اعتبار محبت، دی ڈول، میری ادھوری سوچ، ڈھلتا سورج، گڈو کی گڈی، کبھی دھوپ کبھی چھاؤں، وقت دعا، تحفہ عید کا، احساس زیاں، دھرتی تیرے جانثار، درگزر، یہ رسالے، چودہ طبق روشن، بلا عنوان، دریا برد، تیرے سنگ یارا، قبر، سارا شہر گلاب ہوا، رانگ نمبر، موم اور پتھر، انمول محبت۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ

# الکوثر

مشتاق احمد قریشی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت اللعالمین ہیں انہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اُس سخت دن یعنی قیامت کے دن محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نیک و صالح لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ رحمت میں ہوں گے سورۃ الحج کی تفسیر میں بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس روز حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) افراد جہنم کے لیے نکال دیں یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے صرف عذاب کی شدت ہوگی یہ بات سن کر صحابہ کرام گھبرا گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ۹۹۹ یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں صرف ایک ہوگا تمہاری تعداد لوگوں میں اس طرح ہوگی جیسے سفید رنگ کی بیل کے پہلو میں کالے بال یا کالے رنگ کی بیل کے پہلو میں سفید بال مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو گے یہ بات سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے چہرے کھل اٹھے اور مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کرنے لگے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحج)

ترجمہ۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے، کافر کہتے ہوں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔ (سورۃ القمر۔۸)

اس روز لوگ ننگے بدن، ننگے پاؤں، نامختون ہوں گے۔ پھر تم ایک ہی جگہ ستر سال کے برابر اُگے رہو گے (اللہ تعالیٰ) نہ تمہاری طرف دیکھے گا اور نہ ہی تمہارے درمیان کوئی فیصلہ کرے گا پس تم روؤ گے حتیٰ کہ تمہارے آنسو ختم ہو جائیں گے پھر تم خون کے آنسو بہاؤ گے، پھر تم پسینہ بہاؤ گے جو تمہارے منہ تک پہنچے گا یا ٹھوڑی تک تو تم چیخ و پکار کرو گے اور کہو گے کہ ہمارے رب کے سامنے ہمارے لیے کون شفاعت کرے گا تاکہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنا شروع کریں؟ پھر کہیں گے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے علاوہ اس کا کون حقدار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ ان میں اپنی روح پھونکی ہے اور اپنے سامنے ان سے بات کی ہے چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، تقاضا کریں گے، مگر وہ انکار کر دیں گے اور کہیں گے، میں اس لائق نہیں ہوں۔ وہ ایک ایک کر کے تمام انبیاء کرام کے پاس جائیں گے جب بھی کسی نبی کے پاس جائیں گے وہ انکار کر دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حتیٰ کہ وہ میرے پاس آئیں گے تو میں چل پڑوں گا یہاں تک کہ فحص کے مقام پر آ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ فحص کیا ہے؟ ارشاد فرمایا عرش کے سامنے ایک جگہ ہے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجیں گے جو میرے بازو پکڑ کر کہے گا اے محمد، میں عرض کروں گا جی لبیک یا رب (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر) وہ فرمائیں گے آپ کا کیا حال ہے؟ جب کہ وہ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔ میں عرض کروں گا یا رب آپ نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا اور اپنی مخلوق کی شفاعت کرنے کا حق دیا تھا آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیے۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے آپ کی شفاعت قبول کی میں ان کے پاس آتا ہوں اور ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں لوٹ کر لوگوں کے پاس آ ٹھہروں گا چنانچہ سب اسی حالت میں ٹھہرے ہوں گے کہ ہم اچانک ایک آواز سنیں گے پھر آسمان والے زمین کے جنات و انسانوں کے پاس نازل ہوں گے جب وہ زمین کے قریب پہنچیں گے تو زمین ان کے نور سے جگمگا اٹھے گی یہ صف باندھ کر کھڑے ہوجائیں گے ہم ان سے کہیں گے کیا ہمارا رب تم میں سے ہے؟ وہ کہیں گے نہیں وہ ابھی آتے ہیں۔ پھر ہر آسمان والے اسی طرح سے یکے بعد دیگرے دوگنے ہو ہو کر نازل ہوتے رہیں گے۔

ترجمہ۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ بادل کے سایوں اور فرشتوں میں اُتریں گے۔ (سورۃ البقرۃ۔۲۱۰)

ترجمہ۔ اور تیرے پروردگار کے عرش کو اُس دن آٹھ فرشتوں نے اُٹھا رکھا ہوگا۔ (سورۃ الحاقۃ۔۱۷)

ان میں سے چار کے قدم زمین کی جڑ پر اور زمین و آسمان اُن کی کمر پر ہیں اور عرش ان کے کندھوں پر ہے۔ وہ بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح ادا کر رہے ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ جہاں چاہیں گے اپنی کرسی بچھائیں گے پھر اونچی آواز میں فرمائیں گے۔ "اے گروہ جن و انس! میں نے جس دن سے تمہیں پیدا کیا ہے اُس دن سے اِس دن تک تمہاری خاطر خاموش رہا تمہاری باتوں کو سنتا رہا اور تمہارے اعمال دیکھتا رہا اب تم میری طرف خاموشی سے توجہ کرو یہ تمہارے اعمال اور صحیفے ہیں ان کو خود پڑھو جو خیر پائے اللہ کا شکر ادا کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ اپنے نفس کے علاوہ کسی کو ملامت نہ کرے۔" پھر اللہ تعالیٰ جہنم کو حکم دیں گے تو اس سے ایک بلند تاریک گردن نکلے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ حکم دیں گے۔

ترجمہ۔ اے مجرمو! آج الگ ہوجاؤ اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کردی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ (سورۃ یسین۔۶۰)

بس اللہ تعالیٰ تمام گمراہ لوگوں کو الگ کردیں گے اور ایک پکارنے والا ہر امت کو اس کی کتاب کی طرف پکارے گا اور ہر امت الگ الگ ہوجائے گی تمام امتیں اس وقت ہولناکی کے باعث گھٹنوں کے بل گری ہوں گی (اس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے۔)

ترجمہ۔ اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت رانوں کے بل گری پڑی ہوگی۔ ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ (سورۃ الجاثیہ۔۲۸)

آیت مبارکہ میں وضاحت کی جارہی ہے کہ میدانِ حشر کا ایسا ہول اور عدالت الٰہی کا ایسا رعب لوگوں پر طاری ہوگا کہ لوگ عاجزی و انکساری سے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور جو جو اعمال دنیا میں کئے ہوں گے وہ سب کو تھما دیں جائیں گے اور تمام لوگ اپنے اپنے فیصلے کے منتظر ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ جن و انسان کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور وحشی جانوروں اور غیر وحشی جانور میں فیصلہ کریں گے۔ یہاں تک کہ بے سینگ اور سینگ والے جانوروں کا حساب کردیں گے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ تمام دیگر مخلوقات سے فارغ ہوجائیں گے تو ان کو حکم دیں گے کہ مٹی ہوجاؤ اس وقت کافر تمنا کرے گا کاش میں بھی مٹی ہوجاؤں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ شروع کریں گے۔ سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا پھر جہاد کا ہر مقتول پیش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مقتول (کافر) کو حکم دے گا تو وہ اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا جس سے خون بہہ رہا ہو گا۔ وہ استغاثہ کرتے ہوئے کہے گا یارب اس نے مجھے کس وجہ سے قتل کیا تو اللہ تعالیٰ قاتل سے پوچھیں گے جب کہ وہ خوب جانتے ہوں گے تو نے اس کو کیوں قتل کیا؟ تو وہ عرض کرے گا یارب میں نے اس کو اس لیے قتل کیا کہ تیرے دین کا غلبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے سچ کہا تو اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ آسمانوں کے نور سے منور کردیں گے پھر فرشتے اس کو جنت میں لے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ہر اس مقتول کو حکم دیں گے جو اس وجہ کے علاوہ قتل کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ وہ مقتول بھی

اپنا سر اٹھا کے پیش ہوگا۔ اس کے سر سے خون بہتا ہوگا اور عرض کرے گا یارب اس نے مجھے کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے اسے کیوں قتل کیا تھا؟ وہ کہے گا یارب اس کو اس لیے قتل کیا تھا کہ مجھے عزت و غلبہ حاصل ہو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو ہلاک ہوگیا پھر ہر شخص جس کو کسی نے ناحق قتل کیا ہوگا اس کو بدلے میں قتل کیا جائے گا اور ہر ظلم کا بدلہ لیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی اگر چاہے تو عذاب دے چاہے تو رحم فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی باقی ماندہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کرے گا یہاں تک کہ کسی پر کسی کا کوئی ظلم باقی نہیں رہے گا۔ ظالم سے مظلوم کا حساب چکا دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ دودھ میں پانی ملانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دودھ کو پانی سے الگ کرے پھر جب اللہ تعالیٰ اس سے فارغ ہوں گے تو ایک منادی ایسی ندا کرے گا جس کو سب مخلوقات سنیں گی وہ کہے گا ہر قوم اپنے اپنے خداؤں کے ساتھ جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھیں مل جائیں۔ چنانچہ جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کی ہوگی اس کے لیے اس کے سامنے اس معبود کی صورت بنادی جائے گی۔ اس دن فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی شکل حضرت عذیر علیہ السلام کی بنادی جائے گی اور ایک فرشتے کی شکل حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بنادی جائے گی چنانچہ یہودی اور عیسائی ان کے پیچھے چل پڑیں گے پھر ان کے یہ معبود انہیں جہنم کی طرف لے جائیں گے ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ۔ اگر واقعی یہ معبود ہوتے تو اس دوزخ میں کیوں جاتے اور یہ سب کے سب اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ الانبیاء۔ ۹۹)

پھر جب کوئی (مشرک ظالم) نہیں بچے گا صرف مومن رہ جائیں گے اس میں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس حالت میں چاہیں گے آئیں گے اور فرمائیں گے۔ ”اے لوگو! سب لوگ چلے گئے تم بھی اپنے خداؤں کے ساتھ مل جاؤ جن کی تم عبادت کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے اللہ کی قسم اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہم غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان سے منہ موڑ لیں گے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ جتنی دیر چاہیں گے اسی حالت میں رہیں گے پھر ان کے پاس آکر فرمائیں گے اے لوگو! باقی لوگ چلے گئے تم بھی اپنے معبودوں کے پاس چلے جاؤ جن کی تم عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے اللہ کی قسم اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہم غیر اللہ کی پوجا نہیں کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی مبارک سے پردہ ہٹائیں گے اور ان کے سامنے تجلی فرمائیں گے اور ان کے لیے اپنی عظمت کا اظہار فرمائیں گے جس سے وہ لوگ پہچان لیں گے وہ ان کا رب ہے پھر وہ اپنے چہروں کے بل سجدہ ریز ہوں گے اور پھر منافق اپنی گدی کے بل گر جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں کو بیل کے سینگ کی طرح سخت کردیں گے پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم دیں گے تو وہ اپنے سر اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ جہنم کی پشت پر پل صراط نصب کریں گے جو بال کی طرح یا تلوار کی دھار کی مانند ہوگا اس پر لوہے کے کنڈے اچک لینے والے اور سعدان (ایک کانٹے دار جھاڑی جسے اونٹ شوق سے کھاتے ہیں) کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے اس کے نیچے پھسلنے والا پل ہوگا اس سے مومن پلک جھپکنے یا بجلی چمکنے یا ہوا کے جھونکے کی طرح یا عمدہ گھوڑے یا عمدہ تیز رفتار دوڑنے والے شخص کی طرح سے گزریں گے اور کوئی زخم زخم لہولہان ہوکر منہ کے بل جہنم میں جا گرے گا۔ جب جنتی جنت تک پہنچ جائیں گے تو کہیں گے ہمارے رب کے پاس کون ہماری شفاعت کرے گا تاکہ ہم جنت میں داخل ہوجائیں؟ پھر کہیں گے اس شفاعت کرنے کا تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ کون حقدار ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی ان سے دوبدو گفتگو کی اپنے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا چنانچہ سب حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور شفاعت کا مطالبہ کریں گے تو وہ اپنی لغزش یاد کریں گے اور کہیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے سب سے پہلے رسول ہیں چنانچہ پھر سب حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اس کا مطالبہ کریں

گے تو وہ اپنی لغزش یاد کریں گے اور کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ اللہ نے ان کو اپنا دوست بنایا تھا چنانچہ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے ان سے مطالبہ کریں گے تو وہ اپنی لغزش یاد کریں گے اور کہیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب عطا کیا تھا ان سے سرگوشی کی ان سے کلام فرمایا آپ پر تورات اتاری تو وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور مطالبہ کریں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں تم روح اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے پاس جاؤ تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے مطالبہ کریں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میری پروردگار کے پاس تین شفاعتیں ہوں گی۔ جن کی قبولیت کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ میں جنت کے پاس آؤں گا اس کے حلقہ در کو پکڑوں گا پھر اس کو کھلواؤں گا میرے لیے دروازہ کھولا جائے گا اور مجھے خوش آمدید اور مرحبا کہا جائے گا جب میں جنت میں داخل ہوؤں گا تو اپنے رب عزوجل شانہ کو دیکھوں گا تو میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اپنی تعریف اور بزرگی بیان کرنے کی اجازت دیں گے ایسی اجازت اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دی، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ سوال کرو عطا کیے جاؤ گے، جب میں سر اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جب کہ ان کو خوب علم ہے تیری کیا ضرورت ہے؟ میں عرض کروں گا یا رب آپ نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا پس آپ جنتیوں کے لیے میری شفاعت قبول فرمائیں تاکہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے ان کے حق میں آپ کی شفاعت قبول کرلی اور ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ (تفسیر ابن جریر طبرانی، تفسیر ابن کثیر، ابن ابی حاتم، مسند ابو یعلیٰ، البدور السافرۃ، امام جلال الدین سیوطی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ ''اے لوگوں تم روز قیامت اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے کے لیے ننگے پاؤں، بے لباس اور نامختون اٹھو گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کما بدانا اول خلق نعیدہ (ترجمہ) جس طرح سے ہم نے ابتدائی تخلیق کی تھی اسی طرح سے (دوبارہ قبروں سے) اٹھائیں گے۔ پھر مخلوقات میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوشاک پہنائی جائے گی۔ ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت لوگ ننگے پاؤں اور غیر مختون (بغیر ختنہ کے) اٹھیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے نہیں ہوں گے؟ فرمایا اے عائشہ معاملہ اس دن بہت سخت ہوگا ایک اور حدیث حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو قیامت میں ننگے پاؤں، ننگے بدن اٹھایا جائے گا۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوگا بعض بعض کو دیکھے گا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اس طرح آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (مسند احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، درامی، البدور السافرۃ)

(جاری ہے)

## حمیرا رشید

آنچل کے تمام قارئین، رائٹرز اور اسٹاف کو میرا پرخلوص اور محبت بھرا سلام قبول ہو دعا ہے کہ آنچل ہمیشہ مختلف خوشبوؤں سے مہکتا رہے اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ کون ہے جو محفل میں گھسی آرہی ہے تو ڈیئر قارئین آپ کو پتا بھی کیسے چلے گا کیونکہ ابھی تو میں نے اپنے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں تو جناب لوگ مجھے حمیرا رشید کے نام سے جانتے ہیں۔ ہم کاسٹ کے اعتبار سے انصاری ہیں، مجھے اپنی کاسٹ سے بہت پیار ہے۔ دسمبر 1989ء کو میاں چنوں کے خوب صورت گاؤں میں پیدا ہوئی، ہمارا گاؤں خوب صورت اس لیے ہے کہ یہ آس پاس کے تمام گاؤں سے زیادہ اچھا اور بڑا ہے اور تھوڑا تھوڑا ماڈرن بھی ہے۔ میرا اسٹار کیا ہے؟ کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی جب یقین ہی نہیں تو جاننے کا کیا فائدہ؟ ہم چھ بہن بھائی ہیں جن میں مجھے سب سے چھوٹی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لاڈلی ہوں لیکن کچھ کچھ دراصل میرے بھائی بہت ظالم ہیں نا یوں سمجھ لیں کہ پری ظالم دیوؤں کی قید میں ہے (ہائے ظلم کی انتہا) دو بھائی اور ایک سسٹر شادی شدہ ہے اب یہ بھی بتادوں کہ میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں لیکن پڑھتی بہت کم ہوں لیکن میرے بھائی جو اٹامک انرجی میں جاب کرتے ہیں مجھے اور چھوٹے بھائی کو پڑھائی کے معاملے میں ذرا رعایت نہیں دیتے۔ بڑی بے عزتی کرتے ہیں جو مجھے لگتی بھی بہت ہے، خود سائنس دان ہیں تو سب گھر والوں کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں ویسے بڑے کیئرنگ ہیں اور ان کی بیگم تو بہت ہی زیادہ کیئرنگ ہیں (وی مس یو آپی)۔ اب بات ہوجائے خامیوں کی تو جناب خامی ڈھونڈنے سے ایک آدھ مل ہی گئی ہے کہ پڑھتی ہوں جو کہ آپ کو پہلے سے پتا ہے۔ غصہ بہت زیادہ اور بہت جلد آتا ہے (پتا نہیں کیوں) اور سب گھر والوں سے ہر وقت خفا رہی رہتی ہوں، جس پر ہنسی بھی بہت آتی ہے ویسے میری امی کو مجھ میں بہت خامیاں نظر آتی ہیں۔ خوبیوں کے بارے میں بھی بتادیتی ہوں، حساس بہت ہوں، ڈرتی بھی بہت ہوں۔ کسی کا برا نہیں سوچتی، میری سوچ بہت مثبت ہے، مغرور اور خود پرست لوگوں سے انتہا کی حد تک نفرت ہے، تنہائی پسند ہوں۔ بہت زیادہ ہنگامہ خیزی اچھی نہیں لگتی لیکن جب سب کزنز ساتھ ہوں تو سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے، خود خاموش طبع ہوں لیکن باتونی لوگ پسند ہیں۔ سردیوں کا موسم اچھا لگتا ہے، دسمبر کی سردی ہائے کیا بتاؤں، دوستوں کے معاملے میں بہت غریب ہوں مدرسے میں کبھی میری ایک دوست جواب تو مجھے بھول گئی ہوگی لیکن میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ صائم! میری بہت اچھی دوست اور میری کزن بھی ہے اور دسمبر میں اس کی شادی ہورہی ہے۔ بائیک کا سفر اچھا لگتا ہے، آئس کریم اور چاکلیٹ کھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہوں، کھانے میں سب کچھ کے علاوہ "کچھ کچھ" کھالیتی ہوں۔ کوکنگ کا بہت شوق ہے، مجھے پنک اور براؤن کلر بہت پسند ہے، جیولری میں صرف نیل پالش اور سادہ سی رنگ اچھی لگتی ہے۔ ہیوی جیولری پسند نہیں یوں لگتا ہے جیسے ٹرک لوڈ کیا ہو بارش میں نہانا پسند ہے۔ موسیقی میں مجھے آج کل کے بکواس سونگز بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔ سنگرز گاتے کم اور منہ زیادہ پھاڑتے ہیں ارے میں یہ تو بتانا بھول گئی کہ آنچل سے ہمارا تعلق بہت پرانا ہے، اتنا پرانا کہ جب سے ہوش سنبھالا گھر کے ہر کمرے میں آنچل اور مختلف رسالوں کو ہی پایا، فیورٹ رائٹرز میں سعدیہ اہل، نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور شامل ہیں ویسے سدرہ سحر عمران کو بھی پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ اب میں اپنا تعارف ختم کرتی ہوں اس نعرے کے ساتھ کہ جیو اور جینے دو اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھیے گا اور دعاؤں میں یاد رکھنا۔

## صفانا خان

السلام علیکم! آنچل کی آل ٹیم ارے حیران و پریشان نہ ہو واقعی یہ میں ہوں مجھے صفانا خان کہتے ہیں۔ گھر والے پیار

سے صفو کہتے ہیں گھر میں لاڈلی جو ہوئی سب کی۔ میں 11 نومبر 1994ء کو شہر خوشاب میں پیدا ہوئی ہم تین بہن بھائی ہیں سب سے بڑی بہن پھر بھائی اور سب سے لاسٹ پیس میں ہوں میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد خوشاب ڈگری کالج سے ایف اے کررہی ہوں۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے مجھے آنچل پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے پانچویں کلاس سے آنچل پڑھنا شروع کیا تھا اور اب تک پڑھتی ہوں اور ان شاء اللہ پڑھتی رہوں گی۔ سردیوں کا موسم بہت اٹریکٹ کرتا ہے بستر میں بیٹھ کر آنچل پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے کلرز میں مجھے ریڈ براؤن گرین اور پنک رنگ بہت اچھا لگتا ہے۔ بارشوں کا موسم بھی بہت پسند ہے اور بارش میں بھیگنا تو اور بھی زیادہ اچھا لگتا ہے۔ پھولوں میں مجھے گلاب اور موتیے کی خوشبو پسند ہے۔ کھانے میں بریانی بھنڈی اور گوبھی بہت پسند ہے۔ مجھے جیولری تو بہت پسند ہے لیکن پہنتی بہت کم ہوں اور سادہ رہنا پسند کرتی ہوں کیونکہ سادگی خود ایک حسن ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقدس رشتہ مجھے ماں اور بیٹی کا لگتا ہے۔ میری امی بہت اچھی ہیں وہ ایک ہاؤس وائف ہیں اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف چلئے کیا یاد رکھیں گے۔ پہلے خوبیاں ہی بتادوں سب سے پہلے پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی رہتی ہوں غصہ آتا ہے لیکن جلد ہی بھاگ جاتا ہے کوکنگ کے علاوہ باقی سبھی کام کرلیتی ہوں۔ بڑوں کا ادب کرتی ہوں بہت حساس دل ہوں کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ اب آتے ہیں خامیوں کی طرف چلئے بتا ہی دیتی ہوں خامیاں تو بہت کم ہے وہ بھی چند ایک کھانا پکانا نہیں آتا کوشش تو بہت کرتی ہوں مگر پکا نہیں پاتی۔ باقی تو میرا خیال ہے ساری خوبیاں ہی خوبیاں ہیں مجھ میں۔ شعروشاعری سے بہت لگاؤ ہے یوں ہی سمجھ لیجیے کہ وراثت میں ملی ہے۔ ٹیچرز میں میری بہترین ٹیچر مس حافظہ مس بلقیس بدر مس رفعت مس عظمی ہیں اور میری اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ یہ جہاں بھی رہے ہمیشہ خوش وخرم رہیں آمین۔

سردیوں میں آئس کریم کھانا بہت اچھا لگتا ہے گفٹ دینا اور دونوں پسند ہے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے میرا پسندیدہ شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے اور ایران عراق مصر وغیرہ دیکھے تو کبھی نہیں لیکن دیکھنے کا شوق بہت ہے اور آپ سب دعا ضرور کیجیے گا کہ میرا یہ شوق جلد از جلد پورا ہو سمندر کو دور سے دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ بچے اور گھریلو لوگ بہت پسند ہیں منافق لوگوں سے سخت نفرت ہے جو اندر سے تو کچھ اور ہوتے ہیں اور باہر سے کچھ اور ہوتے ہیں میں نے کبھی بھی کسی معاملے میں ضد نہیں کی۔ میں بڑی خوش مزاج ہوں موڈ ہوا تو خود بھی ہنس لیا اور دوسروں کو بھی ہنسالیا کیا کریں جی ہنسنے اور ہنسانے کے بغیر گزارا ہی نہیں۔ کپڑوں میں شلوار قمیص اور لمبا سا دوپٹہ بہت پسند ہے۔ میں نے اسکول کی لائف کو بہت انجوائے کیا اور کالج کی لائف کو بھی اتنا ہی انجوائے کررہی ہوں سچ میں کالج میں دوستوں کے ساتھ بہت مزا آتا ہے میری کزنز میں مہناز فائزہ مونا تحریم عائشہ سارہ سعدیہ اور لائبہ ہے۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میں بہت مغرور ہوں مگر سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے زیادہ بولنا پسند نہیں ہے۔ اگر رائٹرز کی بات کی جائے تو مجھے فرحت اشتیاق نمرہ احمد فائزہ افتخار اور جبیں سسٹرز کی اسٹوریز بہت پسند ہیں چاند کو دیر تک تکنا بہت اچھا لگتا ہے اور چاندنی راتیں تو اور بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔ فروٹ میں مجھے آم اور مالٹے بہت پسند ہیں۔ میٹھے میں کھیر بہت پسند ہے مہدی حسن نصرت فتح علی خان راحت فتح علی کے گانے بہت پسند ہے۔ بہت کھلے دل کی مالک ہوں اور فضول خرچ بھی بہت ہوں۔ خوب صورت چیزیں بہت اٹریکٹ کرتی ہے خواہ وہ کوئی خوب صورت منظر ہو یا کوئی انسان یا پھر کوئی بھی گھریلو استعمال کی اشیا ہو۔ کھیلوں میں فٹ بال اور کرکٹ بہت پسند ہے اگر آپ کو میرا تعارف اچھا لگا تو ضرور بتایئے گا اپنا خیال رکھیے گا اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو یا میری کسی بات سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو پلیز معاف کردیجیے گا اور ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھیے گا دعائیں تو امانت ہوتی ہے اور امانت میں خیانت نہیں کی جاسکتی اللہ حافظ۔

## ماہم نور انصاری

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب ہی بخیر وعافیت سے ہوں گے وقت کی تیز رفتار گھڑیوں کی سوئیاں آگے تو بڑھ رہی ہوں گی مختلف قسم کی مصروفیت کی صورت لیکن یہ سچ ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس سے کبھی غافل نہیں ہوتا جیسے آپ اور میں ہمارے آنچل سے شادیوں کے ہنگامے ہوں یا امتحانات کے ایام میں کورس کی کتابوں کے اندر چھپا کر پڑھنے کے بہانے' کچن کی سلیب پر رکھ کر کھانا پکاتے ہوئے پڑھنا پڑے یا سردیوں میں رضائی کے اندر گھس کر آنچل کا اور ہمارا ساتھ کبھی نہیں چھوٹا یقیناً آپ سب ہی کم وبیش اسی قسم کے حالات سے گزرتے ہوں گے ہیں ناں؟ لیکن دیکھ لیں ان ساری جدوجہد کا صلہ کتنا خوب صورت ملتا ہے' اندر تک شاد کردینے والی کہانیاں جو کبھی نازی آپی تو کبھی عشنا آپی تو کبھی عزیز از جان فاخرہ گل کے قلم سے نکلتا سحر ہے چلیں اب آتے ہیں تعارف بڑا کثر لوگ کہتے ہیں نام میں کیا رکھا ہے لیکن میں آپ سے کہوں گی' جناب یہاں تو سب کچھ نام ہی میں رکھا ہے۔ ماہم نور چودھویں کے چاند کی چاندنی۔ ماہم نور کو سمجھنا ہے تو چاند کی حقیقتوں پر غور کرلیں جسے دیکھتے سب ہیں پسند بھی کرتے ہیں کچھ صرف ایک نظر دیکھتے ہیں اور خود میں گم ہوکر رہ جاتے ہیں' کچھ رشک سے دیکھتے ہیں اور ساری رات دیکھتے رہتے ہیں کچھ بدگمانی میں ظالم اور گونگا بھی کہہ بیٹھتے ہیں لیکن وہ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے۔ لیکن خود پور پور اسی پر کھلتا ہے جو اس سے محبت کرتا ہے' کروڑ میل دور چاند کی باتیں صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں چاند سے جذبات ہوں گے۔ صاف وشفاف' اجلے دمکتے ماہم نور کی ادنیٰ سی ذات بھی ایسی ہی ہے ہر ایک پر نہیں کھلتی' خود کو کھلی کتاب سے ہرگز تشبیہ نہیں دوں گی کیونکہ ہر ایک کو اپنی کتاب زندگی پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ جسے ہم میں دلچسپی ہی نہ ہو اس کے سامنے کھل کر کیا کرنا' دوسروں کے احساسات کی پروانہ کرنے والے لوگ' دوسروں پر بلاوجہ رعب جمانے والے' جھوٹ' منافقت' ریاکاری' بداخلاقی کے پیروکار لوگوں کو سخت نہ پسند کرتی ہوں' حسن سے زیادہ ذہانت کی قائل ہوں۔ خامیاں بے شمار ہیں' خوبیوں کی تلاش جاری ہے ویسے تو نان اسٹاپ بولنے کی عادی ہوں لیکن چاندنی راتیں' لائٹ خوشبو' مسکراتی آنکھیں' بارش کے بعد بکھرے قوس قزح کے رنگ' دیر تک خاموش رہنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ سادگی بہت پسند ہے' میک اپ اور فیشن کی دلدادہ لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں کیونکہ میرے خیال میں سادگی میں وقار وپاکیزگی جھلکتی ہے' کھانے میں نخرے بہت ہیں دراصل مجھے دال سے بنی کسی بھی ڈش سے خاص قسم کا بیر ہے پتا نہیں کیوں کتنی بھی اچھی ہو مجھ سے کھائی نہیں جاتی۔ دین ووطن پر جاں نثار کرنے والے لوگ پسند ہیں' پاکستان ایک عشق ایک جنون اس کے دشمنوں سے سخت نفرت ہے اسی لیے ان کی کلچر کیا ان کی باتیں کرنا بھی پسند نہیں' لکھنے کا شوق وراثت میں ملا ہے' بچپن میں بچوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے اب معاشرتی حقائق وضرورت وقت پر تخلیقی عنصر بڑھتا جارہا ہے دن و رات کا فرق بھلائے لکھنے اور مطالعہ وسیع کرنے میں وقت گزرتا ہے کیونکہ لکھنا میرا جنون ہے۔ اسلامی اور تاریخی موضوعات پر مبنی کتابیں پڑھتی ہوں' مسکراتے بچوں پر بے ساختہ پیار آجاتا ہے دراصل مجھے مسکراتے چہرے بہت بھاتے ہیں کسی کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ کچھ عرصے پہلے دوستوں کی فہرست خاصی طویل ہوا کرتی تھی لیکن یہ سچ ہے کہ وقت سے زیادہ تیزی سے لوگ بدل جاتے ہیں اور اسی سچ نے یہ سمجھادیا کہ دوست کم ہوں لیکن اچھے ہوں "دل" جیسی نایاب شے کے قدردان ہوں اور میں اللہ کا بہت شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے ایسے دو دوست دیئے ایک میری پیاری امی اور دوسری میری جان ماریہ شیخ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ دونوں ہمیشہ میرے ساتھ رہیں ویسے ایک اور دوست تیار ہورہی ہے میری جو ابھی صرف گیارہ ماہ کی ہے میری بھتیجی (ام ایمن نور)۔ ویسے آپ لوگوں کو معلوم ہے یہ پڑھتے ہوئے مجھے کوئی مسلسل گھور رہا ہے ہاہاہا۔ جی ہاں میری سویٹ بہن رباب ورشا' بہن پلس لڑاکا دوست آخر میں

میرے چار بڑے بھائی، میرے ابو آپی اور بھابی اور لوگ کزنز کا ذکر جن سے مجھے بے حد پیار ہے۔ ماہم نور آپ سب کے بنا وہ کچھ بھی نہیں ہے اور آپ سب کا بہت شکریہ جو آنچل فرینڈز میں ایک نئے اضافے کا ویلکم کیا، اکیسویں صدی کے تیز رفتار دور میں ایک دائرے میں مقید ماہم نور اگر آپ کو اچھی لگی تو پلیز مسکرا دیجیے ضرور کیونکہ شہر محبت (حیدر آباد) میں بسنے والی ماہم نور دوسروں کی مسکراہٹوں کے سہارے ہی جیتی ہے۔ ایسے ہی لوگ تو زندگی کا حاصل ہیں نور درد دل بھلائے جو مسکرا کے جیتے ہیں، اللہ تعالیٰ میرے وطن کو دشمن کی بری نگاہ سے بچائے آنچل کو دن و رات ترقی عطا فرمائے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

## عکس فاطمہ

السلام علیکم! جی تو ہم آپ لوگوں کو اپنے آپ سے ملواتے ہیں تو جناب قارئین ما بدولت کا نام عکس فاطمہ ہے۔ سب ہمیں عکس یا پھر فاطمہ کہتے ہیں، ڈیرہ غازی خان کی تحصیل تونسہ سے تعلق ہے، ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے، مجھ سے بڑی بہن ہے پھر میں ہوں اور میرے بعد (لٹل اسٹار) میرا بھائی عباد ہے، میری بہن انابیہ کو مجھ سے بہت محبت ہے جبکہ عباد ہر وقت تنگ کرتا ہے، میں دونوں سے پیار کرتی ہوں، میری مما دنیا کی سب سے سویٹ اینڈ کیوٹ مما ہیں، انابیہ نے ایم اے انگلش کیا ہے اور میں ایم ایس سی کے فائنل ائیر میں ہوں اور ملتان کے ہاسٹل میں رہائش ہوتی ہے، عباد (میرا کیوٹ بھائی) میڈیکل کے تھرڈ ائیر میں ہے۔ میں اسے ہینڈسم اور انابیہ اسے چاکلیٹی بھائی کہتی ہے۔ میں اور عباد جب بھی اپنے گھر جاتے ہیں تو مما اور انابیہ ہمیں ہل کر پانی بھی نہیں پینے دیتے۔ آنچل میں نے تقریباً دو تین سال سے پڑھنا شروع کیا ہے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" چل رہا تھا تب سے میں فرینڈ زرش اسے پڑھتی تھی مجھے کہتی "عکس یار! میری ہم نام کہانی کی ہیروئن ہے پڑھ کر تو دیکھو" میں کہتی "سوری زرش! اتنی مف پڑھائی میں ڈائجسٹ نہیں پڑھ سکتی ہاں ایگزام کے بعد تم سے یہ تمام ڈائجسٹ لے کر گھر جا کر سکون سے پڑھوں گی" پھر جب میں نے ایک بار پڑھا تو پھر ہر ماہ کا آنچل لینے لگی۔ انابیہ بھی فارغ ہوتی ہے تو وہ نیٹ سے پڑھ لیتی ہے جبکہ میں ہاسٹل میں منگواتی ہوں اور میں اور زرش مقابلہ لگاتی ہیں کہ کون پہلے ڈائجسٹ ختم کرتا ہے۔ ویسے خوبیوں کی بات کی جائے تو زرش کہتی ہے عکس تم بہت ہی مخلص لڑکی ہو، انابیہ کہتی ہے حساس اور انا پرست ہو۔ عباد کہتا ہے لڑاکا طیارہ ہو، ایک بات کہو دس جواب دیتی ہو۔ مما کہتی ہیں عکس میرا پیارا بچہ ہے (وہ تو میں ہوں، ہے ناں عباد)۔ پاپا کہتے ہیں فاطمہ مجھے اپنی سب اولاد سے زیادہ پیاری ہے، اتنی تعریف سن کر میں عباد کو چڑانے والے انداز میں دیکھتی ہوں (عباد برے برے منہ بناتا ہے) اپنے گھر والوں سے بے لوث محبت ہے۔ پاپا اور مما نے ہمیں بہت پیار دیا لیکن ہم نے کبھی اس پیار کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا میری کچھ کزنز کہتی ہیں مغرور ہو (جبکہ میرے خیال سے تو نہیں ہوں) اپنے کام میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں۔ پاپا کبھی کبھی "ناٹی گرل" بھی کہتے ہیں، مما سویٹ بے بی کہتی ہیں۔ انابیہ کو میں انا کہتی ہوں، وہ مجھے "انو" بلاتی ہے، جب روٹھ جاتے تو عکس فاطمہ کہتی ہے جب عکس فاطمہ کہتی ہے تو میں خوب چڑتی ہوں۔ اپنا ہر مسئلہ انا اور مما سے ڈسکس کرتی ہوں، کالج میں میری دوست ایمان مجھے مغرور لیلیٰ بلاتی ہے، تاریخ پیدائش 19 جون ہے اس لحاظ سے اسٹار Gemini ہے کچھ حد تک اس اسٹار سے میچ کرتی ہوں، اداسی پسند ہوں، سیڈ سونگ بہت پسند ہیں۔ زیادہ فرینک نہیں ہوتی کسی غیر سے، زرش کو میں نے کہا "ہر بار تم سے زیادہ مارکس لیتی ہوں تو آنچل میں بھی پہلے لکھ کر تم سے جیت جاؤں گی" وہ کہتی ہے (نو پرابلم)۔ زرش اور میری مثالی دوستی ہے۔ میری روم میٹ رباحہ حیدر کہتی ہے "عکس تم رشتوں کے معاملے میں خاصی لکی ہو، میں نے زندگی میں کسی کی کمی محسوس نہیں کی۔ او کے فرینڈز کیسا لگا تعارف ضرور بتائیے گا تاکہ زرش پر تھوڑا رعب شعب ڈال سکوں، اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ۔

# ذرا مسکرا میرے گمشدہ

فاخرہ گل

قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

## گزشتہ قسط کا خلاصہ

حنین امی کی بگڑتی طبیعت پر پریشان ہوجاتی ہے ایسے میں سکندر صاحب طوعاً وکرہاً انہیں ہسپتال لے جانے پرآمادہ ہوتے ہیں۔ اربش بھی اپنے والدین کے ہمراہ ہسپتال پہنچ کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتا ہے جس پر حنین اس کی بے حد شکرگزار نظر آتی ہے رات میں سکندر صاحب گھر چلے جاتے ہیں تو غزنی ہی حنین کے پاس رکتا ہے۔ غزنی اس کے جذبات اور اپنی ذات میں اس کی دلچسپی کے بارے میں ڈائری کے ذریعے جان جاتا ہے جب ہی اسے اپنے اور حنین کا درد مشترک لگتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اجیہ کے لیے اس کی نفرت بدستور قائم رہتی ہے۔ سکندر صاحب رات کی تاریکی میں باہر نکلتے ہیں تو اچانک انہیں ایک گاڑی میں اربش اور اجیہ نظر آجاتے ہیں ایسے میں وہ فوراً گاڑی کا نمبر نوٹ کرتے اگلے دن پولیس اسٹیشن میں اجیہ کے اغواء ہونے کی رپورٹ درج کراتے ہیں جہاں وہ اجیہ کے جلد بازیاب کرانے کا یقین لے کر لوٹ آتے ہیں۔ اربش کی والدہ اپنی ضد اور انا میں بیٹے کے جذبات کا خیال نہیں رکھتیں' بوا کی باتوں کو بھی وہ بالکل نظر انداز کردیتی ہیں اور اربش کو حکم دیتی ہیں کہ وہ فوراً اجیہ کو اس گھر سے نکال دے لیکن اربش اپنے فیصلے پر مستحکم رہتا ہے ایسے میں وہ اجیہ کو لے کر گھر سے باہر آجاتا ہے اور دونوں ایک ہوٹل میں رات گزارتے ہیں' دوسری طرف شرمین اربش کے گھر پہنچ کر اجیہ کے خلاف ایک نیا محاذ کھول دیتی ہے کہ اس نے صرف دولت کے حصول کی خاطر اربش جیسے لڑکے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے جب ہی وہ انہیں مزید بدظن کرتے اربش سے تمام سہولیات واپس لینے کا ذکر کرتی ہے۔ شرمین کی موجودگی میں ہی اربش اور اجیہ واپس گھر آتے ہیں تو واپس لینے کا ذکر کرتی ہے۔ شرمین کی موجودگی میں ہی اربش اور اجیہ واپس گھر آتے ہیں تو انہیں مزید شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے جب اربش کی والدہ اس سے گاڑی کی چابی اور موبائل تک کا تقاضا کرلیتی ہیں کہ اجیہ کو اپنانے کی صورت میں یہ گھر اور یہاں کی چیزوں پر اس کا کوئی حق نہیں' اربش اس صورت حال میں تمام چیزیں انہیں لوٹا کر خود اجیہ کے ساتھ خالی ہاتھ لوٹ جاتا ہے دونوں کو خود بھی اپنی منزل کا علم نہیں ہوتا مگر اب گھر واپس لوٹنا ان کے لیے ناممکن بن جاتا ہے۔ پولیس گاڑی کے نمبر کے ذریعے اربش کے گھر تک پہنچنے میں کامیاب رہتی ہے اور ان سے اجیہ اور اربش کے حوالے سے سوال کرتی ہے۔ اربش کی والدہ انسپکٹر کے سامنے دونوں کو اپنے بہو بیٹے کے طور پر متعارف کرواتی ہیں جس پر انسپکٹر انہیں اجیہ کے اغواء ہونے اور اس سے ملاقات کرنے کا کہتا ہے اربش کی والدہ اس پر گھبرا جاتی ہیں کیونکہ اجیہ اور اربش کے متعلق اب انہیں خود بھی پتا نہیں ہوتا ایسے میں وہ انسپکٹر سے کچھ رعایت کی بات کرتی ہیں جس پر انسپکٹر انہیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ اجیہ کے والد سے مل کر یہ معاملہ نبٹالیں تاکہ وہ اپنا کیس واپس لے کر

مزید زحمت سے بچ جائیں اس بات پر اربش کی والدہ اور بوا حامی بھر لیتی ہیں لیکن آئندہ آنے والے حالات سے دونوں ہی بے خبر ہوتی ہیں۔

## اب آگے پڑھیے

✿......✿......✿

سڑک کی دوسری طرف حسن تھا جو گاڑی سے نکل کر بیکری میں گیا تھا اربش کے کہنے پر رکشے والے نے فوراً رکشہ سائیڈ پر روک دیا، اربش رکشہ رکتے ہی برق رفتاری سے باہر نکلا اجیہ کو وہیں بیٹھنے کی ہدایت کی اور خود سڑک کراس کرکے بیکری پر جا پہنچا جہاں حسن پہلے سے موجود تھا اسے دیکھا تو بڑے تپاک سے گلے ملا۔

”سنا یار کیسی لگ رہی ہے نیو لائف؟“ حسن نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو ٹٹولا۔ ”ویسے مانا کہ شادی شدہ مرد اپنے چہرے کی پریشانی سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے لیکن تجھے تو ابھی پورے دو دن بھی نہیں ہوئے اور یہ حال...... یار بندہ کم از کم کپڑے ہی تبدیل کرلیتا ہے کہاں ہمارا اربش اتنا خوش لباس، ہینڈسم اور پُرکشش مشہور تھا اور کہاں اب اتنا تھکا ہوا اور مرجھایا ہوا لگ رہا ہے، بھابی کیا سوچتی ہوں گی آخر......؟“ حسن کی بات پوری ہونے تک اربش خاموش ہی رہا، حسن اپنی بات ختم کرچکا تو اربش بولا۔

”جلدی سے پیمنٹ کرو اور باہر آؤ، کچھ بات کرنی ہے۔“ اس کے سنجیدہ لہجے اور بات کرنے کے انداز پر حسن چونکا کہ وہ تو اربش کی طرف سے برجستہ اور مزیدار جواب کی توقع کررہا تھا۔

”خیر ہے...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟“

”کہا ناں باہر آؤ سب کچھ بتاتا ہوں اور ذرا جلدی کرو اجیہ رکشے میں بیٹھی میرا انتظار کررہی ہے۔“ اربش اپنی بات کرکے بیکری سے باہر نکل آیا جبکہ حسن کی بات اس کو ورطہ حیرت میں ڈال گئی تھی۔

”اجیہ اور رکشے میں بیٹھ کر انتظار......!“ حسن نے خود کلامی کی اور پیسوں کی ادائیگی میں ٹائم برباد نہ کرنے کے خیال سے خریدی ہوئی اشیا بھی وہیں چھوڑیں اور اس کے پیچھے باہر نکل آیا اور باہر نکلتے ہی سڑک کے اس پار کھڑے رکشے میں اجیہ کو دیکھ کر اربش کی طرف لپکا جو اس کی گاڑی کی ڈگی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

”کیا ہے یہ سب معاملہ...... کیا ہوا ہے؟“ اور تب اربش نے اجیہ کو گھر لانے سے لے کر اب تک کی ساری کہانی اس کے گوش گزار کردی تھی۔

”اوہ میرے اللہ اور میں نے تو اس لیے کوئی رابطہ نہیں کیا کہ نئی نئی شادی ہے خوامخواہ ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں لگتا مجھے کیا خبر تھی کہ تم اس قدر پریشان ہو۔“

”یار مجھے پریشانی اپنی نہیں ہے بلکہ اجیہ کی ہے کہ میں اسے وہ معیار زندگی نہیں دے پایا جس کا میں نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلے ہی جذباتی طور پر انتہائی مشکل حالات دیکھے ہیں اور اب اس نئی زندگی کے آغاز پر بھی......“ وہ اجیہ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہورہا تھا۔

”اور پھر میں ممی کی طرف سے بھی، بہت ہرٹ ہوا ہوں یار...... میں نے مانا کہ میں نے ان سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا کر ٹھیک نہیں کیا لیکن اجیہ اور میں نے ان سے بہت معافیاں مانگیں، ساری زندگی ان کے سامنے سر جھکا کر جینے کو تیار تھے لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں ہیں، کوئی رعایت کسی قسم کی گنجائش، ناٹ ایٹ آل اور اس پر طرح طرح کے الزامات جن کا نہ کوئی سر نہ پیر......؟“

”الزامات بھابی پر؟“ حسن چونکا لیکن اربش نے فوراً بات سنبھالی۔

”ارے اس پر کیا الزام لگائیں گی اپنی بات کررہا ہوں، مجھ پر الزامات کہ میں نے ان کی قربانیوں کا صلہ نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ۔“ وہ حسن کے سامنے ممی کی طرف سے لگائے گئے بے سر و پا الزامات دہرا کر اجیہ کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ آخر کو اب وہ اس کی عزت تھی لہٰذا بڑی خوب صورتی سے بات گول کر گیا تھا۔

”لیکن یار تجھے معلوم ہے کہ تو اکیلا ہوتا الگ بات ہے

کہیں بھی گزارا کرلے گا لیکن بھابی کے ساتھ تو ایک گھر بنیادی ضرورت ہے۔" حسن اس کے حالات جان کر پریشان ہوا۔ "کیا تجھے نہیں لگتا کہ تو نے جذبات میں آ کر گھر چھوڑنے کی غلطی کی ہے؟"

"میں نے گھر نہیں چھوڑا یار...... مجھے اور اجیہ کو ممی نے گھر سے نکال دیا ہے اور وہی تیرے والی بات کہ اگر میں اکیلا ہوتا تو اور بات تھی وہ میری ماں ہیں مجھے گالیاں دیں یا جوتے ماریں کوئی بات نہیں، میں اف تک نہ کرتا لیکن یار اب میرے ساتھ اجیہ بھی ہے جس کے ساتھ نکاح کرتے ہی میں اس کا محافظ بن گیا ہوں، میرے ہوتے ہوئے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اجیہ کو جسمانی' روحانی یا جذباتی طور پر تکلیف دے اور اگر میرے ہوتے ہوئے' میرے ہی سامنے کوئی اسے بے عزت کرے' گالیاں دے' ناحق بغیر اس کی غلطی کے اسے برا بھلا کہے تو پھر مجھے اس کا شوہر کہلانے کا کیا حق رہ جاتا ہے؟ شادی کرنے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ایک جانور کی طرح بیوی کو گھر والوں کے سامنے پیش کردیا جائے کہ اس کے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کریں آخر وہ بیوی ہے' میری ذمہ داری ہے اور تف ہے مجھ پر اگر میں اس کی ماں کے سامنے تو یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نبھانے کا وعدہ کروں لیکن اپنی ماں کے سامنے بیوی سے نظریں ہی نہ ملاؤں۔" اربش واقعی دلگرفتہ تھا لیکن اجیہ کے سامنے اپنی پریشانی ظاہر کرکے اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا جیسے ہی حسن ملا اس کے سامنے دل ہلکا کرنے لگا اجیہ رکشے میں بیٹھی پہلو بدل رہی تھی۔

"میں ممی اور اجیہ کے ساتھ اپنے رشتے کو بیلنس رکھنا چاہتا تھا کیونکہ میرا خیال ہے کہ ان تمام مردوں کو سرے سے شادی کرنے کا ہی کوئی حق نہیں پہنچتا جو اپنی بیوی اور گھر والوں میں توازن برقرار نہ رکھ پائیں لیکن ممی نے مجھے موقع ہی نہیں دیا وہ مجھے موقع دینا ہی نہیں چاہتی تھیں وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھیں کہ میں انہیں قائل کر پاتا۔"

"ہمم......!" حسن نے ہر وقت ہنستے مسکراتے اور روشن آنکھوں والے اربش کو آج پہلی بار یوں پریشان دیکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ پریشانی کی بنیادی وجہ ماں کا رویہ اور اس رویے کے باعث اجیہ سے بہتر مستقبل کا وعدہ پورا نہ ہونا ہے اور خود حسن کو بھی ممی کے رویے پر انتہائی دکھ ہوا تھا کہ پیدائش سے لے کر اب تک اسے سر آنکھوں پر بٹھانے کے بعد آج گھر سے نکالا بھی تو یوں بے سروسامان اور خالی ہاتھ کہ اس سے اس کا موبائل اور گھڑی تک اتروالی۔

"کیا ماؤں کا دل بھی اتنا سخت ہوجاتا ہے اور خاص طور پر تب جب دوسری طرف اکلوتا بیٹا اور اس کی خوشیاں ہوں؟" حسن سوچنے پر مجبور ہوا لیکن فی الحال سوچنے کا نہیں عمل کا وقت تھا۔

"پھر اب تم نے کیا سوچا ہے، اجیہ کو کہاں رکھو گے؟" اربش کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا گہرا سانس لے کر سیدھا ہوا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا حسن کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک انتہائی فضول سوال کردیا تھا یہ جاننے کے باوجود کہ اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

"تم ایسا کرو کہ اجیہ کو رکشہ سے بلاؤ اور تم دونوں میری گاڑی میں بیٹھو، گھر چلتے ہیں۔"

"گھر...... کون سے گھر......؟" اربش چونکا۔

"میرے گھر یار اور کون سے گھر۔" حسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اکیلا نہ ہونے کا احساس دلایا تو اربش نے اس کے ہاتھ پر اپنا رکھ کر مسکرانے کی اداکاری کی۔

"ویسے بھی میری امی گھر میں ہی ہوتی ہیں اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا تم دونوں آرام سے وہاں رہ سکتے ہو میرا گھر ہو یا تمہارا گھر ایک ہی بات ہے ناں۔" حسن مسکرایا۔

لیکن اربش اس مسکراہٹ میں اس کا ساتھ نہ دے سکا دراصل ممی کا یہ اقدام اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ اب تک سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ اب اس کا اگلا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے لیکن ظاہر ہے کہ سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانہ تو اسے چاہیے ہی تھا جہاں وہ اجیہ کو عزت اور مان کے ساتھ رکھ سکے۔

یاایها الذین امنوا
اے ایمان والو!
وہ راستہ
جس کے مسافر
جنت نعیم میں ہوں گے
مؤلف
مشتاق احمد قریشی

"اس وقت اپنے ذہن میں کوئی سوچ اگر یا مگر لانے کی ضرورت نہیں...... فوراً جاؤ اور بھابی کو رکشے سے لے آؤ۔" حسن فی الحال پہلی والی عادت میں کبھی اسے اجیہ کہتا اور کبھی بھابی لیکن وہ اب اسے بھابی کہہ کر ہی بلانا مناسب سمجھتا تھا کہ پہلے تو بات اور تھی وہ اربش کے سامنے اس کی بات کرتے ہوئے اجیہ ہی بلاتا لیکن اب رشتہ معتبر ہوگیا تھا جس کا پاس رکھنا لازم تھا۔

"یار...... اجیہ کا سوٹ کیس ابھی ہوٹل میں ہی رکھا ہے۔" کسے اچانک یاد آیا۔

"ہاں تو کیا ہوا پہلے ہوٹل چلتے ہیں میں پارکنگ میں انتظار کروں گا تم دونوں ہوٹل کے کمرے سے اپنی چیزیں لے کر چیک آؤٹ کرآنا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے یار لیکن......؟" رکشے کی طرف جاتے جاتے وہ پھر مڑا۔

"لیکن کیا......؟"

"یار وہ...... رکشے والے کو کرایہ دینا ہے ابھی لیکن تجھے معلوم ہے ناں کہ میرے پاس پیسے نہیں......"

عام حالات میں وہ دونوں ایک دوسرے سے زبردستی ٹریٹ اور تحفے لیتے رہتے تھے۔ مذاق مذاق میں ایک دوسرے کی جیبوں سے پیسے نکلوانے کی خاطر جان بوجھ کر مہنگے تحفے خریدے جاتے لیکن وہ تب کی بات تھی جب خود اربش کے لیے ہزاروں خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن آج جب اس کی اپنی جیب میں ایک روپیہ نہ تھا تو اسے رکشے کے کرائے کے لیے صرف دو ڈھائی سو روپے مانگتے ہوئے جھجک محسوس ہوئی جو حسن نے بھی محسوس کی۔

"ایک بات یاد رکھنا اربش...... تیرا وقت بدلا ہے لیکن دوست نہیں...... میں اب بھی وہی حسن ہوں جس کے والٹ سے تو بغیر پوچھے پیسے لے کر بل دے دیتا تھا اور تو بھی وہی اربش ہے جس کی وارڈروب سے میں بغیر پوچھے کوئی بھی شرٹ نکال کر پہن لیتا تھا۔ میرے پاس آج جو کچھ بھی ہے اور جتنا بھی ہے گو کہ میں تیری طرح بہت زیادہ امیر کبیر تو نہیں لیکن پھر بھی جو ہے اس پر تیرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ میرا اور اگر آج کے بعد تو نے یہ غیروں والی بات کی تو بس میری طرف سے اللہ حافظ۔ سمجھا کہ نہیں؟" اربش نے مسکراتے ہوئے ہاں میں گردن ہلائی تو حسن نے پینٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکال کر اسے تھمایا اور بولا۔

"لے پکڑ، جتنے چاہیں نکال لے اور بھابی کو لے کر گاڑی میں بیٹھ۔"

اربش نے اظہار تشکر کے بھرپور احساس کے ساتھ اس کا والٹ لیا اور رکشے والے کی طرف دیکھا جو سڑک کے اس پار اسے اشارے سے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دکھا کر دیر ہوجانے کا اشارہ کررہا تھا۔

❁......❁......❁

غزنی کے دل سے اگر کوئی پوچھتا تو وہ ہرگز بھی اسپتال سے گھر آنے کو تیار نہ تھا کیونکہ حنین کے ساتھ جو اس کا شروع سے دوستی کا ایک تعلق تھا اسی بنا پر وہ دکھ اور مشکل کی اس گھڑی میں اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا اور اسے کسی طور پر بھی اکیلا ہونے نہیں دینا چاہتا تھا لیکن حنین اور اماں کے مشترکہ اصرار پر اسے سکندر صاحب کے گھر آنا پڑا ارادہ یہی تھا کہ دو گھنٹے آرام کرکے دوبارہ اسپتال جائے گا اور کسی بھی طریقے حنین کو گھر بھیجے گا تاکہ وہ بھی تھوڑی دیر آرام کرلے اور فریش ہوجائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تھکاوٹ اور پریشانی خود اسے بیمار کردے۔ جاتے ہوئے چند لمحے کے لیے سکندر صاحب کی دکان پر رک کر ان سے گھر جانے کی اجازت اور چابی مانگی جو انہوں نے بخوشی دے دی۔

گھر میں داخل ہوکر اس نے اپنی موٹر سائیکل صحن میں کھڑی کی تو سارے گھر میں ایسا لگا جیسے اجیہ ہی اجیہ ہو ہر جگہ پر اس کی یاد تھی، صحن میں بچھی چارپائی پر فلاں دن وہ گلابی کپڑوں میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی تو فلاں دن کیاریوں میں قطار سے لگے پودوں کو پانی دے رہی تھی اور اس کے مناسب لمبائی والے بال کچر میں سے آدھے اس کے کندھے سے ڈھلک رہے تھے لاؤنج میں صوفے پر

بیٹھی فلاں دن وہ اپنے موبائل پر کچھ دیکھنے کے ساتھ ساتھ پاؤں ہلاتی جارہی تھی اور اس کی سیاہ پٹی والے سلیپرز میں سے اس کے پاؤں کیسے خوب صورت معلوم ہوتے تھے، فلاں دن جب وہ کچن میں چائے پکارہی تھی اور اسے اچانک کچن میں داخل ہوتا دیکھ کر کتنی حیران ہوئی تھی اور اس دن غزنیٰ نے محسوس کیا تھا کہ خوشگوار حیرت کے نتیجے میں آنکھوں میں نظر آتی حیرت کے پیچھے چھپی ہلکی سی مسکراہٹ دل میں کتنا پیارا احساس رقم کرجاتی ہے اور اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر بیٹھی ہمیشہ کتاب کی اوٹ میں چہرہ چھپائے ان دونوں کو لڈو کھیلتے دیکھتی اجیہ...... اس گھر کی تو ہر چیز اور ہر کونے میں اجیہ ہی اجیہ تھی وہ دانستہ طور پر ہر جگہ اجیہ کا ہونا محسوس کرتے ہوئے اس کمرے تک پہنچا جوان دونوں کا مشترکہ تھا اور جس میں موجود ایک ایک شے پر اجیہ کا لمس ثبت تھا میکانکی انداز میں چلتا وہ اجیہ کے بیڈ پر جا لیٹا اور جیب میں رکھی اس کی چین کو محسوس کرتے ہوئے کروٹ لی ہی تھی کہ دوسری طرف حنین کا خالی بیڈ دیکھ کر پتا نہیں کیوں ایک بے نام سی کیفیت ہونے لگی کچھ دیر وہیں لیٹ کر وہ اب تک کے واقعات کو ذہن میں دہراتا رہا اور کوئی ایسا سرا ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا جس کے ذریعے وہ اجیہ تک پہنچ سکتا اور خود کو رد کیے جانے اور دنیا کے سامنے تماشا بنائے جانے کا بدلہ لے سکتا لیکن...... بہت سوچنے کے بعد بھی کوئی ایسا طریقہ سامنے آیا نہ ہی نیند......

اور پھر اسے حنین کی ڈائری کا خیال آگیا سو وقت گزاری کے لیے اٹھ کر الماری سے وہ ڈائری نکالی اور دوبارہ اجیہ کے بیڈ پر لیٹ کر آرام و سکون سے صفحہ اول سے لے کر جو پڑھنا شروع کیا تو آخر تک پڑھتا ہی گیا اور وہ جسے کتاب کھولتے ہی نیند آجاتی تھی آج وقت کے گزرنے کا بھی احساس نہ ہوا اور وہ حنین کے ہاتھوں سے لکھی گئی آخری غزل تک جا پہنچا جو اس نے کچھ دن پہلے ہی لکھی تھی۔

چلو وہ عشق نہیں چاہنے کی عادت ہے
پر کیا کریں ہمیں ایک دوسرے کی عادت ہے

تو اپنی شیشہ گری کا ہنر نہ ضائع کر
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

میں کیا کہوں کہ مجھے صبر کیوں نہیں آتا
میں کیا کروں کہ تجھے دیکھنے کی عادت ہے

تیرے نصیب میں اے دل سدا کی محرومی
نہ وہ سخی نہ تجھے مانگنے کی عادت ہے

یہ مشکلیں ہیں تو پھر کیسے راستے طے ہوں
میں ناصبور اسے سوچنے کی عادت ہے

یہ خود اذیتی کب تک فراز تو بھی اسے
نہ یاد کر کہ جسے بھولنے کی عادت ہے

ساتھ ہی غزنیٰ کو مخاطب کرکے کچھ تحریر تھا۔

ڈیئر غزنیٰ!

کبھی میں سوچتی ہوں کہ یہ شاعر لوگ بھی جانے تخیل کی کون سی دنیا میں رہتے ہیں اب یہی دیکھ لو کہ احمد فراز نے کتنی بڑی بات اپنے آخری شعر میں یوں آسانی سے کہہ دی کہ جیسے جن سے محبت کی جائے انہیں بھولنا اپنے اختیار میں ہو، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ بات عزت پر آجائے تو محبت چھوڑ دینی چاہیے لیکن میں سوچتی ہوں کہ بھلا وہ محبت ہی کیا جس میں خود پر اختیار ہوتا ہو محبت تو ہوتی ہی وہ ہے ناں جس میں بندہ بے اختیار ہوجائے بالکل ایسے ہی جیسے تمہاری محبت کے معاملے میں...... میں جانتی بھی ہوں کہ تمہیں مجھ سے نہیں اجیہ سے محبت ہے لیکن پھر بھی میرا اپنے دل پر کوئی اختیار ہی نہیں لاکھ اسے سمجھانا چاہا کہ تم کبھی بھی میرے نہیں ہوسکتے لیکن پھر بھی

میں کیا کروں کہ مجھے صبر کیوں نہیں آتا
میں کیا کروں کہ تجھے دیکھنے کی عادت ہے

اور دیکھو تو ہماری کیسی تکون سی بن گئی ہے شاید ہم تینوں کی قسمت ہمارا ساتھ نہیں دے رہی کہ میں تم سے اور تم اجیہ سے محبت کرتے ہو اور اجیہ شاید کسی اور سے...... ابھی رات کے اس پہر جب اجیہ میرے ساتھ والے بیڈ پر سو رہی ہے تو اوپر چلتے پنکھے کے ان تین پروں میں جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے پنکھے کے ان تین پروں کی

طرح ہم ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ایک دوسرے کو حاصل کرنے کی دھن میں ہانپ رہے ہیں خالی ہاتھ نہیں، پاؤں شل ہیں لیکن شوق سفر ہے کہ ماند پڑتا ہی نہیں...... نہ تم اجیہ کی محبت دل سے نکال سکتے ہو اور نہ میں تمہاری۔ کبھی سوچتی ہوں کہ اس سارے معاملے کا انجام کیا ہوگا؟

ابھی چند ماہ بعد یا ایک دو برس کے بعد جب تمہاری طرف سے شادی کا مطالبہ آئے گا اور اجیہ کی طرف سے انکار ہوگا تو تمہارے دل پر کیا بیتے گی؟ افسوس دکھ اور رد کیے جانے کا احساس کس طرح تمہارے اعصاب پر عذاب بن کر اترے گا میں جانتی ہوں اس لیے کہ میں محسوس کرچکی ہوں اس دن جب میں تمہارے نام کی انگوٹھی پہننے کے لیے سج سنور کر تمہارے سامنے بیٹھی تھی اور تم نے عام سے گھریلو حلیے میں میرے ساتھ بیٹھی اجیہ کو اپنے تمام تر جذبات سونپتے ہوئے اس کو انگوٹھی پہنائی اور سب کے سامنے اس پر اپنی ملکیت کا اعلان کیا تب میں یہ سب محسوس کرچکی تھی اور باوجود اس کے کہ میں اب بھی تم سے اسی شدت سے محبت کرتی ہوں لیکن پھر بھی میری دعا ہے کہ تمہیں تمہاری محبت اجیہ کی صورت میں ضرور ملے کیونکہ جن سے محبت کی جائے ان سے لاتعلقی منظور لیکن ان کی آنکھوں کی اداسی دیکھنا آسان بات نہیں۔ تم اجیہ کے ساتھ خوش رہنا اور میں تمہیں خوش دیکھ کر ہی خوش ہوتی رہوں گی۔

ہمیشہ تمہاری حنین

ساتھ ہی ڈائری کے دیگر صفحات کی طرح مختلف رنگوں سے اس نے اپنا اور غزنی کا نام ایک ساتھ لکھ رکھا تھا تب غزنی کو محسوس ہوا کہ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں چاہا جائے جن کے ساتھ کی کوئی خواہش کرتا ہو جن سے کوئی اتنی ٹوٹ کر محبت کرے کہ پھر اپنی خودداری اور عزت نفس تک کی پروا نہ کرے جن کے ٹھکرانے کے بعد بھی دل اسی کے نام کی مالا جپتا ہو دھڑکنیں اسی کے نام کا ورد کرتی ہوں اور بھی اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تو حنین کو محبت میں اپنے سے اونچے مقام پر پایا یہ سچ تھا کہ اس نے اجیہ سے بڑے خلوص کے ساتھ سچی محبت کی تھی لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہ محبت صرف تب تک ہی محبت رہی جب تک اسے پانے اور حاصل کرنے کی امید باقی تھی ورنہ جیسے ہی اجیہ اسے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ نکاح کرکے چلی گئی تب سے اس کی محبت شاید محبت سے بڑھ کر انتقام تک جا پہنچی تھی وہ اب بھی چاہتا تھا کہ اجیہ واپس آجائے اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ کسی بھی طور اجیہ کو واپس لائے گا لیکن اس لیے نہیں کہ اسے پھر اتنی دھوم دھام اور چاؤ کے ساتھ اپنائے بلکہ اس لیے کہ اس سے خود کو ٹھکرانے کا انتقام لے اسے بتائے کہ کسی کو یوں رسوا کرنے کی سزا کیا ہوتی ہے اسے اپنے سامنے روتا دیکھے اور تب شاید اس کے دل کو بھی کچھ سکون ملے۔ جبکہ اس کے برعکس حنین اب بھی اس سے محبت کرتی تھی اور اسی شدت کے ساتھ کرتی تھی جیسی وہ اجیہ اور اس کی منگنی سے پہلے کرتی تھی اس کی محبت تو کسی طور کم نہیں ہوئی تھی اب بھی جبکہ غزنی کو پانے کا اس کے سامنے کوئی امکان بھی موجود نہ تھا اپنی اور حنین کی محبت کا موازنہ کرتے کرتے غزنی کو محسوس ہوا کہ وہ تو حنین سے کسی بھی طور مقابلہ کرنے کا اہل ہی نہیں، موازنہ کرنا تو بنتا ہی نہیں کیونکہ حنین تو محبت میں بہت اعلیٰ مقام پر تھی اور وہ اس کے سامنے خود کو بہت چھوٹا محسوس کررہا تھا وہ اعتراف کررہا تھا کہ واقعی حنین محبت کیے جانے کے قابل ہے اور وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اسے اس سے بڑھ کر چاہا جائے اور پھر اماں ابا اور وہ خود ایک دوسرے کے سامنے خود کو جتنا بھی مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کرتے لیکن تینوں ہی جانتے تھے کہ اجیہ کے اس اقدام نے ان تینوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا ان کا خلوص ریزہ ریزہ ہوگیا تھا اور ان کی ذات بکھر گئی تھی۔ ایسے میں خود اسے ہی کوئی ایسا قدم اٹھانا تھا جس سے یہ کرچی کرچی خواب سمیٹے جاسکیں اور ایسے میں غزنی نے جو فیصلہ کیا تو خود کئی بار سوچا اسے اعتراف تھا کہ اسے حنین سے محبت نہیں ہے لیکن وہ قدر کرتا تھا حنین کی اس دیوانہ وار محبت کی جو اسے غزنی سے تھی اسے لگا جیسے اس ایک فیصلے سے اماں ابا اور حنین کے چہروں پر جو خوشیاں

بکھریں گی ان کی روشنی میں آج نہ سہی تو کچھ عرصے بعد سہی لیکن اس کے دل میں بھی حنین کی محبت جگمگانے لگے گی اور بالفرض اگر ایسا نہ بھی ہوا تو دوستی تو اس سے تھی ہی اور یہ سودا غزنی کے لیے بالکل بھی مہنگا نہیں تھا۔

لہٰذا اجیہ والا معاملہ سلجھانے کے ساتھ ساتھ اس نے زندگی کے اس نئے ڈھنگ کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو ساری رات کے جاگے غزنی کو فوری طور پر نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

❁......❁......❁

سکندر صاحب رپورٹ تو لکھوا آئے تھے لیکن جانتے تھے کہ جب تک کسی بھی معاملے کے پیچھے خود نہ لگو تو پولیس اور دوسرے ادارے کچھ کام نہیں کرتے اور خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ ان کی خاطر تواضع کے لیے بھی اب تک کچھ پیش نہ کیا گیا ہو لہٰذا ملازم کو دکان سنبھالنے کی ہدایت کرنے کے بعد اپنی ہی دکان سے بہترین قسم کا پھل شاپر میں ڈالا اور لے کر پولیس اسٹیشن جا پہنچے جہاں اتفاق سے جاتے ہی ان سے ملاقات بھی کرلی گئی۔

"سر...... یہ میں اپنی دکان سے تھوڑا سا فروٹ آپ کے لیے لایا تھا۔" دونوں بھرے ہوئے شاپرز سکندر صاحب نے ٹیبل پر رکھے۔

"میرے لیے......! لیکن کیوں؟" جانتے بوجھتے ہوئے بھی پولیس والے کی طرف سے سوال آیا جو سکندر صاحب کے لیے غیر متوقع تھا لہٰذا گڑبڑا گئے۔

"وہ دراصل میری ہی دکان کا ہے تو بس آتے ہوئے شاپر میں ڈال لایا۔"

"چلیں آج تو ٹھیک ہے آپ کا لایا ہوا یہ تحفہ میں ابھی پولیس اسٹیشن میں موجود جوانوں میں تقسیم کرادیتا ہوں لیکن آئندہ یہ زحمت نہ ہی کریں تو بہتر ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس بات سے مجھے اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔"

"جی...... جی بہتر۔"

"اب آتے ہیں آپ کے کیس کی طرف۔" کانسٹیبل کو فروٹ کے شاپرز اٹھا کر سب میں بانٹنے کا کہہ کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کی بیٹی اس وقت کہاں ہے یہ پتا الحمدللہ ہم نے لگالیا ہے۔"

"کیا......! واقعی؟" سکندر صاحب کو اس قدر تیزی سے کارکردگی دکھائے جانے کی کوئی امید ہی نہیں تھی لہٰذا ان کا حیران ہونا لازم تھا ان کی تمام حسیات بیدار ہوکر اب جیسے سماعت بن چکی تھیں اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اجیہ کو گھر لاکر وہ عبرت ناک سزا دیں کہ جو کبھی کسی نے نہ دی ہو۔

"جی ہاں، واقعی ہم اس گاڑی کے نمبر ہی کے ذریعے اس گھر تک پہنچے جہاں ہمارے اندر جانے پر سامنے ہی وہ گاڑی کھڑی نظر آگئی۔"

"کیا میری بیٹی بھی ملی آپ کو؟ دیکھا ہے آپ نے اسے؟ کس حال میں ہے میری بچی وہ ٹھیک تو ہے ناں۔" ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اس وقت اجیہ سے محبت جتانا ان کی مجبوری تھی جو انہوں نے بخوبی نبھائی۔

"جی...... جی آپ پریشان نہ ہوں محترم، وہ ٹھیک ہے اور ہمیں علم ہوا ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے جس کے بعد سے ہی وہ ان لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہے کیا یہ بات درست ہے۔"

"شادی......! کیا اجیہ نے شادی بھی کرلی؟" اس مرتبہ اداکاری محبت کی نہیں حیرت کی تھی۔

"میں تو اس معاملے سے لاعلم ہوں جناب، نہیں جانتا بلکہ مجھے پورا یقین ہے کہ ان لوگوں نے ضرور اجیہ سے زبردستی نکاح نامے پر سائن کروائے ہوں گے ورنہ اس کی تو شادی طے تھی بلکہ اسی دن تھی جب اسے اغوا کیا گیا تھا۔"

"آپ کی بات کی تائید کون کرے گا، جبکہ ہم اپنے طور پر معلوم کرچکے ہیں کہ آپ کے گھر میں تو شادی کی کوئی تقریب تھی ہی نہیں نہ آپ کے پڑوسیوں میں سے کسی نے شادی کا بتایا نہ محلے والوں نے تو آپ کی بات کی گواہی کون دے گا۔" سکندر صاحب چونکے اور اب انہیں سمجھ آیا تھا کہ پولیس ٹیم صرف اجیہ کی تحقیقات ہی نہیں کرتی رہی

بلکہ وہ ان کے بارے میں بھی چھان بین کرتی رہی تھی اور چونکہ یہ حقیقت تھی کہ محلے میں تمام لوگ اس شادی سے لاعلم تھے لہٰذا انہوں نے یہی بتایا۔

"وہ دلہا گواہی دے گا جو اس دن مولوی کے ساتھ نکاح پڑھوانے آرہا تھا آپ کہیں تو میں آپ کے سامنے فون پر اسپیکر آن کر کے اس سے بات کرا دیتا ہوں۔"

"ضرور کیوں نہیں...... ملائیے کال۔" اور جب سکندر صاحب نے غزنی کے نمبر پر فون کیا تو وہ سو رہا تھا فون ہی کی آواز پر آنکھ کھولی تھی۔

"ہیلو غزنی بیٹا میں پولیس اسٹیشن سے بات کر رہا ہوں۔" سکندر صاحب نے بتایا تو اجیہ کے بیڈ پر لیٹا غزنی گھبرا کر ایک دم اٹھ بیٹھا۔

"پولیس اسٹیشن، سب خیر تو ہے؟"

"ہاں سب خیریت ہے دراصل مبارک ہو اجیہ بیٹی کا پتا مل گیا ہے یہ انسپکٹر صاحب تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔" اجیہ کے مل جانے کی خبر نے تو غزنی کے جسم میں جیسے سنسنی دوڑا دی تھی پھر اس نے اس دن اپنی ہونے والی شادی اور پھر ان کے طرف سے اجیہ کے گھر سے چلے جانے والی فون کال تک کے بارے میں نہ صرف سب کچھ بتایا بلکہ خود بھی پولیس اسٹیشن آکر تمام باتیں روبرو کرنے کی آفر بھی کر دی لیکن اس کی ضرورت اس لیے نہ تھی کہ اس کی باتوں کے بعد یہ سارا کیس بقول انسپکٹر کے واضح ہو چکا تھا۔

"محترم، بات یہ ہے کہ آپ کی بیٹی اجیہ نے خود شاید اپنی مرضی کی شادی کرنا چاہی اور آپ کا ارادہ اپنے بھتیجے سے اس کی شادی کا تھا لہٰذا وہ گھر سے چلی گئی۔" انہوں نے دو جملوں میں کیس کلوز کر دیا۔

"جناب ایسا نہیں ہے اس لڑکے نے میری بیٹی کو ورغلایا ہے ورنہ میری بچی تو اتنی معصوم ہے کہ کبھی میری مرضی کے بغیر سانس تک لینے کا نہیں سوچ سکتی...... محترم میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے آپ بھی بہن بیٹیوں والے ہوں گے اللہ کا واسطہ ہے میرے دکھ کو سمجھیں اور کسی بھی طریقے سے میری بیٹی مجھے واپس لا دیں۔ میں آپ کے سامنے قسم کھاتا ہوں کہ اگر اس نے خود خواہش ظاہر کی تو اپنے ہاتھوں سے اسے دعاؤں کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کروں گا کبھی آکر دیکھیں اس کی ماں اس کے صدمے میں کومے میں چلی گئی ہے ہماری مدد کریں، اللہ کے بعد ایک آپ کا ہی آسرا ہے جناب، مجھے مایوس نہ کریں۔" سکندر صاحب نے ہاتھ جوڑتے ہوئے باقاعدہ گریہ وزاری شروع کر دی تھی۔

"دیکھیں جناب بات یہ ہے کہ قانون جذبات نہیں واقعات دیکھتا ہے جہاں تک قانون کے دائرے میں رہ کر میں آپ کی مدد کر سکا تو ضرور کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں، ویسے اس لڑکے کی ماں کے مطابق وہ دونوں ہنی مون پر جا چکے ہیں لہٰذا فوری طور پر ان سے ملاقات ممکن نہیں لیکن میں چاہوں گا کہ آپ ایک مرتبہ لڑکے کی والدہ سے مل لیں تاکہ کورٹ کچہریوں کے بجائے آپس میں ہی معاملات طے پا جائیں تو بہتر ہے۔"

"مجھے تو اپنی بیٹی سے غرض ہے ناں کہ اس لڑکے کی ماں سے، میں بھلا اس سے مل کر کیا کروں گا جو پہلے ہی ان کے ہنی مون پر جانے کا جھوٹ بول رہی ہے وہ مزید کیا کچھ نہیں کہے گی آپ بس مجھے میری بیٹی لا دیں ساری زندگی آپ کو دعائیں ہی دیتا رہوں گا۔"

"ایک ملاقات میں کوئی حرج نہیں ہے محترم آپ ان سے مل لیں ہو سکتا ہے کہ آپ کو وہ لوگ بھی شریف معلوم ہوں تو بات بن جائے کیونکہ مجھے تو وہ لوگ کافی سلجھے ہوئے معلوم ہوئے۔"

"ٹھیک ہے آپ کی ہدایت اور آپ کی خواہش پر ان سے مل لیتا ہوں مجھے بتا دیجیے گا کہ کب حاضر ہونا ہے۔" سکندر صاحب ان کی مکمل حمایت اور بھرپور اعتماد حاصل کرنا چاہتے تھے لہٰذا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا۔

"بہت شکریہ میں آپ کے معاملہ فہمی کی بھی قدر کرتا ہوں لیکن یہاں پولیس اسٹیشن میں نہیں ان سے ملنے ان کے گھر جانا ہوگا۔"

"ان کے گھر، لیکن کیوں؟"

"دراصل وہ خاتون ہیں لڑکے کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ نہیں چاہتیں کہ انہیں تھانے آتا جاتا دیکھ کر کوئی بات ہو۔"

"ارے واہ، میری بھی تو بیٹی ہے جسے کہاں سے کہاں لے گئے وہ لوگ اور اب خود گھر سے نکلنے پر تیار نہیں ہیں پولیس اسٹیشن نہیں تو پھر وہ خود مجھ سے ملنے میرے گھر تشریف لے آئیں ساتھ کسی اور کو بھی لے آئیں، آپ بھی آجائیں، میں تو کم از کم ان کے گھر نہیں جاؤں گا جناب آخر بیٹی والا ہوں، آپ خود سوچیں میری حالت۔" سکندر صاحب سخت موقف اپناتے اپناتے نرم پڑ گئے کہ اس وقت مصلحت اندیشی کا یہی تقاضہ تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے وہ آپ کے گھر آجائیں گی میں ان کے ساتھ کچھ لیڈی کانسٹیبل بھجوادوں گا مجھے امید ہے اور میں چاہوں گا کہ تمام معاملہ عزت و آبرو اور افہام و تفہیم سے سلجھ جائے۔"

سکندر صاحب کا دل تو چاہا تھا کہ اس عورت سے دنیا کے کسی بھی کونے میں ملنے سے انکار کردیں لیکن ایسا کرنے کی صورت میں ان کا تاثر تمام معاملے میں منفی نظر آتا اور ایسا کر کے وہ اپنا کیس خراب نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ انہیں اجیہ واپس چاہیے تھی کسی بھی قیمت پر......

❁......❁......❁

اربش کی کوشش یہی تھی کہ اجیہ کا دل کسی بھی قیمت پر ٹوٹنے نہ پائے وہ اپنی سی تمام کوشش کرنے کو تیار تھا لہٰذا رکشے والے کے کرائے کی ادائیگی کے بعد وہ دونوں حسن کے ساتھ ہوٹل آئے جہاں ان کا چند روز رہنے کا پروگرام تھا مگر اب وہ دونوں صرف اپنا سامان لینے اور چیک آؤٹ کرنے آئے تھے، پہلے تو حسن کی موجودگی کی وجہ سے دونوں اس معاملے پر کوئی بات نہیں کر پائے تھے لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ دونوں ہی تمام رستہ اپنے آنے والے کل کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔

"اپ سیٹ ہو؟" کمرے میں داخل ہو کر سکون سے چند لمحے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اربش نے اجیہ سے پوچھا تو وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے پاس ہی آبیٹھی۔

"ہاں اپ سیٹ تو ہوں اربش...... لیکن اپنی نہیں تمہاری وجہ سے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی لیکن اربش کو اس کی مسکراہٹ میں تازگی کی رمق تک نظر نہ آئی۔

"میری وجہ سے؟"

"میں تو پہلے بھی مشکلات میں ہی زندگی گزارتی آئی ہوں نہ میرا رہن سہن شاہانہ تھا کہ اب میرے لیے مسئلہ ہوگا لیکن پرابلم ہے تو تمہاری...... کیونکہ تم نے آج تک بہت آرام دہ اور پرتعیش زندگی گزاری تھی لیکن اب شاید ایسا نہ ہوسکے۔" وہ بڑی سہولت سے مناسب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اسے سچائی سے آگاہ کررہی تھی۔

"لیکن تم دیکھنا اجیہ میں تم سے کیے تمام وعدے نبھاؤں گا میں اتنی محنت کروں گا کہ تمہارے دل کی کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہے گی لیکن اس کے لیے مجھے صرف اور صرف تمہاری محبت اور تمہارا ساتھ چاہیے بولو اجیہ تم میرا ساتھ دوگی ناں۔" وہ اجیہ کے ہاتھ تھامے اس سے عمر بھر کے ساتھ کی یقین دہانی چاہتا تھا۔

"میں تمہاری ہوں اربش اور حالات جیسے بھی ہوں مگر زندگی کی آخری سانس تک تمہاری ہی ہوں اور تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔" اجیہ نے اربش کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

"ایک بات کہوں اجیہ؟"

"ہاں بولو، ایسی کیا بات ہے۔"

"حسن میرا بہت گہرا دوست ہے میری زندگی میں ہونے والے اب تک کے تمام اچھے اور برے دنوں کا ساتھی بھی ہے اب جبکہ میں نے اسے اپنے اور تمہارے ساتھ ہونے والے ان حالات کا بتایا تو اس کی خواہش ہے کہ ہم دونوں اس کے ساتھ اس کے گھر رہیں اور گو کہ اس کی والدہ بھی ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہمارا الگ گھر ہو، چاہے چھوٹا سا لیکن اس میں میرے اور تمہارے علاوہ اور

کوئی بھی نہ ہو، لیکن سوچتا ہوں کہ یہ سب کیسے ممکن ہے کہ جب ہاتھ میں رکشے کے کرائے کے پیسے نہیں تھے تو گھر کے کرائے کے لیے بھلا کہاں سے آئیں گے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں کی درمیانی انگلی سے اپنی آنکھیں ہلکی سی دبائیں اور پھر کچھ سوچ کر اجیہ کو دیکھا جو کچھ سوچنے میں مصروف تھی اور پھر کوئی آئیڈیا ذہن میں آنے پر چونکی۔

"ایک آئیڈیا تو ہے لیکن پہلے وعدہ کرو کہ تم انکار نہیں کرو گے اور جو میں کہوں گی تم بالکل ویسا ہی کرو گے۔"

"اچھا تو یعنی محترمہ آپ مجھے جورو کا غلام المعروف زن مرید بننے کا کورس کروانا چاہ رہی ہیں، لیکن اپنی اس سوچ کو پسے ہوئے خشک ناریل کی طرح مسری میں ملا کر کھا جایئے کہ ہم کبھی وہ سب کریں تو آپ ہم سے کروانا چاہتی ہیں۔"

"یہ وقت اس طرح کے مذاق کا نہیں ہے۔" اجیہ نے بے اختیار ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔

"لیکن یہ وقت اس طرح کے مذاق کا بھی تو نہیں ہے ناں، اجیہ ڈارلنگ۔" وہ شوخ ہوا۔

"پلیز ارتش، ایک بار سنجیدگی سے میری بات سن لو۔"

"اچھا بھئی لو ہو گیا میں سنجیدہ، سناؤ اپنی بات تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کس حسین سے پالا پڑا تھا۔" وہ کمر سیدھی کر کے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اجیہ نے وقت ضائع کیے بغیر اپنی بات شروع کی۔

"یہ جو کل تم نے میرے پہننے کے لیے اتنے ڈھیر سارے کپڑے خریدے تھے کیا ممی بھی وہیں سے اپنی شاپنگ کرتی ہیں۔"

"ہاں کبھی کبھی...... ویسے یہ بوتیک میرے ایک کلاس فیلو کا ہی ہے جب اس نے یہ بوتیک شروع کرنا تھا تو اسے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی جو میں نے اسے دیے تو سہی لیکن چند ماہ بعد وہ پیسے مجھے لوٹا دینے کے باوجود آج تک میری بہت عزت کرتا ہے۔"

"ہمم۔" اجیہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"لیکن تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"اگر وہ یوں تمہارا کام آنا یاد رکھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک اچھے ذہن کا مالک ہے۔"

"ہاں ہے تو سہی...... لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو بھئی ہمارا اس سے کیا لینا دینا اور اگر تم مجھے اس سے ادھار لینے کو کہو گی تو سوری میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا۔"

"اوہو جب ہمارے اپنے پاس رقم موجود ہے تو ہمیں کسی سے ادھار لینے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" ارتش نے دیکھا اجیہ کی آنکھیں بات کرتے ہوئے چمک رہی تھی یعنی وہ پُر امید تھی کہ کوئی بہتر راہ نکل سکتی ہے۔

"کون سی رقم ہے ہمارے پاس۔"

"دیکھو ارتش ہم نے اس کے بوتیک سے جو اتنے مہنگے مہنگے کپڑے خریدے تھے وہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔"

"پسند نہیں ہیں۔" وہ حیران ہوا۔

"ہاں میں چاہتی ہوں کہ وہ سب کپڑے اس کے بوتیک پر واپس کروا دوں، اتنا تو کرے گا ناں وہ؟"

"خیر برا تو لگے گا لیکن اتنا شیور ہے کہ وہ واپس کر لے گا لیکن تمہیں آخر کیوں پسند نہیں ہیں جبکہ تم نے خود اپنی پسند سے خریدے تھے سب اور واپس کراتے وقت کہو گی کیا ایک ننھو سارے کے سارے واپس۔" اس کی سمجھ میں اب تک اجیہ کی کوئی لاجک نہیں آ رہی تھی لیکن اجیہ اپنے خیال میں واضح تھی لہٰذا اسے سمجھانے لگی۔

"پہلی بات تو یہ کہ واپس میں یہ کہہ کر کراؤں گی کہ ممی کو پسند نہیں آئے اور میں ان کی پسند کے مطابق کپڑے پہننا چاہتی ہوں اب اس بات میں بھی ظاہر ہے کہ آدھا جھوٹ اس لیے ہے ارتش کہ ابھی ہماری ترجیحات میں یہ قیمتی ملبوسات نہیں بلکہ سادہ سا چھوٹا سا گھر ہے جہاں ہم دونوں رہیں ان کپڑوں میں کوئی ایک جوڑا بھی آٹھ دس ہزار سے کم کا نہیں تھا...... نہیں تھا ناں؟" اجیہ نے رک کر اس کی تائید چاہی، جس پر ارتش نے گردن ہلائی۔

"تو ہم یہ کپڑے واپس کروائیں گے اور واپس ملنے

والے پیسوں سے کرائے پر گھر ڈھونڈ لیں گے اور گھر بھی ایسا جس کا کرایہ پانچ دس ہزار سے زیادہ نہ ہو، چار پانچ ہزار کا بنیادی راشن ڈال لیں گے پانچ دس ہزار میں تمہارے ایک دو جوڑے خرید لیں گے اور خود میرے پاس ایک جوڑا جو میں نے پہنا ہوا ہے وہ اور ایک دو لان کے مزید لے لوں گی ڈیڑھ دو ہزار میں میرے دو لان کے جوڑے آجائیں گے یہ سیزن چلا کے اگلے سیزن میں نئے لے لوں گی۔ ویسے بھی میں نے تو گھر میں ہی رہنا ہے تو میرے کپڑوں کا اتنا مسئلہ بھی نہیں ہوگا۔“ اجیہ نے ڈیڑھ منٹ کی اپنی اس گفتگو میں تو جیسے سارے مسئلے ہی سلجھا کر رکھ دیے تھے۔

”تم جانتی ہو ناں کہ میں ممی کا ایک روپیہ بھی استعمال نہ کرنے کا خود سے وعدہ کرچکا ہوں۔“

”سب جانتی ہوں اور اس فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن یہ تو وہ پیسے ہیں جو ہم ممی سے دوبارہ ملنے اور تمہارے خود سے کیے گئے وعدے سے پہلے ہی استعمال کرچکے ہیں بالفرض یہ کپڑے واپس نہ کرا کر پیسے نہ بھی لیے تو یہ کپڑے تو یونہی پڑے ہی رہیں گے ناں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم انہیں استعمال کرکے کسی کے بھی آگے ہاتھ پھیلانے سے بچ جائیں کپڑوں کا کیا ہے پھر بن جائیں گے۔“

اربش کو اپنی بات پر قائل کرتے ہوئے اجیہ کو اس لمحے امی بہت یاد آئی تھیں اسے یاد تھا کہ وہ بھی ان دونوں کی خوشی پوری کرنے کے لیے یا ضرورت نبھانے کے لیے ہمیشہ اپنی ہی ذات کی قربانی پیش کیا کرتی تھیں اور اگر بھی اسے یا حنین کو محسوس ہو جاتا تو یونہی انہیں قائل کرنے کی کوشش کیا کرتیں۔

”اور صرف گھر ہی نہیں بلکہ بعد میں گھر کا نظام چلانے کے لیے جب تم جاب ڈھونڈو گے تو پھر بھی ہمیں روپوں کی ضرورت ہوگی حسن کے گھر رہنے کا تو مطلب ہے کہ پھر اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لیے بھی ان کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں جو میرے خیال سے کسی بھی طور مناسب نہیں ہوگا۔“

”واقعی بھئی بڑے بزرگ ٹھیک فرما گئے ہیں اجیہ......“

”مطلب۔“

”مطلب یہ کہ......

بیوی سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ شادی اپنی فطرت میں نہ چنگی ہے نہ ماڑی ہے“

بات کر کے وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس دیا تھا خود اجیہ بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی اتنے مشکل وقت میں بھی وہ دونوں ہنس رہے تھے تو صرف اس لیے کہ انہیں ایک دوسرے کی ذات پر اعتماد تھا کہ وقت جیسا بھی ہو وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہیں گے اور ہر مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے میاں بیوی اگر ایک دوسرے کا ساتھ دینے والے ہوں تو دنیا کا کوئی بھی مسئلہ ان کے اعصاب پر سوار ہو کر ان کے لیے تھکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتا اور اجیہ نے جو حل پیش کیا تھا وہ اتنا خوب صورت تھا کہ ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہوتی اور آہستگی سے ہی مگر ان کی زندگی کی گاڑی بھی ایک نئے انداز سے چلنا شروع ہو جاتی۔

لہٰذا یہی تدبیر جب انتہائی محتاط انداز میں حسن کے سامنے رکھی گئی تو وہ نہایت تلملایا خود کو غیر سمجھنے کا شکوہ بھی کیا اور سچے دوست نہ سمجھے جانے کا بھی اس کی خواہش تھی کہ اگر اس موقع پر وہ ان کے کام آسکتا ہے تو وہ دونوں اسے نہ روکیں۔ لیکن اس موقع پر اربش کے ساتھ ساتھ اجیہ نے بھی اسے نرم اور مناسب الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی اور باور کرا دیا کہ اب ان دونوں کا اس کے سوا ہے ہی کون جس سے وہ کسی بھی معاملے میں مدد طلب کرسکیں اس لیے وہ بے فکر رہے کہ جب بھی کسی بھی طور سے مدد کی ضرورت پڑی تو ان کی پہلی اور آخری امید صرف وہی ہوگا۔ بادل نخواستہ وہ سمجھ ہی گیا اور پہلے بوتیک پر کپڑے واپس کرائے گئے پھر نسبتاً سستی سی دکان سے اربش کے دو جوڑے خریدے گئے اور اب ان کا اگلا ہدف کرائے کا مکان ڈھونڈنا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ جس طرح کے فلیٹس کا حسن کو معلوم تھا ان کے کرائے ماہانہ تیس پینتیس ہزار سے کم نہ

تھے جبکہ اجیہ اور اربش کو پہلے مرحلے کے طور پر صرف سر پر چھت اور پاؤں تلے زمین درکار تھی جہاں وہ بغیر کسی کی مداخلت اور روک ٹوک کے اپنی زندگی خود جی سکیں۔

لہٰذا پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ کرکے اسے ہنگامی بنیادوں پر گھر حاصل کرنے کا کہا تھا سو وہ اسی وقت ان تینوں کو اپنی گاڑی کو فالو کرنے کا کہہ کر ایک گنجان آباد علاقے میں لے آیا۔

لوہے کے سیاہ سنگل دروازے کا تالا کھول کر خود اندر داخل ہوا اور پھر ان تینوں کو بھی اندر آنے کی دعوت دی۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی صحن تھا جو اوپر سے مکمل طرح سے بند تھا کہ نہ دھوپ آسکتی تھی نہ ہی بارش، البتہ دائیں طرف سے تقریباً ڈیڑھ دو میٹر کے قریب جگہ کھلی رکھی گئی تھی جس کا مقصد یقینی طور پر کوئی جالی لگوانا یا روشندان بنانا ہوگا مکان کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے تعمیر کے دوران ہی ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا جبھی ایک طرف سیمنٹ، بجری اور اینٹوں وغیرہ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ صحن کے بالکل سامنے ایک کمرہ تھا اس کے دائیں ہاتھ پر باورچی خانہ اور بائیں طرف باتھ روم مکمل تعمیر شدہ حالت میں تھا البتہ فرنیچر یا کچن کے سامان کے نام پر یہاں کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں تھی۔

"جناب آپ نے خواہش کی تھی کہ کم سے کم کرائے والا گھر دکھاؤں تو میرے پاس موجود یہی گھر ایسا ہے سب سے کم کرائے پر دستیاب ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے آپ کی مہربانی...... لیکن میں معذرت چاہتا ہوں کہ ہمیں یہ گھر بالکل بھی پسند......"

"کرایہ کیا ہے اس مکان کا؟" مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے اس سے پہلے کہ اربش اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا اجیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دبایا اور اسے اشارے سے کچھ دیر خاموش رہنے کو کہا لیکن یہ مکان نہ تو حسن کو گوارا تھا اور نہ ہی اربش کے لیے قابل قبول۔

"یہی کوئی تقریباً چار ہزار کے لگ بھگ بھی دے دیں تو ٹھیک ہے۔" چار ہزار اجیہ کے لگائے گئے تخمینے سے کم تھا لیکن پھر بھی اس نے دام مناسب کرانے کی کوشش کرنے کا سوچا۔

"بھائی پہلے تو آپ یہ مکان دیکھیں پھر کرایہ بتائیں۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ گھر جو ابھی مکمل تعمیر بھی نہیں ہوا اس کے آپ اتنے پیسے مانگ رہے ہیں جو مناسب نہیں ہے بہتر ہوگا ذرا کرایہ کم کرکے بات فائنل کرلیں ورنہ پہلے بھی دو سال یہ گھر بند ہی رہا ہے اگلے دو سال مزید بند رہا تو خراب تو ویسے بھی ہوجائے گا تو کیا بہتر نہیں کہ دو پیسے ہاتھ آجائیں۔"

"اجیہ رہنے دو...... مجھے یہ گھر تمہارے لحاظ سے ویسے بھی پسند نہیں ہے میں تمہیں اس سے کئی درجے بہتر گھر میں رکھوں گا۔" اربش کی بات سے جیسے ہی پراپرٹی ڈیلر کو اندازہ ہوا کہ انہیں مکان رینٹ پر لینے کی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے اور وہ کسی دوسری جگہ بھی مکان دیکھ سکتے ہیں تو فوراً کرائے میں بنیادی کمی کردی اور کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر خیال کیا۔

"آپ بتائیں باجی آپ کتنے دے سکتی ہیں؟"

"یہی کوئی دو ڈھائی ہزار۔" اجیہ نے انتہائی کم پیسے بتائے جن کے بارے میں خود اسے علم تھا کہ اتنے میں وہ بھی اوکے نہیں کرے گا۔

"یہ تو بہت کم ہے لیکن چلیں ٹھیک ہے تین ہزار پر فائنل کریں اور دس ہزار ایڈوانس پہلے دینا ہوگا۔" اجیہ کی آنکھیں ایک بار پھر چمک رہی تھیں وہ خوش تھی کہ کم پیسوں میں انہیں سر چھپانے کا ٹھکانہ مل گیا تھا البتہ حسن اور اربش کو یہ مکان معیاری معلوم نہیں ہورہا تھا۔

"ہم تھوڑا سا مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔" حسن نے پراپرٹی ڈیلر سے کچھ وقت مانگا اتفاق سے اسی وقت اسے کسی کی فون کال بھی موصول ہوئی۔

"ضرور کیوں نہیں، آپ لوگ آپس میں مشورہ کریں میں تب تک اپنے دوست کا فون سن لوں۔" اس نے

Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Medora
Perfumed Talc
Season
Pleasure
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس
MEDORA OF LONDON

اسکرین پر نمبر کے ساتھ غزنی کا نام ابھرتا دیکھ کر فون کال اوکے کر کے کان سے لگایا اور گلی میں چلا گیا۔

''اجیہ تم نے کیا سوچ کر اس گھر کے دام مناسب کروائے یار کیا یہ گھر کسی بھی طرح رہائش کے قابل ہے؟'' اربش اس کے جاتے ہی بول اٹھا۔

''ہاں بھابی اربش جس طرح کی زندگی اب تک گزار چکا ہے اس کے لیے یہ گھر کسی بھی طور مناسب یا قابل قبول نہیں ہے۔'' حسن نے اس کی تائید کی۔

''مجھے معلوم ہے...... سب کچھ معلوم ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ ہم کب سے گھر ڈھونڈ رہے ہیں اتنے گھنٹوں بعد اب جبکہ رات ہونے کو آئی ہے تو کہیں علاقہ اچھا نہیں تو کہیں کرایہ بہت زیادہ ہے ایسے میں جبکہ ہمارے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم زیادہ نہ سہی ایک دو مہینہ اس مکان میں گزاریں کوئی نوکری تلاش کریں اور پھر روزگار ملتے ہی گھر بدل دیں۔''

اجیہ کی بات نے اربش کو خاموش کرا دیا تھا کیونکہ بوتیک پر کپڑے واپس کرنے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا بوتیک اربش کے دوست نے پارٹنر شپ پر کھولا تھا اور خریدے گئے لباس واپس نہ لیے جانے کی واضح ہدایات بوتیک کے اندر بھی درج تھیں لہٰذا اسے اپنے دوسرے پارٹنرز کو بھی مطمئن رکھنے کی خاطر کپڑے واپس کرنے سے انکار کرنا پڑا تھا تبدیل کرائے جانے کا آپشن موجود تھا جو ان کے لیے کسی طور فائدہ مند نہ تھا لہٰذا اس نے بڑی اپنائیت نبھاتے ہوئے صرف دو ہی سوٹ واپس کر کے انہیں پیسوں کی ادائیگی کی تھی باقی اب بھی اسی طرح سوٹ کیس میں موجود تھے اور اسی لیے اجیہ نے اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی کوشش کی جو آخر کار اربش کی سمجھ میں آ ہی گئی تھی۔

''تو یہی تو میں کہتا ہوں کہ اگر میں اس موقع پر بھی تم لوگوں کے کام نہ آیا تو تف ہے میرے ہونے پر......'' حسن نے افسوس غصے اور بے بسی سے اپنی ہتھیلی پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

''حسن یار تو غلط سوچ رہا ہے، مجھے اپنا آپ آزمانے دے ضرورت پڑی تو تیرے سوا کون ہے میرا جس سے کہوں گا۔'' اربش نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے ہونہہ کہہ کر گردن جھٹک دی۔

''حسن بھائی مجھے اور اربش کو اپنی زندگی اس نئی اور غیر متوقع شروعات پر آپ کی دعا اور سپورٹ چاہیے ہمارے گھر والے تو ویسے ہی ہم سے خفا ہیں تو کیا آپ بھی ہم دونوں سے ناراض ہو جائیں گے۔'' اجیہ نے حسن کو بھائی کہہ کر مخاطب کیا تو وہ جیسے اپنے تمام گلے شکوے اور شکایتیں بھول گیا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ جو بھی چاہو وہ کرو لیکن جہاں کہیں تھکنے لگو تو یاد رکھنا کہ میں تمہاری صرف ایک فون کال پر تمہاری ہر طرح کی مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا اللہ تم دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ خوش رکھے۔'' حسن نے اجیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بہنوں والا مان دیا اور اس نئے احساس کے ساتھ وہ تینوں مسکرا ہی رہے تھے کہ اربش بولا۔

''ایک فون کال تو تب کروں گا جب ہم دونوں میں سے کسی کے بھی پاس فون ہوگا۔'' لہٰذا طے یہ پایا کہ ایڈوانس کی ادائیگی کے بعد سب سے پہلے حسن اور اربش گھر کے لیے ضروری سامان اور سودا لے کر آئیں تب تک اجیہ گھر کی صفائی ستھرائی کر لے اور ایک کمرہ کچن اور باتھ روم ہی تو تھا کوئی وسیع وعریض گھر تو تھا نہیں کہ جس کی صفائی میں گھنٹوں لگ جاتے نہ کوئی فرنیچر تھا جس کی جھاڑ و پونچھ کی جاتی خالی فرش پر صرف جھاڑو لگا کر اس نے پانی ڈالتے ہوئے سارا گھر دھو دیا تھا اسی دوران حسن اور اربش لوٹے تو وہ اکیلے نہیں تھے بلکہ دوسری گاڑی میں کچن کے چند برتن، سونے کے لیے سستا سا بیڈ، چینی پتی سمیت دیگر ضروری اشیا اور سب سے بڑھ کر معمولی فنکشنز والے دو موبائل بھی تھے جو یقینی طور پر آج کل کی ضرورت کی اشیا میں سرفہرست سمجھے جاتے تھے۔

محبت مر نہیں سکتی
کسی کے دور جانے سے
کسی کی بے وفائی سے
بہت مجبور ہونے سے
کسی بھی فاصلے سے
رہگزر کی پیچ داری سے
یہ رستہ ڈھونڈ لیتی ہے
محبت رائیگاں جاتی نہیں
انسان کے اندر
محبت زندہ رہتی ہے
ہر اک امکان کے اندر
محبت جانے والوں سے
سدا اقرار کرتی ہے
یہ ان سے دور رہ کر بھی
انہی سے پیار کرتی ہے
نئے سانچے میں ڈھلتی ہے
یہ چکنا چور ہونے سے
محبت مر نہیں سکتی
کسی کے دور ہونے سے......

غزنی کو جب سے سکندر صاحب سے اجیہ کے لیے کیے گئے کیس کی تفصیل اور اس کی موجودگی کے بارے میں پتا چلا تھا دل کی عجیب حالت تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ جذبہ محبت کا تھا جو انتقام پر حاوی ہورہا تھا یا انتقام تھا جو محبت پر حاوی ہورہا تھا وہ اب جلد از جلد اجیہ کو دیکھنا چاہتا تھا اور اسے اپنا ردعمل دکھانا چاہتا تھا۔ لیکن اس سب سے پہلے وہ چاہتا تھا کہ اجیہ کو ایک بہت بڑا سرپرائز بھی دے۔

وہ اب اس کے سامنے یہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس نے کبھی اس سے محبت بھی کی تھی یا اسے حاصل کرنے کے لیے وہ پاگل ہوا تھا اس اعتراف میں اسے اپنی ذات کی کم مائیگی محسوس ہوئی لہٰذا اس کے شیطانی ذہن نے پل بھر میں ہی وہ منصوبہ سوچ لیا تھا جس سے نہ صرف سکندر صاحب اس کے ہمیشہ کے لیے احسان مند رہتے بلکہ اجیہ اور حنین بھی اس کو اپنا محسن مانتیں اور ویسے بھی بدلہ لینے کا وقت اتنا جلدی آجائے گا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ فوراً سے پہلے اسپتال کی طرف روانہ ہوگیا جہاں اماں اور حنین موجود تھیں وہ جانتا تھا کہ اب چونکہ اجیہ کو واپس لانے کے پیچھے سکندر صاحب کا عزم ہے تو کچھ بھی ہو وہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے کیونکہ ان کی ضدی فطرت سے اسی بات کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اسپتال پہنچا تو حنین اور اماں دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کیا حال ہے اب چچی کا ڈاکٹرز نے کچھ بتایا؟" غزنی نے حنین کو دیکھا جو خود کو اچھی طرح دوپٹے سے لپیٹے ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں سرخی نمایاں تھی۔

"فی الحال تو کوئی بہتری نہیں ہوئی اسی حالت میں ہیں جس حالت میں گھر سے آئی تھیں اور ڈاکٹرز ابھی اس معاملے میں بھی پر یقین نہیں ہیں کہ آیا ان کی سماعت بھی کام کررہی ہے یا نہیں۔" غزنی کو تفصیل سے جواب دیتے ہوئے حنین بے اختیار ہوکر پھر رونے لگی تھی۔

"ارے پاگل لڑکی چپ کرو، ورنہ تم تو رو رو کر ختم ہوجاؤ گی۔" غزنی نے اس کے سر پر چپت رسید کی تو اماں پیار سے حنین کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جب سے تم گئے ہو اس کا یہی حال ہے بات بے بات رونے لگتی ہے اسے لاکھ سمجھایا کہ یہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے انسان کے اختیار میں تو بس یہی ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر علاج کرے اور بس باقی شفا دینا تو اللہ کا کام ہے ناں۔"

"اماں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں حنین...... اس طرح پریشان ہونے سے تو چچی ٹھیک نہیں ہونے والیں بلکہ اس طرح تو تم خود بیمار ہوجاؤ گی تم اکیلی تھوڑی ہو ہم ہیں ناں تمہارے پاس۔"

"بابا جانی تو نہیں ہیں ناں انہوں نے تو دوبارہ چکر بھی نہیں لگایا۔" بات کرکے وہ پھر رونے لگی اور غزنی کو اس کے یوں رونے سے واقعی تکلیف ہورہی تھی کہ آخر وہ اس

کی بہت اچھی اور پرانی دوست تھی اور سب سے بڑھ کر تو اب اس کی ڈائری پڑھنے کے بعد سے وہ اسے مزید خاص لگنے لگی تھی وہ اس کی محبت کی قدر کرتا تھا اور اس وقت اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے اسے فوراً سے چپ کرائے اماں بھی اس کا یوں بلک بلک کر روتا دیکھ کر پریشان تھیں اور تب غزنی کو پتا نہیں کیا ہوا کہ روتے ہوئے آنکھیں ملتے والی حنین کو دو قدم آگے بڑھ کر اس کا سر سینے سے لگا لیا اور ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر دوسرے سے اس کا سر سہلانے لگا اس کی تھوڑی حنین کے سر پر تھی اور وہ اسے خاموش کرانے کے لیے خود سے قریب کیے ہوئے تھا۔

حنین کو اس قدر روتا دیکھ کر وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس وقت اماں بھی اسی کمرے میں موجود ہیں اور اگر نہ بھی ہوتیں تو یوں حنین کو خود سے اس قدر قریب کرنا بالکل مناسب نہ تھا اس نے محسوس کیا کہ اس کے قریب ہوتے ہی حنین کے آنسو تھم گئے تھے شاید وہ اس کی بے باکی پر حیران رہ گئی تھی شاید اس کے ملبوس سے اٹھتی مسحور کن خوشبو جو اس نے ہمیشہ اس کے آنے پر محسوس کی تھی اب اتنے قریب سے سانسوں سے اتارتے ہوئے وہ دم بخود تھی۔

وہ کبھی غزنی کے اس قدر قریب بھی ہوسکتی ہے یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ جتنا قریب وہ اپنا اور غزنی کا نام لکھتی ہے اتنا ہی قریب کبھی حقیقت میں بھی وہ ہوگی اور وہ بھی اب جبکہ وہ چاہتی تھی کہ اس کی محبت اجیہ سے لگا یا تھا جیسے یہ کوئی خواب ہے اسی لیے گویا سانس روکے کھڑی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ وہ سانس لینے کی غلطی کرے اور یہ تمام طلسم ٹوٹ کر رہ جائے اسی لمحے اس نے اپنے سر پر غزنی کے ہونٹوں کا لمس محسوس کیا تھا۔

"غزنی......!" اماں غزنی کی اس حرکت پر اپنی ہی نظروں میں شرمندہ ہوکر رہ گئی تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس کے اندر سما جائیں انہیں غزنی سے کبھی بھی اس عامیانہ پن کی امید نہ تھی اور خود غزنی بھی جیسے ان کی آواز سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا اسے خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ اس نے کیا کیا...... اور آخر کون سے جذبے کے تحت کیا؟ اور اسے اماں کے سامنے موجود ہونے کا بھی لحاظ کیوں نہ ہوا؟ پتا نہیں اسے محسوس ہوا جیسے شاید حنین کی شکل میں کوئی کشش تھی جس کی طرف وہ کھنچتا چلا گیا اور حنین نے بھی کوئی مزاحمت نہ کی۔

حنین اب اپنا رونا دھونا بھول کر شرمساری غزنی سے فاصلے پر کھڑی تھی وہ سامنے کھڑے غزنی سے نظریں ملا پا رہی تھی اور نہ اماں کو اس کے اپنا آپ مجرم محسوس ہورہا تھا۔ غزنی، حنین اور اماں تینوں ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے اور پشیمان بھی ایسے میں غزنی نے انتہائی سوچ سمجھ کر اماں کو مخاطب کیا۔

"اماں میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ ابھی جو کچھ بھی ہوا وہ مکمل طور پر لاشعوری طور پر ہوا لیکن اگر میں حنین سے شادی کرتا ہوں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"حنین سے شادی؟" اماں پر تو گویا شادی مرگ کی کیفیت تھی کچھ دیر پہلے کی شرمندگی پر یہ خوشگوار بات حاوی ہوگئی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتیں غزنی حنین کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی بات سن کر ہونق سی ہوکر رہ گئی تھی۔

"حنین شادی کروگی مجھ سے؟"

"غزنی شادی......! لیکن تم تو اجیہ سے......" وہ بھونچکی سی کبھی غزنی کو دیکھتی تو کبھی اماں کو اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ جس کے لیے اس نے دن رات دعائیں مانگی تھیں اس کا ساتھ حاصل ہورہا تھا تو وہ اتنی نروس کیوں ہے، شاید یہ خوشی اتنی بڑی تھی کہ اس سے سنبھالے نہ جارہی تھی اور شاید وہ فی الحال اجیہ اور امی کے صدمات میں گھری ہوئی تھی اس لیے فوری طور پر حواس بحال نہ ہورہے تھے۔

"اجیہ تھی...... اور تم ہو۔" غزنی نے گہرا سانس لیا۔ "اور تم پر کوئی زبردستی بھی نہیں ہے اگر تمہیں خوشی سے میرا ساتھ قبول ہو تو مجھے تمہارے ساتھ دوستی سے بھی آگے کا تعلق بنانے میں خوشی ہوگی، ورنہ دوسری صورت میں ہم دونوں

ہمیشہ دوست تو رہیں گے ہی۔"

"لیکن میں بابا جانی کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتی امی کی اس حالت کے بعد وہ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہوگا۔"

"تمہارے بابا جانی سے میں خود بات کرلوں گی تم فکر نہ کرو۔" اماں بہت خوش تھیں کہ ایک بار پھر غزنی نے ان کی بات مان کر فرماں برداری سے ان کا دل جیت لیا تھا۔

"اور امی...... میں انہیں اس حالت میں چھوڑ کر کہیں بھی کیسے جاسکتی ہوں۔" حنین نے گردن موڑ کر بیڈ پر بے سدھ لیٹی امی کو دیکھا جن کے جسم کے ساتھ کئی نالیاں لگی ہوئی تھیں اور دیکھتے ہوئے پھر سے رونے لگی، اس مرتبہ اماں اسے تسلی دینے آگے بڑھیں۔

"اس کا بھی حل ہے میرے پاس...... اماں آپ اور ابا، چاچو کو اس بارے میں آگاہ کریں نکاح تو اسپتال میں بھی ہوسکتا ہے۔ کیوں حنین؟" اماں نے اس کے آنسو خود پونچھے لیکن پھر بھی حنین کچھ بھی کہے بغیر محض سر جھکا کر رہ گئی' اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی، اسے ملی بھی تو تب جب اس کے ساتھ اس خوشی کو شیئر کرنے کے لیے اجیہ تھی اور نہ ہی امی۔

اسے اجیہ بہت شدت سے یاد آئی تھی جس کے بغیر اس کی کوئی خوشی، خوشی نہ تھی اور جس نے اپنی کئی خوشیاں نظر انداز کرکے حنین کی خوشیاں اور خواہشیں پوری کرنے کی تگ ودو کی تھی امی جو ہمیشہ اس کے بہترین نصیب کے لیے دعائیں مانگا کرتی تھیں اور آج جب ان دعاؤں کے پورا ہونے کا وقت آیا تو وہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی نہیں تھیں، لے دے کر سکندر صاحب رہ گئے تھے تو جب سے اجیہ کے گھر سے جانے اور امی کو اسپتال لانے کا واقعہ ہوا تھا ان کی لاتعلقی نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ انہیں اسپتال میں امی کے پاس ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو جب سے گئے تھے نہ واپس آئے نہ فون پر خیریت معلوم کی اور یہی بات حنین کے دل اور آنکھوں میں آنسو لانے کے باقی اسباب میں سے ایک تھی وہ سوچتی کہ ساری عمر سکندر صاحب کی جی حضوری کرنے کا صلہ امی کو کچھ بھی نہیں ملا...... پہلے نہیں تو کم از کم اب ان کی اس حالت میں ہی سکندر صاحب ان کی خدمات کا اعتراف کرلیتے انہیں سراہتے یا اب جبکہ امی کو ان کی ضرورت تھی تو ان کے پاس موجود ہوتے ہر وقت نہ سہی چند گھنٹے ہی سہی۔

لیکن ایسا نہ ہوا اور ان کا یہ عمل حنین کے دل کو اداس کرگیا مگر اس سب کے باوجود اس نے اپنی شادی کے معاملے میں مکمل اختیار سکندر صاحب کو ہی دیا تھا وہ اپنی جگہ پر اچانک جیسے گم صم سی ہوگئی تھی کہ یہ غزنی کو آخر ہوا کیا ہے ان حالات میں شادی اور وہ بھی اس سے؟

"مجھے فون ملا کر دو میں پہلے تمہارے ابا سے تو بات کروں۔" اماں کے کہنے پر غزنی نے انہیں اپنے موبائل پر ابا کا نمبر ملا کر دیا تو وہ فون لے کر باہر چلی گئیں۔

"آئی ایم سوری حنین...... میں شرمندہ ہوں جو کچھ بھی ہوا۔" حنین جواب میں کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے نیچے دیکھتی رہی۔

"مجھے خود پر بہت کنٹرول ہے ہر معاملے میں لیکن پتا نہیں مجھ سے یہ غلطی کیسے ہوگئی امید ہے کہ تم مجھے معاف کردوگی اور یقین کروگی کہ یہ سب نادانستہ طور پر ہی ہوا ہے ورنہ ظاہر ہے اماں کے سامنے تو......؟"

"اٹس اوکے غزنی میرے سامنے کسی بھی بات کی اتنی صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں...... مجھے تم پر یقین ہے۔" غزنی نے بات ادھوری چھوڑی تو وہ بولی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں حنین' کوشش کروں گا کہ تمہیں بہت خوش رکھوں اور تمہیں وہ تمام خوشیاں دوں جن کی تم حق دار ہو لیکن تم پر میں اپنی یہ خواہش ٹھونسوں گا نہیں اگر تم خوشی سے میرا ہاتھ تھاموگی تو یقینی طور پر میں تمہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ چاہوں گا دوسری صورت میں تمہیں انکار کرنے کا مکمل اختیار ہے ابھی تو اماں بھی موجود نہیں ہیں لہٰذا چاہو تو جس طرح پہلے ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی ہر طرح کی فیلنگ شیئر کرتے تھے ابھی

بھی کر سکتی ہو۔"

"اس اچانک فیصلے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں...... تم جو کہ اجیہ سے شادی میں انٹرسٹڈ تھے اب یوں ایک دم اچانک نگاہ الفت مجھ پر...... اس کے پیچھے کیا راز ہے؟" دونوں میں بے تکلفی تو تھی ہی لہٰذا جو بات حسنین کے دل میں تھی وہ زبان پر آنے میں بالکل دیر نہ لگی۔

"تمہاری محبت......!" غزنیٰ نے برجستہ مسکراتے ہوئے جواب دیا جبکہ حسنین ابھی تک سنجیدہ تھی۔

"میری محبت؟" اسے حیرت ہوئی کہ غزنیٰ اس کی محبت کے بارے میں بھلا کیسے جان سکتا ہے اور غالباً غزنیٰ بے ساختہ کہہ دینے کے بعد اب سوچ رہا تھا کہ جو بات خود حسنین نے اس سے چھپانا چاہتی تھی تو کیا ضروری تھا کہ اس پر سے یوں نقاب الٹ دیا جائے لہٰذا بات ہی بدل ڈالی۔

"مجھے لگتا ہے حسنین کہ تمہاری محبت ہی تھی جو ہمیشہ سے میرے دل میں تھی اور جواب تک مجھے تم سے قریب کیے رہی اجیہ سے تو شاید بس ضد کا ایک رشتہ تھا اور میں غلطی پر تھا جو صرف اس کی ضد توڑنے کے خیال سے شادی جیسے بڑے بندھن میں اسے باندھنے لگا تھا ورنہ قدرت نے تو جانے کب سے میرا اور تمہارا ملن لکھ دیا تھا بس مجھے ہی سمجھنے میں دیر لگی جس کے لیے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں اور کہو تو ڈھائی مرتبہ اٹھک بیٹھک بھی لگانے کو تیار ہوں۔" اس نے بات کو ذرا لائٹ موڈ میں کرنا چاہا۔

"غزنیٰ تم سچ کہہ رہے ہو ناں، بالکل سچ؟" وہ کنفیوژ ہوگئی تھی۔

"آج سے پہلے تک تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا ناں تو بس یقین رکھو کہ آئندہ بھی کبھی تمہارا مان نہیں توڑوں گا۔"

یہ واقعی سچ تھا کہ اس نے آج تک حسنین سے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا لیکن آج اس کی بات مکمل سچ نہ تھی اور اس جھوٹ کو مصلحتاً بولنے والے جھوٹ کا کہہ کر خود کو بری الذمہ قرار دے رہا تھا کہ بدلہ تو اس نے لینا ہی لینا تھا۔

"لیکن ایک بات کہوں......" وہ رکا۔

"ہاں بولو؟"

"آج کے بعد ہم دونوں آپس میں دنیا کی ہر بات کیا کریں گے لیکن اجیہ اور اس سے جڑے معاملات کو ڈسکس نہیں کریں گے بولو وعدہ؟"

"وعدہ...... پکا وعدہ۔" حسنین نے سر ہلا کر کہا اس مرتبہ وہ کچھ ریلیکس دکھائی دے رہی تھی۔

"لیکن تم بھی ایک وعدہ کرو غزنیٰ......"

"کیسا وعدہ؟"

"یہی کہ اگر بابا جانی اماں کی بات مان کر ہاں کر دیتے ہیں تو تم مجھے امی سے دور نہیں کرو گے کیونکہ امی کو میری ضرورت ہے اور میں انہیں چھوڑ کر فی الحال کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"ہم...... تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے حسنین، نکاح ہو جائے پھر جہاں تمہاری مرضی ہو رہو میں کچھ بھی نہیں کہوں گا کیونکہ مجھے معلوم تو ہوگا ناں کہ حسنین دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو لیکن میری اور صرف میری ہے۔"

حسنین کو اپنے کانوں میں گونجتے ان الفاظ پر کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا...... یہ سب جو کچھ ہو رہا تھا اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے، غزنیٰ جسے اس نے سوتے جاگتے سوچا تھا اپنی دعاؤں میں مانگا تھا۔ وہ صفر چانس نہ ہونے کے باوجود بھی اس کا ہونے جا رہا تھا یہ اس کے لیے خوشی کی انتہا نہیں تو اور کیا تھا۔

"مبارک ہو غزنیٰ تمہارے ابا وہیں دکان پر ہی بیٹھے تھے میں نے ان تک تمہاری خواہش پہنچائی تو انہوں نے بھائی صاحب سے بھی فون کا اسپیکر آن کرا کر بات کرا دی۔" اماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"اور وہ تو مانو اتنے خوش ہوئے کہ کیا بتاؤں تمہیں دعائیں دے رہے تھے۔"

"تو بس اماں پھر دیر کس بات کی ہے۔" غزنی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ابا اور چچا جان سے کہیں کہ نکاح خواں کو لے کر سیدھا

اسپتال ہی آجائیں۔"

"ابھی...... کیا واقعی تم سنجیدہ ہو۔" اماں نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا وہ واقعی مذاق کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

"سو فیصد سنجیدہ ہوں اماں میری اور حنین کی پوری زندگی کا سوال ہے اور آپ کو لگتا ہے کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔" حنین اس طرح سب کچھ اچانک ہونے پر اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس کر رہی تھی کہ یہ سب نہ تو کوئی ڈرامہ تھا نہ فلم، پھر سب کچھ یوں اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوتے دیکھ کر اس کا دل گھبرا رہا تھا ایسا لگتا جیسے کچھ ہونے والا ہے۔

زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا بیڈ پر لیٹی امی اور نئی زندگی شروع کرتی ہوئی حنین اسے پتا نہیں کیوں لگنے لگا تھا کہ شاید کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا بھلا نکاح خواں اور ڈاکٹرز، شادی اور اسپتال، چھوہارے اور دوائیاں ان سب چیزوں میں کوئی مطابقت تھی ہی نہیں پھر...... پھر یہ سب اس طرح کیوں ہو رہا ہے۔

"ارے نہیں بیٹا میں نے بھلا کب کہا کہ مذاق ہے لیکن یوں اسپتال میں نکاح؟"

"تو ظاہر ہے اماں اسی طرح تو چچی بھی نکاح میں شریک ہو سکیں گی ناں ورنہ فی الحال مجھے تو نہیں لگتا کہ ڈاکٹرز گھر لے جانے کی اجازت دیں۔"

"ہاں بات تو تمہاری بھی ٹھیک ہے۔"

"تو پھر میری پیاری اماں ابا سے کہیں کہ آتے ہوئے نکاح خواں کے ساتھ ساتھ اسپتال میں بانٹنے کے لیے مٹھائی بھی لے آئیں اور جلدی آئیں۔"

"اچھا تم ذرا باہر سے میرے لیے ٹھنڈا پانی لاؤ فٹافٹ۔" اماں نے جان بوجھ کر بہانے سے غزنی کو باہر بھیجا اور لپک کر حنین کے پاس آئیں۔

"حنین بیٹا تم اس رشتے سے خوش تو ہو ناں؟"

"میری فکر نہ کریں اماں...... اللہ کرے میں آپ سب کو بہت خوش رکھ سکوں۔" حنین نے بھی تائی اماں کی بجائے غزنی کی طرح اماں کہا تو وہ خوشی سے جھوم گئیں۔

"میری گارنٹی ہے بیٹا کہ غزنی تمہیں بہت خوش رکھے گا خود میں تمہیں خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔"

اس دوران غزنی پانی لے کر اندر آیا۔

"اور اگر اس نے تمہیں کبھی بھی کوئی دکھ یا تکلیف دی تو میں اسے خود بھی کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اماں نے اسے اپنے گلے لگالیا۔

"غزنی جانتا تھا کہ حنین بہت پیارے دل کی لڑکی ہے باوجود اس کے خود اس میں کئی منفی عادتیں تھیں جنہیں وہ مستقبل بعید میں حنین کی خاطر چھوڑ دینا چاہتا تھا لیکن کچھ ایسے حساب تھے جو ابھی چکتا کیے بغیر اسے آرام آنے نہ دیتے اور جن کی مکمل پلاننگ وہ سکندر صاحب کے پولیس اسٹیشن سے فون کیے جانے کے بعد سے لے کر اسپتال آنے تک کے رستے میں کرتا آیا تھا' منصوبے تمام مکمل تھے اب اگر انتظار تھا تو صرف اور صرف اجیہ کا اور اس تمام پروسیس میں حنین کو ممکنہ دکھ پہنچتا اس کا خود اسے بھی افسوس تھا۔

❀......❀......❀

ممی کی پریشانی کا بھابی کو شرمین کے ذریعے ہی معلوم ہوا تھا اور یہ سچ تھا کہ انہیں ممی کی ٹینشن سے کہیں بڑھ کر اپنی ان امیدوں کے ٹوٹنے کا بھی دکھ ہوا تھا جو شرمین کی اس گھرانے میں شادی ہونے سے پوری ہو جاتیں لہٰذا جیسے ہی بھائی آفس سے گھر آئے تو وہ کھانا پکا کر تیار بیٹھی تھیں، ان کے کھانا کھاتے ہی گاڑی میں بیٹھیں اور ممی کے پاس اظہار ہمدردی کرنے آ پہنچیں' وہ آئیں تو شرمین کسی سے فون پر بات چیت کرنے میں مصروف تھی۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے غزنی تمہیں شادی کی بہت بہت مبارک ہو، اب تم یہ بتاؤ کہ میں تمہیں اور اجیہ کو شادی کی مبارک باد دینے تمہارے گھر کب آؤں۔"

بھابی نے محسوس کیا کہ ممی اور بوا بھی مکمل سنجیدگی اور دھیان کے ساتھ اس کی بات سن رہی ہیں لہٰذا وہ بھی رسمی سی بات چیت کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

"پہلے تو تم اپنی درستگی کرلو مبارک باد بعد میں کبھی دے لینا۔"

"درستگی، مطلب میں سمجھی نہیں کس چیز کی؟" اس نے جان بوجھ کر لاعلمی ظاہر کی۔

"میری شادی حنین سے ہوئی ہے نا کہ اجیہ سے یہ تو ہوگئی پہلی بات اور دوسری بات یہ کہ تم یقیناً سارا واقعہ جان چکی ہو اسی لیے اب صحافیوں کی طرح مزید خبر لینے کے لیے فون کررہی ہو...... ہے ناں؟"

"اگر سچ کہوں تو ہاں غزنی مجھے بھی کہیں سے پتا چلا تھا اور یقین کرو کہ بہت ہی افسوس ہوا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم اجیہ کو کتنا پسند کرتے تھے ایسے میں اگر اس نے عین شادی کے وقت ایک غلط قدم اٹھایا اور نہ صرف تمہیں بلکہ اپنا گھر ہی چھوڑ کر چلی گئی تو واقعی یہ اس نے بہت برا کیا۔" وہ جان بوجھ کر بات کو بڑھا چڑھا کر کررہی تھی تاکہ ممی سنیں اور اس کی کہی گئی غزنی اور اجیہ سے متعلق تمام باتوں کو مزید سچ مانیں۔

"برا تو نہیں بلکہ اس نے بہت ہی اچھا کیا کیونکہ اگر وہ اس طرح مجھے چھوڑ کر نہ جاتی تو مجھے دنیا کی سب سے اچھی اور محبت کرنے والی لڑکی حنین نہ ملتی۔" وہ دوسروں کو خود پر افسوس کرنے کا موقع دینے والوں میں سے نہیں تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی اس پر ترس کھاتے ہوئے یا ہمدردی دکھاتے ہوئے بے چارہ غزنی کہے۔

وہ بے چارہ غزنی جسے عین شادی کے روز اس کی دلہن چھوڑ گئی۔ بے چارہ غزنی جس کے گھر کی سجاوٹ دلہن کی منتظر رہی۔ اور بے چارہ غزنی جس نے صرف ایک دن کے نوٹس پر شادی کی تمام تیاریاں کیں اور پھر بھی سب دھری کی دھری رہ گئیں۔

"حنین کون؟" شرمین کے لیے یہ نام نیا تھا لہٰذا چونکتے ہوئے ممی کو دیکھا۔

"میری منکوحہ اور کون۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا اور شرمین جو اس کی طرف سے غصہ مایوسی اور دکھ بھری باتیں سننے کی امید رکھتی تھی حیران ہو کر رہ گئی ورنہ اب سے پہلے تک وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ شادی ہونے کی بات غزنی مذاق میں چڑ کر کہہ رہا ہے ورنہ وہ اب اجیہ کے علاوہ کسی اور سے اگر شادی کرے گا بھی تو شاید کچھ عرصہ بعد۔ لیکن ایسا تو کچھ بھی نہ ہوا اور یہی بات شرمین کے لیے حیرت کا باعث تھی۔

"ابھی تمہارے فون سے کچھ دیر پہلے ہی میرا اور حنین کا نکاح ہوا ہے۔"

"تو تم...... خوش ہو اس شادی سے میرا مطلب ہے کہ یہ تمہاری محبت کی شادی تو نہیں ہے ناں؟" وہ فون لے کر باہر نکل آئی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے یہ میری نفرت کی شادی ہے؟" بات کرتے وہ خود ہی ہنسا۔

"تم ان باتوں میں دماغ نہ لڑاؤ اور یہ مت سمجھو کہ میں اجیہ کے سوگ میں ہی بیٹھا رہوں گا ایسا کچھ بھی نہیں ہے اس کی خوشی وہ جہاں بھی رہے اور جس کے پاس بھی رہے مجھے تو اتنا پتا ہے کہ میں بہت خوش ہوں۔"

اجیہ سے کسی بھی قسم کا انتقام نہ لینے کا ارادہ ظاہر کرکے غزنی نے شرمین کو مزید حیران کیا ورنہ وہ جانتی تھی کہ غزنی بدلہ لینے پر یقین رکھتا ہے معاف کرنا اس کی سرشت میں ہی نہیں اور وہ جو چاہتی تھی کہ اب غزنی اجیہ سے سخت انتقام لے یہ سب جان کر مایوس ہوئی کہ شاید غزنی بدل چکا تھا۔ البتہ حقیقت تو یہ تھی کہ غزنی اپنے داؤ آخری وقت تک ظاہر نہ کرنے والوں میں سے تھا اس کے ذہن میں اجیہ کے حوالے سے کیا کچھ چل رہا تھا اس میں وہ کسی بھی دوسرے کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اور سنو، بہتر ہوگا کہ کل سے آفس آجاؤ تاکہ دوبارہ سے کام شروع کیا جائے۔"

شرمین نے سوچا تو یہ تھا کہ وہ غزنی کو یہ بتا کر وہ اس وقت اجیہ کے سسرال میں ہے اسے حیران کردے گی پھر وہ اس سے پتا پوچھے گا اور وہ بڑا احسان جتاتے ہوئے اسے پتا بتائے گی لیکن ایسا تو کچھ ہوا ہی نہیں تھا لہٰذا اس کے ہاتھ کوئی بھی ایکسائٹمنٹ نہیں آئی۔

''ہمم...... ہاں چلو ٹھیک ہے لیکن اگر میں کل کے بجائے پرسوں آجاؤں تو؟''

''خیریت تو ہے ناں، چھٹی کی کوئی خاص وجہ؟'' وہ جانتا تھا کہ شرمین تو گھر سے باہر رہنے کے بہانے ڈھونڈتی تھی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی اپنی بھابی سے نہیں بنتی تھی اسی لیے اس کی چھٹی کے مطالبے پر حیران ہوا۔

''دراصل کل کا دن ممی کے ساتھ ہی گزرنے کا ارادہ ہے اگر تم چھٹی دے دو تو......''

''کون سی ممی تمہاری والدہ تو......؟'' وہ اسپتال کے لان میں گھاس پر بیٹھا تھا۔

''اربش کی ممی کی بات کررہی ہوں۔'' اس مرتبہ اس کے عام سے لہجے نے غزنی کے چودہ طبق روشن کردیے تھے۔

''اربش اوراجیہ کے یوں خفیہ شادی کرلینے پرممی بہت پریشان ہیں ناں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کم ازکم کل کا دن بھی ان کے ساتھ گزار کر پرسوں سے جاب پر آجاؤں۔'' اسے لگا تھا جیسے غزنی اربش اوراجیہ کے متعلق سب کچھ جانتا ہے اسی لیے اس مرتبہ اس کا لہجہ بھی عام سا تھا کہ اس نے غزنی کی باتوں میں بھی کوئی غصہ، نفرت یا انتقام کا جذبہ دیکھا ہی نہیں۔

''ہمم...... تو اب پتا چلا کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔''

غزنی نے اسے یہی احساس کرایا تھا جیسے وہ کسی دور پرے کے ملنے والے کی بات کررہا ہے شرمین کے سامنے اپنی ایکسائٹمنٹ دکھانے سے اس نے اس لیے بھی گریز کیا تھا کہ وہ اس کی نیچر بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔

''جہاں تمہیں باقی سب پتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ممی نے ان دونوں کو گھر سے نکال دیا ہے۔''

''ہاں نکال تو دیا ہے لیکن وہ اب ہیں کہاں؟'' غزنی کوشش کے باوجود اپنا بے صبر ہوجانا کنٹرول نہیں کرپایا تھا۔

''یہ تو اب کسی کو بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ دونوں اس وقت کہاں ہیں۔''

''تو یہ کون سا مسئلہ ہے ان کے نمبرز پر فون کرو اور معلوم کرلو اور اگر تم نہیں کرنا چاہتیں تو اربش کا نمبر بتاؤ میں تمہیں معلوم کردیتا ہوں آخر اس کی یاں کے دل کو کچھ تو سکون آئے گا ناں۔'' غزنی سے اب واقعی صبر نہیں ہورہا تھا اسے یقین ہی نہیں تھا کہ شرمین اربش کے گھر پر موجود ہے ورنہ وہ پہلے ہی رابطہ کرلیتا۔

''ان دونوں کے پاس موبائل نہیں ہے اس لیے دونوں سے ہی رابطہ نہیں ہوسکتا۔''

''موبائل نہیں ہے کیا مطلب؟''

اور تب شرمین نے اسے مکمل واقعہ سنایا کہ کس طرح ان دونوں کو خالی ہاتھ گھر سے نکالا گیا لیکن انہیں خالی ہاتھ گھر سے نکالنے میں بنیادی کردار خود اس کا اپنا تھا یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔

''خیر اپنی پسند سے شادی کی تھی تو کوئی بات نہیں اس کی ممی کو دل بڑا کرنا چاہیے تھا لیکن خیر جیسے وہ بہتر سمجھیں۔'' اس نے سرسری رویہ اپنایا اسی دوران اماں اور حنین اسے باہر آتی دکھائی دیں تو فون بند کیا اور ان کی طرف رخ کیا۔ اتنی غیر یقینی صورت حال کے بعد اتنا غیر متوقع ساتھ۔

اجیہ جس کے لیے شروع سے لے کر اب تک خواب دیکھے تھے وہ خواب ہوگئی تھی اور حنین جسے ہمیشہ ایک بہترین دوست سمجھا تھا وہ اب اس کی نصف بہتر کے طور پر موجود تھی جسے بہترین شریک حیات کا رتبہ دینا اب غزنی کی ترجیح تھی۔

❀......۞......❀

اور یہ محبت ہی تو تھی کہ جس نے عیش وآرام میں اپنی زندگی کا ایک ایک پل گزارتے اربش کو اب ایسے مقام پر لاکھڑا کیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا، اگر اس روز ممی کے پاس دوبارہ جانے سے پہلے اجیہ کے کپڑے نہ خریدے ہوتے تو آج انہیں ایک ایک روپے کے لیے حسن کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑتے کہ اب تو چند سوٹ واپس کرکے کچھ پیسے ہاتھ میں آہی گئے تھے لیکن اس کے

باوجود اربش کے انکار کرنے کی پروا نہ کرتے ہوئے بھی گھر کے لیے بنیادی ضرورت کی تمام چیزوں کے پیسوں کی ادائیگی حسن نے ہی کی تھی اور ساتھ انتہائی تاکید کرتے ہوئے اربش سے وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ اجیہ کو ہرگز یہ نہیں بتائے گا کہ اس سب کے پیسے حسن نے دیے ہیں۔

گھر میں گیس بجلی اور پانی وغیرہ موجود تھے دیگر سامان ان کے ساتھ ابھی آیا تھا لہٰذا جب تک حسن اور اربش نے مل کر کمرے میں سامان رکھا اجیہ نے ان دونوں کے لیے کھانا برتنوں میں نکالا۔ آج حسن اپنی پسندیدہ دکان سے کھانا لایا تھا جو واقعی لذیذ تھا۔

''آج تو ٹھیک ہے لیکن آج کے بعد باہر سے کوئی کھانا نہیں آئے گا میں خود پکاؤں گی اور سب کھائیں گے۔''

''ضرور جی کیوں نہیں میڈم ہم تو چاہتے ہیں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے ہمیں اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلائیں۔'' اربش مسکرایا۔

''ایسا کرتے ہیں اربش کھانا کھا کر بھابی ہمارے لیے اچھی سی چائے پکاتی ہیں اور ہم دونوں یہ بیڈ جوڑ لیں گے تاکہ تم لوگ کم از کم سکون سے سو تو سکو۔''

''آج تو تم خود بہت تھک گئے ہو یار اور ٹائم بھی بہت زیادہ ہو چکا ہے کل کریں گے باقی کا کام..... آنٹی بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''میں نے انہیں فون پر بتا دیا تھا کہ آج دیر سے آؤں گا تم فکر نہ کرو۔''

''ممی بھی میرے جانے تک جاگتی رہتی تھیں، میں کتنی ہی دیر سے جاتا تھا تو ممی کے بیڈ روم کی لائٹ میرے انتظار میں جل رہی ہوتی تھی۔'' اربش کے منہ سے یہ سب اچانک ہی نکلا پھر ان دونوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''کوئی جذباتی سین کرنے کا ارادہ نہیں ہے میرا بس ایسے ہی دل میں بات آئی تو سوچا کہہ دوں۔''

''اچھی بات ہے جو دل میں آئے کہہ دینا چاہیے ویسے بھی اللہ نے میاں بیوی کا رشتہ بنایا ہی اس لیے ہے کہ جو بات بندہ دنیا میں کسی سے نہ کہہ سکے وہ میاں بیوی ایک دوسرے کو کہہ لیا کریں۔ اللہ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کوئی یونہی تھوڑی کہا ہے۔'' حسن نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''اور مجھے تو لگتا ہے دنیا میں سب سے اہم رشتہ ہی میاں بیوی کا ہے۔''

''یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟'' اجیہ مسکرائی۔

''دیکھ لیں بھابی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو سب سے پہلا رشتہ اتارا تھا وہ یہی میاں بیوی ہی کا تھا ناں..... ماں اور بچے کا رشتہ بعد میں بنا اور یہی رشتہ بڑھاپے تک ساتھ ہو اور اچھا ہو تو اس سے بڑھ کر کسی کو اور کیا چاہیے۔''

''اجیہ تمہیں اپنی امی تو یاد نہیں آ رہیں؟'' اربش نے اچانک اجیہ سے سوال کیا۔

''یہ رشتے بھولنے والے تو نہیں ہوتے ناں اربش۔ لیکن کبھی کبھار کوئی ایک رشتہ بنانے یا نبھانے کے لیے باقی رشتوں سے دوری اختیار کرنی ہی پڑتی ہے۔''

''بہت جلد یہ وقت کٹ جائے گا میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔'' حسن مسکرایا۔

اربش کے ساتھ اس کی دوستی پرانی تھی وہ جانتا تھا کہ اربش میز کرسی پر کھانا کھانے کا عادی ہے آج پہلی مرتبہ اسے یوں زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے دیکھ کر خود حسن کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا اور زمین بھی کیسی کہ نرا فرش جسے ابھی اجیہ نے اچھی طرح دھو کر صاف کیا تھا اور فی الحال ان کے پاس کوئی ایسی چٹائی یا چادر دستیاب نہیں تھی کہ جسے فرش پر بچھا کر اس کے اوپر بیٹھا جا سکتا یہی وجہ تھی کہ اربش اور اجیہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود کھانا ختم ہوتے ہی حسن اربش کو ساتھ ملا کر بیڈ سیٹ کرنے لگا تب تک اجیہ نے اپنے باورچی خانے کی کل کائنات دو پلیٹیں دو چمچ اور دو گلاس دھو کر رکھے اور خود بھی ان کے ساتھ ہیلپ کرانے لگی یوں رات گئے جب حسن ان کے گھر سے گیا تو ان کے کمرے میں بیڈ مکمل طور پر سیٹ ہو چکا تھا اور لائٹ جا چکی تھی۔

وہ اربش جو کبھی ایئر کنڈیشنڈ کے بغیر کمرے میں داخل

نہ ہوتا تھا آج لائٹ کے بغیر حبس اور مچھروں کی بھرمار میں اجیہ کے ساتھ صحن میں نکل آیا تھا دیوار کے ساتھ رکھی اینٹیں مددگار ثابت ہوئیں اور دونوں اینٹیں بیچ صحن میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئے نئی زندگی کی شروعات بالکل بھی خوش کن معلوم نہیں ہوتی تھیں اس کے باوجود اربش کو اپنی قسمت سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔

میرے ساتھ چلنے والے تیری جستجو کے صدقے
بڑی سخت منزلیں ہیں کہیں تھک کر رک نہ جانا

اجیہ نے گردن اٹھا کر پہلے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا اور پھر اربش کو مخاطب کر کے شعر پڑھا اس وقت وہ دونوں شکر کر رہے تھے کہ یہاں گھر والوں نے کسی بھی وجہ سے سہی مگر ایک مناسب جگہ سے اتنی تو گنجائش رہنے دی آسمان اور آسمان پر چمکتے ستارے نظر آتے رہیں۔

بدلنا آتا نہیں ہم کو دوسروں کی طرح
ہر ایک مدت میں تیرا انتظار کرتے ہیں
نہ تم سمیٹ سکو گے جسے قیامت تک
قسم تمہاری تمہیں اتنا پیار کرتے ہیں

اربش نے مسکراتے ہوئے اس کے شعر کا جواب شعر میں دیا تو اجیہ کو حنین یاد آ گئی، وہ دونوں بھی لائٹ جانے پر رات کے وقت اسی طرح کبھی بیت بازی اور کبھی دوسرے کھیلوں میں ٹائم گزارا کرتی تھیں۔

"اپنی بات دے نہ دو ہم کو پیار و لیے بھی
جب کسی سے ہو جائے بے مثال ہوتا ہے

اجیہ نے شعر پڑھا تو اربش کے پاس برجستہ جواب موجود تھا۔

دل میں تم پیدا کرو پہلے میری سی جرأتیں
اور پھر دیکھو کہ تم کو کیا بنا سکتا ہوں میں
میں بہت سرکش ہوں لیکن اک تمہارے واسطے
دل بچھا سکتا ہوں میں آنکھیں بچھا سکتا ہوں

اربش کو بھی شعر و شاعری سے شغف تھا یہ بات تو آج لوڈشیڈنگ کے طفیل ہی اسے معلوم ہوئی تھی۔

اس سمت چلے ہو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنیں صرف تنہا اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لیے موزوں نہیں ہوتے
کچھ راستے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا

دونوں کو ہی اس وقت ایک دوسرے کے چہرے بھی واضح نظر نہیں آ رہے تھے لیکن یہ الفاظ تھے جو جذبات کو مکمل ایمان داری کے ساتھ ایک دوسرے تک پہنچا رہے تھے؟

سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے یہ پوچھا میں نے تو رو پڑا وہ
سوال کتنا عجیب سا تھا جواب کتنا عجیب سا ہے

اربش کے بعد اب اجیہ کی باری تھی۔

چاہتا ہوں میں منیر اس عمر کے انجام پر
ایک ایسی زندگی جو اس قدر مشکل نہ ہو

اور بالکل اسی وقت لائٹ آ گئی لائٹ جانے کے بعد جو حبس محسوس ہو رہا تھا اس وقت ایسا لگا جیسے اس روشندان جیسی جگہ سے ہوا بھی آنے لگی تھی اربش کھڑا ہوا اور اجیہ کو بھی ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا تب اجیہ نے ان دنوں کے آپسی مشاعرے کو اختتام پزیر کرتے ہوئے اربش کی طرف دیکھا۔

چلو نہ عشق ہی جیتا نہ عقل ہار سکی
تمام وقت مزے کا مقابلہ تو رہا

اربش کے اختتامی شعر پر دونوں اب اپنے کمرے میں چلے آئے تھے۔

ایک تھکا دینے والے ٹینشن سے بھرپور دن گزارنے کے بعد ایک پُرسکون اور آرام دہ نیند تو آخر ان کا حق تھی۔

❀......۞......❀

غزنی نے حنین کو اپنا نام دے کر اس کی کئی دعاؤں کو تعبیر کی منزل پر پہنچا دیا تھا سکندر صاحب بہت خوش اس لیے بھی تھے کہ کبھی تو وہ چاہتے تھے جو ہوا اور اول روز سے ہی وہ غزنی کو حنین کے رشتے کی نسبت اپنا داماد تصور کرتے تھے۔

اماں ابا بھی خوش تھے کہ کم از کم لوگوں کے منہ تو بند ہوں گے اور خود غزنی کا بھی دھیان بٹے گا حنین بھی خوش تو تھی لیکن اس خوشی میں بھی سوگواریت تھی اگر چہ ان دونوں میں اس

کا نام غزنیٰ کے نام کے ساتھ جڑتا تو یقینی طور پر اس وقت وہ گھر بھر میں چھلانگیں مار رہی ہوتی امی اور اجیہ کا انتظار کیے بغیر خود ہی انہیں زبردستی پاس بٹھا کر ڈھول نہیں تو گھی کے خالی ڈبے کو ہی ڈھول بنا کر گانے گانے لگتی لیکن اس سارے معاملے سے پہلے لگنے والے "اگر" کی وجہ سے تمام معاملہ مختلف ہو گیا تھا۔

اسے رونا آ رہا تھا دنیا و مافیہا سے بے خبر سامنے لیٹی امی کو دیکھ کر اور دور چلی جانے والی اجیہ کا سوچ کر پتا نہیں اس کے دل میں جو بے چینی تھی وہ کیا کہہ رہی تھی معلوم نہیں اس کا دل مکمل خوش کیوں نہیں ہو پا رہا تھا۔ اماں نے اسپتال کے تمام اسٹاف کو بھی مٹھائی کھلائی تھی چھوہارے بھی بانٹے سبھی لوگ اسپتال میں کیے جانے والے نکاح کا سن کر حیران ہوئے پھر بطور خاص دلہن کو دیکھنے آئے جس میں فی الحال دلہنوں والی کوئی بات نہ تھی وہی دھلا دھلایا چہرہ بڑی سی چادر اور رونے کی وجہ سے سوجی ہوئی آنکھیں۔

ڈاکٹر نے رات کو لیے جانے والے راؤنڈ میں بھی امی کے بارے میں کوئی حوصلہ افزا خبر نہیں سنائی تھی انہیں کسی معجزے کا انتظار تھا ان کی خواہش تھی کہ کم از کم ان کی کچھ ساعت بحال ہوتا کہ امید کی کوئی کرن نظر آئے لیکن فی الحال ایسا کچھ نہیں تھا اور یہ بات حنین کو اس صدمے سے باہر نکلنے نہیں دے رہی تھی۔

سکندر صاحب اور ابا دکان داری امور پر بات چیت کرنے لگے تو اماں حنین کو ساتھ لے کر غزنیٰ کو ڈھونڈتی لان میں آ نکلیں اور اسے کچھ دیر حنین کے ساتھ وقت گزارنے اور اس کا دل بہلانے کو کہا اور وہ نہ بھی کہتیں تو خود غزنیٰ بھی شرمین کی فون کال ختم کر کے اس کے پاس آنے والا تھا اماں آج ابا کے ساتھ گھر جانے کے بجائے اسپتال میں ہی رکنے کو ترجیح دے رہی تھیں ان کا خیال تھا کہ وہ اسپتال میں رکیں تاکہ حنین آج گھر جا کر آرام کرے خود غزنیٰ نے بھی اسے سمجھایا مگر وہ کسی طور امی کو چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوئی بلکہ رات زیادہ گہری ہونے لگی تو اصرار کر کے سب کو گھر بھیج دیا ویسے بھی ڈیوٹی پر موجود نرسز اس کا نکاح اسپتال میں ہونے اور مٹھائی کھانے کے بعد سے اس کے لیے خاص طرح کی انسیت محسوس کر رہی تھیں۔

گھر جاتے ہوئے اماں نے بطور خاص سب سے درخواست کی تھی کہ وہ حنین کا خاص خیال رکھیں یہی وجہ تھی کہ نرسز کسی بھی مریض کے پاس آتے جاتے ہوئے کمرے میں جھانک کر اس کی بھی خیر خبر لے لیتیں۔

دن میں تو اماں اور غزنیٰ اور اس کے بعد ابا اور سکندر صاحب کے آ جانے سے حنین کو تنہائی ملی ہی نہیں تھی اب اکیلی ہوئی تو امی کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر دل کی تمام باتیں ان کے ساتھ جو کرنی شروع کیں تو اجیہ کے جانے سے لے کر اب تک کی تمام باتیں اپنے محسوسات کے ساتھ ان سے شیئر کرنے لگی وہ ان کے بیڈ کے بالکل ساتھ دائیں طرف رکھی کرسی پر اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا سر ان کے بیڈ پر تھا اور وہ خود بھی نیم دراز سی معلوم ہوتی لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب بات کرتے کرتے یونہی اس نے سر اٹھا کر امی کو دیکھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پہلے تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ یہ ان کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں اور جب اگلے ہی سیکنڈ میں اسے احساس ہوا تو وہ رات کے اس پہر خوشی سے چیخنے لگی۔ فوراً سے ان کے آنسو پونچھے ان کے چہرے اور ہاتھوں پر بوسہ دیا اور کمرہ چھوڑ کر جانے کے بجائے وہیں دروازے میں کھڑی ہو کر سامنے سے گزرتی ایک نرس کو اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ بھی بھاگی چلی آئی۔

حنین کو لگا تھا جیسے ان کی آنکھوں کا نم ہونا یا ان میں سے آنسو بہنا یقیناً ان کی صحت کی بہتری کی طرف ایک قدم تھا لیکن یہ صرف اس کا خیال تھا اور حتمی رائے کے لیے تو ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کے آنے کا ہی انتظار کرنا تھا۔

❀ ........ ❀ ........ ❀

اربش ممی اور بوا کی زبانی کئی مرتبہ یہ سن چکا تھا کہ شادی کے وقت اس کے پاپا ایک معمولی استاد کی تنخواہ پانے والوں

میں سے تھے لیکن انہوں نے دن دیکھا نہ رات اور اس قدر محنت کی کہ خود اسکول بنا کر پھر کئی لوگوں کو اس میں استاد کے طور پر تعینات کیا اور یہ بھی سچ تھا کہ اس ساری جدوجہد میں ممی نے پہلے گھر میں کپڑے سی کر اور پھر باقاعدہ ان کے ساتھ عملی طور پر شانہ بشانہ باہر نکل کر ساتھ دیا...... اور شاید اب ان کے اکلوتے بیٹے پر بھی تاریخ خود کو اس طرح دہرا رہی تھی اور آج اس پر بھی کم و بیش وہی وقت آن پڑا تھا جوان پر تھا اب دیکھنا یہ تھا کہ ارتش اور اجیہ بھی اس بھٹی سے گزر کر کندن بن پاتے ہیں یا نہیں۔

ارتش روزانہ صبح گھر سے نوکری کی امید پر نکلتا اور خالی ہاتھ لوٹ آتا اجیہ سارا سارا دن دیواروں کا منہ دیکھتی رہتی محل کے لیے چھلانگ لگانے والی اجیہ اب اسی نیم تعمیر شدہ گھر میں رہتے ہوئے اپنی قسمت کے بارے میں سوچتی تو سب سے اوپر اڑتے پرندے والی تصویر ذہن میں آجاتی جس پر کبھی جھنجلاتی تو کبھی ہنسنے لگتی کہ واہ تقدیر نے اس کے ساتھ یہ کیسا عجیب کھیل کھیلا تھا لیکن اس سارے واقعے میں ہوا یہ کہ اسے واقعی ارتش سے محبت ہوگئی تھی حقیقی اور سچی محبت۔

وہی محبت جس میں ارتش اس کی خاطر اپنے عیش و آرام والی زندگی کو ٹھوکر مار کر اس کے ساتھ اس کچے پکے گھر میں آن بسا تھا وہی محبت جس میں ارتش اسے خوش کرنے اور اس کی آنکھوں کے خواب پورے کرنے کے لیے اپنی آنکھوں میں دھوپ سمو رہا تھا اور پھر جب کئی جگہوں پر جانے کے بعد بھی کام نہ بنا تو ارتش نے مختلف دکانوں پر سیلز مین بننے کے لیے بھی کوشش کی لیکن فی الحال کہیں کام بنتا دکھائی نہ دیا کراچی جیسے بڑے شہر میں روزگار ملنا کوئی مشکل بات نہیں ہے لیکن شاید فی الحال اس کے ستارے گردش میں تھے اور کچھ یہ علاقہ بھی نیا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی ایسی جگہ جا پہنچے جہاں کوئی اسے پہلے سے جانتا ہو۔

یہی سب کچھ سوچتا ہوا وہ عین دوپہر میں فٹ پاتھ پر دکان کے شیڈ کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھا ہوا تھا جب اسی دکان کا مالک باہر نکلا اور اسے دیکھ کر بولا۔

''آپ کسی کا انتظار کر رہے ہیں؟'' چہرے اور شخصیت میں اب تک وہی اعلیٰ گھرانے والی جھلک تھی لہٰذا جو بھی دیکھتا پہلی نظر میں سمجھ جاتا کہ وہ مالی طور پر کسی مستحکم گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔

''نہیں کسی کا انتظار تو نہیں کر رہا بس میں تو کام ڈھونڈنے نکلا تھا اب تھوڑی سی دیر کے لیے ستانے کو بیٹھا تھا۔'' دکان دار کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوہ...... اچھا اچھا زیادہ تو نہیں بس دو چار گھنٹوں کا کام ہے میرے پاس اگر کرنا ہو تو......!''

''جی...... جی ضرور کیوں نہیں۔'' اسے لگا جیسے ابتدا ہو جائے گی تو سب کچھ آسانی سے ہوتا ہی جائے گا۔

''دراصل میرے پاس کام کرنے والا لڑکا آج نہیں آیا یہ چاول کی بوریاں ہیں جو گودام تک پہنچانی ہیں، کر لو گے ناں؟''

''جی...... جی کیوں نہیں۔'' اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں اسے تو بس کام چاہیے تھا وہ کچھ بھی ہوتا اور پھر وزن اٹھانا تو اس کے لیے ویسے بھی کوئی بہت بڑا چیلنج نہیں تھا کیونکہ وہ بڑی باقاعدگی سے جم جاتا رہا تھا لہٰذا آرام سے وزن اٹھا سکتا تھا سو فوراً کمر پر چاول کی بوریاں لاد کر اسی گلی کے آخر تک پہنچاتا رہا تھوڑی ہی دیر میں سفید شرٹ داغ پسینے سے ایسی بدلی کہ جیسے کبھی دھلی ہی نہ ہو پورے پانچ گھنٹے کے بعد تھک کر چور ہو کر جب اس نے اپنی دیہاڑی وصول کی تو اس خیال سے خوش تھا کہ آج وہ اجیہ کے لیے کچھ لے کر جائے گا اسی لیے بس میں بیٹھنے سے پہلے موتیے کے گجرے لیے اپنے مطلوبہ اسٹاپ پر اتر کر برگر خریدے اور گھر پہنچ کر خود اس کے ہاتھوں میں گجرے پہنائے۔

اجیہ اس کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئی تھی کہ کہاں وہ پہلے والا نفاست پسند اور خوش لباس ارتش اور کہاں یہ آج والا ارتش...... ارتش اگر آج یہ تکلیفیں جھیل رہا تھا تو اس کی وجہ صرف اور صرف وہ خود تھی۔

کھلا یہ راز بھی صدیوں کی خاکساری پر
کہ عشق خاک نہ کردے تو عشق خاک ہوا
واقعی اربش نے اس سے صحیح معنوں میں عشق ہی تو کیا تھا کہ پھر کسی چیز کی پروا ہی نہ تھی۔

"سوری اجیہ میں شرمندہ ہوں کہ جس حسین مستقبل کا خواب تم نے دیکھا تھا میں تمہیں وہ نہیں دے پایا لیکن میرا وعدہ ہے کہ آج نہیں تو کل تم دیکھنا میں زندگی کی ہر ایک سہولت تمہارے قدموں میں ایسے ڈھیر کردوں گا کہ پھر تمہاری کوئی بھی خواہش ادھوری نہیں رہے گی۔" وہ حقیقی معنوں میں شرمندہ تھا اسی لیے نہا دھو کر آیا تو اجیہ کے سامنے اعتراف بھی کرلیا۔

"مجھے تم سے کوئی بھی شکوہ نہیں ہے اربش۔" اجیہ نے موتیے کی خوش بو کو گہری سانس کے ساتھ اندر اتارتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اور یقین کرو کہ شاید اب مجھے کسی بھی چیز کی حسرت بھی نہیں ہے جب سے میں نے تمہارے دل میں اپنے لیے اس قدر محبت دیکھی ہے تو میرے لیے ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں رہی اہمیت تو صرف اور صرف تمہارے پیار کی ہے اور میں خود کو بہت ہی خوش قسمت سمجھتی ہوں اربش کہ مجھے تمہارا پیار ملا بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔" اجیہ کی باتوں نے اربش کے اندر جیسے زندگی کو مزید بہتر بنانے کے لیے نئی توانائی پھونک دی تھی اجیہ بھی اس سے اتنی زیادہ محبت کرتی ہے تو بھلا وہ اور کسی بھی چیز کی کیا خواہش کرسکتا تھا۔

"لیکن ایم سوری اربش آج میری وجہ سے تم عرش کو چھوڑ کر فرش پر آبیٹھے ہو میرے لیے تو اس طرح کی زندگی گزارنا کوئی مشکل کام نہیں ہے لیکن مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے لیے یہ سب کچھ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔"

"میرے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے اگر تم میرے ساتھ ہو تو آج کے بعد ایسا کچھ نہ سوچنا اور نہ کہنا کچھ دن تو ظاہر ہے لگیں گے پھر اچھی نوکری مل جائے گی لیکن میں نے سوچا کہ تب تک کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہیے ناں

**غزل**

بڑی مدت بعد مجھے جیسے کسی نے پکارا ہو؟
بہت پہچانی سی تھی کہیں تم تو نہیں ہو؟
اندھیروں کے راستے میں سفر مشکل تو تھا مگر
اک دیا سا میرے ساتھ رہا کہیں تم تو نہیں ہو
دربدر کی ٹھوکروں سے بچ نکلنا آسان تو نہ تھا
مگر کوئی جیسے سہارا سا ہو کہیں تم تو نہیں ہو؟
میرے لیے غموں کا ساماں تھا بے حد و حساب تھا
مگر مرہم سا کوئی لگا ہو جیسے کہیں تم تو نہیں ہو؟
تنہائیوں کی وادی میں قدم اپنے پڑے تو تھے
میں اکیلی رہی مگر تنہا نہیں کہیں تم تو نہیں ہو؟

عائشہ بحرین...... کراچی

دیہاڑیاں ہی سہی)۔" اس کے ساتھ ساتھ اجیہ بھی مسکرائی اور کھانا گرم کرکے اس کے لائے ہوئے برگر بھی پلیٹ میں رکھے اور کمرے میں لے آئی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ کل میں بھی باہر نکلوں اور کئی جگہ نوکری کے لیے اپلائی کروں۔" اربش کے ہاتھ سے پہلا نوالہ کھاتے ہوئے اجیہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"فی الحال کچھ دن تک تو تم گھر بیٹھو زندگی کے اس بدلتے وقت کو سمجھو، اتنا عرصہ جو جاب کرتی رہی ہو، تو تھکی نہیں اب تک۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا اربش کہ میں تو سارا دن گھر میں آرام کرتی رہوں اور تم فکر معاش میں خون پسینہ ایک کرتے رہو۔"

"میری تو یہ ذمہ داری ہے ناں یار اس لیے مجھے کرنا ہی کرنا ہے تم فی الحال گھر میں ہی آرام کرو کیونکہ تمہارے ڈاکومینٹس کے بغیر کوئی تمہیں ٹیچنگ کی بھی جاب نہیں دے گا اور اس کے علاوہ کوئی ایسا کام فی الحال سمجھ نہیں آرہا جو تم کرو۔" اجیہ نے گہری سانس لی وہ بھی اربش کی بات سے متفق تھی۔

"کاش امی کے بارہا کہنے پر میں نے سلائی سیکھ لی

ہوتی تو آج گھر بیٹھے کم از کم سلائی ہی کر لیتی۔'' اجیہ کو آج احساس ہوا تھا کہ واقعی یہ کام ہر لڑکی کو ضرور آنا چاہیے اچھے اور برے حالات کبھی بتا کر نہیں آتے لیکن اگر کبھی حالات موافق نہ رہیں تو لڑکیاں گھر بیٹھ کر دوسروں کے کپڑوں کی سلائی کر کے بڑے باعزت طریقے سے پیسے کما سکتی ہیں اور اپنے گھر کو سپورٹ کر سکتی ہیں۔

اپنی ہی چار دیواری کے اندر اگر محنت سے روزی حاصل کر لی جائے تو بھلا اس میں برا ہی کیا ہے ابھی وہ دونوں اسی موضوع پر بات کر ہی رہے تھے کہ باہر دروازے پر بیل ہوئی اور اربش کے دروازہ کھولنے پر حسن اندر آیا۔

''ہاں بھئی کیسا گزرا آج کا دن کوئی نوکری کا آسرا بنا کہ نہیں؟''

''فی الحال تو نہیں لیکن ان شاء اللہ بنے گا ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں نوکری تلاش کرتے ہوئے۔'' اربش کسی بھی طور مایوس نہیں تھا اسے یقین تھا کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے برتن سمیٹ کر کچن میں لے جاتی اجیہ نے اس کی روشن آنکھوں میں بہت سے خواب محسوس کیے تھے۔

''اچھا میرے پاس ایک تجویز ہے اگر تم لوگ مانو تو......؟''

''ہاں بتاؤ......!'' اربش اور اجیہ پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''پاکستان میں تو جاب پتا نہیں کب ملے لیکن بیرون ملک جانے کا ایک بڑا زبردست چانس ہے۔''

''بیرون ملک۔'' اجیہ اور اربش کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''ہاں، بہت اچھی جاب ہے لیکن صرف ایک سال کے کنٹریکٹ کے ساتھ اگر تم جانا چاہو تو میرا تو مشورہ ہے کہ ایک سال وہاں جاب کر لو سال بھر کے کچھ پیسے ہی بن جائیں گے تو واپس پاکستان آ کر کسی کاروبار کا آغاز کر لینا۔'' اجیہ اور اربش نے ایک دوسرے کو دیکھا ایک دوسرے کے بغیر پورا ایک سال رہنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

''مجھے آج ہی کسی کے ذریعے اس نوکری کا پتا چلا ہے اور اپلائی کرنے کے لیے دن بھی بہت کم رہ گئے ہیں ایسا کرو تم دونوں آج اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو میں صبح آ جاؤں گا اگر جانے کا ارادہ بن گیا تو کاغذات وغیرہ جمع کرا دیں گے آگے جو تمہاری قسمت۔'' شاید حسن جلدی میں تھا اس لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کاغذات کہاں جمع کرائے جائیں گے، ایمبیسی میں؟'' اربش نے پوچھا۔

''ارے نہیں، یہاں ایک ٹریول ایجنسی ہے وہ لوگ بڑی ذمہ داری سے اس طرح کا کام کرتے ہیں میری تمہاری طرح ایک ینگ سا لڑکا ہے پہلے تو سارا کام خود ہی ہینڈل کرتا تھا اب سنا ہے کوئی اسسٹنٹ لڑکی بھی رکھ لی ہے میرے ایک دو دوست اس کے تھرو گئے ہیں باہر اور بھی مطمئن ہیں کہ کام مکمل اعتماد اور بھروسے والا کرتا ہے۔''

اجیہ اور اربش کچھ بھی جواب دینے کے بجائے فی الحال خاموش ہو گئے تھے۔

''تم دونوں اچھی طرح سوچ لو اگر جانے کا فیصلہ ہو گیا تو میں نے صبح آنا تو ہے ہی پھر ہم دونوں اس ٹریول ایجنسی ہی چلے جائیں گے اور جو بھی ڈاکومنٹس وغیرہ اس نے کہے وہ دے دیں گے۔''

حسن کی بات پر دونوں نے متفق ہو کر گردن ہلائی زندگی اب ان دونوں کو کس مقام کی طرف اڑائے لے جا رہی تھی یہ ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا آنے والے دن اب ان کے لیے کیا خبریں لیے کھڑے تھے اس بات کی بھلا کسے خبر تھی۔ لیکن ہاں اتنا تو طے تھا کہ اربش دل ہی دل میں حسن کے بیرون ملک جانے والے آئیڈیے سے متفق تھا البتہ اجیہ سے بات کرنا ابھی باقی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

تیری ہی یاد سے، دل ہم کلام رہتا ہے
لبوں پہ نام تیرا صبح و شام رہتا ہے
کہ جیسے چاند چمکتا ہے آسمانوں میں
نظر میں میری، ترا وہ مقام رہتا ہے

پہاڑوں سے گھری وادی کے چاروں اطراف سبزہ تھا۔ اونچے اونچے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر انسان مبہوت ہو جائے۔ سورج کی کرنیں درختوں کے پیچھے سے ایسے چھن چھن کر وادی میں پھیلتیں جیسے قدرت نے کرنوں کا چھینٹا بکھیر دیا ہو۔ وادی میں جھیل کنارے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھی مورت اسے اس وادی سے بھی زیادہ دلکش لگتی تھی۔

وہ جب بھی اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوتا ہمیشہ اسی پہاڑی پر آ کر بیٹھتا، سرسری سی نظر اس پر گئی تو واپسی لوٹنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہوئی۔ سرمئی آنکھوں والی لڑکی اداسی کے دائرے میں مقید اسے کوئی اپسرا معلوم ہوئی، وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہتا اور سوچتا کہ وہ کون ہے؟ پرستان کی شہزادی، کانچ کی گڑیا یا پھر کسی دوسرے سیارے کی مخلوق۔ اس نے بہت حسن دیکھا تھا مگر وہ لڑکی چاند کی مانند روشن تھی، وہ ہزار کوشش کرتا کہ اسے نہ دیکھے مگر وہ لڑکی کسی مقناطیس کی طرح اسے اپنی طرف کھینچتی اور وہ کھنچا

sponsored

Health Care Club

To Get Notifications Follow Steps 1 & 2

STEP-1--->  Subscribe  <---STEP-2

چلا جاتا...... اپنی بے بسی سے وہ خود پریشان تھا۔

☆......☆......☆

صبح کی ہوا اور تازگی اسے ہمیشہ متاثر کرتی تھی...... اسی لیے وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد حویلی کے باغ میں بیٹھ جاتی' اس وقت بھی وہ سورج کی طرف دیکھ رہی تھی جس کی نارنجی کرنیں اندھیرے کی دبیز چادر اتار رہی تھیں اور اپنی راجدھانی کے پر پھیلا رہی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پاس کھڑا ہے اس نے جلدی سے پیچھے دیکھا تو "افشاں" کھڑی تھی۔

"کیا ہوا...... ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"میں دیکھ رہی ہوں واقعی بے وقوف لوگوں کے سر پہ سینگ نہیں ہوتے یا محض کہاوت ہے۔" افشاں خان نے اپنی نگاہیں اس پر مرکوز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے...... میں تمہیں بے وقوف لگتی ہوں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"لگتی سے کیا مراد ہے تمہاری...... تم ہو ہی بے وقوف۔" افشاں نے اس کو وضاحت دی تھی۔ افشاں کی آنکھوں میں جس بات کے رنگ تھے اسے سمجھنے میں اسے چند پل لگے تھے۔

"تم غلط کر رہی ہو' بے نام سے رشتے کے لیے اپنی زندگی داؤ پہ لگا رہی ہو' وہ کبھی نہیں آئے گا "عروب خان" تم کبھی بھی اس کی ترجیحات میں شامل نہیں رہی ہوگی...... اپنے پاگل پن کو ختم کردو۔"

"محبت پاگل پن ہی تو ہوتی ہے افشاں......" اس نے بے بسی سے ٹھنڈی آہ بھری' اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس معاملے پر کچھ نہیں کہے گی' دونوں کے درمیان خاموشی کا پردہ حائل ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

"آج وہ پھر معمول کی طرح پہاڑی پر موجود تھا' نہ آنے کی سو تدبیریں اور رکنے کی ہر دلیل ہار گئی تھی۔ دل اس کی بے بسی پہ ہنستا ہوا اسے وہیں لے آیا تھا جہاں وہ پری وش پورے طمطراق سے براجمان ہوتی تھی۔ وہ آج بھی جھیل میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔ پتا نہیں وہ سوچوں کے کون سے جہاں میں ہوتی تھی کہ اسے کسی کی پُرشوق نگاہوں کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔

ہوا کالے بادلوں کی آبشار کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔ وہ مبہوت سا اس منظر کو دیکھ رہا تھا' جب دماغ نے اس کی سوچوں کو ڈپٹا' وہ یہاں اس لیے نہیں آیا تھا' اس کا مقصد کچھ اور تھا' اگر وہ اس حسین جال میں پھنس گیا تو شاید اپنے مقصد کو نہ پا سکے' دماغ کی دلیل اتنی طاقتور تھی کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

گل بی بی...... کے کمرے میں سب براجمان تھے' بڑی حویلی کا خود ساختہ قانون تھا کہ رات کے کھانے کے بعد سب گل بی بی کے کمرے میں بیٹھتے تھے لیکن ان سب میں وہ ہمیشہ غیر حاضر ہوتی تھی۔ وہ آتی سب کو سلام کرتی اور واپسی کے لیے مڑ جاتی' سب کی نظروں کا ترحم' ماں باپ کی بے بسی اور گل بی بی کا تھکن زدہ چہرہ دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ آج بھی حسب معمول سب وہاں جمع تھے اور وہ اکیلی اپنی رنگوں کی دنیا میں مگن تھی' اس کے کمرے کے ساتھ ملحق اسٹور روم اس کی امنگوں' آرزوؤں کی آماجگاہ تھا۔ آنکھوں میں بسے چہرے کو' دل میں چھپی خواہش کو زندگی کے حاصل اور اپنی تمناؤں کو اپنے ہنر کے ذریعے شکل میں ڈھال لیتی تھی اور پہروں اس شاہکار کو دیکھتے وقت گزارتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی کام میں مگن تھی جب "افشاں" نے پینٹنگ بورڈ پر پردہ ڈال دیا۔ اس نے زخم خوردہ نظروں سے افشاں کو دیکھا۔

"تم یقیناً یہی دیکھنے آئی ہوگی کہ بے وقوفوں کے سر پہ سینگ ہوتے ہیں کہ نہیں......" اس نے سوالیہ نظروں سے افشاں کی طرف دیکھا۔

"نہیں میں یہ بتانے آئی ہوں کہ اس بے وقوف لڑکی پر قدرت نے بہت مہربانی کی ہے اور فیروز خان' کا رشتہ تمہارے لیے آیا ہے وہ تمہیں خوشیوں سے بھری زندگی دے گا' عروب' نارسائی اور تنہائی اب تمہارا مقدر نہیں رہے

گی۔" خوشی سے بولتے ہوئے اس نے عروب کا چہرہ دیکھا جہاں بالکل جامد خاموشی تھی۔

"میں اب بھی خوش ہوں...... تمہیں کس نے کہا کہ میں نارسائی اور تنہائی کا کرب جھیل رہی ہوں' میرے اردگرد اب بھی خوشیاں ہیں...... یہ سارا کمرہ اور اس میں موجود تصویریں میرے خوش نصیب ہونے کی گواہ ہیں۔ محبت گناہ نہیں ہے افشاں خان' محبت میں لذت ہے سرور ہے' وہ میرے پاس نہیں تو نہ سہی...... میری محبت اس کے وجود کی محتاج نہیں...... میری محبت کو زمان و مکاں سے کوئی غرض نہیں۔" اس کے لہجے میں محبت کا یقین بول رہا تھا۔

"وہ نہیں آئے گا تم کب تک اس کی خاموش تصویروں کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھو گی اور یہ انتظار تمہیں کوئی انعام نہیں دے گا۔" افشاں نے ان تصویروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ایک ہی انسان کی زندگی کے مختلف حصوں کی تھیں۔ بچپن' لڑکپن' جوانی' وہ خود محبت کی اس خصوصیت پر حیران تھی کہ بنا دیکھے کسی انسان کی تصویریں بنائے جاؤ' مگر وہ عروب خان کو یہ بے وقوفی نہیں کرنے دے سکتی تھی۔

"محبت کو کسی انعام کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود ایک انعام ہے جو دلوں پر خود بخود نازل ہوتی ہے۔ انسانوں کو اسیر کر لیتی ہے ہوش و خرد سے بے بہرہ کر دیتی ہے۔ اسے کسی پذیرائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔" اس نے جھکے سر کے ساتھ افشاں کے ہر سوال کو رد کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

رات اپنے جوبن پہ تھی۔ سناٹے کا راج تھا' پتوں کی سرسراہٹ بھی خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتی تھی۔ کہیں دور جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وحشت طاری کرنے والی رات میں چند گمنام انسان بنا کسی آہٹ کے اپنے شکار کی طرف جا رہے تھے۔ اپنے مقصد کو پالینے کی چمک اندھیری رات میں بھی ان کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھی۔ ان کی منزل پہاڑ میں بنا غار تھا وہ وہاں پہنچ چکے تھے مگر اپنے شکار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے' خاموشی سے غار کا جائزہ لیتے ہوئے واپسی کے راستے پر بھٹکنے لگے۔

☆......☆......☆

کچھ دن وہ بے حد مصروف رہا تھا' جھیل تک جانے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی' غزالی آنکھیں...... ہر پل ہر لمحہ اس کے حواسوں پہ چھائی رہی تھیں۔ دل دید کی تمنا لیے اسے جھیل کی طرف لے آیا تھا' وہ آج بھی جھیل کنارے بیٹھی پانی میں جھلملاتے اپنے عکس سے بے خبر تھی۔ چھوٹے چھوٹے کنکر جھیل میں پھینکتی جس سے اس کا عکس چند لمحوں کے لیے غائب ہو جاتا تھا۔

وہ اکثر سوچتا تھا...... کہ کاش وہ اس اداس لڑکی کے پاس جائے اور اس کی اداسی کا سبب پوچھے اس کی سنہری آنکھوں کی ساری اداسی سمیٹ لے...... مگر وہ یہاں محبت کے رموز سیکھنے نہیں آیا تھا اسی لیے وہ یہ آگ اپنے تک رکھنا چاہتا تھا۔ اس آگ کے شعلے اس معصوم لڑکی تک نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا۔

اس کی منگنی وریشا کے ساتھ ہو چکی تھی ماموں زاد ہونے کے ساتھ ساتھ عالیہ بیگم کی چہیتی بھی تھی اپنی نو زائیدہ محبت کے پیچھے وہ اپنی ماں کو اداس نہیں کر سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی آرمی کے جنون کی خاطر اپنی ماں کی خواہشات کو ناتمام کر آیا تھا۔ ذہن کے پردے میں آج بھی وہ دن تازہ تھے جب عالیہ بیگم کو اس کے آرمی کالج میں داخلے کا معلوم ہوا تھا۔

"شیر خان...... میں کیا سن رہی ہوں...... تم نے آرمی کالج جوائن کر لیا؟"

"جی ماں......" اس نے شرمندگی سے سر جھکایا تھا' وہ جانتا تھا کہ ماں کی خواہش تھی کہ وہ بزنس کی ڈگری حاصل کرے۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی' شیر خان یہ بزنس کون سنبھالے گا۔" عالیہ بیگم کے لہجے میں ہزاروں خدشات تھے۔ "میں تمہارے بنا ایک دن نہیں رہ سکتی بیٹا۔" عالیہ بیگم پریشان صورت لیے اس کو شرمندہ کر رہی تھیں۔

"آئی لو یو ماں...... میں بھی آپ کے بنا نہیں رہ سکتا

مگر میرا جنون ہے آرمی اور میں بے بس ہوں۔“ اس نے بے بسی سے عالیہ بیگم کو سمجھانا چاہا تھا۔
بہت سارے دن عالیہ بیگم کو منانے میں گزر گئے۔ بحث ودلائل میں گھنٹوں گزر جاتے اور آخرکار اس کے جنون کے آگے عالیہ بیگم کو ہار ماننی پڑی۔
آرمی کالج‘ ٹریننگ‘ ایگزامز ہر مرحلہ کامیابی سے طے کرتا ہوا وہ اپنے بیچ کا کامیاب کیڈٹ ثابت ہوا۔ اس کی قابلیت وشجاعت دیکھتے ہوئے اس کو مشکل ٹاسک دیا گیا تھا۔ اسی ٹاسک کو پورا کرنے کے لیے کیپٹن شیر خان سوات کی خوب صورت وادی میں موجود تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دشمنوں کو مات دیتا اسے محبت کے ہاتھوں مات ہو چکی تھی۔ محبت کا خیال آتے ہی وہ چونکا اور جلدی سے جھیل کی طرف دیکھا..... جھیل اب ویران تھی۔

☆......☆......☆

حویلی کی منڈیر پر کبوتروں کے غول اتر رہے تھے‘ کچھ دانہ کھا کر دوبارہ فضا میں پرواز کر گئے‘ کچھ وہیں بیٹھے سرمئی آنکھوں والی لڑکی کی حرکات دیکھ رہے تھے۔ شام اپنے پر پھیلا رہی تھی اور عروب خان آسمان کی وسعتوں میں ایک چہرہ کھوج رہی تھی۔ افشاں کی باتیں اس کے دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔
”محبت زندگی کا روگ ہے‘ میرا انتظار لاحاصل ہے‘ محبت ایسا بدبودار پانی ہے جسے نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے پاس کھڑا رہا جاسکتا ہے۔“
”مجھے ایسا کیوں نہیں لگتا؟ مجھے محبت روگ نہیں سرور لگتی ہے۔ محبت انتظار کرتی ہے مگر وصل کی امید کب رکھتی ہے۔ ہجر کے موسم ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اسے محبت گلاب کا پھول لگتی ہے جو مسلنے والے ہاتھ میں بھی خوشبو چھوڑ جاتے ہیں۔“ عروب خان اس محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی۔ عشق کے ست رنگوں میں رنگ چکی تھی۔ اسے ملنے کی امید نہیں تھی‘ کسی کے لوٹنے کا انتظار نہیں تھا‘ وہ بس اس سے محبت کرتی تھی اور کرتی جارہی تھی۔ یہی سب سوچتے ہوئے واپسی کے لیے زینے کی

طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہ ابھی آرمی کیمپ سے دور تھا جب سپاہی محمد علی بھاگتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔

"سر...... میجر صاحب آئے ہیں اور آپ کو حاضر ہونے کا کہا ہے۔" وہ جلدی سے میجر اکرم چوہدری کے خیمے میں داخل ہوا' کچھ وقت ان کی خفیہ میٹنگ میں گزر گیا۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ جس مقصد کے لیے اس وادی میں موجود تھے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا وقت آ گیا تھا۔ انہیں یہ کارروائی کرنے میں کبھی اتنا وقت نہ لگتا اگر شر پسند عناصر کے نشانے پہ آبادی نہ ہوتی۔

یہ مشن کیپٹن شیر خان کو سونپا گیا تھا۔ اسے اس طرح کارروائی کرنی تھی کہ دشمن بھی نہ ختم ہو جائے اور معصوم لوگوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس وقت اُس پر ملک کے دفاع کا اتنا جنون طاری ہوا کہ وہ بے بس ہو گیا اور اسی بے بسی میں اپنی ماں کو ناراض کر آیا تھا۔ اب وہ محبت کے زیر اثر تھا...... محبت کا جادو اتنا زور آور تھا جس سے رہائی ناممکن تھی۔

وہ جس منزل کا مسافر تھا وہاں سے زندہ واپس لوٹنے کی امید نہیں تھی۔ اس کا ضدی دل بار بار یہ اصرار کر رہا تھا۔ کہ اس چاند سی لڑکی کو اپنی محبت سے آگاہ کرے...... دل کے سامنے وہ بے بس تھا۔ اس سے روبرو ملنے اور محبت سے آگاہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس نے خط لکھا اور سپاہی محمد علی کے سپرد کر دیا۔ اس کی پہلی محبت کا فرض اس پہ واجب تھا جو آج رات دل و جان سے نبھانا تھا۔

☆......☆......☆

"عروب...... کیا ہوا' آج جھیل پہ کیوں نہیں گئی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ اس کے بچپن کی عادت تھی جھیل پہ جائے بنا اسے سکون نہیں ملتا تھا۔

"نہیں...... میرا دل بہت بے چین ہے...... بے نام سی اداسی ہے ذہن میں ہر سو انتشار ہے۔ کیا ہے' کیوں ہے؟ میں نہیں جانتی افشاں خان۔"

"اسی لیے کہتی ہوں عروب دل کی کشتی پر اتنا بوجھ مت ڈالو...... اس کے پتوار اتنا بوجھ کیسے سنبھالیں گے۔ تم سمجھ نہیں رہی ہو یا سمجھتے ہوئے انجان بن رہی ہو۔" اپنی بات کے اختتام پر اس نے عروب کی طرف دیکھا جس کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا۔

"میں جھیل پہ جا رہی ہوں کوئی پوچھے تو بتا دینا۔" بلوچی کڑھائی سے مزین چادر لیتے ہوئے اس نے کہا۔

"ابھی تو تمہارا موڈ نہیں تھا۔" افشاں نے حیرت سے اس کی حرکات و سکنات کو دیکھا۔

"اب بن گیا۔" افشاں کو جواب دیتے ہوئے وہ خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی۔ اپنے خیالوں میں گم چلتے ہوئے وہ جھیل پر پہنچ گئی' کئی سالوں سے اس کی عادت تھی کہ وہ جھیل پہ آتی' گھنٹوں جھیل کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی رہتی۔ ابھی بھی وہ اسی مشغلے میں مصروف تھی جب اسے کسی کا احساس ہوا۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اپنے اتنے پاس ایک آدمی کو دیکھ کر وہ پریشان ہو اٹھی۔

"کون ہیں آپ......؟" اس نے ہمت کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ پریشان نہیں ہوں' میرا نام سپاہی محمد علی ہے' میرے صاحب نے مجھے یہ خط دیا تھا کہ جھیل پر سنہری آنکھوں والی پری آتی ہے یہ خط اس تک پہنچا دینا۔" وہ حیران سی ہاتھ میں خط پکڑے کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

رات کے پُر ہول سناٹے میں وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دشمنان اسلام پر دھاوا بول چکا تھا۔ کیپٹن شیر خان اپنی رجمنٹ کا جانباز اور جری کیپٹن تھا۔ اس نے مکمل منصوبہ بندی کے تحت دشمن پر جال پھینکا تھا اور رات کے اندھیرے میں ماہر شکاری کی طرح اپنے دشمن کو دبوچ لیا تھا۔ دشمن بھی پوری تیاری سے مورچہ بند تھا۔ شرپسندوں کا مقابلہ اللہ کے سپاہیوں سے تھا۔ ایسے جوانوں سے تھا جو سر پہ کفن باندھے "لاالہ الا اللہ" کے نام پہ حاصل ہوئے ملک

کی حفاظت کررہے تھے‘ جن کا ہر رشتہ وطن کی مٹی سے جڑا تھا جن کی زندگی بھی وطن کے لیے تھی اور موت بھی وطن کی حفاظت کا انعام تھی۔ یہ وہ جوان تھے جو دن و رات سے بے نیاز زندگی و موت سے بے خبر‘ بھوک و پیاس سے بے پروا لڑرہے تھے۔ حب الوطنی کی زندہ مثال تھے۔

کیپٹن شیر خان‘ نے مٹھی بھر جوانوں کو ایسے لڑایا تھا کہ صبح کے دھندلکے تک سارا علاقہ دشمن سے خالی کرالیا گیا تھا۔ پہاڑی کا کلیرنس جاری ہوگیا تھا شیر خان پہاڑ کی چوٹی پہ کھڑا جائزہ لے رہا تھا‘ اس کے چہرے پہ اپنے فرض میں سرخرو ہونے کی خوشی تھی کہ اچانک اس کے جسم میں ایک دم آگ کے گولے دھڑا دھڑ داخل ہوئے تھے اس نے زمین پر گرنے سے پہلے اس آخری بچ جانے والے دہشت گرد کو بھی ماردیا تھا۔

☆......☆......☆

تیری سرمئی آنکھوں کی جھیل
حسین لبوں کی شوخیاں
شفق رنگ رخسار پہ
دلکش اداؤں کی مستیاں
تعریف تیری کیا لکھوں......؟
جلوے جیسے کوئی کہکشاں
تیرے قہقہے ہیں جل ترنگ
دل لبھاتی اٹکھیلیاں
آواز نغمہ دل نشین
تیرا حسن رونق گلستان

"جب آپ کو جھیل کنارے دیکھا تو آپ کے لیے یہ الفاظ بھی کم لگے‘ میں نہیں جانتا تھا کہ محبت جادو ہے‘ پہلی نظر کا فتور دل و جان پہ قابض ہوجائے گا‘ ہر طرف ایک ہی چہرہ نظر آئے گا اور دل محبت کی تال پہ دھڑکے گا۔ اگر مجھے وقت ملتا تو میں آپ کے روبرو پیش ہوکر جرمِ محبت کا اعتراف کرتا۔ جب تک آپ یہ خط پڑھیں گی تب میں اپنے فرض کے لیے جاں کی بازی لگا رہا ہوں گا۔ اگر زندہ لوٹ آیا تو آپ کا طلب گار بن کر آؤں گا ورنہ صرف یہ چاہوں گا کہ دل کے کسی گوشے میں میرے نام کا دیا جلا دیجیے گا۔

کیپٹن شیر خان"

جھیل سے آنے کے بعد وہ چند لمحے خط کو کسی متاع عزیز کی طرح دیکھتی رہی...... کھولا تو الفاظ اسے آگ کی مانند لگے تھے۔ چند پل لگے تھے اسے ہوش و حواس کی دنیا میں قدم رکھنے میں...... اور ان لمحوں کے بعد اذیت ہی اذیت تھی۔ دل درد کا سمندر بنا تھا یا رگوں میں خون منجمد ہوا تھا‘ وہ آنکھوں میں ناسمجھی کا تاثر لیے خط کو دیکھے جارہی تھی۔

☆......☆......☆

کیا معجزے بھی ہوتے ہیں...... کیا دعائے رد کو بھی قبولیت کا شرف حاصل ہوتا ہے...... کیا موت کے بعد بھی زندگی کی خاطر لوٹا جاسکتا ہے......؟

ہاں...... ہاں...... ہاں دل نے بے قرار ہوکر اقرار کیا تھا۔ معجزہ تو ہوا تھا اس کے ساتھ...... جیسے کلیم اللہ علیہ السلام نے دربار فرعون میں کیا تھا...... جیسے خلیل اللہ علیہ السلام نے آتش نمرود میں کیا تھا...... جیسے ماں کی تڑپ پر پتھریلی چٹان سے آبِ زمزم نکلا تھا‘ موت نے زندگی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے...... جیسے یوسف علیہ السلام سازشوں اور نفرتوں کے پردے چاک کرتے کنویں سے زندہ نکلے تھے...... جیسے ابن عبداللہ علیہ السلام دشمن کے نرغے سے نکلے تھے۔ دعائے رد بھی قبول ہوگئی تھی۔ یعقوب علیہ السلام کی ہوئی تھی...... ایوب علیہ السلام کی ہوئی تھی...... یحییٰ علیہ السلام کی ہوئی تھی...... مگر وہ ایک عام انسان تھی اور اس پہ ابرِ رحمت برسی تھی اور ٹوٹ کر برسی تھی۔ اس پہ ایسا کرم ہوا تھا کہ وہ خود عش عش کراٹھی تھی۔ انتظار پایہ تکمیل کو پہنچا‘ لاحاصل اسے حاصل ہوگیا تھا۔ محبت نے کالے رنگ کا چولا اتارا اور وہ سرخ رنگ میں رنگ گئی تھی۔

☆......☆......☆

ساری رات اس کی محبت کے اقرار کے ساتھ وہ خوابوں کی وادی میں گھومتی رہی تھی۔ کبھی اس یونانی

شہزادے کے ہاتھوں کو تھامے سبز مرغزاروں میں گھوم رہی ہوتی تو کبھی اس کے کندھوں پہ سر رکھ اپنے صدیوں جیسے گزرے ایک ایک پل کی داستان سنا رہی ہوتی۔ خود کو آسمان کی وسعتوں میں محو پرواز محسوس کررہی ہوتی۔ وہ خواب میں بھی اس کے ایک ایک نقش کو آنکھوں میں سمو رہی تھی۔

اچانک وہ حسن کا دیوتا نظروں سے اوجھل ہوگیا اس کے کھوجانے کے خیال نے اس کو اتنا وحشت ناک کردیا تھا کہ وہ خواب سے اٹھ بیٹھی۔ کچھ لمحوں تک وہ خواب اور حقیقت میں فرق ہی نہ کرسکی...... حلق میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔ اپنے حواسوں کو معتدل کرتے ہوئے اٹھی...... وضو کیا اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئی۔ آنسوؤں سے تر آنکھوں سے اس کی زندگی اور کامیابی کی دعا مانگ رہی تھی۔

"اے میرے مالک...... میرے پروردگار آپ دلوں کے حال سے واقف ہیں۔ زندگی کے اتنے سال وہ شخص میری دعاؤں میں رہا' میرے لبوں پہ ہر وقت اس کے حاصل ہونے کی دعا رہی...... اگر آج وہ مجھ تک پہنچا ہے تو بھی اپنے فرض سے جڑا ہوا ہے...... میں اپنے مقدر کی سازی ڈور آپ کو سونپتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں میں بہتر مانگ رہی ہوں تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا مجھے بہترین سے نوازے گا۔ اے مالک بس اس انسان کو سب آفتوں اور پریشانیوں سے دور رکھے گا۔"

ہلکے دھندلکے کے ساتھ وہ جھیل کی طرف آگئی اور بے چینی سے قاصد محبوب کا انتظار کرنے لگی...... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم سے جاں نکلتی جارہی تھی کہ دور سے سپاہی محمد علی آتا نظر آیا...... وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی' پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی...... جسم کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔ دھڑکن تھم گئی تھی' آنکھوں میں امید کے ہزاروں دیئے روشن تھے۔

"کیا خبر ہے سپاہی محمد علی؟"

محمد علی کی جھکی نظریں عروب خان کو بے چین کرگئی تھیں۔ رگوں میں روانی سے بہتا خون منجمد ہوگیا تھا امید کے دیئے اپنی لو کم کرنے لگے تھے' جھیل کا پانی اپنی دلکشی کھو رہا تھا' وادی بے رونق ہوتی جارہی تھی' وہ اپنی بے جان ٹانگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆......☆......☆

ہسپتال کی راہداری میں موت کی سی خاموشی تھی۔ اس راہداری میں کھڑا ہر شخص بے چینی سے ایمرجنسی وارڈ کی طرف دیکھ رہا تھا...... ان سب لوگوں سے دور سرمئی آنکھوں والی لڑکی اللہ کے حضور اپنے انتظار کا حاصل مانگ رہی تھی۔ اداس رتوں کے لیے خوشیاں مانگ رہی تھی آج بھی اسے ملن کی آرزو نہیں تھی بس اس انسان کی زندگی مقصود تھی جو سفید پٹیوں میں جکڑا اس کی دھڑکنوں کو مدھم کرتا جارہا تھا۔

عالیہ خان پر شیر خان کے زخمی ہونے کی خبر قیامت بن کر ٹوٹی تھی' تمران کا صدمہ حیرت و پریشانی میں ڈھل چکا تھا' ہسپتال کی راہداری میں وہ خاندان موجود تھا جس سے نفرت ان کی نس نس میں بسی تھی۔ عالیہ خان کو وہ لڑکی زہر لگ رہی تھی' اس کے آنسو ڈھونگ لگ رہے تھے' ان کا بس چلتا تو دھکے دے کر اس لڑکی کو اس کے خاندان سمیت نکال باہر کرتیں۔ ایمرجنسی وارڈ کا دروازہ کھلا تو سب کی نظروں نے ڈاکٹر کا چہرہ جانچا...... ڈاکٹر عالیہ خان کے پاس آکر رکا۔

"کیپٹن شیر خان کی حالت خطرے سے باہر ہے' ان کے جسم سے ساری گولیاں نکال لی گئی ہیں۔" شعوری اور لاشعوری احساس کے تحت ہر انسان کی زبان سے شکر کا کلمہ جاری ہوا تھا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد عالیہ خان نے جن نظروں سے عروب خان اور اس سے وابستہ لوگوں کو دیکھا تھا اس کے بعد ان کا وہاں رکنا بے بنیاد تھا۔

☆......☆......☆

کیپٹن شیر خان کو ہسپتال سے فارغ کردیا گیا تھا مگر اس کے ساتھ دو مہینے کا آرام بھی ضروری قرار دیا گیا تھا'

آج وہ لان میں بیٹھا خوشگوار موسم کے مزے لے رہا تھا۔ گیٹ پہ ہارن بجا ساتھ ہی بلیک کرولا ڈرائیوے پہ آرکی۔ اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی کیونکہ ان چند دنوں میں زرتاشہ نے کزن ہونے کا حق ادا کردیا تھا۔

''ہیلو کیا ہورہا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں...... بور ہورہا تھا تو لان میں آ کر بیٹھ گیا۔'' اس کو جواب دیتے ہوئے خان بابا کو چائے لانے کا کہا۔

''تمہارے زخم کیسے ہیں۔'' زرتاشہ نے اس کے چہرے کو نظروں میں سموتے ہوئے سوال کیا جو ان چند دنوں میں کملا گیا تھا۔

''اللہ کا کرم ہے کہ اب ٹھیک ہوں' کچھ دنوں تک دوبارہ ڈیوٹی جوائن کرلوں گا۔''

''مگر میرے خیال میں تو تمہیں ریسٹ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے ابھی۔''

''میرا فرض مجھے بلاوجہ آرام کی اجازت نہیں دیتا۔'' شیر خان نے اس کی بات کو ان سنی کردیا تھا۔

''بس کرو شیر خان' کب تک فرض کا راگ الاپتے رہو گے' موت کے دروازے پر دستک دے کر لوٹے ہو' زندگی نے مہربانی کی ہے تم پہ' تمہارے ایک ایک زخم کو بھرنے میں ابھی وقت لگے گا اور تم دوبارہ بارود کے آگے کھڑے ہونا چاہتے ہو...... کیا جنون ہے' کیسا جادو ہے؟ کیا چل رہا ہے تمہارے دماغ میں جس نے تمہارے حواس سلب کرلیے ہیں۔'' وہ قائل کرنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی اور اس کام میں اسے عالیہ بیگم کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

''ویسے بھی اس کو ایسے شخص سے شادی کرکے کیا حاصل ہوگا جو موت کی منڈیر پر بیٹھا ہو...... وہ شیر خان کو پسند کرتی تھی مگر دل کے فیصلے ابھی عقل کے ماتحت تھے بچپن سے اس نے عالیہ بیگم کو یہ بات کہتے سنا تھا کہ زرتاشہ میرے شیر خان کی دلہن بنے گی...... زرتاشہ ابراہیم تھی ہی اس قابل کہ ہر کوئی اسے سراہے...... اس کے حسن کو دولت اور اسٹیٹس نے دو آتشہ کردیا تھا۔ لڑکوں کی لمبی قطار تھی جو اس سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے......

زرتاشہ ابراہیم کی نظر انتخاب شیر خان پر تھی مگر اب وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کررہی تھی۔ وہ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھی۔ ان خارزاروں پہ نہیں چل سکتی تھی جس کا مسافر شیر خان تھا...... اس سلسلے میں اس کی یہ آخری کوشش تھی اس کے بعد اسے آر یا پار کا فیصلہ کرنا تھا۔

''تمہاری بحث لاحاصل ہے زرتاشہ...... تم اسے جنون کہو...... جادو کہو...... یا کچھ بھی کہو...... میں تمہیں ایک بات صاف صاف بتادوں...... یہ وردی کبھی نہیں اترے گی' لحد تک ساتھ نبھائے گی' میرا نام شیر خان ہے اور تاریخ میں دیکھ لو غیرت مند پٹھان بزدل نہیں ہوتا۔'' اس کی آنکھیں بھی اس کے لہجے کی سچائی کا ساتھ دے رہی تھیں۔

''ہیلو ایوری ون لگتا ہے کافی سیریس گفتگو ہورہی ہے جو میرے آنے کی خبر ہی نہیں ہوسکی۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں' تم کب آئے؟'' اس نے لہجہ کو نارمل کرتے ہوئے زین سے پوچھا جو آج کافی دنوں بعد آیا تھا۔

''ابھی ابھی آیا ہوں لیکن تم شاید مصروف ہو۔'' اس نے زرتاشہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار تم آؤ بیٹھو۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میری ماموں زاد ہیں اور زرتاشہ یہ میرا دوست زین العابدین۔'' شیر خان نے دونوں کا تعارف کرایا۔

''ہیلو......'' زین نے شائستگی سے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔

''ہیلو...... ہاؤ آر یو۔'' زرتاشہ نے بھی فارمیلٹی پوری کی۔

''آپ لوگ باتیں کریں میں اندر آنٹی سے مل آؤں۔'' اس نے ان کے درمیان سے اٹھنا ہی مناسب سمجھا۔

''زرتاشہ...... اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو خان بابا کے

ہاتھ زین کے لیے کافی بھجوا دینا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"ویسے کافی نک چڑھی کزن ہے تمہاری۔" زین کے تبصرے پر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ "ڈیوٹی کب جوائن کر رہے ہو؟"

"بس تھوڑا سا کمر میں مسئلہ ہے جیسے ہی آرام آئے گا تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" کافی کا کپ اس کے آگے رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے شیر خان۔" زین کا لہجہ پُرتجسس تھا۔ "میں کچھ دنوں سے آ نہیں سکا تمہاری طرف ورنہ پہلے یہ بات ہو جاتی' ہسپتال میں ایک لڑکی آئی تھی اپنی فیملی کے ساتھ...... سنہری آنکھوں والی لڑکی...... اس کی آنکھوں سے جھلکتا دکھ مجھے چین نہیں لینے دے رہا۔"

"صرف تم زندگی اور موت کی جنگ نہیں لڑ رہے تھے شیر خان آپریشن تھیٹر کے باہر ہسپتال کے کاریڈور میں ایک وہ لڑکی بھی تھی جس کا رنگ کسی کو کھونے کے خیال سے ہی ماند پڑ رہا تھا...... جو بے بسی کی عملی تصویر بنی ہوئی تھی' جس کی سنہری آنکھوں میں موت کا خوف پنجے گاڑے بیٹھا تھا' جس کے لبوں پہ تمہاری سلامتی کی دعا تھی' میں نہیں جانتا وہ کون تھی' مگر اس کی ہر حرکت سے یہ بات عیاں تھی کہ تم اس کے لیے بہت خاص ہو۔" وہ بنا پلکیں جھپکے زین کی باتیں سن رہا تھا۔

"کیا وہ انہی سنہری آنکھوں کی بات کر رہا تھا؟ مگر وہ اسے نظر کیوں نہیں آئی تھی؟" ذہن میں کلبلاتے سوال اس نے زین کے سامنے رکھے۔

"وہ لڑکی کہاں تھی؟" شیر خان نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ تب تک اپنے خاندان کے ساتھ وہاں تھی جب تک ڈاکٹرز نے تمہیں خطرے سے باہر قرار نہیں دے دیا۔ اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا۔ شاید تمہاری ماما جانتی ہوں۔" زین نے اسے امید کا دیا پکڑایا مگر وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا...... وہ یہاں ہسپتال میں آئی تو اس کا مطلب ہے کہ اسے خط مل گیا تھا مگر وہ یہاں آئی اور بنا ملے چلی گئی۔ ماما نے بھی میرے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا شاید بھول گئی ہوں۔ وہ دل ہی دل میں سوال جواب کر رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ محبت میں ہجر نہ ہو تو کہانی مکمل نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆

پہاڑوں اور صنوبر کے اونچے درختوں میں گھری لال حویلی ہر کسی کی نظروں کو خیرہ کرتی تھی۔ لال حویلی کی شان و شوکت بالکل کسی برسر اقتدار بادشاہ جیسی تھی۔ حویلی کی منڈیروں پہ کبوتر دانہ دنکا چنتے رہتے کبوتروں کے غول جب حویلی کی طرف آتے تو ان کی آوازوں سے فضا میں سماں بندھ جاتا کسی نغمگی کی دھن سی بجنے لگتی تھی۔

گل بی بی لال حویلی کی سربراہ تھی۔ جوانی میں بیوہ ہوئیں مگر اپنے دونوں بیٹوں' بہروز خان اور نوروز خان کے ہمراہ ساری زندگی ایسے گزاری کہ ہر نگاہ میں ان کے لیے احترام تھا۔ بڑے خان صاحب کے گزر جانے کے بعد لال حویلی کا انتظام ان کے ہاتھ میں آیا اور ابھی تک وہ سارے امور خوش اسلوبی سے سنبھال رہی تھیں۔ لال حویلی کے ساتھ اس حویلی میں موجود ہر شخص گل بی بی کی تربیت کا مکمل عکس تھا۔

زمینوں پر فصل کی کاشت' کٹائی' باغات میں پھلوں کی دیکھ بھال ہر کام گل بی بی کے انتظام و انصرام کا گواہ تھا۔ وقت کے پروں نے تیز اڑان بھری اور بادلوں کی کالی گھٹائیں چاندی کے رنگ میں رنگ گئی۔ حویلی میں کھیلنے والے بچے اب اس حویلی کے مضبوط ستون بن چکے تھے۔ بہروز خان اور نوروز خان ایسے برج تھے جن پر گل بی بی کے وجود کی عمارت مضبوطی سے قائم تھی۔ بہروز خان نے زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی تاکہ خاندانی کاروبار کو چار چاند لگا سکیں۔ ان کی شادی بچپن کی منگ زہرہ سے ہوئی اور زہرہ کی چھوٹی بہن نوروز خان کے نام سے منسوب تھی۔ نوروز خان اعلیٰ تعلیم کے لیے پشاور میں مقیم تھے۔

گل بی بی کی لال حویلی میں چند سالوں میں دو ننھی کلیاں کھلیں' افشاں خان اور عروب خان۔ جن دنوں بہروز خان کی گود میں عروب خان آئی تھی انہی دنوں نوروز خان کی شادی کی تیاریاں شروع کردی گئی تھیں۔ لال حویلی پہ قیامت تب ٹوٹی جب نوروز خان نے بچپن کی منگنی توڑتے ہوئے عالیہ بیگم سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ عالیہ بیگم نوروز کے ساتھ پڑھتی تھی۔ بیوروکریٹ کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب کی دلدادہ بھی تھی۔ ان روایات سے بالکل ناآشنا تھی جن پہ لال حویلی کی عمارت استوار تھی۔ نوروز خان اپنی محبت کی بھیک مانگنے ماں کے دربار میں آبیٹھے تھے۔ ہر حربہ' کوشش' نصیحت ناکام ہوگئی تھی۔ اس سے پہلے کہ بغاوت کا علم بلند ہوتا' اس سے پہلے کی جھکی نظریں اٹھ جاتیں' رشتوں کا تقدس پامال ہوتا گل بی بی نے وہ فیصلہ کردیا جس کے بعد سے ساری عمر کا پچھتاوا دامن گیر ہوگیا۔ جس فیصلے نے سوگ کی ایسی فضا قائم کی کہ لال حویلی کے ہر گوشے کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

عالیہ بیگم نے حویلی میں قدم رکھا اور ہر گزرتا دن گل بی بی کو نوروز خان کی پسند سے نالاں کرتا گیا۔ گل بی بی کے ہر فیصلے سے انحراف' زہرہ بی بی سے چپقلش رکھنا' عالیہ بیگم کو سب کی نظروں سے گراتا جارہا تھا۔ انہی حبس زدہ دنوں میں عالیہ بیگم کی گود میں گوہر نایاب آیا تھا۔ نام کا اختیار گل بی بی کو سونپا گیا۔ گل بی بی نے گول مٹول سے بچے کے لیے شیر خان مناسب نام سمجھا' جس کو عالیہ بیگم نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا تھا مگر نوروز خان نے ماں کا احترام کرتے ہوئے اپنے بیٹے کا نام شیر خان رکھا اور ساتھ ہی بہروز خان کی بیٹی عروب خان کے ساتھ رشتہ طے کردیا۔ حالات اپنی ڈگر پہ آئے ہی تھے کہ نوروز خان کی ایکسیڈنٹ میں موت نے حویلی کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس سے بڑا صدمہ گل بی بی کو تب لگا جب عالیہ بیگم حویلی کے واحد وارث کو لے کر گل بی بی کی ہزاروں منتوں کے باوجود حویلی چھوڑ گئی تھیں۔

☆......☆......☆

زین کی باتیں سننے کے بعد وہ جلد از جلد ماما سے اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا تو ماما کی آواز سماعت میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیل گئی تھی۔

"وہ پہاڑی لڑکی کیا سمجھتی ہے کہ اپنے حسن سے میرے بیٹے کو جیت لے گی' اپنے گیسوؤں کے جال میں میرے بیٹے کو پھنسا لے گی' اس کی سنہری آنکھیں شیر خان پہ سحر کردیں گی' وہ لوگ کیسے بھول گئے اپنی وہ ہار..... تذلیل جو عالیہ نوروز خان اس گھر سے نکلتے ہوئے انہیں تحفے میں دے کر آئی تھی۔ اس لڑکی کی خالہ اپنے مکمل حسن کے ساتھ عالیہ نوروز خان سے ہار گئی تھی تو یہ لڑکی کیا چیز ہے؟" انہوں نے اپنے اندر کا سارا زہر اگلا تھا۔

انسان کا زہر سانپ کے زہر سے زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ سانپ کا ڈسا تڑپ کر مرجاتا ہے مگر انسان کا ڈسا ساری عمر پل پل تڑپتا ہے۔ سانپ کا زہر جسم کو نیلا کردیتا ہے اور انسان کا زہر جذبات اور رشتوں کو لہو رنگ کردیتا ہے۔

"میرے بیٹے سے دو سال بڑی لڑکی' میری بہو نہیں ہوسکتی' جس طرح ہسپتال میں اس کی انا کا پندار ٹوٹا ہے' اس کے بعد وہ محبت پہ تھوک سکتی ہے مگر اس کو پانے کا خواب نہیں دیکھ سکتی۔" انہوں نے چہرے پہ شاطرانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے زرتاشہ کو حوصلہ دیا مگر اس بات سے بے خبر تھی کہ قسمت پانسا پلٹ دیتی ہے۔ ساحل کا کنارا ہمیشہ مقدر میں نہیں ہوتا' جس شطرنج کی بازی میں وہ ملکہ رہی تھیں آج اسی بازی میں انہیں مات ہوچکی تھی۔ عالیہ بیگم کا سیاہ دل ان کے بیٹے پہ عیاں ہوچکا تھا اور اس بات سے بے خبر وہ اپنی جیت کا جشن منارہی تھیں۔

☆......☆......☆

اس کے لیے دن رات کا فرق بے معنی تھا۔ اس کی ذات پہ ایسی برف کی تہہ جم چکی تھی جس کا پگھلنا بہت تکلیف دہ تھا۔ اس نے صرف اپنی محبت اور محبوب کو

تکلیف میں نہیں دیکھا تھا بلکہ وہ انسان عروب بہروز خان کا دوست، ہمراز، ساتھی، سب کچھ تھا، کیا ہوا جو زندگی کی راہ گزر میں وہ اس کا ہم قدم نہیں تھا۔ عروب خان کی محبت نے کب اس کے وجود کا تقاضا کیا تھا، وہ دور ہوتے ہوئے بھی ہر پل اس کے ساتھ تھا، اس کے خیالوں، سوچوں اور وہم و گمان میں تھا۔

دس سال کی عمر میں عروب خان نے شیر خان کا نام اپنے نام کے ساتھ سنا تھا اور پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ نام اس کے دل کی زمین پر جڑ پکڑتا گیا، اس کی زندگی میں یہ نام اتنا اہم ہوگیا کہ اس کی انگلیوں نے رنگوں سے پیکر محبوب تراش لیا...... اس کی محبت اس کے رنگوں سے چھلکنے لگی تھی۔ بہت پرانا محاورہ ہے ''عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے'' جہاں محبت ہو وہاں رنگ اترتے ہیں مگر ان رنگوں کی نوعیت الگ ہوتی ہے، امید کے رنگ، لگن کے رنگ، وصل کے رنگ، ہجر کے رنگ، عروب خان کے رنگ بھی گل بی بی کی حویلی میں چھا چکے تھے۔ رنگ صرف خوشیوں کے تو نہیں ہوتے کچھ رنگ غموں کی ندی میں ڈبو جاتے ہیں۔ عروب خان کی محبت اس حویلی کے ہر فرد کو غم زدہ کر گئی تھی۔

وہ شیر خان سے منسوب تھی اور اسی کے نام سے منسوب رہنا تھا، ساری عمر کبھی نہ پچھتانے والی گل بی بی عروب خان کے سامنے شرمندہ ہو چکی تھیں۔ انہیں اپنے فیصلے پہ شاید اتنی شرمندگی نہ ہوتی اگر انہوں نے اپنی پوتی کی آنکھوں میں محبت کے رنگ نہ دیکھے ہوتے۔ اگر اس کے روم روم میں عشق نہ بسا ہوتا، مگر آج بائیس سال بعد وہ دنگ رہ گئی تھیں، جس بچے کو لے کر عالیہ خان دنیا کی بھیڑ میں گم ہوئی تھیں، جس کو ان کی حویلی کے رنگوں سے دور لے گئی تھی، جس بچے کو جاہلانہ رسم و رواج سے دور رکھنا چاہا، وہی اس وادی کے لوگوں اور ان کی خوشیوں کے لیے اپنی جان پہ کھیل گیا۔ آج گل بی بی سمجھ گئی تھیں سب کچھ تربیت نہیں ہوتی کچھ اثر خون بھی رکھتا ہے۔ عالیہ خان بائیس سال پہلے بھی سراپا نفرت تھی اور بائیس سال بعد بھی اس کی آنکھوں سے نفرت چھلک رہی تھی اور گل بی بی کی لال حویلی میں محبت کی آبیاری ہوتی تھی وہاں نفرت کی گنجائش نہ پہلے تھی اور نہ اب۔

☆......☆......☆

پیروں کے نیچے سے زمین کھسکنا، قیامت ٹوٹ پڑنا جیسے الفاظ تو سن رکھے تھے مگر زندگی میں پہلی بار یہ الفاظ ان پر اپنی بدصورتی سمیت آج حاوی ہوئے تھے۔ ساری زندگی اپنی انا کے گنبد میں قید رہی تھیں خود کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر اور بہتر سے بہترین بنانے کی دھن میں بھاگتی رہیں، کسی بھی رشتے کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بنایا تھا مگر ان کی ہستی کا فخر و غرور زمین بوس ہو چکا تھا، فلک کی اونچائیوں میں رہنے کی خواہش ان کو بہت مہنگی پڑی تھی۔ اونچائیوں میں اڑتے اڑتے وہ یہ بات بھول چکی تھیں کہ جب انسان کی رگ و جاں میں تھکاوٹ اترتی ہے تو سانس لینے کے لیے زمین پر ہی اترنا پڑتا ہے اور اس بھول کی بہت بڑی سزا ملی تھی آج وہ خود کو پاتال کی گہرائیوں میں محسوس کر رہی تھیں۔ وہ ابھی تک اسی امید کی کیفیت میں تھیں کہ جو کچھ ان کے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا ہے وہ غلط ہے۔ شیر خان کیسے ان کو چھوڑ کے جا سکتا ہے؟ لیکن ایسا ہو چکا تھا، شیر خان ان کی انا اور غرور انہیں سونپ کر تنہا کر کے جا چکا تھا۔

''ماما...... میں نے نہیں سوچا تھا کہ میری ماں اپنی انا کے زعم میں ہر رشتے کو اپنے پاؤں تلے کچل کر ماڈرن ازم کی تلاش میں نکلی تھیں...... جاہلانہ رسم و رواج سے بھاگتی رہی ہیں، آپ کیسے اتنی خود غرض ہو سکتی ہیں ماما کہ اس خاندان کا اکلوتا وارث چھین لیا آپ نے...... کیا ان کی اذیت کا اندازہ کر سکتی ہیں؟ کیا اس لڑکی کے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہیں جو ہر سانس کے ساتھ میرا انتظار کر رہی ہے...... کیوں کیا آپ نے ایسا...... کیوں......؟ میں آپ جیسی غلطی نہیں کروں گا، میں جا رہا ہوں اپنے خاندان کے پاس، جس کی کمی زندگی میں محرومی بن کر میرے ساتھ رہی...... میں جا رہا ہوں اس لڑکی کے پاس...... جس کی

سنہری آنکھوں میں میری دنیا آباد ہے۔"
ان کو جرم کی سزا سنادی گئی تھی اور وہ بے بسی سے اپنی زندگی بھر کی کمائی کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ تو آج ثابت ہوا تھا کہ عالیہ خان نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا اس کی منزل تنہائی کی لامتناہی سزا تھی۔

☆......☆......☆

گل بی بی کی حویلی میں جشن کا سماں تھا۔ حویلی کا ہر دریچہ ہر دیوار خوشی میں رقصاں تھی نوروز خان کی نشانی ان کے سامنے تھی جو بچپن میں ان سے چھین لی گئی تھی۔
"میری بوڑھی آنکھوں کو روشنی مل گئی ہے..... آج میرا نوروز میرے سامنے ہے۔" گل بی بی کے جھریوں والے چہرے پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی آنکھوں میں کچھ پالینے کی چمک تھی۔
گل بی بی شیر خان کو پیاسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی نظریں شیر خان کے چہرے پر اٹک سی گئی تھیں اپنے نوروز کی نشانی کو سینے سے لگائے بیٹھی تھیں۔
"اب میں آ گیا ہوں گل بی بی..... سب دکھوں کا مداوا کروں گا..... انتظار کے دیئے بجھا دیں اور ملن کے چراغ روشن کریں۔" شیر خان گل بی بی کے پہلو میں بیٹھا ہر فرد کا خوشی سے چمکتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ یہاں آنے تک جتنے خدشات وسوسے اندیشے تھے سب اڑن چھو ہو گئے تھے۔ عالیہ خان کے زہر میں بجھے الفاظ اس کے اندر انتشار برپا کر گئے تھے مگر گل بی بی اور حویلی کے ہر فرد نے اس زہر کا علاج اپنے پیار بھرے رویے سے کیا تھا۔ ان سب سے مل کر وہ عالیہ خان کے رویے پر ششدر رہ گیا تھا۔
"گل بی بی وہ بیمار ہے اور اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے اسے آرام کرنے دیں۔" بہروز خان کو بھتیجے کے آرام کا خیال آیا۔ حالانکہ دل ان کا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے رہے۔
"ہاں..... اپنی خوشی میں بچے کے آرام کا خیال ہی نہیں رہا..... افشاں بھائی کو اس کے کمرے میں لے جاؤ۔" گل بی بی کی ہدایت پر سر ہلاتے ہوئے اٹھا اور افشاں کے پیچھے چل دیا۔ بڑے سے صحن سے گزرتے ہوئے وہ راہداری میں آئے اور دوسرے کمرے کے سامنے آ کر رک گئے۔
"یہ آپ کا کمرا ہے۔"
"شکریہ..... سنیے۔" اسے کمرے کا بتا کر وہ واپس مڑ رہی تھی کہ اس کی پکار پر رک گئی۔
"جی۔"
"کیا اس حویلی کی سب لڑکیاں سنہری آنکھوں والی ہیں؟" اپنے سر کو کھجاتے ہوئے اس نے سوال کیا تھا۔ افشاں اس کے سوال اور انداز پہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
"آپ آرام کیجیے آنکھوں کے رنگ بعد میں دیکھ لیجیے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا..... سرسری نظر سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے ہی اسے محسوس ہو گیا تھا کہ ضرورت کی ہر چیز اس کمرے میں موجود تھی۔ ماما کس پرتعیش زندگی کے لیے یہاں سے گئی تھیں ماما کا خیال اس کی ساری خوشی کو ملیا میٹ کر گیا تھا۔ وہ عالیہ خان کو ان کی تنہائی سمیت چھوڑ آیا تھا مگر اسے واپس جانا ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس کروا کر اس سب کا ازالہ کرنا ہے۔ اپنے ارادوں کو پختہ کرتے ہوئے وہ نیند کی وادی میں گم ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

سورج کی سنہری شعاعیں اس کے کشادہ چہرے کو روشن کر رہی تھیں دن کا اجالا کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ بے حس و حرکت لیٹا گزرے ہوئے کل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گل بی بی بہروز تایا تائی جان افشاں خان سب سے ملنا اسے خواب و خیال محسوس ہو رہا تھا۔ سب کا سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں سنہری آنکھوں نے جھلک دکھلائی کالے گیسوؤں نے دل میں ارتعاش برپا کیا..... اس کا خیال آتے ہی جسم و جان میں بے چینی بھر گئی وہ سب سے ملا تھا مگر وہ چہرہ ابھی تک نگاہوں سے اوجھل تھا وہ تو اس کے نام سے بھی کل ہی واقف ہوا تھا۔ وہ اٹھا اور نہا کر گل بی بی کے کمرے میں چلا آیا۔

"اسلام علیکم گل بی بی......"
"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔" گل بی بی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ وہ شش و پنج کا شکار تھا کہ کیسے گل بی بی سے اس دشمن جاں کے بارے میں پوچھے کہ گل بی بی خود ہی کہنے لگی۔
"بیٹا تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"
"جی بولیں گل بی بی آپ کو میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جی جان سے ان کی طرف متوجہ ہوا۔
"بیٹا جب تم پیدا ہوئے تو تمہارے باپ کی مرضی سے تمہاری منگنی بہروز کی چھوٹی بیٹی سے کردی گئی تھی۔ اتنے سالوں سے تمہاری غیر موجودگی میں وہ تمہاری آس پر بیٹھی ہے، میں جانتی ہوں تم جدید دور کے بچے ہو اور شاید بچپن کے رشتے کو تسلیم بھی نہ کرو۔ اس لیے تم اس سے مل کر کوئی فیصلہ کرلو تاکہ ہم اس کی طرف سے اپنی فکر مندی کا کوئی بہتر حل تلاش کریں۔"
"جی گل بی بی میں اس سے ملنا چاہوں گا مگر آپ عالیہ خان کی تربیت پر نہیں تو نوروز خان کے خون پر یقین رکھیے مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے۔"
"جیتے رہو بیٹا...... اللہ دنیا جہاں کی خوشیاں نصیب کرے۔" انہوں نے ایک ملازمہ کو آواز دی اور شیر خان کو چھوٹی بی بی کے کمرے میں لے جانے کا کہا۔ گل بی بی کی اجازت ملتے ہی وہ ملازمہ کے پیچھے چل دیا۔ بالائی منزل پر پہلا کمرا ان کی منزل ٹھہرا۔
"آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" وہ اندر جانے یا نہ جانے کی کشمکش میں کھڑا تھا جب افشاں خان وہاں آئی۔
"گل بی بی کے اجازت نامے سے آیا ہوں کسی سے شرف ملاقات حاصل کرنا ہے۔" افشاں اس کا اشارہ سمجھ چکی تھی۔
"آپ جس سے ملنا چاہتے ہیں وہ تو اس وقت حویلی میں موجود نہیں مگر جس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں اس کے لیے میں آپ کی مدد کرسکتی ہوں۔"
"کیسے......؟"
"آیئے میرے پیچھے......" وہ سر ہلاتا ہوا افشاں کی معیت میں ایک کمرے میں داخل ہوا جو کباڑ خانہ سے مشابہہ تھا۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا جب افشاں کی آواز آئی۔
"میں چلتی ہوں آپ یہاں کا جائزہ لے لیں پھر اگر ملنا چاہیں تو وہ جھیل پر ہی ہوگی۔"
وہ پریشان کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہاں دیکھنے والا کیا ہے، چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد اس نے آگے بڑھ کر پردہ اٹھایا اور ساکت رہ گیا۔ اس کے پیر منجمد ہوگئے اور ذہن مفلوج ہوگیا تھا اور پھر پاگلوں کی طرح سارے پردے گراتا گیا، کمرے میں ہر تصویر عیاں تھی اور ہر تصویر میں اس کی جھلک تھی۔ ہر چہرہ بے نقاب اور ہر چہرے میں اس کا عکس تھا۔ وہ صم بکم کی عملی تفسیر بنا کھڑا تھا۔

☆......☆......☆

جھیل کا پانی بھی آج اس کی طرح اداس تھا۔ لہریں سبک روی سے بہہ رہی تھیں۔ دل کو کسی کا انتظار تھا اور انتظار بہت جان لیوا تھا۔ پل پل قیامت سا لگ رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ آج وہ اتنی بے بس کیوں ہے آج وہ اپنے دل کو قابو کیوں نہیں کر پارہی؟
بچپن سے وہ شیر خان کا انتظار کرتی رہی تھی اس کا نام اپنی دھڑکنوں کے آس پاس محسوس کرتی رہی تھی۔ آج بھی وہ دن پوری جزئیات سے اس کی یادداشت میں تھا جب عالیہ بیگم حویلی میں آئی تھیں۔ گل بی بی سے جائیداد میں حصہ وصول کرنے کے لیے اور گل بی بی نے ان کا حق ان کو دے دیا تھا۔ عالیہ بیگم اور گل بی بی کی بحث و تکرار سے اس پہ یہ حسین انکشاف ہوا کہ وہ بھی کسی سے منسوب ہے۔ کسی کی امانت ہے۔ خوشی بڑھتی بڑھتی محبت بن گئی اور محبت نے عشق کا چولا پہن لیا۔ عشق ہجر کے رنگوں میں ڈوبا تو بے نام سا تصور خیالوں میں آدھمکا اور وہ تصور بڑھتا بڑھتا اتنا مضبوط ہوگیا کہ پیکر محبوب بن کر قرطاس پر رنگوں سے مجسم ہوگیا اور پھر وہ دن بھی آیا جب جھیل کے پاس بیٹھے ہوئے اسے کسی کی نگاہوں کا احساس ہوا۔ اس نے سرسری سی نظر

ڈالی اور پھر پلٹنا بھول گئی۔
وہ ہو بہو ہی تھا وہ حیران...... ششدر تھی...... یہ معجزہ تھا یا عشق کی معراج تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ اس پہاڑی پہ موجود ہوتا اس کی بے چینی اس کی حرکات سے عیاں ہوتی تھی اس کے خط نے شک کو یقین میں بدل دیا تھا کہ وہ شکل ہی نہیں نام کا بھی شیر خان ہی ہے۔
"جھیل بہت خوب صورت ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ تم اپنے اردگرد سے بھی بے خبر ہو جاؤ۔" وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی کہ اپنے پاس سے آنے والی آواز پر ہڑبڑائی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا دیوتاؤں سے حسن والا شیر خان اس کے پاس کھڑا تھا۔ جو اس کا ہوتے ہوئے بھی اس کا نہیں تھا محبت نے ان میں رابطہ تو رکھا تھا مگر دریا کے دو کناروں جیسا۔
"اگر آپ کو دیکھنے سے فرصت مل جائے تو مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اس نے عروب خان کی بے خودی پر چوٹ کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے بات کرنے کی اجازت دی۔
"گزرے سالوں کا میں حساب نہیں دے سکتا جو ہوا اس میں قطعاً میرا کوئی قصور نہیں...... آپ کے عشق کے ست رنگوں نے مجھے اتنا بے بس کر دیا کہ میں اپنے نا کردہ خطاؤں اور غلطیوں کی معافی مانگ رہا ہوں۔ یہ ناچیز معافی کا طلب گار ہے۔" اس نے تڑپ کر اس کے بندھے ہاتھوں کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل بیٹھے دونوں ہاتھ جوڑے اس کی ہستی کو محترم کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سوچا کرتی تھی کہ جب وہ دشمن جان سامنے آئے گا تو کیسے اپنی محبت کا اعتبار کرائے گی کیسے عشق کے رنگوں سے واقف کرائے گی کس طرح جنون عشق کے راز کھولے گی کیسے ہجر کے دکھی راگ سنائے گی لیکن وہاں تو سوال ہی نہ تھا وہاں تو اقرار کی خواہش تھی وہاں تو انعام ہی انعام تھا۔ اسے سزا نہیں سنائی گئی تھی بلکہ جزا سے نوازا گیا تھا۔
اس نے تڑپ کر اس کے ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے نم آنکھوں سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے ایسا کرنے سے روکا۔
"اگر اجازت ہو تو ایک سوال پوچھوں؟" شیر خان کی آنکھوں میں شرارت کے رنگ ابھرے تھے۔ اس کی شرارت سے انجان اس نے ہاں میں سر ہلایا۔
"آپ شیر خان سے پیار کرتی ہیں یا کیپٹن شیر خان سے۔" اس نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی شرارت سمجھتے ہوئے مسکرا دی۔
"میں کیپٹن شیر خان سے محبت کرتی ہوں۔" ایک پل کے لیے اس کی دھڑکن تھمی۔ "مگر شیر خان سے عشق کرتی ہوں۔ اس کی محبت کے ست رنگوں میں ڈوب چکی ہوں۔"
جواب کا پہلا حصہ سن کر ساکت ہوا مگر بات کے اختتام پر مسکرا دیا۔ اس کے ہاتھ پہ اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر لی۔ دونوں کو ہی ڈر تھا کہ ایک پل کے لیے بھی ہاتھ چھوٹے تو ہجر کی ظالم موجیں پھر نہ بہالے جائیں اور یہ ڈر محبت کو پائیدار کرتا ہے۔
جھیل کی لہروں نے بھی ان کے ملن کی خوشی میں روانی اختیار کر لی تھی۔ ہواؤں نے بھی اٹھکیلیاں شروع کر دی تھیں وادی میں محبت کے رنگ اتر رہے تھے سورج کا سنہرا پن بھی مدھم ہوا تھا انتظار بے پایاں تھا اور اب انعام بے کراں تھا اور اس انعام کا شکر دونوں پہ واجب تھا۔

❁

تیری زلف کے سر ہونے تک
اقرا صغیر احمد

## قسط نمبر ۱۱

تم جب آؤ گی تو کھویا ہوا پاؤ گی مجھے
میری تنہائی میں خوابوں کے سوا کچھ بھی نہیں
میرے کمرے تو سجانے کی تمنا ہے تمہیں
میرے کمرے میں کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں

### گزشتہ قسط کا خلاصہ

انشراح کے بے ہوش ہونے پر نوفل گھبرا جاتا ہے جبکہ ہوش میں آنے پر انشراح اسے اپنے قریب دیکھ کر بدگمان ہوجاتی ہے ایسے میں نوفل عاکفہ اور بابر کو بلا کر تمام صورت حال بتاتا ہے لیکن انشراح کی بگڑتی حالت دیکھ کر عاکفہ نوفل پر یقین نہیں کرپاتی۔ لاریب کی سرگرمیوں کے متعلق جان کر نوفل اس سے صاف بات کرتا ہے اور اسے انشراح سے دور رہنے کو کہتا ہے مگر وہ اس بات کا غلط مطلب نکالتا ہے کہ نوفل جیسا بندہ انشراح کے دام میں پھنس چکا ہے۔ ثبوت کے طور پر وہ اس کی شرٹ پر لپ اسٹک کے نشان دکھا کر اسے شاکڈ کردیتا ہے نوفل اس کی تمام حرکات پر نظر رکھتا ہے اور اس کے کمرے میں ٹیپ ریکارڈر فکس کرادیتا ہے' دوسری طرف لاریب بھی نوفل کے مارے گئے تھپڑ کا بدلہ انشراح سے لینے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ یوسف صاحب سودہ کے رشتے کے سلسلے میں متفکر ہوتے ہیں ایسے میں صوفیہ کی نند کے بیٹے (پیارے میاں) کا رشتہ انہیں معقول لگتا ہے لیکن وہاں جواب دینے سے پہلے وہ زید کی رائے جاننا چاہتے ہیں ایسے میں زید تمام فیصلہ ان پر چھوڑ دیتا ہے۔ مدثر صاحب کی خواہش ہوتی ہے کہ سودہ اور زید کا رشتہ طے کردیں لیکن فی الحال ان کی یہ خواہش زید پوری کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ عمرانہ اور مائدہ کی کبھی آپس میں نہیں بنتی تھی اور زید اس بات سے بخوبی آگاہ تھا۔ دوسری طرف عروہ زید کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے اور عمرانہ کے لیے اپنی محبت کا اظہار کرکے زید کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ مائدہ زید کے دوست جنید کو پسند کرنے لگتی ہے اور گھر آنے پر اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی ہے جنید اس صورت حال پر گھبرا جاتا ہے اسے اپنی دوستی خطرے میں نظر آتی ہے لیکن مائدہ اس کی محبت کے آگے تمام طور طریقے بھول جاتی ہے۔ انشراح نوفل کے حوالے سے تمام باتیں بالی سے شیئر کرتی ہے تو جہاں آرا بھی یہ سب سن کر اس موقع کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتیں ایسے میں وہ اپنے مخصوص آدمی کے ذریعے نوفل سے رقم بٹورنے کی خاطر اس کے کردار کو نشانہ بناتی ہیں اور اسے دھمکیوں سے نوازتی ہیں۔ نوفل ان کی بات پر ششدر رہ جاتا ہے وہیں انشراح کی غلط بیانی اور یوں خود کی قیمت لگانے کا انداز اسے بالکل پسند نہیں آتا جبکہ دوسری طرف انشراح اس تمام معاملے سے بے خبر ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.......☆.......❁

اس نے جھک کر دیکھا اور یک دک رہ گئی تھی...... کیونکہ جس کو وہ بڑے ماموں سمجھ رہی تھی وہ ماموں نہیں زید تھا جو جھکا ہوا ٹیبل پر رکھی فائل پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا' اس کی ساری بات وہ تحمل سے سنتا رہا تھا مجال ہے جو ایک بار بھی اس

کے جسم میں کوئی جنبش ہوئی ہو یا اپنے شانوں پر رکھے اس کے ہاتھوں کو ہٹایا ہو۔
یہ انکشاف ہونے کے بعد وہ لحظہ بھر دم بخود سی رہ گئی تھی پھر اتنی سرعت سے پیچھے ہٹی تھی گویا برقی تاروں کو چھولیا ہو...... وہ بھی کسی سحر سے آزاد ہوا تھا پین ہولڈر میں رکھنے کے بعد فائل بند کرکے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
''ارے سودہ بیٹی...... کھڑی کیوں ہو آؤ بیٹھو زید فائل چیک کرلی آپ نے؟'' اٹیچڈ باتھ روم سے ماموں برآمد ہوئے تھے اور دونوں سے مخاطب ہو کر صوفے پر بیٹھ گئے تھے ساتھ سودہ بھی بیٹھ گئی تھی۔
''جی...... چند غلطیاں تھیں وہ درست کردی ہیں۔''
''شکریہ...... آؤ بیٹھو نا کھڑے کیوں ہو؟'' اس کو کھڑے دیکھ کر گویا ہوئے۔
''میں رک نہیں سکوں گا ایک ضروری کام سے جانا ہے اجازت دیجیے۔ واپسی جلدی ہوگئی تو آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔''
اس نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور چلا گیا۔ وہ اس کی موجودگی میں نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ انجانے میں سرزد ہونے والی خطا پر وہ ندامت محسوس کررہی تھی اور سوچ رہی تھی کتنی بے وقوفی کی ہے اس نے فرفر اس کو ہر بات بتاتی چلی گئی اور ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ماموں ایک لفظ کہے بنا اتنی خاموشی سے کیوں سن رہے ہیں؟ وہ ہی مثال تھی کہ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے جذبات انسان کو کمزور کردیتے ہیں وہ غصے و جذبات سے بھری وہاں آئی تھی۔ زید نے بھی اس کی موجودگی کو وہاں اس طرح اگنور کیا تھا جیسے وہ موجود ہی نہیں ہے غضب کا طرز تغافل تھا اس کا۔
''ماموں جان! میں آپ سے اجازت لینے آئی ہوں۔''
''خیریت کہاں جارہی ہیں آپ؟'' وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔
''پاپا کے گھر رہنا چاہتی ہوں۔'' اس کا ضبط جواب دے گیا آنسوؤں کے درمیان وہ ان کو ہر بات بتاتی چلی گئی۔

❀......☆......❀

''آپا...... جواب نہیں ہے تمہارا بھی قسم اللہ پاک کی ایک مدت سے اپنی دنیا سے دور ہو مگر...... پھرتی، چالاکی و مکاری میں ابھی تک طاق ہو مان گئے بھئی تمہارے کائیاں پن کو بھی۔''
''مچھلی سمندر سے نکل کر فش ٹینک میں آجاتی ہے تو بھی تیرنا نہیں چھوڑتی، پھر میں کس طرح اپنی صلاحیتوں سے دور رہ سکتی ہوں۔'' وہ بریف کیس میں رکھے بڑے نوٹوں کی گڈیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گردن اکڑا کر کہہ رہی تھیں خوشی و انبساط سے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔
''ہاں آپا...... ان بڑے لوگوں سے پیسہ اینٹھنا بھی ایک فن ہے۔''
''سراج...... فن نہیں یہ بہت مشکل کام ہے تم نے دیکھا تھا نا اس لڑکے کو کیسے تیور تھے اس کے؟ کتنی اکڑ دکھا رہا تھا...... اور سچ پوچھو تو میں بھی اندر ہی اندر پریشان ہورہی تھی، سارا منصوبہ خاک ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تو اس کے دل میں ہی کوئی خیال آیا تھا جو وہ رقم دینے پر راضی ہوا۔''
''آپس کی بات ہے آپا! انشراح اس لڑکے کے قابو میں کیسے آ گئی؟ ورنہ بڑے بڑے لوگ اس کو نگاہ بھر کر دیکھنے کی ہمت نہیں کرتے۔'' سراج نے دبے لہجے میں کہا وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولیں۔
''ارے کل ہی کیا اس کی طرف میلی نگاہ ڈالنے کی آج بھی کسی کی مجال نہیں ہے انشی کل بھی شیرنی تھی اور آج بھی شیرنی ہے۔''



''پھر یہ پیسہ اور اس لڑکے کو کس بنا پر بلیک میل کررہی تھیں؟'' وہ حیران و پریشان سا پوچھ رہا تھا۔

"وہ تو اتفاقاً میں نے انشی اور بالی کی باتیں چھپ کر سن لی تھیں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ ہے تو میں ان کے علم میں لائے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی اور میرے ذہن نے مشورہ دیا یہ ساری پلاننگ کرنے کا۔" وہ بالی اور انشی کے درمیان ہونے والی باتیں اسے بتا کر مسکرا کر کہہ رہی تھیں دونوں پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"ابھی تو یہ مٹھی بھر ریت ہے سراج' آگے آگے دیکھنا میں پورا صحرا اپنے قابو میں کرلوں گی۔ کسی کے پاس ایک ذرہ بھی نہیں رہنے دوں گی۔"

"تم کرسکتی ہو آپا ایسا' جتنی محبت تم کو دولت سے ہے اتنی محبت میں نے کسی کو پیسے سے کرتے نہیں دیکھی۔"

"تم کیا جانو جس کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ بادشاہ ہوتا ہے اس دنیا میں عزت اسی کی ہے' جس کے پاس پیسہ ہے یہ کون پوچھتا ہے کہ تم نے پیسہ حرام طریقے سے کمایا یا حلال۔"

"صحیح کہہ رہی ہو سچ کوئی نہیں پوچھتا وہ کہتے ہیں نہ...... جس کی لاٹھی اس کی بھینس...... اس طرح جس کی دولت اس کی عزت' اس معاشرے میں یہاں سب دولت و پیسے کے پجاری ہیں۔"

"کس پجاری کی بات ہورہی ہے ماما......" انشراح اور بالی مسکراتی ہوئی وہاں داخل ہوئی تھیں' انشراح سراج سے مخاطب تھی۔ جبکہ جہاں آرا نے تیزی سے بریف کیس صوفے کے پیچھے چھپایا تھا۔

"ارے کسی کی نہیں بیٹا...... آؤ بیٹھو اور سناؤ طبیعت کیسی ہے؟ آپا بتارہی تھیں تمہارے پیر کی انگلیاں زخمی ہیں' بہت تکلیف ہے زخموں میں؟" سراج نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر محبت سے پوچھا۔

"میں بالکل پرفیکٹ ہوں آپ سنائیں طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ بہت دنوں بعد گاؤں سے تشریف لائے۔"

"بوڑھا ہوگیا ہے تمہارا ماما اب...... بیٹا سو بیماریوں میں گھرا رہتا ہوں آپا نے یاد کیا تو چلا آیا' تم تو جانتی ہو کچھ بھی ہوجائے میں آپا کی بات کسی بھی صورت ٹال نہیں سکتا۔"

"جگ جگ جیو سراج...... لیکن تم نے یہ کیا بات کی بھلا مرد اور گھوڑا کبھی بوڑھا ہوتا ہے۔" وہ خوشدلی سے گویا ہوئیں۔

"تمہاری یہی باتیں تو مرتے بندے کو مرنے نہیں دیتی آپا۔"

"ابھی تم کہاں مرو گے انکل' تم جیسے لوگ جلدی کہاں مرتے ہیں۔" بالی کی زبان بے موقع پھسلی۔

"کیا مقصد ہوا تمہاری اس بکواس کا سوچ سمجھ کر بات نہیں کرنی آتی؟"

"میں مذاق کررہی تھی ماسی' تم تو یونہی خفا ہوجاتی ہو۔"

"اچھا...... اچھا چلو فٹافٹ ریڈی ہو دونوں آج ڈنر ہم باہر کریں گے۔ بہت دن ہوگئے کہیں باہر کھانا کھائے ہوئے۔" جہاں آرا کے چہرے پر بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔

"چلو بچیوں جلدی تیار ہوکر آؤ ایسا نہ ہو آپا کا موڈ بدل جائے اور ہمیں گھر میں ہی دال روٹی کھانا پڑے۔"

❁......☆......❁

بریف کیس دے کر آنے کے بعد وہ نجانے کب تک غم و غصے کی حالت میں بیٹھا رہا تھا کہ بابر اسے خود لینے آیا تھا وہ اس کو سامنے پاکر سنبھل تو گیا مگر انشراح اور اس کی نانی نے جس انداز میں اس کو بیوقوف بنانے کی سعی کی تھی وہ پلاننگ اس کو اندر سے مضطرب کیے ہوئے تھی۔ پیسہ جانے کا ملال ہرگز نہ تھا البتہ جس طریقے سے پیسہ اینٹھا گیا تھا وہ عمل ناقابل معافی تھا اور یہ جھوٹ و فریب اسے متوحش کیے ہوئے تھا۔ بابر اس کو گھر لے آیا تھا جہاں اس کے گھر پر پُرتکلف کھانے کا اہتمام تھا اس کی پسندیدہ ڈشز سے ٹیبل سجی ہوئی تھی۔

بابر اس کی ممی و ڈیڈی اور بھائی و بھابی بے حد اصرار کر کے اس کو کھانا پیش کر رہے تھے وہ دل مار کر کھانا کھا رہا تھا کہ ذہنی تناؤ کے باعث بھوک و پیاس مٹ گئی تھی۔ جیسے تیسے کر کے جبراً موڈ اچھا کرتے ہوئے کھانا زہر مار کر کے اٹھ گیا تھا۔

"لگ رہا ہے کھانا پسند نہیں آیا ہے تمہیں؟" باہر کھانے کے بعد اس کو اپنے روم میں لے آیا تھا۔

"نہیں...... کھانا بے حد اچھا اور ٹیسٹی تھا۔" وہ صوفے پر بیٹھا۔

"ہوں...... پھر تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے...... دیکھ رہا ہوں کھانا تم نے گھر والوں کا دل رکھنے کے لیے چکھا ہے...... کھایا نہیں...... اب بھی تمہارے چہرے پر تردد و کشمکش دیکھ رہا ہوں' کوئی ذہنی دباؤ ہے؟" بابر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے تم فکر مت کرو۔"

"اس کا مطلب ہے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو میں تم سے کوئی بات چھپاؤں گا؟"

"آف کورس...... تم ابھی بھی مجھ سے اپنی پرسنل شیئر نہیں کرتے بھلا کچھ بھی ہو جائے تنہا ہی تنہا تمام تکالیف برداشت کرتے ہو...... مگر بتانا تو اپنی انسلٹ سمجھتے ہو...... ایک میں ہی اسٹوپڈ ہوں' جو ایک ایک بات جب تک تم کو نہ بتادوں تب تک بے سکون رہتا ہوں۔"

"بے وقوف تو تم ہو اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ بے ساختہ مسکرا کر گویا ہوا تھا بابر نے ایک مکا اس کے بازو پر مارا۔

"آخر بتاؤ تو سہی معاملہ کیا ہے؟ پھر انشراح سے کوئی ٹکراؤ ہوا ہے کیا؟ پھر کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہے؟" وہ اس کا نبض شناس دوست تھا۔ نوفل دل میں متحیر سا رہ گیا' اس نے بنا کہے اس کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

"ہاں...... لیکن اس بار کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوئی' اس دن کار میں وہ جس طرح واویلا کر رہی تھی' اپنی شرافت و حیا کا پرچار کر رہی تھی وہ سب ڈھونگ' فراڈ تھا۔"

"کیا مطلب ہے؟ اس بات کا کھل کر بتاؤ کیا ہے اس نے اور تمہاری ملاقات کہاں ہوگئی اس سے؟" اس کے لہجے کی تپش آنکھوں میں بھی رقصاں دکھائی دے رہی تھی۔ نوفل کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی کہ اس نے اصرار کر کے اس سے اصل صورت حال جان لی اور حقیقت جان کر ششدر رہ گیا تھا۔

"یہ ہیں تمہاری اس نیک پروین کے کرتوت' اس کی اصلیت اتنی مکروہ و غلیظ ہے کہ دل کر رہا ہے اس کا گلا دبا دوں۔"

"نہیں یار...... میں کس طرح مان لوں...... مجھے یقین نہیں ہوتا وہ ایسی نہیں ہو سکتی...... تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" بابر کی نگاہوں میں اس دن والی انشراح کی پوری کیفیت گھومنے لگی تھی' اس کی آہیں' تڑپ اور آنسو و اضطراب میں کوئی کھوٹ نہ تھا۔ اس کے جذبات و احساسات وہی تھے جو ایک ان چھوئی لڑکی کے ہوتے ہیں۔ بناوٹ و حقیقت میں فرق بہت واضح ہوتا ہے۔

"تمہارا مقصد ہے میں پاگل ہوں' جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"اونو...... تم ہرٹ مت ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس کی نانی نے اس آدمی کے ساتھ مل کر یہ ڈرامہ کیا ہو؟"

"نانی کو الہام تو نہیں ہوا ہو گا؟ ویسے بھی وہ ایسی عورت نہیں ہے جن کو الہام ہوتے ہیں۔ آئی بلیوڈ...... یہ نانی نواسی ملی ہوئی ہیں' اس گھٹیا لڑکی نے اس عورت کو ہر بات بتائی ہے بلکہ بڑھا چڑھا کر بتائی ہے تب ہی وہ پوری پلاننگ کے ساتھ مجھ تک پہنچی اور میں اگر پہلے ہی پر الرٹ میں گھرا نہ ہوتا تو ان کو جیل کی ہوا کھلاتا مگر ان

دنوں میں خود بے حد ڈسٹرب ہوں۔''

❀......☆......❀

''شاہ زیب...... پلیز یہاں کوئی میری بات سننے کو تیار نہیں ہے ممی' ماموں' ممانی اور بوا بھی کسی کو میرے جذبات کی فکر نہیں' کوئی میری بات ماننے پر آمادہ نہیں' میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں...... اب میں ڈر ڈر کر نہیں رہ سکتی' میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔'' لاؤنج میں آتے زید نے اس کا ہر لفظ بغور سنا اور وہیں رک گیا۔

''ہاں...... مجھے پتہ ہے تم اس معاملے میں میری ہیلپ نہیں کر سکتے' مگر ماموں جان سے میری سفارش تو کر سکتے ہونا تم پلیز۔'' وہ روتے ہوئے اس کو کہہ رہی تھی' زید بے اختیار اسے دیکھتا رہا۔ گرین ود ریڈ پرنٹڈ سوٹ میں اس کی موتیا رنگ میں ہلکی سرخی خاصی نمایاں تھی جو مسلسل گریہ وزاری کے باعث تھی' سیاہ رنگ کے بالوں کی کئی لٹیں نکل کر چہرے کے گرد بکھری ہوئی تھیں وہ بے قراری سے بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ دوسری طرف سے یقیناً وہ اس کو سمجھانے کی سعی کر رہا تھا۔

''پلیز...... میری بات غلط نہیں ہے' میں تنہا نہیں ہوں گی مما بھی میرے ساتھ ہوں گی' ہمیں اپنے گھر میں کیسا خطرہ ہوگا؟ ویسے بھی وہ میرے پپا کا گھر ہے۔ ہم وہاں سکون وچین سے رہیں گے...... بس تم مدثر ماموں کو قائل کرنے کی کوشش کرو' مجھے ممی کو لے کر یہاں سے ہر حال میں جانا ہے۔'' اس نے حتمی انداز میں کہہ کر فون رکھ دیا پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کر کے جیسے ہی مڑی دروازے میں ایستادہ زید کو دیکھ کر پہلے تو گھبرا کر رہ گئی مگر پھر خود کو اندر سے مضبوط کرتی آگے بڑھی کہ...... اس گھر سے نکلنے کے لیے بغاوت کرنی تھی' اپنی عزت نفس اور خودداری کے بقا کے لیے کسی سے نہیں ڈرنا تھا' کسی سے بھی نہیں...... زید سے بھی نہیں...... اس نے غصے سے سوچا۔

''اس گھر سے جانا چاہتی ہو یہ نہیں بتاؤ گی کیوں؟'' سینے پر ہاتھ لپیٹے وہ اس کے مقابل کھڑا برفیلے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ شاہ زیب اور منور صاحب کے آگے اپنے حق کے لیے چلتی زبان ساکت ہو گئی تھی۔ بہادری و بغاوت سہم کر رہ گئی' جس شخص کا خوف بچپن سے ساتھ پلتا آیا تھا بھلا اتنی جلدی کیسے کمزور پڑ سکتا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی رہی بار بار سر سے پھسلتے آنچل کو درست کرتی ہوئی۔ اس سے جواب دینا مشکل تھا۔

''جواب دو میری بات کا کیوں جانا چاہتی ہو یہاں سے؟ کیا پرابلم ہے' ہر جگہ تمہاری حکمرانی ہے اپنی مرضی سے رہتی ہو۔''

''حکمرانی...... ہونہہ...... آخر ہونا اپنی ماں کی اولاد پابندی حکمرانی دکھائی دیتی ہے۔ تمہاری ماں کی مرضی کے بغیر کسی کی مجال ہے اپنی مرضی کرنے کی اور اپنی فیملی میں ان کی نگاہوں میں دشمن سے بھی بدتر ہوں اگر ان کے اختیار میں ہو تو میرے سانس لینے پر بھی پابندی لگا دیں' حکمرانی اور مرضی کی بات کرتے ہیں۔''

''ابھی تو بہت زبان چل رہی تھی' اب کیا بولنا بھول گئی؟ شاہ زیب کو رو رو کر اپنی جھوٹی مظلومیت کی داستان سنا رہی تھیں۔'' وہ ہنوز اسے گردن جھکائے دیکھ کر سخت طنزیہ لہجے میں بول رہا تھا۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں دیواروں سے نہیں جواب دو مجھے۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا جھکا ہوا چہرہ اونچا کیا۔

''زید...... بھائی......'' وہ اس کی اس جسارت پر بوکھلا اٹھی۔

''شٹ اپ' جواب دو مجھے......'' وہ اسی طرح اس کا چہرہ تھامے ہوئے تھا' ایک بجلی بڑھی بن کر اس کے اندر دوڑی تھی اور جھٹکے سے اس نے زید کے ہاتھ کو دور کیا تھا انداز میں سخت ناپسندیدگی تھی۔

''میں نے کہا نہ جواب دیے بغیر تم جا نہیں سکتی یہاں سے۔'' اس پر بھی گویا کوئی جنون سوار ہو گیا تھا آگے بڑھتی سودہ

کا بازو سختی سے پکڑا۔ اس کو لگا بازو آہنی گرفت میں پھنس گیا ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ زید بھائی؟ ہاتھ چھوڑیں میرا......"

"یہاں سے جانے کا مقصد کیا ہے؟" اس کی گرفت مزید مضبوط ہوگئی تھی۔

"تم کو معلوم ہے تمہاری اس فضول ضد کی وجہ سے تایا جان کا بی پی شوٹ کر گیا ہے' تائی جان کی شوگر ہائی لیول تک پہنچ گئی ہے اور تم کو صرف اپنی پڑی ہے کس قدر احسان فراموش لڑکی ہو تم۔" اس نے ایک جھٹکے سے بازو چھوڑا تو وہ ڈگمگا کر رہ گئی۔

"میں احسان فراموش نہیں ہوں' احسانوں کا بدلہ چکانے کے لیے ہی اس گھر سے جانا چاہتی ہوں' میری وجہ سے عمرانہ ممانی ڈپریشن کا شکار رہتی ہیں...... میرا چہرہ ان کو حواسوں سے دور لے جاتا ہے' سب سے زیادہ میرا یہاں رہنا ان کی تکلیف کا باعث ہے اور...... سچ یہ ہے کہ میری انا' میری خودداری...... میں اب ٹوٹ گئی ہوں میری ذات کرچی کرچی ہوگئی ہے اور قبل اس کے کہ کوئی ان کرچیوں سے لہولہان ہو میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں...... اس گھر سے دور' لوگوں سے دور...... اس دنیا سے بہت دور......" وہ بولی اور بولتی چلی گئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی ٹوٹی مالا سے موتی بکھرتے چلا جاتا ہو۔

پھر وہ رکی نہیں اور وہ ششدر سا اس کے لفظوں میں چکرا کر رہ گیا تھا' وہ اس کو پتھر سمجھتا رہا تھا جس پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتا تھا' وہ ایک مدت سے اس پر گولہ باری ہوتے دیکھ رہا تھا' کبھی کبھی اس پر ترس آ جاتا مگر پھر اس کو اسی طرح پتھر بنے دیکھ کر سمجھتا تھا اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا' وہ بے حس لڑکی ہے...... مگر...... ابھی اس پتھر کو بتا گئی تھی کہ درد اس کو بھی ہوتا ہے' چوٹ اس کو بھی لگتی ہے' بے حس وہ ہرگز نہیں...... عجیب قنوطیت رگ و پے پر چھاتی گئی تھی۔ بوا نے چائے کا پوچھا...... تو وہ منع کرتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا اور بے دم سا بیڈ پر گر گیا تھا۔ کل ہی کی بات تھی۔

وہ تایا سمجھ کر چیئر کے پیچھے سے دونوں بازو نرمی سے اس کے گلے میں ڈالے اپنی فریاد سنانے آئی تھی۔ وہ اسی وقت اس کے ہاتھ جھٹک کر وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا...... مگر وہ ہاتھ پھولوں کے حصار بن گئے تھے۔ ان نرم و نازک خوب صورت ہاتھوں سے عجیب سی مہک اٹھ رہی تھی۔ اعصاب کو بوجھل کرنے والی' احساسات کو مہکانے والی' معاً دل میں ایک امنگ پیدا ہوئی تھی۔ اس کو ہمیشہ کے لیے پانے کی جذبات گویا بے قابو تھے اور ابھی وادیٔ عشق میں پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ تایا جان کی آمد نے اس کو جذبات کی اندھیری وادی سے نکالا اور وہ خود کو ملامت و سرزنش کرتا ان سے کچھ گفتگو کر کے سودہ کو بالکل اگنور کرتا وہاں سے چلا گیا تھا اور خود سے کافی دیر تک خفا بھی رہا تھا۔

وہ اس کے لیے شجر ممنوعہ تھی۔

صدیوں کی مسافت کی بلندی پر چمکتا ہوا ایک ستارہ...... جس کو ایک نگاہ دیکھنے کی اجازت نہ تھی اور اس نے اس ستارہ کو اپنے دل میں بسانے کی آرزو کی تھی جو سراسر درد و رنج کا سودا تھا۔ اب اس نے سوچ لیا تھا وہ اس سے اسی طرح نفرت کرے گا جیسے پہلے کرتا رہا تھا' کچھ لوگوں سے نفرت کرنا' ان کو دھتکارنا' ان کو نرمی کے لائق نہ سمجھنے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔

کل تک اس کے دل میں سودہ کے لیے کوئی نرم گوشہ بیدار نہیں ہوا تھا' وہ بے حد مطمئن و مگن تھا اور جب سے اس کی طرف داری کرنے کا سوچا تھا تب سے وہ انجانی سی آگ میں سلگنے لگا تھا۔ جیسے اس کے ابھی لبوں کے قفل ٹوٹے تھے اور وہ متحیر کر کے چلی گئی تھی۔

❁......☆......❁

"ہیلو..... ہیلو..... ہیلو.....'' نسوانی کھلکھلاتی آواز سے اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں پٹ سے کھل گئی تھیں۔
"تو.....م؟'' جنید اچھل کر بیٹھا۔
"ہاہاہا..... یہ تو م کیا ہوتا ہے؟'' دوسری طرف وہ ہنستی چلی گئی۔
"میں نے تمہیں وارن کیا تھا یہاں فون نہیں کرنا بھول کر بھی۔''
"ہاں..... آپ نے بھول کر بھی کہا تھا نہ..... میں یاد کر کے کر رہی ہوں اب آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔''
"اوہ شٹ..... ہنسنا بند کرو مجھے غصہ آرہا ہے اگر اس کے بعد تم نے پھر کال کی تو میں زید سے تمہاری شکایت کروں گا۔'' پہلی بار اس کو کسی لڑکی کی بے باکی زہر لگی تھی۔
"زید بھائی سے کیا شکایت کریں گے..... یہی بتائیں گے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟ پیار ہو گیا ہے مجھے آپ سے؟'' دوسری طرف وہ سنجیدہ ہو کر روہانسی لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"بکواس بند کرو یہ سب بیکار کی باتیں ہیں ان میں کچھ نہیں رکھا' تم ایک اعلیٰ عزت دار گھرانے کی لڑکی ہو تمہیں یہ زیب نہیں دیتا۔''
"اعلیٰ عزت دار گھرانے کی لڑکیوں کے دل نہیں ہوتے کیا' ان کے جذبات نہیں ہوتے' کیا ان کو پیار کرنے کا حق نہیں ہے؟''
"میں تم سے آرگومنٹ نہیں کرنا چاہتا..... پلیز بھول جاؤ مجھے.....''
"یہ ممکن ہی نہیں ہے میں مر سکتی ہوں..... مگر آپ کا پیار دل سے نہیں نکال سکتی۔'' اس نے رونا شروع کر دیا۔
"مائنڈ یو..... بات سمجھنے کی کوشش کرو' میں تمہیں اس طرح سے ہی سمجھتا ہوں جس طرح زید تم کو سمجھتا ہے' میری دوست کی بہن میری بہن ہے۔''
"میں آپ کی بہن نہیں ہوں..... نہیں ہوں..... یہ آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا' میں صرف اپنے بھائی کی بہن ہوں۔'' جنید بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا وہ بہت عجیب لڑکی ثابت ہو رہی تھی' ضدی اور من مانی کرنے والی وہ اس کو سمجھا سمجھا کر بیزار ہو گیا تھا کہ وہ اس کا پیچھا چھوڑ دے اور وہ جتنا اس سے دور ہونا چاہ رہا تھا وہ اتنا ہی قریب ہونے کی سعی میں تھی ہٹ دھرمی پر برقرار۔
"بس..... بہت ہو گیا ہے تم میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہو' میں اب تمہارے اس پاگل پن کی خبر زید کو دوں گا اور بتاؤں گا تم کس راستے پر چل رہی ہو۔'' وہ بھی غصے سے چیخ کر بولا۔ "تمہیں اپنے بھائی کی عزت کا خیال نہیں ہے..... مجھے ہے اپنے جان کی طرح پیارے دوست کا خیال' میں اس کو سب بتا دوں گا..... پھر وہ تمہارا کیا حشر کرے گا یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔''
"جان سے ماردیں گے وہ مجھے آپ بھائی کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں۔''
"پھر کیوں اس راہ پر چل رہی ہو جس کی منزل موت ہے۔''
"ہوں..... اوکے آپ کو میری محبت پر یقین نہیں ہے..... آپ کی خواہش ہے میں آپ کو چھوڑ دوں..... آپ کو چھوڑنا میری موت ہے..... میں جیتے جی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی..... اور اب میں مر کر ہی آپ کو چھوڑوں گی' ویٹ کریں میرے مرنے کا۔'' وہ گویا پاگل ہو گئی تھی جنونی انداز میں دھمکی دیتی ہوئی وہ ہوش و حواس سے بیگانہ لگ رہی تھی' جنید نے بالکل پروا نہ کی اور لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

❀.....☆.....❀

نانی حاتم طائی کی جانشین بنی بڑی فراخدلی سے پیسہ خرچ کررہی تھیں' پہلے ان دونوں کو شاپنگ کروائی پھر ایک اعلیٰ ہوٹل میں ڈنر بھی کرایا' ڈنر کے بعد سراج انکل اپنی گاڑی میں گاؤں روانہ ہوگئے تھے۔

"قسم سے کیا زبردست شاپنگ کی ہے میں نے قیمتی سے قیمتی شے لی ہے اور حیرت کی بات ہے ماسی نے ذرا بھی منہ نہیں بنایا۔" بالی بیڈ پر تمام شاپنگ پھیلائے بیٹھی تھی۔

"ہوں...... کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو...... لیکن ایسا ہی ہوتا ہے جب نانی پیسہ خرچ کرنے پہ آتی ہیں پھر اسی طرح کرتی ہیں۔" وہ راکنگ چیئر پر جھولتی ہوئی لاپروائی سے گویا ہوئی۔

"تم بہت عجیب لڑکی ہو انشی' ایک تو شاپنگ کرنے کا شوق نہیں...... پھر گھر آ کر بھی شاپنگ دیکھتی نہیں ہو' آ کر دیکھ لو کیسی کی ہے میں نے؟"

"میری شاپنگ تم ہی کرتی ہو اس میں نئی بات کیا ہے؟"

"تب ہی تو کہہ رہی ہوں آ کر دیکھو تو کیسی شاپنگ کی ہے' اب تم کو اپنی شاپنگ خود کرنی چاہیے۔"

"کیوں میں خود شاپنگ کیوں کروں تم ہی کرتی ہو اور نائس کرتی ہو۔"

"مگر...... اب میں تمہاری شاپنگ کرنے والی نہیں۔" وہ منہ بنا کر مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

"اچھا...... اب تم مرنے والی ہو جو میری شاپنگ نہیں کرو گی؟" وہ گھور کر استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"ہاہ......" وہ ہاتھ میں پکڑی شرٹ پھینکتی ہوئی صدمے سے بولی۔

"میں مرنے والی نہیں ہوں ابھی...... اور میں مروں گی تو تم کو دکھ نہیں ہوگا میرے مرنے کا......؟"

"پہلے مر تو جاؤ پھر سوچوں گی۔" بلا کی بے اعتنائی تھی۔

بالی نے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف اچھالا جو اس نے کیچ کر کے واپس اس پر ہی اچھال دیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ ہنستی ہوئی بالی بھی اس کے پیچھے ہی بھاگتی ہوئی آرہی تھی وہ آگے پیچھے بھاگتی راہ داری میں نکل گئیں اور جہاں آرا کے ہمراہ آتے ہوئے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی تھی ٹکر زوردار تھی۔ لمحے کو وہ چکرا کر رہ گئی کچھ دکھائی نہ دیا تھا۔

"اوہ...... سنبھل کر ابھی تھام نہ لیتا تو چوٹ لگ جاتی آپ کو۔" وہ بڑی مکاری سے اسے تھامے کھڑا تھا' اس کے بازو مضبوطی سے اس کی کمر کے گرد حائل تھے' اس کے ملبوس سے نکلتی کلون کی مہک نے اس کے حواس جھنجوڑ کر رکھ دیئے تھے۔ اپنے گرد سرسراتے ہوئے اس کے ہاتھ گویا زہریلے ناگ کی طرح محسوس ہوئے تھے۔

"ہاؤ ڈیر یو......" وہ نہ صرف اس کے ہاتھوں کو بری طرح جھٹکتی ہوئی دور ہوئی تھی بلکہ ساتھ ہی غضب ناک انداز میں بپھری ہوئی شیرنی کی طرح آگے بڑھی اور اس کے رخسار پر زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا تھا۔

"تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھے ٹچ کرنے کی؟" وہ غرائی۔

"انشی...... یہ کیا بیہودگی ہے تمہاری ہمت کیسے ہوئی لاریب بیٹے پر ہاتھ اٹھانے کی؟" انشراح کی اس حرکت پر لمحے بھر کو سب کچھ ساکت ہو کر رہ گیا تھا اس کے پیچھے آتی بالی وہیں رک گئی تھی اس کو بھی لاریب کو انشراح کے گرد بازو حائل کرتے دیکھ کر شاک لگا تھا۔

لاریب کی مراد بر آئی تھی وہ جس گوہر مقصود کی دید کے لیے آیا تھا' وہ بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے کسی باز کی طرح جھپٹ کر شکار کو اپنے قابو میں کر لیا تھا...... کیف و نشاط کی سرمستی رگ و پے میں چھاتی چلی گئی تھی نامعلوم کب تک وہ اس مہکتی وادی کی سیر کرتا کہ وہ کسی خطرناک طوفان کی مانند اس کی گرفت سے نکلی تھی اور آنا فاناً اس کے چہرے کے دائیں بائیں آگ سی بھڑک اٹھی اور ساتھ ہی طوفان میں گرج و چمک بھی پیدا ہوئی تھی۔ لمحے بھر کی قربت کا خمار اس کے ذہن

سے محو نہ ہوا تھا وہ اس کو مخمور نگاہوں سے دیکھ رہا تھا گویا تھپڑ اس کے چہرے پر پڑے نہ ہوں۔
"معافی مانگو میں کہتی ہوں لاریب سے...... معافی مانگو ابھی اور اسی وقت تم نے گھر آئے مہمان کی شان میں گستاخی کی ہے۔" جہاں آرا سخت برہم ہو رہی تھیں۔
"اس نے کیا کیا ہے...... یہ آپ نے نہیں دیکھا نا نو؟" غصے و نفرت سے اس کا برا حال ہو رہا تھا سامنے کھڑے شخص کو اسی وقت قتل کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔
"تمہیں گرنے سے بچایا ہے اور ایسا کا کر دیا جو تم نے بلالحاظ و مروت ہاتھ اٹھا دیا' تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' میں کہتی ہوں معافی مانگو ابھی......" وہ کسی طور اس کو معاف کرنے پر تیار نہیں تھیں۔
"اس کے تھامنے سے بہتر تھا میرا گر جانا۔"
"ڈونٹ وری آنٹی' آئی ڈونٹ مائینڈ......" وہ بات ان سے کر رہا تھا اور نگاہیں انشراح کے چہرے پر تھیں جہاں پر غصے کا گلال پھیلا ہوا تھا۔ وہ غصہ و جنون اس کے چہرے کے تیکھے نقوش کو دل موہ لینے والی جلا بخش رہا تھا اور دل کر رہا تھا دیکھے جائے۔
"ارے بیٹا آپ دل کے اتنے اچھے ہیں' ظرف بہت بڑا ہے آپ کا...... لیکن انشراح نے یہ تھپڑ آپ کے نہیں میرے منہ پر مارے ہیں بھلا کوئی اپنے مہمان بلکہ محسن کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے۔"
"کوئی بات نہیں میں سوچتا ہوں' اس بہانے ان کے ہاتھوں نے میرے چہرے کو چھوا تو۔" وہ گالوں پر ہاتھ رکھتا شوخی سے بولا۔
انشراح نے غضب ناک انداز میں اس کی طرف دیکھا' وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا بڑی کمینگی تھی اس کی آنکھوں میں۔
"یہ آپ کا بڑا پن ہے بیٹا ورنہ جو حرکت انشی نے کی ہے وہ کسی طور بھی معاف کیے جانے کے قابل نہیں...... چلو انشی' معافی مانگ بھی لو اب' کب تک ڈھیٹ بن کر کھڑی رہو گی؟" جہاں آرا اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں اس کو لاریب کو گھورتے پا کر ڈپٹ کر گویا ہوئیں۔
"کس بات کی معافی مانگوں گی میں؟ کسی بھی بات کی معافی نہیں مانگوں گی' اس گھٹیا انسان سے کہہ دیں نہ آیا کرے یہاں پر۔" وہ غصے سے کہہ کر تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔
"انشراح...... تم معافی مانگیں بنا نہیں جا سکتی' بات سنو......" وہ غصے سے کہتی ہوئی اس کے پیچھے جانے لگی تھیں معاً آگے بڑھ کر لاریب نے پیار سے کہا۔
"سب ٹھیک ہو جائے گا آپ فکر مت کریں۔"

❀......☆......❀

اچھی آپا اپنی بیٹی چندا اور بیٹے پیارے میاں کے ہمراہ تشریف لائی تھیں۔ منور اور زمرد بیگم نے ان کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا جبکہ صوفیہ کی پیشانی ناگواری کی شکنوں سے بھر گئی تھی اور بوا نے بھی خلاف عادت بڑی خاموشی سے ان کا استقبال کیا اور اسی خاموشی سے خاطر مدارات بھی۔ چائے کا دور چل رہا تھا جب زید وہاں داخل ہوا۔
وہائٹ ٹی شرٹ بلو جینز میں اس کا اسمارٹ قد نمایاں تھا۔ سرخ و سپید چہرے پر کئی دنوں سے نہ کی جانے والی شیو نے عجیب سی جاذبیت بخشی تھی۔ منور صاحب نے دونوں کا تعارف کرایا۔
چاند مصافحہ کرتا ہوا اس کے گلے لگا' ستھری رنگت اور کچھ فربہ بدن کے ساتھ وہ چھوٹے قد کا مالک تھا' بہت خوش

اخلاق اور ہنس مکھ بندہ تھا۔
"لو بھئی زید بیٹے نے مصافحہ کرنا چاہا تھا تم تو گلے ہی پڑ گئے ہو بیٹا۔" اچھی آپا ہنستی ہوئی بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔
"گلے پڑنے کا حق تو بنتا ہے نہ اماں..... آخر کار سودہ کے بھائی ہیں اکلوتے سالے ہیں میرے؟ میں تو ان کے پاؤں پڑنے کو بھی تیار ہوں۔"
"بھابی کو تم نے ابھی دیکھا نہیں بھائی اور زن مریدی پہلے شروع کردی؟" چندا نے ماں کے ساتھ ہنستے ہوئے چوٹ کی۔
"مامی کو دیکھا ہے نہ اماں بتاتی ہیں مامی ہمارے خاندان کی سب سے خوب صورت بہو ہیں پھر سودہ بھی مامی جیسی ہی ہوگی۔"
"ہاں..... صوفیہ بھابی ہمارے خاندان کی سب سے خوب صورت بہو بھی رہیں اور سب سے بدنصیب بھی جو چند سال ہی سہاگن رہیں۔" ان کے لہجے میں گہرے دکھ کی گونج تھی صوفیہ کا چہرہ تاریک ہوکر رہ گیا۔ ماحول میں گہری اداسی چھا گئی تھی جس کو پیارے میاں نے توڑا۔
"مامی جان..... سودہ کو بلوائیں کہاں ہے وہ؟" وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔
"کالج سے آئی تو اس کے سر میں درد ہو رہا تھا گولی کھا کر سو گئی تھی وہ..... ابھی سو رہی ہے کچی نیند سے اٹھے گی تو اور بھی سر میں درد ہو جائے گا۔" انہوں نے صاف انکار کردیا تھا اس کو بلانے سے۔
"سالے صاحب آپ لائیں سودہ کو بلا کر دیکھیے گا کس طرح بھاگتا ہے درد، سر درد بھگانے کا منتر آتا ہے مجھے اچھی طرح سے۔" زید کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا طوعاً کرہاً وہ بیٹھ گیا تھا کہ بیٹھنا ہی تھا۔ تایا جان کو وہ پہلے ہی سودہ کے رشتے سے انکار کرچکا تھا لیکن دل میں وہی کسک سی ہونے لگی تھی جو دل کی گہرائیوں میں رہنے والے کسی اپنے کے کھونے پر ہوتی ہے۔
"میں لے کر آتی ہوں بیٹا، زید میاں کہاں سودہ کو لینے جائیں گے۔" زمرد بیگم کو اٹھتے دیکھ کر بوا لپک کر کھڑی ہوئیں۔
"بھائی..... میں یہاں سودہ کا رشتہ کرنے والی نہیں ہوں یہ اچھی صرف نام کی اچھی ہے ورنہ یقین مانیں بہت بری عورت ہے یہ۔" زید کے علاوہ وہ سب خوش گپیوں میں مصروف تھے صوفیہ نے جھک کر منور صاحب کے کان میں سرگوشی کی تھی بوا کو وہ پہلے ہی اشارہ کرچکی تھی کہ سودہ کو بنا کسی بناؤ سنگھار کے سوتے سے اٹھا کر لے آئیں۔
"لڑکا معقول ہے پھر جاب بھی بہت اعلیٰ ہے وہ بھی دبئی میں تم لڑکے کو دیکھ لو کچھ دن پرکھ لو اگر پھر بھی مطمئن نہیں ہوئیں تو بات نہیں بڑھائیں گے ابھی سے نہ نہیں کرو....." وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔
"ٹھیک ہے بھائی جان..... جیسے آپ کی مرضی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" انہوں نے کہتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے پیارے میاں کو تولنا شروع کیا تھا۔ بھائی کی بات درست تھی ماں، بہن کے مزاج کے برخلاف وہ خاصا مہذب و شائستہ اطوار کا مالک تھا..... لیکن ناٹا موٹا ہونا ان کو بھایا نہیں تھا۔
"آئی ہوپ آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ ابھی مجھے ایک اہم کام سے جانا ہے۔" وہ بوا کے جاتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور منور صاحب کے بعد اس سے مخاطب ہوا پیارے میاں بھی کھڑے ہوکر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔
"نو ایشو سالے صاحب، میں آپ سے کانٹیکٹ رکھوں گا۔" وہ جھنجھناتے دماغ کے ساتھ وہاں سے نکلا معاً بوا کے ساتھ آتی سودہ کے چہرے پر لمحے بھر کو نگاہ ٹھہر سی گئی تھی۔

یلو وریڈ کلر کے سوتی سوٹ میں ملبوس اس کے شاداب چہرے پر ہیرے کی مانند دمکتی آنکھوں میں گہری نیند سے بیداری کا خمار مقابل کو سحر میں جکڑنے کے لیے کافی تھا وہ نگاہیں چرا کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

❁......☆......❁

عاکفہ نے بے حد حیرانی سے بابر کی طرف دیکھا گویا اس کی بتائی ہوئی کسی بات پر ذرا یقین نہ آیا ہو۔

''رہ گئی نہ شاکڈ؟ جب مجھے بھی نوفل نے بتایا تھا یہی ری ایکشن میرا بھی ہوا تھا...... مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔'' وہ مہک دیک بیٹھی عاکفہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''آئی ڈونٹ بلیو دس...... انشراح ایسا کر ہی نہیں سکتی۔'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''پھر نوفل جھوٹ کہہ رہا؟''

''یہ مقصد نہیں ہے میرا...... لیکن انشراح ایسا نہیں کر سکتی۔''

''کڑوا سچ یہی ہے انشراح نے اپنی نانی کے ساتھ مل کر گیم کھیلا ہے۔ بہت خوب صورتی سے ہم سب کو بیوقوف بنایا ہے۔ اس دن جو بھی ہوا وہ سب پہلے سے طے تھا بگ منی حاصل کرنے کا سکسس فل پلان۔'' بابر کے لہجے میں بھی محسوس کی جانے والی شکستگی تھی۔

انشراح کی وہ دل سے عزت کرتا تھا' بہت معتبر تھی وہ اس کی نگاہوں میں اور اب وہ ایسی تھی جیسے کچے رنگ پانی میں بھیگ کر بے رنگ ہو جاتے ہیں...... بدصورت اور بے کشش۔

''ہوسکتا ہے یہ سارا گیم اس کی نانی نے تنہا کھیلا ہو انشراح کا اس میں کوئی قصور نہ ہو...... کیونکہ اس کی نانی عجیب سی عورت ہیں۔'' عاکفہ کی نگاہوں میں اس دن کی ساری باتیں کسی فلم کی مانند چل رہی تھیں۔ انشراح کے وہ آنسو کسی طرح بھی دکھاوا نہیں تھے اس کی کیفیت کسی طور بھی دھوکہ دینے والی نہ تھی۔ اس کا دل بابر کی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

''اپنے دل کو سمجھالو عاکفہ یہ سب تمہاری دوست کے انوالوڈ ہونے پر ہی ہوا ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر میں انشی سے خود معلوم کرتی ہوں......''

''اس سے معلوم کرنے کی کیا ضرورت......؟'' نوفل نے وہاں آتے ہوئے ناگواری سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''معلوم اس سے ہی کرنا پڑے گا نوفل بھائی' وہ پیسے کی خاطر اتنا کس طرح گر سکتی ہے؟ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو پھر وہ میری دوست نہیں رہ سکتی۔'' شدت جذبات سے اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔

''روؤ تو نہیں یار...... تمہارا کوئی قصور نہیں' تم کیوں رو رہی ہو۔'' بابر اس کو روتے دیکھ کر مضطرب سا ہو گیا تھا اور اس کا یہ انداز دیکھ کر نوفل کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھر کر غائب ہوئی تھی۔

''ہوں...... بابر کی بات درست ہے اس فراڈ لڑکی کی خاطر کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو تم؟ ان لوگوں سے میں واقف ہوں وہ ایسی ہی ہیں ہاسپٹل میں ان کی اصلیت سمجھ آ گئی تھی۔''

''میں جب تک انشی سے یہ حقیقت معلوم نہیں کروں گی...... مجھے سکون نہیں آئے گا۔ وہ کس طرح میری دوستی و اعتبار کا خون کر سکتی ہے۔'' عاکفہ بیگ اور فائلز سنبھالتی کھڑی ہوئی تھی۔

''وہ تمہیں کبھی بھی سچ نہیں بتائے گی۔''

''پھر بھی معلوم کرنے میں کوئی حرج نہیں' میں یہاں سے اس کے پاس جاؤں گی اس نے آج چھٹی کی ہے۔''

''میں نے کہا نا اس سے کچھ نہیں پوچھو گی۔'' نوفل حتمی لہجے میں بولا۔

❁......☆......❁

احساس محبت ہوا ہے جب سے
ہر احساس سے خالی ہوگئی ہوں
ان آنکھوں میں دیکھا ہے جب سے
ہر نور سے بیگانی ہوگئی ہوں میں
تیری قربت کا احساس ہوا ہے جب سے
میں خود سے اجنبی ہوگئی ہوں
تیری زلف کی چھاؤں ملی ہے جب سے
میں سورج کی تپش سے نڈر ہوگئی ہوں

مائدہ نے گھور کر سیل فون کو دیکھا بار بار ٹرائی کرنے سے بھی جنید نے کال ریسیو نہیں کی اور حد تو یہ تھی کہ وہ لینڈ لائن نمبر بھی ڈیڈ کیے بیٹھا تھا۔ اس کو غصے اور جھنجلاہٹ میں مبتلا دیکھ کر عفرا نے ہنستے ہوئے چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ زبردستی گلے پڑنے والی بات ہے ڈیئر' جو تمہاری آواز سننے پر رضامند نہیں' وہ تم سے محبت کس طرح کرسکتا ہے؟''

''محبت وہ مجھ سے کرے گا' اس کو کرنی ہوگی محبت۔'' وہ سر جھٹکتی ہوئی مضبوط لہجے میں گویا ہوئی۔

''ہاہاہا...... یہ محبت ہے یا بھتہ جو دل کرے نہ کرے دینا ہی پڑے گا۔ اب تم اس بے چارے کو ٹارچر کرو گی محبت کرنے کے لیے۔''

''ہاں...... کیا یہ اختیار صرف مرد کو حاصل ہے کہ وہ جس لڑکی کو پسند کرے' اس کو اس کی مرضی کے بنا بھی اپنا بنالے؟ تم دیکھنا جنید کو میں پانے میں کامیاب نہ ہوسکی تو......'' وہ پُرجوش انداز میں کہتی ہوئی ایک دم خاموش ہوئی تھی۔

''تو کیا کرو گی' مرجاؤ گی' ختم کرلو گی خود کو؟''

''ہاں...... تم دیکھنا وہ میرا نہیں ہوا تو میں موت کو گلے لگالوں گی۔''

''او مائی گاڈ......! تم اس حد تک اس کے لیے پاگل ہوگئی ہو ایسا کیا ہے اس میں جو تم مرنے کی باتیں کررہی ہو؟'' وہ اس کی جنونی محبت پر حیران و پریشان رہ گئی تھی۔

''میرے لیے دنیا کا سب سے خوب صورت مرد ہے وہ۔'' اس نے آنکھیں بند کرکے اس کا تصور کیا...... رنگ ہی رنگ بکھر گئے تھے اس کے ملکوتی حسین چہرے پر۔

''اچھا...... اب اس ٹاپک کو چینج کرو یہ بتاؤ سودہ کی بات طے ہوگئی ہے؟ آنٹی بتارہی تھیں اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے دو تین دن پہلے وہ لڑکا بھی آیا تھا اپنی ماں اور بہن کے ساتھ۔''

''ہوں بات ابھی پکی نہیں ہوئی...... ویسے گھر میں سب راضی ہیں فقط صوفیہ پھوپو کے وہ راضی نہیں۔'' وہ چہرے پر آئی لٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے بولی۔

''زید بھائی راضی ہیں؟'' اس کا لہجہ ذومعنی تھا۔

''وہاٹ یو مین' بھائی کا اس سے کیا ریلیشن؟''

''اوہ...... جیسے تم کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے پوز کم کیا کرو۔'' وہ سخت طنزیہ انداز میں چڑ کر بولی۔

''رئیلی...... تم کہنا کیا چاہتی ہو بار بار بھائی کا نام سودہ کے ساتھ کیوں لیتی ہو؟ بھائی سودہ سے بات کرنا تک پسند نہیں کرتے پھر اس کو پسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ایسی ہی بات ہے نہ پھر تم عروہ اور زید بھائی کی سیٹنگ کرواؤ تم تو ویسے بھی اس کام میں ماہر ہو۔''

”تم......تم مجھ پر طنز کر رہی ہو یا الزام لگا رہی ہو؟ اگر بیسٹ فرینڈ سمجھ کر میں تم سے ہر بات شیئر کر لیتی ہوں تو اس کا یہ مقصد نہیں ہے تم میری انسلٹ کرو۔“ وہ برا مان گئی تھی۔

”ارے......ارے میں تمہاری انسلٹ نہیں کر رہی۔“ عفرا اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر چاپلوسی کرنے لگی۔ ”تم میں اتنے گٹس ہیں کہ تم یہ کام کر سکتی ہو...... دیکھو میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اگر عروہ اور زید بھائی کی شادی ہو جاتی ہے پھر ہم لوگ ایک اور مضبوط بندھن میں بندھ جائیں گے پہلے سے اور بھی قریب آ جائیں گے ممی اور آنٹی کی بھی یہی خواہش ہے۔“

”مما بھائی سے کہیں گی بھائی مما کی بات کبھی ٹال ہی نہیں سکتے......وہ عروہ سے شادی کر لیں گے یہ میں یقین سے کہہ رہی ہوں۔“

❁......☆......❁

”عاکفہ......عاکفہ......کیا بات ہے؟ تمہارا موڈ آف لگ رہا ہے یہ پورا ویک اینڈ گزر گیا......تمہارا بی ہیویئر سمجھ نہیں آ رہا۔ اس قدر خاموش تم کبھی بھی نہیں رہی تھیں جتنا اب رہنے لگی ہو۔ کوئی ناراضگی ہے مجھ سے‘ کسی بات پر خفا ہو؟“ فری پریڈ میں وہ عاکفہ سے مخاطب ہوئی۔

”نہیں میں کیوں خفا ہوں گی تم سے؟“ وہ نگاہیں چرا کر بولی۔

”پھر تمہاری یہ خاموشی اور دور دور رہنے کو میں کیا سمجھوں؟“

”وہم ہوا ہے تمہیں مجھے کچھ نہیں ہوا۔“ عاکفہ نے جب سے سنا تھا اس کے بارے میں وہ بددلی کا شکار ہو گئی تھی اور جب تک اصل معاملے کی تہہ تک رسائی نہ مل جاتی اس وقت تک وہ معاملے سے دور ہونے والی نہیں تھی۔ نوفل کی وجہ سے وہ لب کشائی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس الجھن میں وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔

”تمہیں ضرور کچھ ہوا ہے......میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو تم مجھ سے نفرت محسوس نہیں کر رہی؟“

”پلیز انشراح......تنگ مت کرو بار بار ایک سوال نہیں کرو۔“ وہ گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

”نوفل نے میرے متعلق کچھ کہا ہے تم سے؟“

”وہ......وہ کیا کہیں گے اور کیوں؟“ اس نے بمشکل اپنی حیرانی کو چھپایا لیکن وہ بھانپ گئی تھی۔

”کچھ نہ کچھ تو کہا ہے جو تم مجھ سے دور اور اس سے قریب ہو گئی ہو سب دیکھتی ہوں میں بھاگ بھاگ کر اس کے پاس جاتی ہو۔“

”وہ بھائی ہیں میرے کسی غلط سوچ کو دل میں نہ لانا۔“

”جو آدمی خود غلط ہو......اس کے بارے میں کوئی صحیح کیسے سوچ سکتا ہے‘ وہ شخص اپنی ہوس کو مقدس رشتوں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے۔ بچ کر رہنا اس سے موقع ملتے ہی وہ اپنی اصلیت دکھا دے گا۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

”اب میں تمہارے کردار کے بارے میں کیا کہوں اُشی‘ مجھے نوفل بھائی کی باتوں پر یقین ہونے لگا ہے۔“ نئی چمچماتی ہوئی کار میں ڈرائیور کے ہمراہ ایک ہفتے سے نانی اسے پک اینڈ ڈراپ کرنے آ رہی تھیں‘ پہلے انہوں نے کار لی تھی نہ ڈرائیور کا پتہ تھا۔

اس کے دل میں گویا آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔ ایک ہفتے سے وہ عاکفہ کو بہت بدلا ہوا دیکھ رہی تھی۔ بظاہر وہ اس کو محسوس ہونے نہیں دے رہی تھی لیکن پھر بھی ایک کھنچاؤ اور تناؤ کی کیفیت تھی جو اس نے پوری شدت سے محسوس کی تھی اور آج پوچھنے پر اس نے چھپانے کی کوشش تو بہت کی تھی مگر اس کا اضطراب و بے چینی نوفل کے نام پر اس سے چھپا نہ رہ سکا

تھا اور اس نے بھی سوچ لیا تھا وہ اس سے آج پوچھ کر رہے گی آخر اس کو اس سے کیا دشمنی؟ وہ رشتوں کے قحط میں پہلے ہی جتلا ہے باپ ہے نہ ماں نہ کوئی بہن و بھائی ایک نانی ہیں جو اپنی کم غیر زیادہ لگتی ہیں ایک خالہ ہے جو لندن میں ہے یہاں صرف ایک بالی سے دوستی تھی یا عاکفہ سے...... اور عاکفہ کو بھی وہ اس سے چھین چکا تھا اور عاکفہ کو کھونے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

❀......☆......❀

عروہ کے ہاتھ زید کو حاصل کرنے کے لیے ایک بڑی کمزوری آ گئی تھی۔ ایک سال کا قلیل عرصہ انہیں دبئی سے پاکستان شفٹ ہوئے ہوا تھا اور زید کو دیکھتے ہی وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوگئی تھی۔ لیکن زید اس کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا تھا۔ وہ پرکشش خدوخال کی خوب صورت لڑکی تھی اور گھر کے آزاد ماحول کے باعث اس کی دوستی صنف مخالف سے رہی تھی جہاں اس کے حسن کو بے حد پذیرائی حاصل تھی یہاں آ کر اس کا دل زید کی وجاہت کا شکار ہوگیا تھا پھر کسی کی طرف نگاہ ہی نہ ٹکی تھی اور وہ تھا کہ پوری طرح سے اس کو اگنور کرتا رہا تھا۔ بہت کوششوں کے باوجود بھی ذرا بھی اسے مائل نہ کرسکی تھی کہ بلا آخر اس کو اس عرصے میں معلوم ہوا وہ ماں اور بہن سے حد سے زیادہ محبت کرتا ہے اور اس نے اس پر ہی ورک کرنا شروع کر دیا تھا۔

آج بھی اس نے عمرانہ اور مائدہ کو گھر پر بلایا اور عمرانہ سے کہہ کر زید کو کھانے پر بلایا تھا۔ حسب عادت پہلے اس نے ٹال مٹول کرنے کی کوشش کی تھی...... پھر عمرانہ اور رضوانہ کے اصرار پر ہامی بھر لی تھی۔

مائدہ کی فرمائش پر وہ ڈنر کرنے پورٹ گرینڈ سب کو لے آیا تھا پرتکلف کھانوں سے ٹیبل سجی تھی۔ وہ بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ آہستہ آہستہ کھاتے ہوئے اس کے انداز میں بے رغبتی تھی جبراً شاید وہ ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھا باقی سب کھانے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ عفرا اور مائدہ کے درمیان میں بیٹھی ہنستی مسکراتی عروہ کی شوخ نگاہوں کا محور زید کی ذات تھی۔ اپنی ماں اور خالہ و مائدہ عفرا کی باتوں پر وہ بھی بھی مسکرا رہا تھا لیکن اس کی مسکراہٹ کا ساتھ اس کی آنکھیں نہیں دے رہی تھیں۔ اس کو لگا وہ پہلے سے زیادہ خاموش اور سنجیدہ ہوگیا ہے اور ایسا کیوں ہوا ہے وہ یہ بات بخوبی جانتی تھی...... یقیناً اس گہری سنجیدگی کے پیچھے سودہ کا پرایا ہونے والا وجود تھا۔

”آپا...... میں تو سوچ رہی ہوں اب زید کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھوں گھر کی تنہائی برداشت نہیں ہوتی۔“ عمرانہ نے مسکراتے ہوئے زید کی طرف دیکھا جس کا ہاتھ منہ میں چمچ لے جاتے ہوئے رک گیا تھا۔

”ہاں...... ماشاء اللہ زید اسٹیبلشڈ ہوگئے ہیں افورڈ ایبل ہیں مذید کی سپورٹ کی ضرورت نہیں...... تم اپنی خواہش پوری کرسکتی ہو۔ زید بیٹا ٹھیک کہہ رہی ہوں نہ؟“ ان کے لہجے میں شوخی تھی۔ ان سب کی نگاہیں زید پر ٹھہر گئی تھیں۔

”جی نہیں خالہ جان......“ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ اور وقار تھا۔

”کیا مطلب...... آپ شادی نہیں کریں گے؟“

”میری ذمے داری پہلے مائدہ ہے میں پہلے اس سے سبکدوش ہوں گا۔“

”مائدہ ابھی پڑھ رہی ہے نا معلوم کتنا ٹائم لگے گا پھر عمرانہ کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی ہے حقیقی معنوں میں عمرانہ کو ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے جو ہر وقت ساتھ رہے اور ایسا سہارا بہو کی صورت میں ہی مل سکتا ہے بیٹا۔“ وہ لجاجت سے گویا ہوئیں۔

”میرے ہوتے ہوئے مما کو کسی سہارے کی قطعی ضرورت نہیں اور رہا شادی کا سوال تو وہ میں کرنے کا دور دور تک ارادہ نہیں رکھتا۔“ اس کے دوٹوک انداز پر عروہ کا چہرہ بجھ گیا تھا۔

❁......☆......❁

انشراح عاکفہ کی بدلتی ہوئی دوستی کو شدت سے محسوس کررہی تھی۔ وہ بہت کھنچی کھنچی چپ چپ رہنے لگی تھی۔ اس نے نوٹ کیا تھا وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہے پھر نہ جانے کیا وجہ تھی کہ وہ کہہ نہیں پاتی تھی۔ اس نے بے حد کوشش کی کہ وہ جو اس کے دل میں ہے وہ کہہ دے لیکن ایسا نا معلوم کیا تھا کہ وہ کہنے کے بجائے اس سے دور ہوگئی تھی۔ اس جیسی بہترین دوست کا یہ روکھا و خاموش رویہ اس کو مضطرب کیے ہوئے تھا۔ کلاس کی دیگر لڑکیوں سے بھی اس کی دوستی تھی...... مگر ذہنی ہم آہنگی و انسیت جو اس کو عاکفہ سے تھی وہ ان سے مفقود تھی۔ یہی بات جب اس نے بالی سے شیئر کی تو وہ گویا ہوئی۔

”تم کیوں پروا کرتی ہو اس کی دفع کرو۔“

”کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی پروا دل کرتا ہے اور عاکفہ بھی ان خاص لوگوں میں شامل ہے۔ جس کی دوری کا تصور بھی محال ہے۔“

”انشی...... تم کسی کی پروا کرنے والی کب سے ہوگئی؟ ورنہ تم نے کسی کو اس قابل سمجھا ہی نہیں کہ پروا کرو۔“ بالی نے بہت حیرانی سے اس کی طرف دیکھا‘ جس کا کومل چہرہ اضطراب میں مبتلا تھا وہ تکیوں کے سہارے نڈھال سی بیٹھی تھی۔

”میں خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہوں‘ میرا دل چاہتا ہے میں ایسی جگہ پر ہوں جہاں لوگوں کا ہجوم ہو‘ بے شمار رشتے ہوں‘ لاتعداد لوگ ہوں جو سب میرے اپنے ہوں مجھ سے محبت کرنے والے مجھے چاہنے والے‘ میرا خیال رکھنے والے...... اس تنہائی سے وحشت ہونے لگی ہے۔“

”ایسا کیوں ہونے لگا ہے تم تو ایسی نہیں تھیں انشی؟“ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

”مجھے خود بھی نہیں پتہ؟ نا معلوم کب میرے اندر کی تنہائی مجھ پر حاوی ہونے لگی‘ اس احساس نے مجھے بزدل بنادیا ہے...... میں کمزور ہوگئی ہوں‘ حتیٰ کہ اس شخص سے میں ہارنے لگی ہوں...... جس سے مرتے دم تک خود سے لڑنے کا عہد کیا تھا۔“

”نوفل کی بات کررہی ہو...... اس شخص کو کب سے تم اتنی امپورٹنس دینے لگی ہو جو اس کے بارے میں سوچ رہی ہو۔“

”یہی بات حیران کن ہے کہ میں اس سے ڈرنے لگی ہوں...... کئی بار میں نے کوشش کی اس شخص سے لڑنے کی‘ جھگڑنے کی کہ اس نے عاکفہ کو مجھ سے دور کردیا...... لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں اس درجہ کی نفرت و حقارت محسوس ہوئی پھر میں اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکی‘ ایک لمحہ بھی ٹھہر نہ سکی...... نا معلوم کیا تھا ان آنکھوں میں کہ مجھ جیسی نڈر و بہادر لڑکی کچھ کہہ نہ سکی۔“

”اس شہر میں کوئی پراسراریت ہے انشی...... یہاں آکر تم کمزور ہونے لگی ہو‘ ایک لڑکا تم کو قدم بقدم مات دینے لگا ہے۔ پہلے کبھی ایسا بالکل نہیں ہوا تھا روشن آپی کا کہنا ٹھیک تھا کہ ہم کو اس شہر میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ حالانکہ ان کی زندگی بچپن سے ہی لندن میں گزری ہے پھر بھی وہ یہاں کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتی ہیں۔“

”انشراح......“ نانی پکارتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

”ڈرائیور شکایت کررہا ہے تمہاری کہ تم نے اس کے ساتھ باہر آنے جانے سے انکار کردیا ہے کیا یہ سچ ہے؟“

”جی میں نے منع کیا ہے۔“ وہ ان کی قریب چلی آئی۔

”کیوں؟ یہ بھی کوئی منع کرنے کی بات ہے‘ اسپیشلی گاڑی اور ڈرائیور دونوں تمہارے لیے ہی ارینج کیے گئے ہیں۔“

”آپ نے نہیں کیے نانی جان...... جس نے کیے ہیں اس کی میں شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی‘ یہ آپ کو بخوبی

## شہدائے اسلام

شہید زندہ ہیں رب کے پاس ہیں
وہ وطن کی بقا کی اساس ہیں
جان دے کر اپنی وہ کھلائیں پھول
چمن سیراب ہے وہ پیاس ہیں
نعرہ تکبیر بلند ان سے ہے
حب اسلام کے وہ آکاش ہیں
جام الفت ہیں وہ روح تابندہ
پاک دھرتی کو وہ ہی راس ہیں
دشمنوں کے لیے موت کا وہ پیغام
بیٹیوں، ماؤں، بہنوں کی آس ہیں
زمین بجتی ہے ان کے لہوئے پاک سے
جنت کی حسیں سی باس ہیں
حکم جن کے کچلنے کا رب نے دیا
دشمن دین وہ خناس ہیں
سب غداروں کا خاتمہ وہ کریں
ضرب عضب فرض شناس ہیں
حیدری جذبہ قائم رہے تاحشر
حضرت علیؓ کی میراث ہیں
نہر آب کوثر دید کو ترسے
شہدائے اسلام اتنے خاص ہیں

بنت حوا

معلوم ہے۔" اس کے لہجے کی سخت ناپسندیدگی ونفرت ان کو پسند نہ آئی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی تم کو کس بات کی اکڑ ہے؟ لاریب جان نچھاور کرتا ہے تم پر بنا کہے اس نے گاڑی اور ڈرائیور بھیجا تاکہ تم عاکفہ کا احسان لیے بغیر جامعہ جاؤ یا جہاں دل کرے جاؤ اور ایک تم ہو جس کو سوائے اپنی ناک کے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔"

"نانی...... میرا نام اس ذلیل آدمی کے ساتھ نہ لیا کریں۔" اس نے پاؤں پٹخ کر احتجاج کیا۔

"ہاں...... تم ہی سمجھاؤ اس کو کیوں خوش قسمتی کو لات مار رہی ہے اس طرح دل و دولت لٹانے والا کہاں ملتا ہے اس دور میں۔"



آرزوئیں پوری نہ ہوں تو ضرورتیں بن جاتی ہیں، ضروریات پوری نہ ہوں تو انہیں پورا کرنے کے لیے انسان ہر جائز

وناجائز حربہ استعمال کرتا ہے۔ جیسے وہ کئی ہفتوں سے مائدہ کی ناجائز ضد کے حصار میں کسی بے بس کبوتر کی مانند پھنس کر رہ گیا تھا۔ مائدہ کو اس نے غصہ، خفگی، درشتگی، دھونس ودھمکی ہر طریقے سے باز رکھنے کی سعی کی تھی...... مگر اس جیسی ضدی و ارادوں میں اٹل لڑکی پہلی بار ہی ٹکرائی تھی جو ہر حال میں اس کا حصول چاہتی تھی، کسی بھی صورت وہ اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی اور اس کی ہٹ دھرمی جنید کے لیے وبال بن کر رہ گئی تھی۔

وہ زید کا سامنا نہیں کر پا رہا تھا، اس کو خوف تھا وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی خود کو بے قصور ثابت نہ کر سکے گا کہ اس کا ماضی داغ دار تھا۔ وقت بھی خوب تاک کر نشانے لگاتا ہے۔ وہ جتنا زید سے دور بھاگنا چاہ رہا تھا وہ اتنا ہی اس سے ملنے کو بے قرار رہتا تھا اور اب بھی اس کی کالز ریسو نہ کرنے پر وہ آفس چلا آیا تھا۔

''شاکڈ رہ گئے مجھ کو دیکھ کر ہوں، میں نے ریسپشن پر منع کر دیا تھا کہ وہ تمہیں میرے آنے کی اطلاع نہ دیں ورنہ تم کہہ دو گے...... تم یہاں نہیں ہو۔'' وہ جنید کو ہکا بکا دیکھ کر سخت طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

''نو...... نو دس از ناٹ فیئر...... میں تم سے کیوں بھاگوں گا یار۔'' وہ خود کو سنبھالتا ہوا اس کے گلے لگا۔

''یہ تم کو ہی معلوم ہوگا، میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ کیوں بھاگ رہے ہو؟'' وہ اس سے علیحدہ ہوتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔

''پہلے بتاؤ کیا منگواؤں، کیا لو گے؟'' وہ قریب بیٹھ گیا۔

''ٹھینگ...... یہ بتاؤ تم آج کل کس لڑکی کے چکر میں خوار ہو رہے ہو؟''

''لڑکی......! کوئی لڑکی نہیں ہے بھائی۔''

''اچھی طرح جانتا ہوں میں...... کس لڑکی کے چکر میں ہو تم۔''

''کک...... کس...... لڑکی...... کے......؟'' زید کا جارحانہ انداز وسخت لہجہ اس کے حواس گم کر گیا تھا۔

''دادو نے سب بتا دیا ہے۔'' اس کا لہجہ سخت کھردرا تھا۔

''دادو...... نے مائی گاڈ...... کیا بتایا ہے؟'' وہ صوفے سے ہٹ کر اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''ارے...... تم میرے پاؤں پکڑ کر کیوں بیٹھ گئے؟'' زید کو اس کے چہرے کے ایکسپریشن بہت عجیب وناقہم محسوس ہوئے تھے۔

''دادو نے کیا بتایا ہے تم کو......؟'' اس کا انداز ہنوز تھا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم مجھے نارمل نہیں لگ رہے ہو جنید، کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ کسی اسٹیریس کا شکار لگ رہے ہو؟'' اس کے سخت انداز میں یکلخت محبت کی نرمی بھر گئی تھی۔ بڑی اپنائیت سے اس نے بازو پکڑ کر قریب بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''دادو نے کیا بتایا ہے؟'' اس کا لہجہ بدلا تو اس کے اندر بھی کچھ ہمت وحوصلہ توانا ہوا تھا۔ خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کرتا اپنا سوال دہرا لیا۔

''یہی کہ تم کو کوئی لڑکی تنگ کر رہی ہے آج کل...... کون ہے وہ اور کیا چاہتی ہے؟'' زید استفسار کر رہا تھا اور اسے لگا منوں بوجھ سے وہ آزاد ہو گیا ہو گردن پر رکھی چھری دور ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

''دادو کو کس نے بتا دیا میں نے ان سے ذکر نہیں کیا تھا۔''

''گھر کے ملازم اس معاملے میں سب سے بہتر جاسوس ثابت ہوتے ہیں، ان میں سے ہی کسی نے ان کو انفارم کیا ہے اور دادو نے مجھے کال کی، میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے تمہاری طرف سے بے حد پریشانی بیان کی تھی۔ میں تم

## اولاد نرینہ، تھیلسیمیا، اٹھرا کا کامیاب علاج

شہادت نمبر 1

ہمارے ہاں ایک بیٹی ہے باقی گردتھ خرابی سے بچے پیٹ میں ہی خراب ہوکر بذریعہ ڈی این سی ضائع کرانا پڑتے تھے۔ دو مرتبہ سی ایم ایچ ملتان سے علاج کرایا مگر دونوں مرتبہ گردتھ خرابی کی وجہ سے ڈاکٹروں کے مشورہ پر حمل بذریعہ ڈی این سی ضائع کرانا پڑے۔ 2 مرتبہ سٹی ہسپتال ملتان سے علاج کرایا مگر یہاں بھی دونوں مرتبہ ڈاکٹروں کے مشورہ پر گردتھ خرابی کی وجہ سے بذریعہ ڈی این سی بچے ضائع کرانا پڑے ہم بہت پریشان تھے اولاد نرینہ کی شدید خواہش تھی میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔ دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا۔ اب مورخہ 20 مئی 2017ء کو بالکل تندرست بیٹا محمد ابراہیم پیدا ہوا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے **فیضیاب** شیخ مجاہد حسین ولد شیخ غلام حسین عجوہ فوڈ بیکری ممتاز آباد ملتان شہر، فون 03006335511

شہادت نمبر 2

ہمارے ہاں 5 بیٹیاں پیدا ہوئیں آخری بیٹی معذور پیدا ہوئی جسکا حرام مغز مفلوج ہے۔ ایک مرتبہ گردتھ خرابی کی وجہ سے حمل ضائع کرانا پڑا۔ ڈاکٹروں نے اس کی وجہ ہمارے رشتہ کزن میرج کو قرار دیا۔ اولاد نرینہ نہیں تھی جسکی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے۔ میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔ دعا کرائی اور علاج حا HÝ۔ اللہ تعا \ÆE a سے علاج کامیاب ہوا۔ اور اب مورخہ 3 #2017Ã با Çتندرست بیٹا محمد الر Ý پیدا ہوا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے **فیضیاب** عتیق الرحمان خان ولد مولوی فضل غنی خان پہاڑ گنج نارتھ ناظم آباد کراچی فون 03332205975

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے گروتھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولاد نرینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا گروتھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

**حصول علاج کیلئے ایڈریس**: مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ

رابطہ نمبر: 0331-6002834

ہمارا مقصد صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں وتاثرات سے اولاد نرینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولاد نرینہ جیسی نعمت سے مستفید ہوسکیں۔ ضرورت مند انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: Www.facebook.com/MaleprogenythroughQuran&Sunah

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

سے جب سے کانٹیکٹ کررہا ہوں اور تم ہو کہ......‘‘ اس نے اس کی طرف دیکھ کردانستہ بات ادھوری چھوڑی۔
’’ٹھیک کہا تم نے گھر کے ملازم ہی ہر لمحہ کان کھلے رکھتے ہیں اور دادو کو دیکھو مجھ سے نہیں معلوم کیا تم کو ڈسٹرب کردیا۔‘‘ اس کا خوف بھاگا تو وہ ہشاش بشاش ہونے لگا تھا۔
’’یہ ان کی محبت ہے اعتماد ہے میری ذات پر جس کا اظہار کرتے ہوئے دادو نے ڈائریکٹ مجھ سے رابطہ کیا ورنہ تم نے تو یہ بات بھی شیئر کرنے کے قابل مجھے نہ سمجھا تھا ویسے دعوے بہت کرتے ہو دوستی کے۔‘‘
’’تم مائینڈ مت کرو میں نے تم سے کوئی بات چھپائی ہے جواب چھپاؤں گا......وہ......وہ ایک لڑکی ہے اسٹوپڈ سی خوامخواہ پیچھے پڑ گئی ہے۔‘‘ وہ نگاہیں جھکا کر آہستگی سے کہنے لگا۔
’’کسی لڑکی سے ڈر کر بیٹھ جائے وہ بھی تم سا بندہ......! ویری امیزنگ۔ کیا وہ لڑکی تم کو ڈسٹرب کررہی ہے آئی من بلیک میل کررہی ہے اپنی کوئی کمزوری دے بیٹھے ہو کسی کو؟‘‘
’’ہاں وہ لڑکی میری کمزوری جان گئی ہے کہ تم ہو میری کمزوری...... میں سب چھوڑ سکتا ہوں مگر تم سے دوستی نہیں توڑ سکتا اگر تم کو اس لڑکی کا نام بتادوں...... پھر مجھ سے برا حال تمہارا ہوگا۔‘‘ وہ دل ہی دل میں تذبذب کا شکار ہورہا تھا۔
’’کون ہے وہ لڑکی جس سے تم بلیک میل ہورہے ہو؟ مجھے کہہ رہے ہو وہ بے وقوف ہے۔ اگر وہ ایسی ہوتی تو تم اس طرح سب سے بھاگتے نہ پھرتے۔‘‘
’’ٹھیک کہہ رہے ہو سچ وہ بہت ضدی و ہوشیار لڑکی ہے جس نے مجھ جیسے گھاٹ گھاٹ کے پانی پینے والے شخص کو الو بنادیا ہے۔‘‘
’’لگتا ہے واقعی تمہارے دماغ پر کچھ زیادہ ہی اثر ہوگیا ہے۔‘‘ وہ اس کو مسلسل خاموش دیکھ کر سنجیدگی سے بولا اور جنید کے پاس کچھ بتانے کے لیے نہیں تھا۔

❁......☆......❁

لاریب کے تمام مشاغل بے کیف ہوگئے تھے۔ پارٹیز، دوستوں کی گیدرنگ و کلب کی دلچسپیاں سب ہی ماند ہوکر رہ گئی تھیں۔ دل کے اندر انشراح کو حاصل کرنے کی جو شوریدہ سری بے دار ہوئی تھی وہ اب طغیانی کی صورت اختیار کرچکی تھی۔ بظاہر وہ اس کے تھپڑ کو مسکرا کر برداشت کرگیا تھا مگر دل میں تہیہ کرچکا تھا کہ وہ اس تھپڑ کا بدلہ اپنے طریقے سے لے گا...... کیونکہ معاف کرنے کا ظرف اس میں ہرگز نہیں تھا۔ اس کو کسی معاملے میں بھی نہ سننے کی عادت نہ تھی اور عورت کا حصول تو کسی کھلونے خریدنے سے بھی زیادہ ارزاں و بے وقعت رہا تھا وہ اپنے ملبوس کی طرح لڑکیاں بدلنے کا عادی تھا پہلی بار انشراح کے حصول کے لیے اسے اپنی استطاعت سے زیادہ تگ و دو کرنی پڑ رہی تھی کہ پہلے واسطہ اس گھاگ بڑھیا سے پڑا تھا جس کی باتوں میں بڑا امتماس و گداز تھا۔ لاریب نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی گرفت میں آجاتا اور بنا چوں وچراں اس کے احکامات کی تکمیل کیا کرتا تھا...... لیکن اس کو غصہ اس بات پر آتا تھا کہ لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے باوجود بھی انشراح کی پرچھائی سے بھی دور رہتا تھا اس ناکامی نے اندر ہی اندر اس کو مشتعل کرنا شروع کردیا تھا۔ اپنی راہ ہموار کرنے کے لیے وہ گاڑی اور ڈرائیور بھی وہاں بھیج چکا تھا مراد اس کے خاص آدمیوں میں سے ایک تھا اور اس کو خوب سمجھا بجھا کر بھیجا تھا۔ مراد نے وہاں جاتے ہی تابعداری و وفاداری کے عملی مظاہروں سے ان کو متاثر کرنا شروع کردیا تھا وہ ان کی تمام خبریں باقاعدگی سے لاریب کو دیتا تھا۔
’’بڑی بیگم صاحبہ بہت گھومنے پھرنے کی شوقین ہیں۔‘‘
’’ارے گولی مار اس خبیث بڑھیا کو جب بھی آتا ہے اس بدروح کی ہی بات کرتا ہے۔ میں نے تجھے انشراح کے

لیے وہاں بھیجا ہے کسی طرح سے میرا راستہ اس تک پہنچنے کے لیے بنا ابھی تک تو اس کا اعتبار حاصل نہیں کرسکا ہے...... بس بڑھیا ہی تیرے حواسوں پر رات و دن چھائی رہتی ہے۔" وہ بری طرح سے جھنجلا کر گویا ہوا۔
"سر...... آپ خفا ہو جاتے ہیں میری مجبوری ہے میں کیا کروں انشراح بی بی یونیورسٹی جانے کے لیے بھی اکثر کیپ لے لیتی ہیں یا اپنی فرینڈ کے ساتھ آ جاتی ہیں۔ آج کل ان کی فرینڈ کے ساتھ کوئی ناراضگی چل رہی ہے اس وجہ سے بھی وہ میرے ساتھ آتی ہیں۔"
"ایک بات بتا تو نے یونیورسٹی میں کبھی انشراح کے ساتھ نوفل کو دیکھا ہے دونوں ساتھ نظر آئے ہیں کبھی......؟" اس نے چونک کر استفسار کیا۔ اس کی نگاہیں سرخ تھیں۔
"ساتھ تو کیا میں نے ان کو ان کے آس پاس بھی نہیں دیکھا...... البتہ کل انشراح بی بی بالی بی بی سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے اور عاکفہ کے درمیان جدائی ڈلوانے میں نوفل کی سازش ہے۔" وہ یاد کرتا ہوا بتانے لگا۔
"اوہ...... اچھا اور کیا باتیں ہوئیں نوفل کا پھر ذکر آیا؟"
"انشراح بی بی میرے سامنے بہت محتاط رہتی ہیں۔ یہ بات بھی انہوں نے غصے میں کہہ دی تھی۔ مگر پھر چپ ہو گئی تھیں۔"

❁......☆......❁

"جنید جیسے بندے سے فلرٹ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے مائی ڈیئر...... کاشف شان کامل جیسے لوگوں کو تم نے اس لیے الو بنا لیا تھا کہ...... وہ آل ریڈی الو ہی تھے۔" عفرا نے قہقہہ لگاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا۔
"تم اپنی بیٹ واپس لے لو اور ہمیں اچھی سی بدلے میں شاپنگ کراؤ یہ کام تمہارے بس کا بالکل نہیں ہے ابھی تم بچی ہو بچی۔" عروہ عفرا ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگیں۔
"تم لوگ کیا سمجھتی ہو میں اتنی آسانی سے اپنی شکست تسلیم کرلوں گی...... نو وے تم دیکھنا وہ میرے قدموں میں ہوگا بہت جلد میں اپنی شرط کبھی واپس نہیں لیتی ہوں۔" ان کے مضحکہ اڑانے پر دل ہی دل میں غصے سے بل کھاتے ہوئے بظاہر مسکرا کر گویا ہوئی۔
"میں نے کہا نہ تم ابھی بچی ہو ایسا نہیں کر پاؤ گی۔"
"شٹ اپ عفرا...... میں کوئی بچی نہیں ہوں۔"
"تم نے اس کو دس بار کہا کہ تم سوسائڈ کر رہی ہو اور کی ایک بار بھی نہیں وہ بھی ہنستا ہوگا کہ کیسی جھوٹی لڑکی ہو۔"
"سوسائڈ کرنے کی کئی بار ٹرائی کی ہے میں نے...... مگر؟" وہ جھرجھری لے کر چپ ہو گئی تھی۔
"اگر مگر کیا؟ اگر اس کو امپریس کرنا چاہتی ہو تو یہ ایڈوانچر تمہیں کرنا ہوگا اور پھر کون سا تم سچ مچ مرنے جا رہی ہو تھوڑی بہت ایکٹنگ کر لینا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
"یہی تو خوف آتا ہے اگر یہ سب الٹا ہو گیا تو پھر میں گئی۔"
"پھر اپنی بیٹ واپس لے لو۔" دونوں نے مطالبہ دہرایا۔
"اوکے...... بیٹ واپس نہیں لوں گی تم لوگوں کو جیت کر ہی دکھاؤں گی۔" وہ ایک عزم کے ساتھ اٹھی عروہ عفرا اس کو چڑانے لگی تھیں وہ بھی مسکرا کر جواب دیتی ہوئی باہر آ گئی۔ وہ کالج سے سیدھی یہیں آ گئی تھی عمرانہ سے وہ اجازت لے چکی تھی۔ چند دنوں سے ڈرائیور ان کو پک اینڈ ڈراپ کر رہا تھا زیلا آفس میں مصروف تھا اور سودہ کو گھر ڈراپ کرتی وہ خالہ کے ہاں آ گئی تھی خالہ کسی رشتے دار کے گھر گئی ہوئی تھیں۔

ان دونوں کے ساتھ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا تھا' آتے آتے یہ چھوٹی سی بحث چھڑ گئی تھی' ڈرائیور کے آنے کی اطلاع پر وہ ان کو چیلنج کرتی گیٹ سے باہر نکل آئی تھی جہاں ڈرائیور کار لیے کھڑا تھا۔ ان دونوں نے اندر سے ہی اس کو رخصت کردیا تھا۔ زید اس کو پک کرنے آتا تو وہ ضرور اس کو باہر تک چھوڑنے آتیں بلکہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ زید باہر کے باہر واپس چلا جاتا اور وہ جانے بھی نہیں دیتیں۔

"بھائی آپ......؟" وہ اپنی سوچوں میں گم کار تک آئی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے زید کو دیکھ کر بری طرح چونکی۔

"ہاں...... میں یہاں سے گزر رہا تھا سوچا تم کو لیتا جاؤں۔" وہ اس کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد کار اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

"لیکن آپ اندر کیوں نہیں آئے؟ عروہ' عفرا بھی تھیں ڈرائیور آیا ہے' آپ کو اندر آنا چاہیے تھا نا۔"

"میں اندر جاتا پھر وہ ہی فارملیٹیز شروع ہوجاتیں یہ کھائیں' وہ پئیں وغیرہ وغیرہ مجھے ان فارملیٹیز سے وحشت ہوتی ہے۔"

"گھر آئے مہمان کے ساتھ مہمان داری کرنی پڑتی ہے پھر آپ تو...... بہت خاص مہمان ہوتے ہیں وہاں پر۔" ابھی وہ ان کے سنگت کے خمار میں ڈوبی ہوئی تھی بے ساختہ کہہ گئی۔

"خاص مہمان...... وہاٹ یو مین......؟"

"عروہ بہت پسند کرتی ہے آپ کو...... شدید محبت کرتی ہے......"

"شٹ اپ...... بات کرنے کا سینس بھول گئی ہو؟ کیا بکواس کررہی ہو اور کس سے کررہی ہو ساری تمیز وہیں چھوڑ آئی ہو؟" زید کا سخت تنبیہہ بھرا لہجہ اس کو حواسوں میں لے آیا تھا۔

"مجھے تمہارا یہاں آنا سخت ناگوار گزرتا ہے میں نوٹ کررہا ہوں جب سے تم نے ان لوگوں سے دوستی کی ہے' اپنی لمٹس بھولتی جارہی ہو' تمہارے انداز میں وہ بے باکی در آئی ہے جو لڑکیوں کے مزاج کے لیے مجھے زہر لگتی ہے۔"

"سوری بھائی...... میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا۔" زید پر اس کے رندھے ہوئے لہجے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا وہ ہونٹ بھینچے ڈرائیونگ کرتا رہا گھر آکر بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے ویسے بھی تہیہ کرلیا تھا۔ آج جنید کو حتمی وارننگ دینے کا جنید نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔

اس کا سرد و روکھا رویہ برقرار تھا وہ کسی طرح اس سے بات کرنے کو تیار نہ تھا۔ عروہ اور عفرا کی ہنسی وطنزیہ باتیں سماعتوں میں گونجنے لگی تھیں۔ وہ کسی طور بھی شکست کھانے کو تیار نہ تھی' شکست سے بہتر تھا موت کو گلے لگانا' وہ اس جنون میں اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ عمرانہ کی نیند آور ٹیبلٹس ایک کے بعد ایک نگلتی چلی گئی اور آنکھوں کے سامنے جب اندھیرا چھایا تو گر کر بے سدھ ہوگئی تھی۔

(انشاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

# محبت تمام ہے

نسیم سحر

اک چراغ اپنے دریچے میں جلاتا ہے کوئی
اور نیند آتی نہیں مجھ کو سحر ہونے تک
میری آنکھیں ترا چہرہ' میری خواہش تیرے رنگ
سارے موسم ہیں بس اک رقصِ شرر ہونے تک

"محبت کا بھی کوئی دھرم ہووے ہے بھلا۔" اس نے یہ کہہ کر سب کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ کسی کلاس میں لیکچر دے رہی ہو اور سامنے اس کے شاگرد بیٹھے ہوں۔

"یہ تو خود دھرم ہے' کرنے والوں کو اپنی پوجا میں لگاوے ہے۔" یہ باتیں سن کر کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پاگل ہے مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ میں اس وقت ایک نفسیاتی ہسپتال میں موجود تھی۔

❁......❁......❁

"آ آ آ......" وہ کبوتروں کو دانہ ڈالنے میں مصروف تھی۔

"کتنی دیر سے آیا بیٹھا ہوں اور تُو ہے کہ کبوتروں میں لگی ہے۔" کبیر نے روٹھے پن سے کہا۔

"آتی ہوں ذرا ان کو دانہ ڈال دوں کب سے بھوکے ہیں۔" شوبھا نے دانہ ڈالا اور کبوتروں کے آنے پر وہ ہٹ گئی۔

"چل یہ لے آ گئی۔" وہ منڈیر سے نیچے چھت پر آتے ہوئے بولی اور کبیر کے برابر بیٹھ گئی۔ "ہاں بول کیا کہہ رہا تھا۔" وہ بے پروائی سے پاؤں جھلاتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں' یہ دیکھ میں تیرے لیے چوڑیاں لایا تھا' آتے ہوئے رستے میں دکان پڑتی ہے نا وہاں سے لی ہیں۔" کبیر نے رومال سے چوڑیوں کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو بہت سندر ہیں۔" شوبھا کی آنکھیں چوڑیوں کی چمک سے جگمگانے لگیں۔

"یہ لے پہنا۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ کبیر کی طرف بڑھائے۔

"تیری گوری کلائیوں میں کتنا جچ رہی ہیں۔" کبیر نے چوڑیاں پہنانے کے بعد اس کے ہاتھ تھامے رکھے۔

"تو مجھے بہت چاہتا ہے۔" شوبھا شرما کے بولی۔

"لے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے پگلی...... تیرے بغیر تو رہ نہیں سکتا بس اب چاچی سے بات کرتا ہوں' ہمارا ویاہ کردے۔" کبیر نے اس کی ٹھوڑی انگلی سے اٹھائی۔

"اوئی بھگوان۔" شوبھا شرما کے ایک دم پیچھے ہٹی اور

بگڑتے ہوئے بولی۔

"چل بس کر نیچے چل اماں نے روٹی پکالی ہوگی۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو کبیر بھی ہنستا اس کے پیچھے اترنے لگا۔

❁......❁......❁

"صرف ایک ہی صورت ہے۔" آفیسر کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"کک...... کیا......؟" ڈر کے مارے لڑکے کی آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"تو ان دونوں کو لے کر نکل لے۔" آفیسر نے ساتھ کھڑے ادھیڑ عمر آدمی اور عورت کی طرف اشارہ کیا۔

"اور وہ...... وہ......" لڑکے نے پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا تو آفیسر نے نفی میں سرہلایا۔

"مگ...... مگر......" ابھی لڑکے کے منہ سے اتنی ہی آواز نکلی تھی کہ آفیسر نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

"ابے...... کیا بم لگا رکھی ہے سالے ایک موقع دے رہا ہوں، نکل لے ورنہ یہیں گاڑ دوں گا۔" آفیسر نے خونخوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا اور وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

پتا نہیں ایسی جگہ رہنے والے پاگل تھے یا باہر رہنے والے؟ مگر باہر رہنے والا کیسے پاگل ہوسکتا ہے وہ تو اپنے مفاد کے لیے ہی ان کو یہاں پہنچا دیتے ہیں اور یہاں رہنے والے واقعی پاگل ہوتے ہیں جو ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے لیے کوئی برا حرف منہ سے نہیں نکالتے۔ میں ہی پوچھ پوچھ کے تھک گئی تھی مگر اس نے زبان نہ کھولی ٹکر ٹکر میرا منہ دیکھتی رہی۔

❁......❁......❁

"لے کے رہیں گے پاکستان...... بٹ کے رہے گا ہندوستان۔" آوازوں کا شور سن کر شوبھا نے گلی میں جھانکا تو لڑکوں کی ایک ٹولی آوازیں لگاتے ہوئے گزر رہی تھی۔

"اماں...... یہ لوگ کیا چاہتے ہیں، کیوں نعرے لگا رہے ہیں؟" شوبھا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے اماں سے پوچھا۔

"پتا نہیں بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی ہے، برسوں سے ساتھ رہ رہے ہیں۔" رادھا نے پھکنی سے لکڑیوں پر پھونک ماری تو وہ جلنے لگیں۔

"اماں ہمیں تو کوئی خطرہ نہیں ہے نا۔" شوبھا ذرا سہم گئی۔

"لے ہمیں کیوں خطرہ ہونے لگا یہ ہمارا دیش ہے جس کو جانا ہے یہاں سے جائے۔" ماں نے تو اچڑھلایا۔

"اچھا سن ذرا باہر آنا جانا کم کردے وہ تیری سہیلی ہے نا کلثوم اس کے ہاں بھی۔" ماں نے روٹی پکانے کی تیاری شروع کردی تھی۔

"کیوں اماں کلثوم تو بہت اچھی ہے۔" شوبھا نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں اچھی ہے پر کسی کے دل کا کیا پتا۔" رادھا نے روٹی پکاتے عجلت میں کہا۔

"نہیں اماں...... وہ لوگ بہت اچھے ہیں، ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں تو وہم نہ کر۔" شوبھا نے الٹا ماں کو سمجھایا۔

"اچھا زیادہ سیانی نہ بن لے یہ روٹی اُدھر رکھ دے کرمو آنے والا ہوگا۔" رادھا نے شوبھا کو ڈانٹتے ہوئے شوہر کا نام لیا اور روٹی کی چنگیر شوبھا کی طرف بڑھائی۔

❁......❁......❁

"سرجی ہمیں جانے دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" ادھیڑ عمر آدمی نے ذرا آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "ہمارے سارے لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں، آپ کو بھگوان کا واسطہ۔" ادھیڑ عمر آدمی نے جب یہ دیکھا کہ لڑکے کی بات کا آفیسر نے کوئی نوٹس نہیں لیا تو وہ فوراً آگے آگیا اس میں یہ ہمت شاید اپنی فیملی کی وجہ سے آئی تھی اس کی بیوی اور بیٹی ساتھ ہی کھڑے تھے۔

"بہت ٹرٹر کررہا ہے یہ لے جا۔" آفیسر کو اچانک غصہ آگیا اور اس نے فائر کھول دیا، ٹھاہ کی آواز کے ساتھ ہی

ادھیڑ عمر آدمی اور اس کی بیوی زمین پر گرے اور چند منٹوں میں ہی اگلے جہان سدھار گئے یہ دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری اور اپنے ساتھ والے لڑکے سے لپٹ گئی اور لڑکا اس کی تو خود گھگھی بندھی ہوئی تھی وہ اس کو کیا تسلی دیتا۔

❀ ❀ ❀

تو نس نس میں میرے لہو بن کے دوڑتی ہے
تو دل میں سمائی ہے خوشبو کی طرح

یہ جملے شوبھا کئی بار پڑھ چکی تھی اور ہر بار ہی اس کی آنکھوں میں چمک اور دل میں روشنی بڑھ جاتی تھی۔ اس بار کبیر نہیں آیا تھا تو اس نے کسی آنے والے کے ہاتھ شوبھا کو خط بھجوایا تھا' ساتھ فیروزی رنگ کی چوڑیاں بھی تھیں۔ کبیر کو شوبھا کے گوری کلائیوں میں چوڑیاں بہت اچھی لگتی تھیں' اس لیے وہ اس کے لیے ہر دفعہ چوڑیاں ضرور لاتا تھا۔

"اف کبیرے بس کر دے' ڈھیر ساری جمع ہو گئی ہیں میرے پاس۔" شوبھا اٹھلا کے کہتی۔

"تُو ایسا کر روز جس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے نا اسی رنگ کی چوڑیاں بھی پہنا کر۔" کبیر نے اس کی چوٹی کھینچی اور وہ زور سے ہنسنے لگی۔

"چل ٹھیک ہے۔"

"ارے کیوں ہنس رہی ہے اکیلی' جھلی تو نہیں ہو گئی۔" شوبھا کی ہنسی کی آواز سن کر نیچے سے رادھا نے آواز لگائی تو شوبھا اپنے خیالوں کی دنیا سے نکل آئی۔

❀ ❀ ❀

"نعرہ تکبیر" رادھا' کرمو کے آگے کھانے کی تھالی رکھتے ہوئے رک سی گئی۔

"یہ نعرے سن رہا ہے؟ میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"کیوں...... کیوں نکل جانا چاہیے؟ ہمارا گھر ہے' ہمارا گاؤں ہے۔" رامو نے روٹی کھاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں مجھے بھی پتا ہے ہمارا گھر ہے مگر اب بات وہ نہیں ہے' ہمارے آس پاس سارے مسلمان گھر ہیں کہیں ایسا نہ ہو ہمیں بعد میں رستہ نہ ملے۔" رادھا کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوتا پہلے بھی ایسے نعرے لگتے رہے ہیں تُو وہم نہ کر۔" کرمو نے بیوی کو مطمئن کیا۔

"ویسے بھی یہ لوگ سارے اچھے ہیں' برسوں کا ساتھ ہے۔"

"بندے کے دل کا کوئی بھروسہ نہیں کب پھر جاوے' جوان لڑکی کا ساتھ ہے۔" رادھا مطمئن نہ ہوئی تھی۔ "اچھا ایسا کر شوبھا کو تُو یہاں سے بھیج دے' اب کبیر آئے تو ویاہ کر دیتے ہیں۔"

"ہاں یہ تُو نے کام کی بات کی' کبیر آئے تو بات کرتا ہوں۔" کرمو نے اب کی بار بیوی سے اتفاق کیا۔

"بات نہیں میں تو کہتی ہوں رخصت کر دے' حالات کا پتا نہیں وہ اسے ساتھ ہی لے جائے گا۔ موقع دیکھ کر ہم بھی یہاں سے نکل لیں گے۔" رادھا زیادہ ہی خوف زدہ تھی یا عورت کی چھٹی حس زیادہ تیز ہوتی ہے اور وہ آنے والے خطروں کو بھانپ جاتی ہے اس لیے وہ کرمو کی طفل تسلی سے مطمئن نہیں ہوئی۔

"چل ٹھیک ہے تُو پریشان نہ ہو' آجا روٹی تو کھا میرے ساتھ اور یہ شوبھا کہاں ہے؟" کرمو نے بیوی کا ذہن بٹایا ورنہ اس کی باتیں سن کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

"بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" اچانک ہی وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تو میں نے نرس کو آواز دی' نرس بھاگی بھاگی آئی اور اسے انجکشن لگایا اور وہ جو ابھی چیخ رہی تھی میرے بازوؤں میں جھول گئی' میں نے نرس کی مدد سے اسے بستر پر لٹایا اور باہر آ گئی۔

❀ ❀ ❀

"ہاں اب بول کیا کہتا ہے۔" آفیسر نے لڑکے کو گھورتے ہوئے سوال کیا جس کی گھگھی بندھی ہوئی تھی اور

وہ سمجھ گیا تھا کہ انکار کی صورت میں اس کا انجام بھی سامنے لاشوں کی صورت میں ان آدمی و عورت جیسا ہونا ہے اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی کمر کے گرد لپیٹے ہوئے لڑکی کے ہاتھ ہٹائے لڑکی کی پہلے تو سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہونے جارہا ہے اس نے اپنے ہاتھوں کی حرکت محسوس کی اور لڑکے کے قدم باہر کی جانب بڑھنے لگے پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکی پھر اچانک جیسے ہوش آیا تو چیخی تھی۔

"کبیر...... مجھے چھوڑ کے نہ جا' تجھے بھگوان کی قسم ہمارے پیار کا واسطہ' کبیر مجھے بھی ساتھ لے چل۔" لڑکی کی چیخیں آسمان سے باتیں کررہی تھی' اس کی چیخ نے ایک لمحے کو کبیر کے قدم روکے مگر آفیسر کی گھورتی نگاہوں نے اچانک ہی اس کے مرے مرے قدموں میں جیسے بجلی بھردی اور وہ تیزی سے دروازہ پار کرگیا' اس کے نکلتے ہی لڑکی بے ہوش ہوکر زمین پر گری تھی۔

"اسے اٹھا کر ادھر پہنچادو۔" بے ہوش ہوتے ذہن میں آخری آواز آفیسر کی تھی پھر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔

✿......✿......✿

برصغیر کی تقسیم کا وقت تھا کرمو اور رادھا اپنی بیٹی شوبھا کے ساتھ ایک ایسے محلے میں رہتے تھے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی' برسوں ساتھ رہے' مل جل کے وقت گزارا۔ جب آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو مسلمانوں کے دل میں جہاں خوشی کی لہر اٹھی وہیں وہ پریشان بھی ہونے لگے کیونکہ ہندوؤں کا رویہ بدلنے لگا تھا اور ان کے دلوں میں کدورت آگئی تھی اور وہ ہندو جو مسلمان اکثریتی علاقوں میں مقیم تھے ان کے دل کا چور انہیں خوف زدہ کررہا تھا۔ مسلمانوں کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی وہ سب اس بات پر خوش تھے کہ انہیں ان کا الگ وطن ملنے والا ہے۔

"کبیر مجھے ڈر لگ رہا ہے یہ نعرے سن سن کے۔" اب کے کبیر ہفتوں بعد آیا تھا وہ سب اس وقت کھانا کھارہے تھے جب شوبھا نے کبیر سے بھی اپنے ڈر کا اظہار کیا۔

"کیوں بھئی تجھے کیوں ڈر لگ رہا ہے؟" کبیر روٹی کھاتے ہوئے بولا۔ "کچھ نہیں ہوتا کیا یہ لوگ ایویں نعروں سے ملک بنالیں گے؟" وہ کمال اطمینان سے بولا۔

"مگر میں نے سنا ہے مسلمانوں کا لیڈر بہت مضبوط ہے' وہ بڑی اچھی بات کرتا ہے۔ اس کی تقریر میں نے بھی سنی ہے۔" شوبھا قائداعظم محمد علی جناح سے بہت متاثر لگ رہی تھی' ایک دفعہ وہ چپکے سے کلثوم کے گھر گئی تھی تو بہت سی باتیں اس نے سادگی میں شوبھا سے کی تھیں پھر ریڈیو پر قائداعظم محمد علی کی تقریر بھی سنوائی' شوبھا وہی حوالہ دے رہی تھی۔

"لے پھر سن لی تقریر تو کیا ہوا؟" کبیر اب بھی اسی بے پروائی سے بولا۔

"اگر وہی ہوا جو یہ لوگ چاہتے ہیں تو ہم کہاں جائیں گے؟" شوبھا کی تسلی نہیں ہورہی تھی وہ جتنی پریشان تھی' کبیر اتنے ہی اطمینان میں تھا۔

"پگلی ہوئی ہے کیا' یہ ہمارا دیش ہے' ہمیں کون نکالے گا یہاں سے اگر دینا بھی ہوا تو ایک آدھ صوبہ دے دیں گے' او چاچا سمجھا اس کو۔" کبیر نے بات کرتے کرتے چاچا کی طرف دیکھا وہ لوگ خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔

"ہاں پتر...... کہتا تو تُو ٹھیک ہے پر شوبھا بھی غلط نہیں کہہ رہی۔" کرمو نے دونوں کا دل رکھا۔

"اچھا تیری طرف کیا حال ہیں؟" کرمو نے کبیر سے پوچھا جو دو تین قصبے دور ایک کارخانے میں کام کرتا تھا اور ہفتے کے ہفتے ملنے آتا تھا اس کے والدین مرچکے تھے' کرمو نے ہی اسے پالا تھا اور شوبھا سے اس کی بات پکی کردی تھی۔

"وہاں سب ٹھیک ہے چاچا تُو فکر نہ کر۔" کبیر نے چاچا کو تسلی دی' وہ لوگ کھانا کھاچکے تھے۔

"اچھا چل تُو بیٹھ میں ذرا باہر کا چکر لگا کے آتا ہوں۔" کرمو نے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔ رادھا کھانے کے برتن سمیٹنے لگی تو شوبھا کبیر کو لے

کر چھت پر آ گئی۔

"کبیر..... تُو مجھے اپنے ساتھ لے چل۔" شوبھا نے پھر اپنے خدشے کا اظہار کیا شاید اس کی چھٹی حس نے آنے والے حالات بھانپ لیے تھے۔

"لے جاؤں گا..... لے جاؤں گا مگر ایسے نہیں' بینڈ باجوں کے ساتھ لے کر جاؤں گا۔" کبیر نے اس کے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔ "تُو گھبرا مت' میں تیرے ساتھ ہوں۔"

"تُو مجھے چھوڑے گا تو نہیں؟" شوبھا بے چینی سے بولی۔

"تُو پاگل تو نہیں ہوگئی تجھ میں میری جان ہے' میں تیرے بغیر رہ نہیں سکتا۔" کبیر نے اس کے سر پر چپت لگائی۔ "میرے کچھ پیسے سیٹھ کے پاس جمع ہیں وہ لے لوں تو وہاں کے لیے کچھ سامان بھی لے لوں گا آخر اپنی رانی کو ایسے ہی تو خالی ہاتھ نہ لے جاؤں گا۔" کبیر نے شوبھا کی روتی صورت دیکھی تو مزید کہا۔ "اچھا چل چاچی سے بات کرتا ہوں اب کی واری آؤں گا تو تجھے اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا ٹھیک ہے؟" اس نے شوبھا کا چہرہ اوپر کیا۔

"تُو فکر نہ کر حالات خراب ہوئے تو ہم کہیں اور چلے جائیں گے۔ میں تیرے ساتھ ہوں ہمیشہ' چل اب ہنس کے دکھا جب سے آیا ہوں ایسی روتی صورت بنا کر بیٹھی ہے۔" اس کے تفصیلی جواب سے شوبھا کی ذرا جان میں جان آئی تو وہ مسکرا دی۔

"یہ ہوئی نہ بات' قسم سے ہنستی ہوئی کتنی سندر لگتی ہے۔" وہ اس کے قریب ہوا تو وہ شرما کے اٹھ گئی۔

❁.....❁.....❁

"پتا نہیں جی اس کے ساتھ کیا ہوا ہے' بتاتی ہی نہیں۔" نرس نے مجھے بتایا۔

"کتنا عرصہ ہوگیا ہے اسے یہاں؟" میں نے نرس سے پوچھا۔

"پانچ چھ سال ہوگئے زیادہ تر خاموش رہتی ہے اور کبھی کبھی ایسی باتیں کرتی ہے کہ حیران کردیتی ہے۔" نرس تفصیل بتانے لگی۔

"ہوں..... ٹھیک ہے تم جاؤ۔" میں نے نرس کو جانے کا کہا اور خود کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا' مجھے آئیڈیا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے ہاں البتہ اس کے ساتھ ایسا کچھ ضرور ہوا ہے جو انتہائی تکلیف دہ ہے' جس کی وجہ سے وہ دنیا سے بےزار ہوگئی تھی اور اس کا ذہن متاثر ہوا تھا اسے اچھے ماحول اور توجہ کی ضرورت تھی۔ میں بھی اس شہر میں اکیلی تھی میرے والدین فوت ہوچکے تھے' مجھے خالہ نے پالا تھا اور پڑھا لکھا کے ڈاکٹر بنایا اور اپنے بیٹے سے میری شادی کردی تھی۔ میرے دو بچے تھے' مجھے فلاحی کام کرنے کا بے حد شوق تھا اور اکثر میں اپنی ڈیوٹی کے علاوہ بھی مختلف اداروں میں جا کر وہاں موجود لوگوں کے مسائل سنتی اور اپنی حد تک انہیں حل کرنے کی بھی کوشش کرتی تھی' ابھی کچھ دنوں کے لیے میں لاہور آئی ہوئی تھی' بچے خالہ کے پاس تھے اور میرے شوہر بیرون ملک گئے ہوئے تھے۔ اب بھی میں لاہور ہسپتال آئی تھی وہاں میری ملاقات اس لڑکی سے ہوئی' مجھے وہ دیکھنے میں معقول لگ رہی تھی مگر صرف شکل سے جب کہ حلیہ کافی زیادہ برا تھا مگر اسے کوئی پروا ہی نہ تھا۔ مجھے اس سے دلچسپی ہوگئی اور میں چاہتی تھی کہ اس سے بات کروں' اس کے مسائل حل کروں' جہاں تک حل کرسکتی تھی کیونکہ وہ جوان و تنہا تھی اور اس کا وہاں رہنا مناسب نہ تھا مگر وہ بات ہی نہ کرتی تھی پھر میں نے اپنی خالہ سے بات کی وہ میری عادت سے واقف تھیں اس لیے انہوں نے منع نہیں کیا اور میں ادارے کے منتظم سے بات کر کے اسے اپنے گھر لے آئی۔

❁.....❁.....❁

شوبھا کو ہوش آیا تو اندھیری سی کوٹھڑی میں وہ ایک چارپائی پر لیٹی تھی پہلے تو کچھ دیر سمجھ ہی نہ آیا کہ کہاں ہے گھبرا کے اٹھی تو دکھتے بدن نے بہت سے تلخ حقائق ایک دم واضح کردیے' وہ اپنا سب گنوا بیٹھی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" شاہد کوٹھڑی کے

سامنے سے گزرا تو پوچھ بیٹھا یہ اس کا دوسرا چکر تھا کھانا ویسے ہی رکھا دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا اور پوچھ لیا جواب میں شوبھا نے جن نظروں سے اسے دیکھا' غصہ' بے بسی' نفرت اس پر شاہد چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔

❁......❁......❁

"ہاہاہا...... ایسے نہ دیکھ تیری ان آنکھوں نے ہی تو مجھے پاگل کردیا تھا۔" آفیسر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے جانے دو...... وہ میرا انتظار کررہا ہوگا۔" شوبھا نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا......" آفیسر نے دوبارہ قہقہہ لگایا۔

"کس کی بات کررہی ہے وہ تیرا عاشق' جو اپنی جان بچانے کے لیے تجھے یہاں چھوڑ گیا بزدل کہیں کا۔" آفیسر نے حقارت سے جواب دیا۔

"نہیں...... نہیں وہ بزدل نہیں ہے' مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ تم مجھے جانے دو۔" شوبھا کی سسکیاں سن کر شاہد جو وہاں سے گزر رہا تھا رک گیا۔

"پیار تو تجھ سے میں بھی بہت کرتا ہوں مگر تُو ہے کہ اڑیل گھوڑی بنی رہتی ہے۔" آفیسر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو تم نے جو کرنا تھا کرلیا' اب مجھے جانے دو۔" شوبھا نے پھر بات دہرائی۔

"ارے ابھی کہاں دل بھرا ہے جب تک ہم یہاں ہیں تُو بھی رہے گی اور کیا پتا کہ میں تجھے ہمیشہ ہی ساتھ رکھوں تو مجھے بھا گئی ہے۔" آفیسر پھر خباثت سے مسکرایا۔

"سر جانے دیں اسے۔" شاہد سے لڑکی کی سسکیاں اور التجائیں دیکھی نہیں جارہی تھیں وہ کوٹھڑی میں آ گیا۔

"جانے دیں گے مگر ابھی نہیں اور تو کیوں اس کا حمایتی بن رہا ہے' چل نکل یہاں سے اپنا کام کر۔" آفیسر نے شاہد کو ڈانٹتے ہوئے کہا شاہد خاموشی سے مڑا اور کوٹھڑی سے باہر آ گیا۔ آفیسر کی حکم عدولی کی سزا وہ جانتا تھا اس لیے اس وقت خاموش رہا وہ سزا سے نہیں ڈرتا تھا مگر ابھی اسے یہاں رہ کر لڑکی کی مدد کرنا تھی۔

❁......❁......❁

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہوچکی تھیں جن علاقوں میں ہندو اکثریت میں تھے وہاں انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا تھا اور مسلمان اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکل رہے تھے اور جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں سے ہندو جارہے تھے حالانکہ مسلمانوں نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔ ایسی ہی ایک رات کرمو بھی جیسے ہی گھر پہنچا رادھا سامنے ہی پریشان کھڑی تھی۔

"کرمو وہ نکڑ والا چندر بھی نکل گیا ہے تو پتا نہیں کس چکر میں ہے؟ اب صرف ہم ہی لوگ ہیں اس محلے میں۔" وہ گھبرائی آواز میں بولی۔

"ہاں مجھے پتا لگ گیا تو ایسا کر سامان باندھ لے میں نے کبیر کو اطلاع بھجوائی ہے وہ آج رات پہنچ رہا ہے بس وہ جیسے ہی آئے گا ہم بھی نکل لیں گے۔" کرمو نے بیوی کو جواب دیا' دو گھنٹے بعد کبیر وہاں پہنچ گیا اور ان لوگوں نے جو سامان لے سکتے تھے وہ لیا اور رات کے اندھیرے میں نکل پڑے۔

اب یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ مسلمان پولیس کے کچھ سپاہیوں نے انہیں دیکھ لیا جہاں مسلم اکثریت تھی ان علاقوں پر حفاظت کے لیے مسلمان پولیس والے جنہیں نوکری سے نکال دیا گیا تھا' رضا کارانہ حفاظت کررہے تھے رات کے اندھیرے میں چار سائے دیکھے تو پکڑ کر سپاہیوں نے آفیسر کے سامنے پیش کردیا' جن میں سے شوبھا کے ماں باپ کو تو آفیسر نے مار دیا تھا اور کبیر اپنی جان بچانے کے عوض شوبھا کو وہیں چھوڑ گیا تھا' شوبھا آفیسر کی قید میں تھی شاہد کو وہ معصوم اور بے ضرر لگی اس لیے وہ آتے جاتے اس کی خبر رکھتا تھا۔

❁......❁......❁

گھر کے اچھے ماحول نے اس پر اچھا اثر ڈالا تھا اس پر دورے پڑنے بند ہوگئے تھے اور کھانا بھی آرام سے کھالیتی تھی۔ میں ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھی وہ

درخت کے نیچے خاموش بیٹھی زمین کرید رہی تھی کیا ہوا ہوگا اس کے ساتھ اس سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا تھا۔
"ہوں مل جائے گا۔" میں نے خود سے کہا اور کھڑکی سے ہٹ گئی۔

❁.......❁.......❁

"تم کھانا کیوں نہیں کھاتیں؟ کھاؤ گی نہیں تو جیو گی کیسے؟" شاہد نے کھانا اس کے آگے رکھا۔ شوبھا خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔
"نام کیا ہے تمہارا؟" شاہد نے پھر سوال کیا۔
"تجھے مجھ سے کیوں ہمدردی ہے؟" شوبھا نے جواب دینے کے بجائے سوال کر دیا۔ "تُو بھی تو مسلمان ہے اپنے افسر کی طرح کمزور پر جبر کرنے والا۔"
"سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے افسر کی بہن کو بھی تمہارے ہندو بھائی اٹھا کے لے گئے تھے اس کی ماں اسی غم میں مر گئی وہ اس لیے غصے میں ہے۔" شاہد نے بتایا۔
"اور وہ تمہارا منگیتر بھی تو تمہیں چھوڑ کے بھاگ گیا اسے کیا کہو گی؟" شوبھا نے منہ پھیر لیا۔ "تم کھانا کھاؤ...... کھاؤ گی نہیں تو لڑنے کی طاقت کیسے آئے گی؟" شاہد نے اسے حوصلہ دیا۔
"تُو مجھے یہاں سے نکال سکتا ہے؟" شوبھا نے ایک دم مڑ کے سوال کر دیا۔
"کہاں جاؤ گی؟" شاہد نے بھی فوراً پوچھا۔
"کبیر کے پاس۔" اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔
"مگر وہ تو تمہیں یہاں چھوڑ کے جا چکا ہے کیا اب بھی تم اس کے پاس جانا چاہتی ہو۔" شاہد نے حیرانی سے سوال کیا۔
"نہیں...... نہیں اس نے مجھے نہیں چھوڑا وہ یہاں رہتا تو تیرا افسر اسے بھی مار دیتا اس لیے وہ یہاں سے گیا وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔" وہ اب بھی پُر یقین تھی شاہد خاموش ہو گیا۔

❁.......❁.......❁

"وہ مجھے پسند کرنے لگا تھا جی مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہی چمک آ جاتی تھی جو کبیر کی......" وہ ایک دم خاموش ہو گئی شوبھا کی زبان کا قفل ٹوٹا تھا۔ اب وہ اپنے بارے میں بتانے لگی تھی۔
"کبیر تو تم سے بہت محبت کرتا تھا پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟" جب وہ کافی دیر خاموش رہی تو میں نے پوچھا۔
"یہی تو غلط فہمی تھی مجھے کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے۔" وہ پھر حال میں لوٹ آئی۔ "مگر وہ مجھ سے نہیں میرے پاوتر شریر سے پیار کرتا تھا اور شریر پاوتر نہ رہا تو وہ بھی چھوڑ گیا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔
"اچھا شاہد کہاں ہے؟" میں نے اس کی توجہ بٹائی۔
"وہ جی پتا نہیں کیسا آدمی تھا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود بھی مجھ سے پیار کرنے لگا میرا خیال رکھنے لگا تھا۔" شوبھا دور کہیں ماضی میں بھٹکنے لگی۔ "میں اس کو بڑا دھتکارتی تھی مگر وہ پھر بھی میرا خیال رکھتا تھا میرے لیے اس نے اپنے افسر سے بڑی ڈانٹیں اور ماریں کھائیں۔ وہ کہتا تھا شوبھا تُو مجھ کو اچھی لگنے لگی ہے۔"
"یہ سب دیکھنے کے بعد بھی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔
"ہاں یہ دیکھنے کے بعد بھی اس لیے کہ یہ جسم کی گندگی ہے جو دھل جاتی ہے تیرا دل اور ذہن تو صاف اور پاکیزہ ہے۔" وہ مجھے لاجواب کر دیتا۔
"رہنے دے سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں اور تُو تو ویسے بھی مسلمان ہے تجھے کیسے مجھ سے محبت ہو سکتی ہے تو ضرور بدلہ لے گا مجھ سے۔" میں اس کی بات کا یقین ہی نہ کرتی پھر وہ کہتا۔
"محبت مذہب نہیں دیکھتی اور ہمارا مذہب تو ہے ہی محبت یہ انسانوں سے پیار کرنا سکھاتا ہے۔"
"اور تیرا افسر؟ وہ بھی تو مسلمان ہے۔" میں طنز کرتی۔
"کسی ایک آدمی کے فعل کی وجہ سے پوری قوم تو ایک جیسی نہیں ہو جاتی اور شیطان تو ہر ایک کے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"اس کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا تھا جی۔"
"میں تیرے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" شاہد نے پھر مجھے بے بس کردیا۔
"اچھا تو پھر مجھے یہاں سے نکال اور کبیر کے پاس پہنچادے۔" میں نے اسے امتحان میں ڈال دیا اور ایک نظر شاہد کے چہرے پر ڈالی جہاں ایک تاریک سا سایہ لہرایا تھا۔
"ہے اتنی ہمت؟" میں نے جیسے للکارا۔
"ٹھیک ہے تُو یہی چاہتی ہے تو یہ بھی کروں گا۔" اس نے ایک عزم سے جواب دیا۔
"اور کیا کرے گا اس کے لیے بڑی عاشقی معشوقی چل رہی ہے یہاں۔" آفیسر نجانے کہاں سے آ گیا تھا' شاہد ایک دم گڑبڑا گیا پھر اس افسر نے شاہد کو بہت مارا جی اور پوچھتا بھی رہا کہ کیا باتیں ہورہی تھیں مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔" شوبھا لگاتار بولے جارہی تھی۔
"پھر وہ کئی دن تک نظر نہیں آیا پھر ایک رات وہ آیا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔
"کل رات میں تجھے یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔" شاہد نے سرگوشی میں شوبھا سے کہا۔ "تیرے پاس کبیر کا پتا ہے؟" شاہد نے پوچھا۔
"ہاں۔" شوبھا کی سرسراتی سی آواز نکلی۔ "مجھے یقین نہیں آرہا تھا وہ مجھے تیار رہنے کا کہہ کر جلدی سے نکل گیا اور مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ دوسرا دن بے چینی میں گزرا۔" بولتے بولتے شوبھا کی سانس پھولنے لگی' میں نے اسے آرام کرنے کا کہا مگر جیسے اس نے سنا ہی نہیں وہ اپنی ہی بولے جارہی تھی۔
"پھر رات آئی جیسے جیسے رات آگے بڑھ رہی تھی میری امید ٹوٹ رہی تھی مجھے لگا وہ نہیں آئے گا بھلا کون کسی کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالے گا۔ رات بارہ بجے مجھے ہلکی سی آواز آئی میں فوراً اٹھ کے بیٹھ گئی وہ شاہد تھا۔
"چل جلدی اٹھ...... افسر کہیں گیا ہوا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی ہم نے یہ علاقہ چھوڑ دینا ہے۔" میں جلدی سے اٹھی اور اس کے ساتھ چل دی' سارے رستے میں حیران رہی اور ڈرتی رہی کہ وہ مجھے کہیں اور تو بیچنے نہیں جارہا۔
"پگلی تھی نا......" بات کرتے کرتے شوبھا نے ماتھے پر ہاتھ مارا مگر وہ تو بڑا اچھا نکلا زبان کا اس نے بچتے بچاتے مجھے کبیر کے پاس پہنچا ہی دیا۔
"پھر کیا ہوا؟" شوبھا سانس لینے کو رکی تو میں نے فوراً ہی پوچھا۔
"ہونا کیا تھا جی' کبیر مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔" شوبھا پھر بتانے لگی۔
"تُو یہاں کیسے آ گئی اور ان لوگوں نے تجھے چھوڑ کیسے دیا؟"
"کبیر...... مجھے اندر تو آنے دے یہاں دروازے پر ہی سب پوچھے گا۔" میں نے قدم آگے بڑھایا۔
"نہیں شوبھا...... میں تجھے اندر نہیں بلاسکتا۔" کبیر نے ایک دم ہاتھ آگے کرکے میرا رستہ روک دیا۔
"میں تیری شوبھا ہوں کبیر...... بھگوان کے لیے یہ نہ کر مجھے اندر آنے دے۔" شوبھا سسکنے لگی۔
"نہ تو اب میری ہے اور نہ پرانی والی شوبھا' میری شوبھا تو بالکل پاوتر تھی اور تُو نجاست کی پوٹلی۔" کبیر حقارت سے بولا۔
"تُو بھول گیا میرے ماتا پتا نے تجھے پالا تھا تو احسان فراموش ہے۔" شوبھا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
"ارے بزدل تُو خود مجھے وہاں چھوڑ گیا تھا اپنی جان بچانے کے لیے۔ ارے تجھ سے بھلا تو یہ آدمی ہے جس نے بغیر کسی مطلب کے مجھے یہاں پہنچایا۔" شوبھا نے دور درخت کے پاس کھڑے شاہد کی طرف اشارہ کیا۔
"کبیر ایسا نہ کر میرا کیا دوش ہے اس میں' مجھے اندر بلالے۔" شوبھا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔
"اسی سے بول تجھے رکھ لے گا۔" کبیر نے جھٹکے سے اپنے پاؤں ہٹائے اور کھٹ سے دروازہ بند کرلیا۔ میں روتی

رہی گڑگڑاتی رہی۔ دروازہ بجا بجا کے میرے ہاتھ زخمی ہو گئے مگر اس نے دروازہ نہ کھولا۔

''چل شوبھا...... اٹھ یہاں سے تیری جگہ کسی کے قدموں میں نہیں۔'' شاہد نے مجھے سہارا دے کے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہم لاہور جائیں گے ابھی اسی وقت۔'' میں روتی بلکتی اس کے ساتھ چلنے لگی۔

''مگر ہم کیسے جائیں گے یہاں تو ہر طرف خطرہ ہے اور لاہور میں کون ہے؟'' میں نے ذرا رک کے شاہد سے پوچھا۔

''میرے گھر والے ہیں' میں تو تیری وجہ سے رکا ہوا تھا۔ شوبھا تُو نے کبیر کو دیکھ لیا نا بس اب بھول جا اسے ہم وہاں جا کے نئی زندگی شروع کریں گے۔ کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے' سمجھی؟ چل اب رونا بند کر دے میں تجھے بہت خوش رکھوں گا۔'' میں رونا بند کر کے حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگی وہ انسان کے روپ میں بھگوان تھا' اس نے مجھ جیسی لڑکی سے اتنا پیار کیا' میری خاطر وہ ہمارے اس علاقے میں آیا جہاں خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ہم لوگ وہاں سے نکل گئے' چلتے چلتے ایک سڑک کنارے بنے ہوٹل پر رک گئے' بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ہم وہاں کھانا کھانے رکے تھے' میں نے چادر سے چہرہ چھپایا ہوا تھا' صبح ہو چکی تھی۔

''یہاں سے ہم رات کو نکلیں گے۔'' شاہد نے سرگوشی میں شوبھا کو بتایا۔

''ابھی دن ڈھلنے میں وقت ہے اور خطرہ بھی ہے اسی لیے یہاں رکا ہوں' روٹی کھا لیتے ہیں ابھی بہت دور جانا ہے۔'' یہ کہہ کر شاہد روٹی کھانے لگا۔

''خطرہ......؟'' شوبھا نے حیرانی سے پوچھا۔ ''تُو مجھے اتنی دور لے کر آیا ڈرا نہیں اور اب......''

''شوبھا...... اس وقت میں تجھے چھوڑنے آیا تھا اپنی جان کی پروا کیے بغیر مگر اب میں تیرے ساتھ جینا چاہتا ہوں اس لیے خطرے میں نہیں پڑوں گا۔'' شاہد کی ہر ہر بات میں میرے لیے محبت تھی۔

''ہم اسٹیشن کیسے جائیں گے؟'' میں نے پھر سوال کیا۔

''پیدل نکلیں گے' سڑک سے ہٹ کر اندر ہی اندر تُو ڈر مت میں تیرے ساتھ ہوں۔'' شاہد نے شوبھا کو تسلی دی اور شوبھا کو پھر رونا آ گیا۔

''پتا نہیں او پروالا بندوں کے لیے کیا سوچتا ہے وہ کبیر جو بچپن سے ہمارے گھر رہا' میرے ماتا پتا نے اسے پالا' بیٹی دی اور وہ اتنا احسان فراموش اور بزدل نکلا' میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے مجھے اور زخم لگا دیئے اور ایک وہ شاہد تھا؟''

''تھا......؟'' میں نے فوراً ہی پوچھ لیا۔ شوبھا نے مجھے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا اور پھر ایک دم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی میں نے اسے رونے دیا' وہ پہلی بار کھل کے روئی تھی۔

''بس کرو شوبھا...... اب آرام کرو' ہم کل باتیں کریں گے۔'' میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں جی' اب تو میرے شاہد کا ذکر آیا ہے آپ کہتی ہیں آرام کرو۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ''اس کا ذکر تو میں ساری عمر کرنا چاہتی ہوں' اب تو کوئی ملا ہے جس سے میں اس کی باتیں کروں' اس جیسی بات تو کسی میں نہ تھی۔'' وہ پھر بھٹکنے لگی تو میں نے لقمہ دیا۔

''تم شاہد کا بتا رہی تھیں؟''

''اسے مار دیا جی ظالموں نے......'' شوبھا نے سسکی لی۔ ''ہم جس ڈھابے پر رکے تھے وہ ہندوؤں کا تھا بلکہ وہ سارا علاقہ ہی ہندوؤں کا تھا انہوں نے شاہد کو پہچان لیا تھا کہ وہ مسلمان ہے ہم رات کو جیسے ہی نکلے ہوٹل کے مالک نے کئی آدمیوں کو بلا رکھا تھا' انہوں نے ہمیں گھیر لیا۔ میں نے بہت کہا شاہد سے تم بھاگ جاؤ میں ان لوگوں کو روکتی ہوں پر وہ نہ مانا۔'' شوبھا نے پھر سسکی لی۔ ''انہوں نے میرے شاہد کو بہت مارا وہ تڑپ رہا' سسکتا رہا میں نے بہت ترلے منتیں کیں۔ یہ بھی کہا کہ مجھے رکھ لو اس کو جانے دو مگر انہوں نے اس کی جان لے لی' اس نے میری گود میں دم

توڑ دیا جی۔ میری آنکھوں کے سامنے......" شوبھا کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ "مرتے وقت بھی اسے میرا خیال تھا' کہہ رہا تھا پاکستان چلی جانا۔"

"انہوں نے تمہیں کچھ نہیں کہا؟" وہ ذرا رکی تو میں نے پوچھا۔

"انہوں نے میری قیمتی متاع چھین لی حالانکہ وہ تو میرے اپنے تھے۔" یہ بتاتے ہوئے شوبھا کی آواز گھٹ گئی اور میں سناٹے میں رہ گئی۔ میں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ دکھوں کے اتنے پہاڑ اٹھائے ہوگی۔

"بس کرو شوبھا...... چپ ہوجاؤ۔" اس کے ساتھ میرے آنسو بھی بہنے لگے۔

"کہنے دیں مجھے ڈاکٹرنی صاحبہ' کہنے دیں مجھے...... میں لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں۔" وہ ایک دم اٹھ کر چیخنے لگی۔ "شیطان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا' میں تو اس افسر کو گالیاں دیتی تھی مگر میرے ساتھ تو میرے اپنے ہم مذہب لوگوں نے بھی وہی کیا۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی' میں ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔

برسوں کا غبار وہ دل میں لیے ہوئے تھی اسی چیز نے اسے ہوش سے بیگانہ کردیا تھا' اچھا ہے اسی طرح دل کی بھڑاس نکل جائے گی اس طرح وہ جلدی نارمل ہوسکتی تھی۔ روتے روتے وہ پھر ہوش کھونے لگی اور غنودگی میں چلی گئی۔

❁......❁......❁

آگے کی کہانی یہ تھی کہ وہ لوگ شاہد کو مارنے اور شوبھا کو لوٹنے کے بعد وہاں سے بھاگ گئے' شوبھا نے سسکتے ہوئے وہ ساری رات شاہد کی لاش کے پاس گزاری' اب اس کا وہاں کچھ نہیں بچا تھا اور شاہد نے بھی اسے یہی کہا تھا کہ وہ پاکستان چلی جائے' اپنے زخمی وجود کو گھسیٹتے وہ کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچ گئی اب اسے کسی بات کا ڈر نہیں تھا۔ کھونے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں پھر وہ ٹرین کے ذریعے لاہور پہنچ گئی۔

"وہاں بھی میرا کوئی نہیں تھا۔" شوبھا دوسرے دن نیند سے جاگی تو پھر بتانے لگی' میں اس کی دماغی کیفیت پر حیران تھی۔

"میرا تو دل چاہا تھا کہ وہیں شاہد کے ساتھ ہی خود کو ختم کرلوں مگر شاہد کی آخری بات بھی تو ماننی تھی نا' لاہور میں میرا کوئی نہ تھا کس کے پاس جاتی میں وہیں اسٹیشن پر بیٹھی رہی۔ تین دن ہوگئے تھے مجھے وہاں بھوکے پیاسے۔" وہ پھر رکی۔ "لوگ بھکارن سمجھ کر سکے ڈال رہے تھے پھر وہاں کے اسٹیشن ماسٹر نے مجھ سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گی' یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ میں تین دن سے تمہیں یہاں دیکھ رہا ہوں کوئی ہے یہاں تمہارا؟" میرے پاس کسی سوال کا جواب نہ تھا اور میرے حلیے سے جانے وہ کیا سمجھا اس بھلے آدمی نے مجھے وہاں کے نفسیاتی ہاسپٹل پہنچادیا۔" شوبھا نے ایک لمبی آہ بھری۔

❁......❁......❁

پاکستان بن چکا تھا حالات تقریباً نارمل ہی تھے' پاکستان کو بنے ہوئے پانچ سال ہوچکے تھے' شوبھا اب میرے ساتھ ہی رہتی ہے وہ اب کافی بہتر حالت میں ہے۔ خوب صورت تو تھی میں نے بہت چاہا کہ اس کی کہیں شادی کرادوں مگر وہ نہیں مانی' وہ کہتی تھی۔

"شاہد کی یادوں کے ساتھ ہی زندہ رہوں گی' اس نے میری وجہ سے جان دی' میں اس کے لیے اتنا بھی نہیں کرسکتی' ویسے بھی یہ زندگی اسی کی دی ہوئی ہے ورنہ تو وہ لوگ مجھے بھی مار ڈالتے اس نے مجھے بچایا۔" شاہد کے ذکر پر اس کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک آجاتی تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے جی وہ میرا وہاں انتظار کررہا ہے۔"

❁......❁......❁

اس کے جواب پر میں مطمئن ہوگئی تھی کیونکہ شوبھا کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔

نوید سحر
مریم فضل عباسی

باندھ لیں ہاتھ پہ' سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے کہ تعویز بنا لیں تم کو
ہے تمہارے لیے کچھ ایسی عقیدت دل میں
اپنے ہاتھوں میں دعاؤں سا اٹھا لیں تم کو

اس نے آج چار دن بعد اپنے گھر میں قدم رکھا تھا۔ جونہی وہ لاؤنج میں داخل ہوا اس کی نظر بالکل سامنے صوفے پر نیم دراز فجر رضوی پر گئی۔ بلیو جینز' وائٹ کرتے اور بلیو اور وائٹ کمبینیشن کا اسکارف گلے میں تھا' بڑی محویت سے ٹی وی پر کارٹون ٹام اینڈ جیری دیکھ رہی تھی۔ ٹی وی فل والیم سے آن تھا اور ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے اس کے قہقہے بھی اس شور میں ابھر رہے تھے۔

یہ شور اسے یقیناً محسوس نہیں ہو رہا تھا کیونکہ اس نے کانوں میں ہیڈ فون ٹھونسے ہوئے تھے اور دروازے پر کھڑے ریحان حسن کو پورا یقین تھا کہ ہیڈ فون میں یقیناً اس سے بھی زیادہ تیز آواز میں کوئی انگلش گانا چل رہا ہے۔

ہاتھوں میں پاپ کارن کا پیکٹ لیے اس کی آمد سے بے خبر وہ بری طرح بے یک وقت ٹی وی' ہیڈ فونز اور پاپ کارن سے شغل کرنے میں مگن تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی ریحان حسن کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔ چند لمحے دروازے میں کھڑے رہنے کے بعد وہ تیزی سے لاؤنج سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

فجر نے اس کی آمد کو اس وقت محسوس کیا جب وہ اس کے قریب سے آندھی طوفان کی مانند گزرا تھا۔ اس نے نظریں اٹھائی تو وہ دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی فجر رضوی کے بے حد خوب صورت ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ بے حد گہری ہوگئی تھی۔

اس کے غائب ہوتے ہی اس نے فوراً کانوں سے ہیڈ فونز نکالے پاپ کارن کا پیکٹ ایک طرف رکھا اور جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ کپڑوں کی شکنیں درست کیں' گلے میں پڑا اسکارف ٹھیک سے کندھوں پر جمایا اور اسکارف کی جو دونوں سائڈز کندھوں سے نیچے لٹک رہی تھیں ان کو ڈھیلی ڈھالی گرہ سے باندھا' ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے پر آئے بالوں کے بینڈ کو سنوارتی ہوئی وہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ تھوڑی دیر میں وہ اس کے کمرے میں تھی۔ وہ کمرے میں نہیں تھا مگر باتھ روم سے پانی گرنے کی آوازیں آ رہی تھی۔

"تو جناب سفر کا گرد وغبار اتار رہے ہیں۔" اس نے با آواز بلند خود کلامی کی۔

اس کے انتظار میں آرام سے بیٹھنے کے بجائے وہ اس کی اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھ آئی۔ ٹیبل پر رکھا چمکتا ہوا اسٹائلش سیل فون دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"واہ...... آج تو بڑا ہی مبارک دن ہے۔" ایک بار پھر بلند آواز میں خود کلامی کرنے کے بعد وہ اس کا فون اٹھا چکی تھی لیکن جیسے ہی اس نے فون آن کرنے کی کوشش کی اسے سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ اس پر پاس ورڈ کے بجائے لاک پیٹرن لگا ہوا تھا۔ اس نے ریحان حسن کے اتنے پاس ورڈز توڑے تھے کہ اب یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر اس پیٹرن کا سامنا آج پہلی بار ہوا تھا۔ خیر ہمت ہارنے والی تو وہ بھی نہیں تھی۔ وہ مختلف پیٹرن ٹرائی کرنے لگی۔

ریحان شاور لینے میں ہمیشہ زیادہ ٹائم لیتا تھا اور آج اس کی بد قسمتی تھی کہ اس نے معمول سے بھی زیادہ ٹائم لیا

اور فجر اس دوران مسلسل مختلف پیٹرن ٹرائی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ مسلسل غلط کوشش کی وجہ سے اب پیٹرن آ ہی نہیں رہا تھا اور اب فون صرف ایک صورت میں آن ہوسکتا تھا اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کے بعد فون کا سارا ڈیٹا اڑ جانا تھا اور فجر اس بات سے بخوبی آگاہ تھی کہ ریحان اپنا سارا اہم ڈیٹا اپنے فون میں ہی رکھتا تھا۔

شرارت تو اس کی عادت تھی مگر وہ اس کا نقصان واقعی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جب ہو چکا تو...... اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کنکھیوں سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا اور پھر سیل فون جہاں رکھا تھا اس نے اسی جگہ بالکل اسی زاویے سے رکھا اور چہرے پر سارے زمانے کی شرافت اور معصومیت سجائے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ تو اپنے کزن کا انتظار کررہی تھی جو پاکستان ایئرفورس میں ایک پائلٹ کے طور پر بھرتی ہونے کا خواب سجائے سارے اکیڈیمک انٹیلی جنس اور میڈیکل ٹیسٹ پاس کرنے کے بعد آئی ایس ایس بی کے لیے کوہاٹ گیا تھا اور آج چار دن بعد واپس آیا تھا۔ وہ تو اپنے کزن سے اس کا حال معلوم کرنے آئی تھی اسے کیا پتہ کہ سیل فون کو کس نے چھیڑا؟

فقط چند منٹوں کے بعد وہ تولیہ گلے میں ڈالے شرٹ کے بٹن بند کرتا باتھ روم سے برآمد ہوا' وہ تولیے سے سر رگڑتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھا تھا جب اس کی نظر اچانک صوفے پر نہایت اطمینان سے براجمان فجر رضوی پر گئی۔ اس کے گندمی چہرے پر سجے تیکھے نقوش تن گئے تھے مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سخت جملہ کہتا فجر نے ہونٹوں پر ایک پرتپاک مسکراہٹ پھیلا کر کہا۔

''ہیلو ڈیئر کزن...... کیسے ہو؟'' جواباً اس نے فجر کے خوب صورت چہرے کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''کیا کررہی ہو تم یہاں؟'' وہ اس کے سر پر کھڑا ہوکر غرایا۔

''میں تو تمہارا حال چال پوچھنے آئی تھی ڈیئر کزن...... کیسا رہا تمہارا آئی ایس ایس بی؟ صحیح سلامت واپس پلٹے ہو یا کوئی ہڈی شڈی تڑوائی ہے؟'' وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لیے پوچھ رہی تھی۔

''فضول بکواس مت کرو۔ اینڈ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔'' جواباً سخت طیش میں آکر اس نے اسے باہر کا راستہ دکھایا۔

''اوہو...... تم تو بہت شارٹ ٹیمپر ہو' سیلف کنٹرول نام کی کوئی چیز تمہارے اندر نہیں' چلو کوئی بات نہیں۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں...... میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ اتنے بڑے بڑے خواب مت دیکھو۔ خیر ہوسکتا ہے تم کسی دوسرے شعبے کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ چلو کوئی بات نہیں' میں تمہارے غم میں برابر کی شریک ہوں......'' اس سے پہلے کہ وہ یہ سلسلہ مزید جاری رکھتی' ریحان نے ایک جھٹکے سے اسے بازو سے پکڑ کر صوفے سے اٹھایا۔

''اب اگر تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔'' ایک ہاتھ میں اس کی نازک کلائی دبوچے دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کرتے ہوئے وہ شعلے اگل رہا تھا۔ اور اسے یوں غصے میں لال پیلا ہوتا دیکھ کر فجر رضوی کو واقعی لطف آرہا تھا۔

''اف کتنے اچھے لگ رہے ہو ریحان...... افسوس میرے پاس اس وقت موبائل نہیں ہے ورنہ میں ضرور تمہاری تصویر بناتی اور تمہارے ان آئی ایس ایس بی والوں کو سینڈ کرتی۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر وہ سرپٹ بھاگی تھی اور نیچے ماموں ممانی کے کمرے میں آکر اس نے دم لیا تھا۔

اپنا سانس درست کرتی وہ بیڈ پر بیٹھی تو اس کے لبوں پر ایک بے حد گہری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اپنے بے حد سنجیدہ اور ٹھنڈے مزاج والے کزن کو چھیڑ کر اسے طیش دلا کر جتنا لطف اسے آتا تھا' اتنا اسے دنیا کے کسی دوسرے کام میں نہیں آتا تھا' بچپن سے ایک گھر میں رہنے کی وجہ سے وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی اور ہمیشہ اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی

پائلٹ بننے کے لیے وہ کتنا کریزی ہے' اسے ایک پائلٹ کے طور پر ایئر فورس جوائن کرنے کا جنون تھا اور وہ اس کے جنون سے لطف اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

"اور سب کہتے ہیں ریحان اتنے ٹھنڈے مزاج کا مالک ہے ریحان کو غصہ تو آتا ہی نہیں۔" خود کلامی کرتے ہوئے چند منٹ پہلے کا منظر اس کی یادداشت میں تازہ ہوا تو وہ اپنا قہقہہ روک نہ سکی۔

تب ہی باہر ماموں ممانی اور لائبہ آپی کی آوازیں ابھریں تو وہ ایک دم بیڈ سے اچھلی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھی جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔

......O......

حیات رضوی کی دو اولادیں تھیں' حسن رضوی اور آمنہ رضوی' حیات رضوی کا شمار خوش قسمت انسانوں میں ہوتا تھا' وہ ایک نامور اور منجھے ہوئے بزنس مین تھے۔ ان کی رفیقہ حیات ایک سادہ' گھریلو مگر بہت محبت کرنے والی اور پُرخلوص خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کی بہترین پرورش کی تھی اور ان کی دونوں اولادیں بہت لائق فائق اور علیم بھی ہوئی تھیں۔ حسن رضوی نے پڑھائی مکمل کرنے کے بعد باپ کے بزنس کو سنبھالا تو آمنہ رضوی نے بھی ماں کے نقش قدم پر ہی قدم رکھے' وہ بھی ایم اے انگلش کرنے کے بعد گھرداری سیکھنے میں مصروف ہوگئیں۔

جوں ہی حسن رضوی نے کاروبار سنبھالا' بیگم حیات نے ان کے سر پر سہرا دیکھنے کا ارمان پورا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنے لائق فائق بیٹے کے لیے ان کی نظر انتخاب ایمن رضوی پر ٹھہری جو حیات رضوی کے دور کے کزن کی بیٹی تھیں' بے حد حسین اور سلجھی ہوئی ایمن رضوی ان کے بیٹے کے لیے بہترین جوڑ تھیں اور وہ ہر حال میں انہیں بہو بنانا چاہتی تھیں مگر ایمن کے والدین نے بدلے میں اپنے بیٹے عدنان رضوی کے لیے آمنہ رضوی کا ہاتھ مانگ لیا۔ وٹے سٹے کی پیچیدگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حیات رضوی اور بیگم حیات کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئے مگر یہ ہچکچاہٹ زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ عدنان رضوی پاکستان آرمی میں کیپٹن کے عہدے پر فائز' نہایت خوبرو' نیک عادات واطوار کے مالک تھے۔ وہ ہر طرح سے آمنہ کے لیے موزوں تھے۔

دونوں خاندان ہی پڑھے لکھے' شریف اور سلجھے ہوئے تھے۔ سو ہر قسم کی ہچکچاہٹ اور تذبذب کو پس پشت ڈال کر یہ دونوں رشتے طے کردیے گئے اور فقط تین ماہ کے بعد ایمن رضوی دلہن بن کر حیات ولا میں رونق بکھیرنے آ گئی تو آمنہ رضوی بھی عدنان کے سنگ رخصت ہوگئی۔

عدنان رضوی تین بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑے ثوبان رضوی' پھر عدنان رضوی اور پھر ایمن رضوی۔ ثوبان رضوی اپنی بیوی سلمٰی بیگم اور بچوں کے ساتھ اپنے آبائی گھر میں ہی رہائش پذیر تھے۔ جبکہ عدنان رضوی کی مختلف جگہوں پر پوسٹنگ ہوتی رہتی تھیں ایسے میں آمنہ بھی ان کے ساتھ ہوتیں۔ مگر چھٹیوں میں وہ بھی اپنے آبائی گھر میں ہی قیام کرتے۔ یہ دونوں شادیاں ہی کامیاب ثابت ہوئیں تھیں۔

ایمن رضوی نے پہلے رانیہ کو جنم دے کر حیات ولا کی رونق دوبالا کردی اور پھر پانچ سال بعد ریحان کی پیدائش نے خاندان کو مکمل کردیا۔ جبکہ آمنہ رضوی اور عدنان رضوی کو خدا نے شادی کے دو سال بعد سحر سے نوازا ایک سال بعد سویرا ان کے آنگن کی رونقوں میں اضافہ کرنے آ گئی۔ سویرا کے چار سال بعد اللہ نے انہیں ایک اور بیٹی سے نوازا۔ حالانکہ انہیں بیٹے کی تمنا تھی مگر بیٹی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لیے وہ سب بھول گئے' وہ بچی بے تحاشا خوب صورت تھی' بڑی بڑی اور سیاہ آنکھوں اور دراز پلکوں والی وہ گلابی گڑیا ہر ایک کا دل موہ لیتی...... ان کی باقی دونوں بیٹیاں بھی بے حد پیاری تھیں مگر یہ بچی اتنی کیوٹ تھی کہ اس پر نظر نہ ٹکتی۔ ایمن اور حسن جب بچی کو دیکھنے آئے تو ایمن نے فوراً کہہ دیا۔

"بھئی یہ میری بیٹی ہوگئی آج سے' اسے میں اپنے

ریحان کی دلہن بناؤں گی۔'' ان کی بے قراری پر سب ہی ہنس دیے مگر ایمن واقعی سنجیدہ تھی اور انہوں نے بھائی بھابی کو منوا کر ہی دم لیا۔

ویسے بھی ان میاں بیوی کو بیٹے کا قلق تھا اور ایمن اس بچی کے توسط سے انہیں بیٹا دے رہی تھیں۔ سوسیاہ آنکھوں اور گلابی رنگت والی وہ بچی دنیا میں آتے ہی ریحان رضوی کے نام کردی گئی اور اس کا نام فجر تجویز کیا گیا۔

فجر جتنی کیوٹ تھی وہ اتنی ہی شرارتی بھی تھی۔ اس کی شرارتیں سب انجوائے کرتے سوائے ریحان رضوی کے جس کے وہ ناک میں دم کردیتی تھی۔ وہ شروع سے ہی سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا اور سب ہی اس کا خیال کرتے مگر فجر جو کہ خاندان بھر کی لاڈلی تھی اس نے خیال رکھنا نہیں سیکھا تھا۔

عدنان رضوی چونکہ آرمی میں تھے اس لیے ان کی تھوڑے تھوڑے عرصے بعد پوسٹنگ ہوتی رہتی تھی جس کی وجہ سے فیملی ہی ڈسٹرب ہوتی مگر سب سے زیادہ ڈسٹربنس کا شکار فجر ہوتی تھی جسے خاندان بھر کے لاڈ پیار نے بے حد نازک مزاج بنادیا تھا خاص کر کے اسے اسٹڈیز میں مسئلہ ہوتا' مسئلہ تو سحر اور سویرا کو بھی ہوتا مگر انہوں نے ان مسائل کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرلیا تھا جو کہ فجر نہیں کرسکی تھی اور اپنے والدین کے لیے مسائل پیدا کرتی۔

آمنہ اور عدنان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے بیگم حیات نے فجر کو اپنے پاس ہی رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں فجر حیات ولا شفٹ ہوگئی۔ اس کے آنے پر حیات ولا کے ہر فرد کو خوشی ہوئی سوائے ریحان کے جسے اپنی یہ گلابی گڑیا جیسی کزن بالکل پسند نہ تھی کیونکہ وہ ہر وقت ہر جگہ ادھم مچائے رکھتی۔ سب کا خیال تھا کہ اس کے آنے سے حیات ولا کی رونق دوچند ہوگئی ہے جبکہ ریحان کے خیال میں اس کی آمد نے اس کی پرسکون زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔ وہ بے حد شرارتی تھی۔ ریحان اس سے فقط ایک سال بڑا تھا' تقریباً اس کا ہم عمر..... سو اس نے شروع

میں اس سے دوستی کرنے کی کوشش کی وہ اسے بھی اپنی شرارتوں میں شامل کرنے کی کوشش کرتی اسے ویسے بھی گندمی رنگت اور تیکھے نقوش کا مالک بے حد ذہین اور سوبر سا اپنا کزن اچھا لگتا تھا مگر یہ سوبر سے کزن اس کی ہر کوشش کو نہایت روڈلی ناکام بنا دیتا مگر وہ بھی فجر رضوی تھی جس نے ہار ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ریحان نے اس کی شرارتوں میں اس کا ساتھ نہ دیا تو اب وہ اس کے نشانے کی زد پہ آ گیا تھا۔ حالانکہ وہ اسے اگنور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا اور اس کا خیال تھا کہ جب وہ کوئی ردعمل نہیں دے گا تو وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی مگر فجر رضوی بھی اپنے نام کی ایک تھی...... آخر اس کی رگوں میں اپنے فوجی باپ دادا کا خون دوڑ رہا تھا...... جرأت اور استقامت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی...... سو بدستور محاذ پر ڈٹی رہی...... اور ایسی ایسی کاری ضربیں لگاتی کہ ریحان کا دل اسے کچا چبا جانے کو چاہتا۔

زندگی یونہی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے ہوئے گزر رہی تھی کہ ایک دن اچانک حیات ولا میں اتنا شدید طوفان آیا کہ در و دیوار لرز اٹھے۔ حیات رضوی اور بیگم حیات ایک دوست کی تعزیت کے لیے ایبٹ آباد گئے تھے اسلام آباد واپس آتے ہوئے ان کی گاڑی ایک زبردست حادثے کا شکار ہوگئی۔ ڈرائیور اور حیات رضوی موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے جبکہ بیگم حیات شدید زخمی ہوئیں۔ ہنستے بستے خاندان میں بھونچال آ گیا۔ حسن بے حد آزردہ تھے تو آمنہ کی بھی آنکھیں ہی خشک نہیں ہو رہی تھیں۔

بیگم حیات کے زخم شدید نوعیت کے تھے اور ایسے میں حیات رضوی کی موت کی خبر ان پر بجلی بن کر ٹوٹی۔ ان کی زندگی سے دلچسپی ایک دم ختم ہوگئی ان کی ول پاور صفر ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹرز بھی ناامید ہوگئے بیگم حیات فقط چند دنوں کی مہمان رہ گئی تھیں۔ آمنہ بیگم بھی آئی ہوئی تھیں بمعہ شوہر اور دونوں بچیوں کے۔ ہر وقت ملنے جلنے والوں اور رشتہ داروں کا بھی آنا جانا لگا رہتا مگر اس کے باوجود ایک خاموشی ایک جامد سناٹا گھر کے در و دیوار سے لپٹا ہوا تھا اور پھر انہی اداس اور بوجھل دنوں میں جب بیگم حیات اپنی آخری سانسیں گن رہی تھیں انہوں نے ایک عجیب سی فرمائش کر دی۔

اپنی دونوں اولادوں کی خوشیاں تو انہوں نے دیکھ لی تھیں مگر آنکھیں موند لینے سے پہلے اپنے پوتوں اور نواسیوں کی خوشیاں بھی دیکھ لینا چاہتی تھیں۔ ان کی خواہش پر سب کا دھیان پہلے سولہ سالہ رانیہ پر گیا جو سب کزنز میں بڑی تھی مگر اتنی ایمرجنسی میں کوئی مناسب رشتہ نہیں مل سکتا تھا اور پھر یہ اس کی ساری زندگی کا سوال تھا اس صورت حال میں سب ہی پریشان تھے مگر ایمن کی پریشانی دیدنی تھی۔ جن کی بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا تھا آخر انہیں ایک راستہ مل ہی گیا وہ راستہ خاصا غیر دانش مندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ تھا مگر اس صورت حال میں وہی ایک قابل قبول راستہ تھا اور وہ یہ کہ دس سالہ فجر اور گیارہ سالہ ریحان کا نکاح کر دیا جائے ویسے بھی یہ کام کبھی نہ کبھی تو ہونا ہی تھا کیوں نہ ابھی ہو جائے اور مرتی ہوئی ماں کی بھی خواہش پوری ہو جائے۔ سو سب ہی نے یہ فیصلہ قبول کر لیا اور سہمی ہوئی فجر اور ریحان کو زرق برق لباس پہنا کے نکاح کے بندھن میں باندھ دیا۔

جس دن نکاح کی تقریب ہوئی اسی شام بیگم حیات کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ایک بار پھر سے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔

وقت گزرنے کے ساتھ غم کی شدت میں کمی آ گئی۔ آمنہ رضوی بھی سحر اور سویرا کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ باقی سب کی روٹین بھی معمول پر آنے لگی۔ گھر کی رونق آہستہ آہستہ پھر بحال ہونے لگی۔ وہ دکھوں بھرے دن ماضی کی دھند میں ڈوبتے چلے گئے اور ان کا ذکر جب بھی آتا سب کو مغموم کر جاتا سو سب کی کوشش ہوتی کہ یہ ذکر کم سے کم ہو اور ریحان اور فجر کا نکاح کا ذکر بھی چونکہ اسی ذکر سے وابستہ تھا سو وہ بھی بہت کم ہوا۔ ویسے بھی بچوں کے کچے ذہن میں ان کے والدین اس طرح کا کوئی خیال ڈالنے کے حامی نہیں تھے۔

O

فجر جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی اس کی نظر حسن اور ایمن کے ساتھ بیٹھی رانیہ پر گئی۔

"رانیہ آپی......!" وہ چیخ مار کر ان کی طرف بھاگی۔ رانیہ نے بھی اس کو اٹھ کر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"کیسی ہے میری گڑیا؟" اس کے کندھے پر بازو پھیلائے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک آپ سنائیں آپ کیسی ہیں؟ اسد بھائی کا کیا حال ہے وہ کیوں نہیں آئے؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

دراصل رانیہ کی شادی چند ماہ پہلے ہی اسد کے ساتھ ہوئی تھی جو کہ کینیڈا میں مقیم تھا سو رانیہ کو بھی اس کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہونا پڑا مگر اسے وہاں والدین اور گھر والوں کی یاد بری طرح ستاتی تھی اس لیے وہ چند ماہ بعد واپس سب سے ملنے کے لیے لوٹ آئی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں اسد بھی خیریت سے ہیں۔ چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے اسد نہیں آسکے۔" رانیہ نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"فجر بیٹا...... ریحان نہیں آیا ابھی تک؟" ایمن نے فجر کو مخاطب کیا۔

"آ گیا ہے ممانی جان اپنے کمرے میں ہے۔" ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ سجائے اس نے جواب دیا۔

"کیسا رہا اس کا آئی ایس ایس بی کچھ بتایا؟" اب حسن نے پوچھا۔ ان کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا کیونکہ انہیں اپنے ذہین بیٹے پر بے حد اعتماد تھا۔ تب ہی فجر کی نظر سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے ریحان پر گئی۔

"کہہ رہا تھا سب کچھ بہت اچھا ہوا ہے اے ون بس سائیکالوجسٹ کے ساتھ تھوڑی منہ ماری ہوگئی...... آپ کو تو پتہ ہے ناں ماموں جان آئی ایس ایس بی میں سلیکشن کے لیے سب سے اہم رول سائیکالوجسٹ کا ہوتا ہے...... بس آپ دعا کریں ماموں جان کہ معجزہ ہوجائے اور بے چارے ریحان کا سلیکشن ہوجائے...... ورنہ بے چارہ کتنا دکھی کتنا مایوس ہوجائے گا۔" وہ آواز میں سارے جہاں کا تاسف سموئے کہہ رہی تھی جب کہ آمنہ حسن اور رانیہ کے چہرے پر حیرت بکھری ہوئی تھی انہیں اتنے ٹھنڈے مزاج کے مالک ریحان سے کم از کم یہ امید نہیں تھی کہ وہ سائیکالوجسٹ کے ساتھ منہ ماری کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔

اسی اثناء میں ریحان بھی ان کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ گرم جوشی سے رانیہ سے ملا جو ابھی تک حیرت کی زد میں تھی۔

"یہ فجر کیا کہہ رہی ہے ریحان بیٹا؟" ایمن نے بے حد حیرت سے پوچھا۔

"او...... مما آپ بھی کس کی باتوں میں آرہی ہیں۔" وہ ایمن کے کندھے پر بازو پھیلائے ان کے ساتھ بیٹھ گیا ساتھ ہی ایک تیز نظر فجر پر ڈالی۔

"لو اب مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" فجر نے دنیا بھر کی مسکینیت اور معصومیت اپنے چہرے پر سجالی تھی۔

"جب میں نے تم سے سائیکالوجسٹ کے انٹرویو کے بارے میں پوچھا تھا تو تم کتنے ڈپریسڈ ہوگئے تھے۔ پھر جب میں نے تمہیں کریدا تو تم نے مجھے کتنا ڈانٹا تھا...... تم نے کہا تھا کہ تم میرا خون پی جاؤ گے...... تم نے مجھے اپنے کمرے سے نکل جانے کو بھی کہا تھا۔" وہ اس کی گھوریوں کی پروا کیے بغیر نان اسٹاپ بولے جارہی تھی۔

"اب اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟ کیا تم نے ایسا نہیں کہا تھا؟ پوچھیں اس سے ماموں جان...... اس نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔" وہ اب حسن رضوی کو بیچ میں گھسیٹ رہی تھی اور حسن سے پہلے ہی ایمن بیچ میں بولیں۔

"کیوں ریحان؟ تم نے ایسا کہا میری بیٹی کو؟" انہوں نے ناراضگی سے اپنے شانے پر سے اس کا بازو ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ فجر کے چہرے پر بڑی پرلطف مسکراہٹ تھی۔ وہ ایسے ہی بدلے لیا کرتی تھی۔

"مما اسے بیٹی کہنے کے بجائے فتنی کہا کریں۔"
ریحان نے دانت پیس کر بمشکل خود کو نارمل کرتے ہوئے جواب دیا۔
اس سے پہلے کہ یہ بحث مزید آگے بڑھتی ملازمہ نے آ کر لنچ تیار ہونے کی اطلاع دی اور سب ڈائننگ روم کی طرف چل دیئے۔ لنچ کے دوران خاموشی رہی اور لنچ کے بعد وہ تمام وقت رانیہ کے ساتھ رہی' وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی تنہا نہیں ہوئی کیونکہ اسے پتہ تھا اسے اکیلے دیکھتے ہی ریحان اس پر چڑھ دوڑے گا اور فون کے سلسلے میں باز پرس کرے گا۔ اتنی آسانی سے وہ اس کی یہ خطا نہیں معاف کرنے والا تھا اسی لیے وہ اس سے کترا رہی تھی۔
اگلے دن وہ کالج سے واپس آئی تو اسے گھر میں غیر معمولی خاموشی محسوس ہوئی۔ ملازمہ سے استفسار کرنے پر اسے پتہ چلا کہ رانیہ اور ایمن کسی ملنے والے کے گھر گئی ہوئی ہیں' حسن ظاہر ہے آفس میں تھے اور گھر میں صرف ریحان ہی تھا جو کہ اپنے کمرے میں تھا۔
"اوہ..... تو آ گیا وہ وقت۔ چلو دیکھ لیں گے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں فجر رضوی جو ڈر گیا وہ مر گیا۔" اس نے ساتھ ہی خود کو تسلی دی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جیسے ہی اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا حیرت سے اس کا منہ بھی کھل گیا۔
ریحان اسی کے کمرے میں تھا۔ وہ ٹہل رہا تھا' غصہ اور بے چینی اس کی چال سے عیاں تھی۔ فجر کو یاد نہیں تھا کہ اس سے پہلے وہ کب اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی ریحان رک گیا اور اسی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی براؤن آنکھیں اب شعلے اگل رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ حملہ آور ہوتا فجر نے حسب معمول پہل کی۔
"ہیلو ڈیئر کزن..... آج کیسے ہمارے غریب خانے میں قدم رکھا' بتایئے کیا خاطر کروں آپ کی؟" وائٹ شلوار قمیص' وائٹ جوگرز میں ملبوس فجر نے پنک دوپٹہ فولڈ کر کے دونوں شانوں پر پن اپ کیا ہوا تھا۔ بے تحاشا لمبے سیاہ سلکی اور اسٹریٹ بالوں کی اس نے ہائی پونی بنائی ہوئی تھی جبکہ کٹے ہوئے بال اس کے ماتھے پر آ رہے تھے۔ اور خوب صورت چہرے پر اس نے دنیا جہان کی معصومیت سجائی ہوئی تھی۔ اس حلیے میں واقعی وہ ایک معصوم اور سادہ سی کالج گرل ہی لگ رہی تھی۔ اس کو بغور دیکھتے ہوئے ریحان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس خوب صورت فتنی کا گلا دبا دے۔
"خاطر تو میں تمہاری کرنے آیا ہوں آج......" اس کی طرف بڑھتے ہوئے ریحان نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔
"میں نے کیا..... کیا؟" سیاہ آنکھوں میں دنیا جہان کی معصومیت سموئے ہوئے تھی۔
"میرے فون کو کیوں چھیڑا؟" وہ اس کے سر پر کھڑا ہو کر غرایا۔
"کون سے فون کو؟" اس کے خوب صورت چہرے پر حیرت کے تاثرات رقم تھے۔
"اس فون کو....." اس نے جینز کی جیب سے فون نکال کر سامنے کیا۔
"ہائے ریحان یہ فون کب لیا تم نے؟" وہ بے حد اشتیاق سے فون کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"یہ اپنی ایکٹنگ کے جوہر کسی اور کو دکھانا' مجھے یہ بتاؤ میرا فون کیوں چھیڑا تم نے؟"
"یقین کرو ریحان میں تو پہلی بار یہ فون دیکھ رہی ہوں' یہ تم اپنے ساتھ آئی ایس ایس بی میں لے کر گئے تھے۔ ظاہر ہے وہاں فون تو الاؤ نہیں ہوتا ناں..... تم نے پہلے جمع کرا دیا ہوگا ناں' وہ لوگ تو ہر چیز چیک کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے ہی تمہارا فون چیک کیا ہو..... ویسے اسے ہوا کیا ہے؟" اس کا غصہ بڑھتا دیکھ کر اب وہ اس کا دھیان بٹانا چاہ رہی تھی اور اس کی اس کوشش سے اس کا غصہ کم ہونے کے بجائے اور بھی بڑھ گیا تھا۔
اگر یہ لڑکی اس کی فرسٹ کزن نہ ہوتی یا پھر اس کے گھر والوں کو اتنی عزیز نہ ہوتی تو وہ اسے ایسا سبق سکھاتا کہ وہ قیامت تک یاد رکھتی' ایک دم وہ پہلی بار اس کے

غصے کو دیکھ کر اپنا خون خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا اور تنے نقوش کے ساتھ ریحان کا چہرہ اس وقت واقعی آگ اگل رہا تھا۔

"آج کے بعد تم میرے کمرے میں قدم نہیں رکھو گی۔" وہ غرایا۔ وہ یک ٹک اس کے آگ اگلتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ "آئی سمجھ میں کیا کہہ رہا ہوں؟" اس کے لہجے میں پھنکار تھی۔ فجر کا سر اثبات میں بے ساختہ ہلا۔

وہ ایک تیز نظر اس پر ڈال کر اس کے شانے چھوڑ کر آندھی طوفان کی طرح اس کے کمرے سے نکلا تھا جب کہ فجر ابھی تک وہیں ششدر کھڑی تھی۔ کافی دیر کے بعد وہ حرکت کے قابل ہوئی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ریحان اس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

"تمہیں اس رویے کی ادائیگی کرنا پڑے گی۔" اس نے وہیں کھڑے کھڑے بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا تھا۔

......O......

ریحان کو خدشہ تھا کہ وہ ضرور اس کی شکایت مما پاپا سے کرے گی مگر اس نے ایسا نہ کیا تو اسے شدید حیرت ہوئی۔ اس کے بعد اس نے کوئی شرارت کی نہ اس سے چھیڑ چھاڑ تو ریحان نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ یہ ردعمل اس نے کچھ عرصہ پہلے کیوں نہ ظاہر کر دیا۔

وہ کالج سے آ کر سو گئی تھی۔ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو اسے عجیب چہل پہل کا احساس ہوا۔

"کوئی آیا ہے گھر میں کیا؟" اپنے لمبے بالوں کی پونی ٹائٹ کرتی اس نے ملازمہ سے پوچھا' وہ حسب معمول جینز کرتے میں تھی۔

"جی...... آمنہ بی بی آئی ہوئی ہیں۔" ملازمہ نے بتایا۔

"ماما...... ! کہاں ہیں؟" اس کے لہجے میں خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"سب باہر لان میں بیٹھے ہیں۔" ملازمہ کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے اس نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ لان میں سب ہی بیٹھے ہوئے تھے' آمنہ' عدنان' سحر' سویرا' رانیہ' ریحان' حسن اور ایمن۔ آمنہ کی نظر جیسے ہی اس پر گئی انہوں نے اٹھ کر بے چینی سے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"کیسی ہے میری بیٹی؟"

"ٹھیک ہوں ماما۔" ان سب کو اچانک دیکھ کر اس کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا تھا آمنہ کے بعد وہ عدنان کے سینے سے لگ گئی پھر سحر اور سویرا سے ملی۔

"یہ ہماری گڑیا تو دن بدن زیادہ پیاری ہوتی جا رہی ہے۔" سویرا اسے بازو کے حلقے میں لیے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بہن کی اتنی محبت اور تعریف پر اس کی خوب صورت سی گردن تن گئی تھی۔ تب ہی اس کی نظر ریحان پر گئی' اس کے چہرے پر آج غیر معمولی چمک تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے چیئر پر بیٹھی تو ایمن بولیں۔

"فجر بیٹا تم نے ریحان کو مبارک باد نہیں دی؟" ان کی آواز سے خوشی چھلک رہی تھی۔

"کس بات کی مبارک باد ممانی جان؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہ ڈی کومینڈ ہو گیا ہے آئی ایس ایس بی سے۔"

"واقعی؟" وہ چیخ کر کرسی سے اچھلی۔

"آرام سے...... حوصلہ رکھو۔" رانیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کام ڈاؤن کیا۔

"یہ سب میری دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ سو میں قیمت تو وصول کروں گی...... میرا مطلب ہے زبردست قسم کی ٹریٹ۔" اس نے فوراً سارا کریڈٹ اپنے سر لیا۔

"ہاں...... ہاں...... ہم نے وعدہ لے لیا ہے ریحان سے...... یہ ابھی ہم سب کزنز کو آئس کریم کھلانے لے جا رہا ہے۔" سویرا نے اسے بتایا۔

"کیا؟ صرف آئس کریم...... نہیں...... نہیں میں نہیں مانتی بھئی۔" وہ ایک بار پھر احتجاجاً چیختی ہوئی کرسی سے اچھلی۔

"یہ جھٹکے کیوں کھا رہی ہو تم...... آرام سے بیٹھو......

ابھی تو ہمارا بھائی بے روزگار ہے اس لیے چھوٹی ٹریٹ لے رہے ہیں...... ذرا اس کو تنخواہ ملنے دو...... پہلی تنخواہ تو ہم ساری کی ساری ٹریٹ میں اڑائیں گے۔" سحر نے ریحان کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"زیادہ رحم دلی دکھانے کی ضرورت نہیں ڈیئر آپیا...... آپ کو معلوم نہیں جناب کی ٹھیک ٹھاک بھاری بھرکم پاکٹ منی ہے۔ یہ بڑے آرام سے ہم کو اچھا سا ڈنر کروا سکتے ہیں۔"

"اوہو...... تو تمہاری نظر ابھی سے اس کی جیب پر ہے۔" سویرا نے شرارت سے کہا۔

"ہاں تو اور کیا...... مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے پیسوں کا کرتا کیا ہے...... میری تو تقریباً ساری پاکٹ منی آئس کریم اور چاکلیٹس پر خرچ ہوتی ہے یہ تو آئس کریم کھاتا ہے ناں چاکلیٹس......؟" فجر سویرا کی شرارت سمجھنے کے بجائے کسی اور ہی تفکر میں مبتلا تھی۔ اور اس کے تفکر پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ریحان کے چہرے پر بھی۔ اس کی مسکراہٹ سے فجر کو ٹھیک ٹھاک حوصلہ ملا۔

"ریحان ہم لوگ پزا کھائیں گے...... لانگ ڈرائیو پر جائیں گے...... واپس آتے ہوئے آئس کریم کھائیں گے...... اور پھر ڈنر کی ٹریٹ ممانی سے لیں گے...... وہ اپنے ہاتھوں سے میری فیورٹ ڈشز ڈنر کے لیے پکائیں گی۔" اس نے لمبی لسٹ بنا ڈالی تھی۔

"اوکے ڈن...... چلو چلتے ہیں۔" ریحان فوراً تیار ہوگیا۔ وہ آج واقعی خوش تھا۔

آج اس کے تیکھے نقوش پر نرمی بکھری ہوئی تھی۔ وہ ہونٹ جنہیں فجر نے ہمیشہ بھینچے ہوئے دیکھا تھا آج مسکرا رہے تھے۔ فجر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ میرون ٹی شرٹ، بلیک جینز اور بلیک جوگرز میں اس کا چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد اور مضبوط سراپا آج شاید فجر نے پہلی بار بغور دیکھا تھا۔ ماتھے پر بکھرے براؤن سلکی بال، براؤن آنکھیں، گندمی رنگت، تیکھے نقوش سے سجا اس کا کلین شیو چہرہ اس وقت چمک رہا تھا اور وہ واقعی اچھا لگ رہا تھا۔

رانیہ، سحر اور سویرا اٹھ گئیں تو اسے بھی ایک دم ہوش آیا اور ایک دم اچھلی۔ اس نے ہاتھ سے بلو کرتے کی شکنیں درست کرکے، کندھے پر اسکارف جما کر آگے سے گرہ لگائی، کٹے ہوئے بالوں کو بینڈ سے سنوارتی وہ سب سے پہلے گاڑی میں سوار ہوئی تھی۔

......O......

آمنہ رضوی اور عدنان رضوی گرمیوں کی چھٹیوں پر آئے تھے۔ چند دن حیات ولا میں رہ کر آمنہ اپنی فیملی کے ساتھ اپنے سسرال سدھار گئیں۔ ہر دفعہ فجر بھی ان کے ساتھ جاتی تھی مگر اس دفعہ اس نے جانے سے انکار کردیا تھا۔ فجر سیکنڈ ایئر میں تھی، اب اسے اب پڑھائی میں زیادہ محنت کرنی تھی اس لیے وہ اپنی فیملی کے ساتھ نہیں گئی کیونکہ ان کے ساتھ سیر سپاٹوں میں مگن ہوکر وہ پڑھنا بھول جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ان چھٹیوں میں آمنہ اور عدنان کا ارادہ سحر اور سویرا کی شادی کرنے کا بھی تھا۔ سحر اپنے تایا ثوبان رضوی کے بیٹے احمر سے منسوب تھی، جبکہ سویرا عدنان رضوی کے دوست کے بیٹے کیپٹن رمیض سے منسوب تھی۔

فجر کا خیال تھا شادیوں میں ویسے بھی کافی ٹائم ویسٹ ہوگا اس لیے وہ شروع کی چھٹیوں میں سیر یسلی پڑھنا چاہتی تھی۔

......O......

آج ریحان کی سالگرہ تھی اس کی ہر سالگرہ پر گھر میں ایک چھوٹی سی پارٹی ارینج کی جاتی تھی جس میں ریحان کے دوستوں اور چند ملنے والوں کو بلایا جاتا، ہر دفعہ پارٹی کا انتظام ایمن کرتی تھیں...... مگر اس دفعہ ہر کام میں ایمن کے بجائے فجر پیش پیش تھی، اس کے جوش و خروش پر ایمن، حسن اور رانیہ کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ریحان کو زچ کیے رکھتی تھی۔ آج کل اس نے جو صلح کی روش اپنائی ہوئی تھی تو گھر میں ٹھیک ٹھاک امن نظر آرہا تھا۔

ریحان کو اس خاموشی اور سکون کے پیچھے کوئی بڑا طوفان چھپا نظر آرہا تھا مگر سب خیریت ہی رہی...... شام

تک تمام انتظامات مکمل اور بہترین تھے۔ رفتہ رفتہ مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی تو فجر جو ابھی تک کچن میں تھی' چینج کرنے کے لیے اپنے روم میں آئی۔ اس نے جلدی سے فریش ہوکر بلیک جینز پر بلیک کرتا پہنا' لمبے بالوں کو ڈرائی کر کے ہائی پونی بنائی پھر اسکارف حسب معمول کندھے پر جمایا اور آگے سے گرہ لگائی' کٹے ہوئے بالوں کے بینڈ کو سنوار کر اس نے جلدی جلدی بلیک جوگرز پہنے اور پھر ایک آخری نظر سامنے آئینے میں نظر آتے اپنے سراپے پر ڈالی۔ سیاہ لباس میں اس کا بے داغ گلابی چہرہ دمک رہا تھا۔ یہ رنگ اس پر بے حد کھلتا تھا۔ ابھی بھی ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ تیار ہونے کے بعد وہ جلدی سے ڈرائنگ روم میں آگئی جہاں مہمان جمع تھے اور سب سے ملنے ملانے میں مصروف ہوگئی۔ سب کچھ خیر خیریت سے ہو رہا تھا اور فجر کی موجودگی میں یہ خیریت ریحان سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اسے مسلسل فجر کی طرف سے ایک دھڑکا لگا ہوا تھا' وہ اس کی ہر سالگرہ کو یادگار بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور سر انجام دیتی تھی۔

اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا بظاہر وہ نارمل تھا مگر اس کی نگاہیں گاہے بگاہے فجر کی طرف اٹھ رہی تھیں جو کہ سب مہمانوں سے ملنے کے بعد اپنے کزنز یعنی ثوبان رضوی کے بچوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی۔

پھر اس نے سکون سے کیک کاٹا' سب سے تحائف وصول کیے' فجر نے بھی بڑی شرافت کے ساتھ اسے چھوٹا سا تحفہ دیا۔ وہ چھوٹا سا سلور کلر کے جیٹ طیارے کا بیج تھا' فجر اسے اتنے تاریخی تحائف دے چکی تھی کہ یہ نفیس سا تحفہ ہضم ہی نہیں ہو رہا تھا...... وہ اسے بے حد پسند آیا مگر وہ اسے ہاتھ میں لیے حیرت سے فجر کو دیکھ رہا تھا۔

''بے شک یہ بہت چھوٹا ہے...... مگر تحفے کے سائز کو نہیں اس کے پیچھے چھپے خلوص کو دیکھتے ہیں۔'' وہ بڑی متانت سے اس کی حیران نظروں کا جواب دے رہی تھی لیکن وہ اتنی آسانی سے کیسے یقین کر لیتا کہ واقعی فجر رضوی نے اپنی روش تبدیل کر لی ہے۔

''چلو ابھی یہ رکھ لو ریحان...... بعد میں میں تمہیں ایک بڑا سا تحفہ...... بلکہ بہت سارے تحائف دے دوں گی۔'' اس کا انداز پچکارنے والا تھا۔

''نہیں تھینک یو سو مچ' مجھے یہ بہت پسند آیا ہے۔ تم پلیز مجھے اور کوئی گفٹ مت دینا۔'' اس نے جلدی سے پیش بندی کی۔ فجر رضوی کا کوئی بھروسا نہ تھا نہ جانے کب وہ شرافت کا یہ چولا اتار پھینکے اور اپنی اصلیت پر اتر آئے...... ایسی صورت حال میں اس سے ایک بڑا تحفہ وصول کرنا خاصے دل گردے کا کام تھا۔

اس کے بعد بھی خیریت ہی رہی...... کھانا کھا کے وہ حسب معمول اپنے دوستوں سعد اور احمد کے ساتھ اپنے کمرے میں جانے لگا تو اس نے ایک بار پھر فجر کی طرف دیکھا' وہ سب سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔ دراصل خود اسے میک اپ اور جیولری سے اللہ واسطے کا بیر تھا مگر دوسروں کو خاص کر اپنی ہم عمر لڑکیوں کو میک اپ اور جیولری میں دیکھ کر اسے گدگدی ہونے لگتی...... سو آج بھی پہلے وہ سحر اور سویرا کو چھیڑتی رہی...... اب اس نے اپنا رخ زیبا اپنی ہم عمر پڑوس میں رہنے والی صدیقی صاحب کی بیٹی ثنا کی طرف موڑا تھا۔

''ہائے ثنا کیسی جا رہی ہے تمہاری اسٹڈیز؟'' اس نے بڑی خوشدلی سے پوچھا۔

''اچھی جا رہی ہیں۔'' وہ بے چاری پھنسی پھنسی آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ہی اس شریر لڑکی سے کتراتی تھی اب بھی وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ذبح ہونے والا بکرا قصائی کو دیکھتا ہے اور فجر یقیناً انہی نظروں کو انجوائے کر رہی تھی۔

''ہائے یہ تمہارے منہ پر کیا ہے؟'' اب اس کی توجہ ثنا کے میک اپ زدہ چہرے کی جانب مبذول ہو چکی تھی۔ اور وہ اس کے اوپر والے ہونٹ کے دائیں طرف کا جل سے مصنوعی تل کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور اس سے پہلے کہ ثنا کوئی جواب دیتی یا ردعمل ظاہر کرتی' فجر نے ٹشو پیپر

سے اس کا چہرہ صاف کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش کے دوران ثنا کی سرخ لپ اسٹک اور تل پورے دائیں گال پر پھیل چکا تھا اور وہ عجیب مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

"اوہ...... آئم سوری...... مجھے لگا کہ تمہارے فیس پر انسیکٹ ہے...... رئیلی سوری...... واش روم چلنا ہے؟" وہ اب معصومیت کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبائے ریحان دوستوں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب چل دیا اور وہ ثنا کے جذبات اس وقت بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ یقیناً ابھی اس کا دل چاہ رہا ہوگا کہ معصومیت سے سجے فجر کے خوب صورت چہرے کو وہ نوچ ڈالے مگر اتنے مہمانوں کی موجودگی میں' مسلسل سوری سوری کرتی فجر کو اسے بلاآخر زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر پھنسی پھنسی آواز میں اٹس اوکے کہنا ہی پڑا۔

دل ہی دل میں ثنا سے ہمدردی کرنے کے بعد اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ فجر نے اس پر کوئی کرم نوازی نہیں کی۔ یہ یقیناً اس دن کی زبردست ڈانٹ کا اثر تھا۔ وہ مطمئن اور شاد سا باتیں کرتا ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچا' دروازہ کھولتے ہی اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ سعد اور احمد کی آنکھوں میں بھی پہلے حیرت ابھری پھر ان کی ہنسی گونجی...... تو ریحان کا خون کھول اٹھا۔

اس کے کمرے کے بالکل سامنے والی دیوار پر جہاں پہلے اس کی قد آدم تصویر ہوا کرتی تھی اب وہاں پنک ڈریس میں ملبوس ایک خوب صورت سی باربی ڈول بڑی شان کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ لب بھینچے وہ کمرے میں داخل ہوا تو سارے کمرے کی سیٹنگ تبدیل ہو چکی تھی اور جگہ جگہ باربی کے پوسٹرز لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ بیڈ شیٹ بھی باربی کی تصویروں سے مزین تھی' نجانے یہ پنک اور اسکائی بلو کلر کی باربی والی بیڈ شیٹ لائی کہاں سے گئی تھی؟ اور بیڈ بالکل واش روم کے دروازے کے سامنے لگا ہوا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ چھوٹا اسٹاکش سا بیڈ کراؤن واش روم کے دروازے کے ساتھ جڑا تھا جہاں پہلے بیڈ ہوا کرتا تھا وہاں صوفے تھے...... اسٹڈی ٹیبل سے کتابیں اور لیمپ اٹھا دیا گیا تھا اور کشن زمین پر رکھ کر ان پر باربی ڈول والی چادر بچھا کر ایک فرشی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا اور اس نشست کی ایک طرف کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں تو دوسری طرف ٹیبل لیمپ تھا...... اور اسٹڈی ٹیبل پر بہت ساری چھوٹی چھوٹی باربی ڈولز جلوہ گر تھیں۔ اپنے کمرے کا حشر نشر دیکھ کر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا جبکہ سعد اور احمد کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے اب جناتی قہقہے لگا رہے تھے۔

"واہ کیا ذوق ہے یار ریحان تمہارا......" احمد خوب صورت باربی ڈولز سے سجی اس کی بیڈ شیٹ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"بکواس مت کرو......" وہ اسے گھورتا ہوا صوفے پر بیٹھا' شکر ہے ان کی جگہ تبدیل کرنے کے علاوہ فجر نے ان کے ساتھ کوئی اور کارستانی نہیں کی تھی۔ سعد باربی ڈول سے مزین بیڈ شیٹ والے بیڈ پر دراز ہوا' جبکہ احمد نے فرشی نشست سنبھالی۔

"کتنے لکی ہو یار ریحان تم...... کیا کمال کی کزن ملی ہے تمہیں۔ کتنی محبت سے تمہارا کمرہ سجاتی ہے۔" وہ دونوں ریحان کے بچپن کے دوست تھے اور فجر کو اچھی طرح جانتے تھے اس لیے اب طنز کر رہے تھے۔

"ہاں میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ آج اتنے اہم موقع پر فجر نے ریحان کو بخش کیسے دیا؟" یہ احمد تھا جبکہ ریحان صبر کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا' فجر نے اپنی روش نہیں بدلی تھی' بلکہ اس سے بدلہ لیا تھا' اس دن کی زبردست ڈانٹ کا۔

......O......

سعد اور احمد کو رخصت کر کے وہ دندناتا ہوا فجر کے کمرے میں داخل ہوا' مہمان بھی اس وقت تک سارے رخصت ہو چکے تھے۔ اس نے نہایت غصے سے کمرے کا دروازہ کھولا' مگر کمرہ خالی تھا۔ واش روم بھی خالی' آج اسے

بخشنے والا نہیں تھا' اس نے رانیہ کے کمرے کی جانب قدم بڑھائے۔ رانیہ اکیلی تھی اور سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

"آپی فجر کہاں ہے؟" اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"وہ تو کب کی چلی گئی آمنہ پھوپو کے ساتھ...... تمہیں کوئی کام تھا اس سے؟" رانیہ نے حیرت سے اس کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا چلی گئی؟ میرے کمرے کا اس نے حشر نشر کر دیا ہے۔" اس کا لہجہ سخت شکایتی تھا۔

"لیکن وہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ نذیراں کے ساتھ مل کر تمہارا روم ڈیکوریٹ کر رہی ہے۔" رانیہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی اور اس کے کمرے کی جانب قدم بڑھائے اور پھر وہاں جا کر وہ ہنس ہنس کر بے حال ہو گئی۔

"اف کتنی شرارتی ہے یہ فجر۔"

وہ اس دن آمنہ کے ساتھ ان کے گھر آ تو گئی تھی مگر وہاں اب اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا حیات ولا جائے اور اپنی دن بھر کی محنت کا نتیجہ دیکھے۔

"اف ریحان کی کیسی شکل بنی ہو گی اس وقت؟" سوچ سوچ کر اسے ہنسی آ رہی تھی۔

اس کا ارادہ تھا کہ وہ دس پندرہ دن ٹھہر کر حیات ولا جائے گی تاکہ تب تک ریحان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے مگر زیادہ دن صبر نہ کر سکی اور دوسرے ہی دن وہ حیات ولا میں تھی۔ وہ ریحان کے روم میں داخل ہوئی تو وہ کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔

"ہیلو ڈیئر کزن......" لبوں پہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں ڈھیروں شرارت لیے اس نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"تم پھر آ گئیں......" اسے دیکھتے ہی ریحان کی پیشانی پر بل پڑے۔

"مجھے لگا تم مجھے مس کر رہے ہو گے۔ اب تم منہ سے بھلے نہ کہو مگر تمہارے دل کا حال تو میں جانتی ہوں ناں۔" فجر کی سیاہ آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر شرارت بھری ہوئی تھی۔ اس پر نظر جمائے وہ آ کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ارے یہ کیا؟ تم نے کمرے کی سیٹنگ چینج کر لی۔ یہ بیڈ میں نے کتنی موزوں جگہ پر رکھا تھا' اب دیکھو ناں بندے کو رات میں واش روم جانا پڑے تو کیا اتنا چل کر جائے' کتنی زبردست جگہ تمہارا بیڈ تھا۔ جھٹ سے دروازہ کھولا...... چھلانگ لگائی اور واش روم کے اندر......"

پنک ڈھیلے ڈھالے کڑھائی والے کرتے' بلیو جینز اور پنک اسکارف میں ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی وہ اس کا ضبط آزما رہی تھی۔

"تمہارا اپنے گھر میں دل نہیں لگتا جو روز منہ اٹھا کر آ جاتی ہو۔" ریحان کو اس کی آمد سے واقعی کوفت ہوئی تھی تبھی تیز تیز ٹائپ کرتے ہوئے اس نے جھنجلا کر کہا۔

"ہیلو مسٹر...... یہ گھر بھی میرا ہی ہے' اگر وہ والا گھر میرے پپا کا ہے تو...... تو یہ میری مما کا گھر ہے...... زیادہ اوور ہونے کی ضرورت نہیں آئی سمجھ۔"

"اچھا بھئی' کتنے پیسے لو گی جان چھوڑنے کے؟" ریحان جی بھر کے بدمزہ ہوا تھا۔

"زیادہ نہیں...... بس ایک آئس کریم' ایک برگر ایک پزا کھلا دو...... ویسے بائی دا وے یہ تم کر کیا رہے ہو' کسی سے چیٹنگ ہو رہی ہے؟" فرمائشی لسٹ جاری کرتے ہوئے وہ تفتیشی انداز اختیار کر کے اس کے سر پر آ کر کھڑی ہو گئی۔

ریحان نے ایک بیزار کن نظر اپنے سر پر مسلط اس خوب صورت بلا پر ڈالی' پھر کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر کے والٹ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو......" وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اب ایسے اس کی جان چھوڑنے والی نہیں۔

"ہائے ریحان تم کتنے اچھے ہو۔" اس کے اتنی جلدی مان جانے پر فجر کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جلدی جلدی نشتم پشتم اس کے پیچھے چل دی۔

"تم واقعی مجھے مس کررہے تھے ناں۔" اسے چھیڑنے سے باز رہنا فجر کی فطرت کے خلاف تھا۔ اس کی گوہر افشانیوں پر ریحان کا دماغ گھوما۔ وہ یک دم اس کی طرف پلٹا۔

"منہ بند رکھو......" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ فجر نے فوراً اپنی شہادت کی انگلی اپنے لبوں پر رکھ لی۔ سیاہ آنکھوں اور گلابی چہرے پر ایک دم اس نے اتنی معصومیت اور مسکینیت طاری کرلی تھی کہ ریحان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"پوری ڈرامہ ہو تم۔" اس کی بات پر بھی وہ یونہی منہ پر انگلی رکھے خاموش کھڑی رہی۔

"اچھا اگر اب تم نے منہ سے ایک لفظ بھی نکالا تو میں تمہیں ساتھ نہیں لے کر جاؤں گا اور اگر گاڑی میں بیٹھے ہوئے جاتے ہوئے یا آتے ہوئے کہیں بھی تم بولیں میں تمہیں وہیں اسی جگہ اکیلا چھوڑ کر آجاؤں گا انڈر اسٹینڈ؟" چہرے پر ڈھیروں سنجیدگی لیے ریحان اسے سپاٹ لہجے میں تنبیہہ کی۔

فجر نے اس کی بات پر زور زور سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ آگے بڑھ گیا۔ فجر نے پھر تمام وقت اس کے حکم کی تعمیل کی اور کچھ اس طرح کی کہ ریحان کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر کہیں پر دے مارے۔

اس نے واقعی منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا مگر اشارے کر کر کے اس کے دماغ کی چٹنی بنادی تھی...... خاص کر جب وہ مارکیٹ میں سب لوگوں کے سامنے اشاروں میں اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی اور سب مڑ مڑ کر تاسف اور ہمدردی سے اسے دیکھتے تو ریحان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کردے۔ اس نے کتنی بار اسے ٹھیک سے بات کرنے کو کہا۔

"دیکھو جو کہنا ہے منہ سے کہو...... کچھ نہیں کہوں گا میں تمہیں۔" ریحان نے بے حد ضبط کر کے بہت نرم لہجے میں کہا جواباً اس نے سر زور زور سے دائیں بائیں نفی میں ہلایا۔

اس کی حرکتوں کی وجہ سے ریحان نے آئس کریم کھلانے کے بعد گاڑی گھر کی طرف موڑی تو فجر نے ہنگامہ کھڑا کردیا۔

"اوں...... اوں......" پورے زور سے کرتی وہ مسلسل ساتھ چیخ رہی تھی...... آس پاس سے گزرتی گاڑیوں اور بائیک پر سے لوگ عجیب نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مجبوراً اسے پزاہٹ کا رخ کرنا پڑا اور اس کے گاڑی موڑتے پر وہ بالکل پُرسکون ہوگئی تھی۔

O

گھر آکر ریحان نے سب کے سامنے اس کے خوب لتے لیے جبکہ فجر چپ چاپ سر جھکائے اس کی ڈانٹ سنتی رہی۔ حالانکہ چہرے پر اس وقت بھی مسکان اور آنکھوں میں شرارت تھی۔ گھر میں سب نے اس کی شرارت کو خوب انجوائے کیا۔ رانیہ کو تو ہنس ہنس کر پیٹ میں درد ہوگیا۔

"یہ تو ہماری چھوٹی سی...... پیاری سی بلبل ہے۔" رانیہ نے پیار سے فجر کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے کہا وہ تو ابھی تک فجر کو بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتی تھی۔

"آپ کے اسی لاڈ پیار کی وجہ سے یہ سر پر چڑھتی ہے۔" ریحان ان کے اس پیار کے اظہار پر ناراضگی سے کہتا ہوا واک آؤٹ کرگیا تھا۔

O

سحر اور سویرا دونوں کی شادیاں بخیر و عافیت گزر گئیں۔ ریحان کا آخری میڈیکل ٹیسٹ بھی کلیئر ہوچکا تھا اور شادیوں سے پہلے اس کا جوائننگ لیٹر بھی آگیا تھا۔ سو وہ بھی چند دنوں کے بعد رسالپور رخصت ہوگیا۔ بریگیڈیئر عدنان رضوی کی پوسٹنگ ان دنوں کوئٹہ تھی سو وہ اور آمنہ بھی چلے گئے۔ رانیہ بھی واپس کینیڈا لوٹ گئی۔ سو ساری رونقیں اور ہنگامے سرد پڑگئے تھے۔

فجر ایک بار پھر اپنی پڑھائی میں مگن تھی۔ اسے آگے میڈیکل میں جانا تھا اس لیے خوب محنت کررہی تھی مگر اکثر سخت بور ہوجاتی' ریحان تو تھا نہیں اب وہ کس کے

ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی۔ ان دنوں وہ ایگزامز کے بعد انٹری ٹیسٹ سے بھی فارغ ہو چکی تھی جب ریحان آیا تھا۔ وہ بے حد کمزور لگ رہا تھا اور رنگ بھی اس کا بہت زیادہ سیاہ ہو گیا تھا' وہ شام کو واک کر کے واپس آرہی تھی' ایک نظر میں تو وہ اسے پہچان ہی نہ سکی اور اسے پہچانتے ہی اس کے رگ و پے میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"اے مسٹر کون ہیں آپ؟ یہ کس کی اجازت سے ہمارے گھر میں گھسے چلے جارہے ہیں؟" اسے دیکھتے ہی اس کی ساری شوخیاں اور شرارتیں عود کر آئی تھی۔ چوکیدار گیٹ پر نہیں تھا اس وقت...... سو وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیسی ہو فجر؟" جواباً اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کافی نرم لہجے میں پوچھا۔

"اوئے...... تمہیں میرا نام بھی معلوم ہے؟" اس کا ارادہ ابھی اس کی ٹھیک ٹھاک درگت بنانے کا تھا کہ اچانک ہی باہر نکلتی ایمن کی نظر اس پر گئی...... وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپکیں۔

"میرا بیٹا......" اسے بانہوں میں بھر کر وہ اب اس کا ماتھا چوم رہی تھیں۔

......O......

"کالا شاہ کالا...... او میرا کالا لمبا کزن......" فجر آج کل سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے لہک لہک کر گاتی تھی۔ ریحان کی رنگت ٹریننگ کے دوران ٹھیک ٹھاک سنولا چکی تھی اور فجر اس کا خوب مذاق اڑاتی تھی۔

شروع شروع میں تو ریحان نے بھی اس کا گانا انجوائے کیا مگر فجر ہر وقت یہی لاگ الاپتی رہتی تھی سو وہ بھی چڑنے لگا اور اسے چڑانے میں فجر کو جتنا لطف آتا تھا اتنا دنیا کے کسی دوسرے کام میں نہیں آتا تھا۔ وہ جتنے دن گھر رہا ایمن نے اس کی خوب خاطریں کیں اور فجر ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی رہی۔ اس نے جی بھر کر ریحان کو زچ کیا تھا۔ جب وہ واپس جارہا تھا تو اس وقت اس کی صحت کے ساتھ ساتھ اس کی رنگت بھی کافی حد تک بحال ہو چکی تھی۔

"مما نیکسٹ ٹائم میں آؤں تو فجر کو اس کے گھر بھیج دیجیے گا۔" اس نے ایک بیزار کن نظر فجر پر ڈالتے ہوئے ایمن سے کہا۔

"اے مسٹر...... منہ دھو رکھو...... میں اپنے گھر میں ہی ہوں۔" اس نے نہایت جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر نیکسٹ ٹائم جب وہ آیا تو فجر کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو چکا تھا اور وہ اس قدر مصروف ہو چکی تھی کہ بس اسے فجر کی شکل ہی دیکھنے کو ملی۔ پھر اگلے پانچ چھ سال پلک جھپکتے گزر گئے...... ریحان پائلٹ آفیسر بن چکا تھا...... جبکہ فجر ہاؤس جاب کررہی تھی۔ رانیہ کو اللہ نے دو بے حد پیارے بچوں سے نوازا تھا' چھ ماہ کی عروہ اور دو سالہ ارسلان...... سحر کی گود میں بھی ایک سالہ دانش آچکا تھا' جبکہ سویرا بھی ایک سالہ ہانیہ کی ماں بن چکی تھی...... عدنان رضوی بھی ریٹائر ہو گئے تھے اور اب وہ اور آمنہ اسلام آباد میں ہی ثوبان رضوی کے ساتھ اپنے آبائی گھر میں رہتے تھے۔

فجر اس سارے وقت میں اپنی پڑھائی میں بے طرح مصروف رہی تھی۔ کتنے عرصے سے اسے ریحان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ہفتے کی شام تھی' ریحان ان دنوں چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا۔ فجر کتنے عرصے بعد اس ویک اینڈ میں بالکل فری تھی۔ ہفتے کا دن تو کمرے کی صفائی' الماریوں وغیرہ کو سیٹ کرتے گزر گیا تھا جب کہ اتوار کو اسے کوئی کام نہ تھا...... اس کا ارادہ ذرا ریحان سے دو دو ہاتھ کرنے کا تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ آمنہ کی کال تھی۔

"السلام علیکم مما......"

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو بیٹا؟" آمنہ کے لہجے میں شفقت تھی۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں مما...... کافی عرصے کے بعد فراغت نصیب ہوئی ہے آج کا دن تو کمرے کی صفائی میں گزر گیا...... کل ان شاء اللہ ذرا ریحان سے چھیڑ

Poora Pakistan
Raha Hai Bol
Hashmi Ispaghol
Hashmi
Ispaghol
روزانہ ہاشمی اسپغول
قدرتی فائبر کا استعمال رکھے
✓ معدے کو صاف
✓ بلڈ شوگر کا لیول برقرار
✓ کولیسٹرول کو کم اور دل کو صحت مند
✓ قبض سے دور اور نظام ہضم کو درست
Daily Lo Fit Raho
www.hashmisurma.com
HashmiSince1794
Benchmark.pk

چھاڑ کرنے کا ارادہ ہے۔" اس نے شرارتی لہجے میں انہیں اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

"بری بات بیٹا..... اب تم بچی نہیں رہیں' ریحان کے ساتھ اب شرارتیں کرنا چھوڑو اور اس کی عزت کرنا سیکھو..... وہ تمہارا ہسبینڈ ہے بیٹا' ایمن بھابی بتا رہی تھیں کہ اگلے مہینے رانیہ کینیڈا سے آ رہی ہے اس کے یہاں قیام کے دوران ہی ہمارا ارادہ تم لوگوں کی رخصتی کرنے کا ہے۔" آمنہ اسے ڈھیر ساری نصیحتیں کر رہی تھیں جبکہ اس کا دل ان کی بات پر انوکھی لے پر دھڑک اٹھا تھا۔

فون بند کرنے کے بعد وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ بلیک جینز' نیوی بلیو لانگ شرٹ اور شانوں پر بکھرے نیوی بلیو دوپٹے میں سیاہ سلکی' دراز بالوں کے ساتھ وہ آج بھی اتنی ہی دلکش تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں اس وقت بے تحاشا چمک تھی جبکہ خوب صورت گلابی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ چھم سے اس کے تصور میں ریحان آیا جو پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم اور سوبر ہو گیا تھا..... اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ تب ہی دروازہ ہلکی سی دستک کے بعد کھلا اور ریحان دروازے سے اندر داخل ہوا۔

"ہیلو..... کیا ہو رہا ہے؟" اس کا لہجہ بے حد فریش تھا۔

بلیو جینز اور وائٹ لائننگ والی شرٹ میں ملبوس' فوجی کٹ ہیئر اسٹائل' مضبوط جسم کے ساتھ وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔

"کچھ نہیں آؤ بیٹھو....." فجر نے بھی اسے مسکراتے ہوئے آفر کی۔

"کیسی جا رہی ہے تمہاری ہاؤس جاب؟" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

فجر نے نوٹ کیا' اس کی شخصیت میں بے حد گریس اور ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ بھاری آواز کے ساتھ ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کے بات کرنے کا اسٹائل بے حد دلکش ہو گیا تھا۔

"اچھی جا رہی ہے..... تم سناؤ تمہاری جاب جا رہی ہے۔ تمہارا شمار تو خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے' جو اپنا جنون پا لیتے ہیں۔" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے فجر کے لہجے میں ستائش تھی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... میں واقعی بہت لکی ہوں' میں نے آج تک جو چاہا وہ پایا بھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے ریحان کی آنکھوں اور چہرے پر بے حد چمک تھی۔

"ویسے میں اس وقت تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" وہ گہری ہوتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہاں کہو۔" فجر ہمہ تن گوش ہوئی۔

"ویسے تم کچھ زیادہ نہیں سدھر گئیں؟" اس نے آنکھوں میں شرارت لیے پوچھا۔

"جی نہیں..... تم کچھ زیادہ خوش فہم ہو گئے ہو۔ میں وہی فجر ہوں جو تمہیں دس منٹ کے اندر اتنا زچ کر سکتی ہوں کہ تم اپنا سر کسی دیوار سے دے مارنے کی خواہش کرنے لگو۔" اس نے شوخی سے کہا۔ اور اس بات پر ریحان نے بے ساختہ ایک قہقہہ لگایا۔

"ہاں..... ویسے اب میں ماضی کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے خاصا افسوس ہوتا ہے..... تمہاری شرارتوں پر زچ ہونے کے بجائے میں انہیں ٹھیک ٹھاک انجوائے بھی کر سکتا تھا..... خیر وہ تمہارے اچانک حملوں کی وجہ سے مجھے جو ہر وقت الرٹ رہنے کی عادت ہوگئی تھی' وہ میری پروفیشنل لائف کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئی۔" ریحان نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"خیر میں نے تو ہمیشہ تم سے دوستی کرنے کی کوشش کی..... مگر یہ تم ہی تھے جو مجھ سے بے حد چڑتے تھے۔" فجر نے شکوہ کیا۔

"ہاں یہ تو ہے..... لیکن اس کے باوجود آج جب میں نے اپنی زندگی کی سب سے اہم بات کسی سے شیئر کرنی چاہی تو مجھے تمہارا خیال آ گیا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو کہو نا..... کیا بات شیئر کرنی ہے؟" فجر نے بے چینی سے پوچھا۔

''فجر یار میں نے...... وہ...... دراصل شادی کر لی ہے۔'' وہ یک لخت سنجیدہ ہوا اور فجر کو ایک دم محسوس ہوا جیسے وہ خلا میں معلق ہو گئی ہو۔

''یہ نہایت فضول مذاق ہے ریحان۔'' فجر کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''نہیں فجر یہ مذاق نہیں بلکہ مذاق تو ہمارے والدین نے ہمارے ساتھ کیا تھا...... جنہوں نے یہ جاننے کے باوجود کہ ہم دونوں کا مزاج ایک دوسرے سے بالکل الگ ہے، ہمیں ایک بندھن میں باندھ دیا تھا۔'' وہ پُریقین لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہہ رہا تھا اور فجر یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''کب کی تم نے شادی؟'' کافی دیر کے بعد فجر نے پوچھا تو اس کا چہرہ سپاٹ اور آواز بے تاثر تھی۔

''ایک سال پہلے۔'' وہ بھی مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔

''کون ہے وہ؟'' فجر کو لگا کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

''وہ سعد کی کزن ہے...... اس کی دور کی پھوپی کی بیٹی، وہ لوگ جہلم میں رہتے ہیں، میں پہلی بار ان کے گھر سعد کے ساتھ تب گیا جب اس کے فادر کی ڈیتھ ہوئی تھی، تب میں نے اسے دیکھا تھا...... وہ تب بہت رو رہی تھی، معصوم سی وہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگی، پھر اس کے بعد اتفاق سے ہی میری اس کے ساتھ چند ملاقاتیں ہوئیں، پھر ایک سال بعد اس کی مدر کی بھی ڈیتھ ہو گئی...... اکلوتی ہونے کی وجہ سے بالکل اکیلی ہو گئی...... تب...... تب میں نے اس سے شادی کر لی۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں فجر...... ان کے پاس جا کر بے حد سکون ملتا ہے۔'' وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا اور فجر کا دل کسی پاتال میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

''کیا اس لڑکی کو ہمارے نکاح کا علم ہے۔'' فجر کا انداز اور چہرہ سپاٹ تھا۔

''نہیں...... دراصل نیہا بے حد حساس ہے، اگر میں اسے یہ بات بتاتا تو اسے بے حد دکھ ہوتا...... ویسے بھی اس بندھن نے تو ٹوٹ ہی جانا ہے...... میں نے سوچا کہ جب یہ بندھن ٹوٹ جائے گا تب میں اسے بتا دوں گا۔'' اس لڑکی کے بارے میں بات کرتے ہوئے ریحان کا لہجہ محبتوں سے چور تھا اور یہ لہجہ فجر نے پہلی بار محسوس کیا تھا۔

''وہ بہت حساس ہے...... اور میں تو پتھر ہوں ناں ریحان حسن۔'' اس نے بہت دکھ سے سوچا مگر کہا نہیں۔

''تم اب مجھ سے کیا چاہتے ہو...... جب تم نکاح توڑنے کی بات کرو تو میں تمہیں سپورٹ کروں؟'' ایک گہری سانس لے کر اب وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں ظاہر ہے تمہاری سپورٹ تو مجھے چاہیے ہوگی...... مگر تھوڑے عرصے کے بعد...... فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری کزن کے طور پر نیہا سے مل لو...... دراصل وہ پریگنیٹ ہے اور میری فیملی کی سپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات وہ بہت عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہے۔'' اب وہ بہت دوستانہ لہجے میں اپنے مسائل اس کے ساتھ شیئر کر رہا تھا۔

''تو میں کب ملوں اس سے؟'' اس نے خود کو اب کافی حد تک نارمل کر لیا تھا۔

''جتنی جلدی ممکن ہو...... اگر تم کل فری ہو تو ہم کل ہی جہلم چلتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔

''ٹھیک ہے میں کل فری ہوں۔'' اس نے حامی بھر لی۔

''تھینک یو فجر...... مجھے تم سے یہی امید تھی...... مجھے یقین ہے آج کے بعد ہم بہت اچھے دوست ہوں گے۔'' وہ مسکرا کر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا...... اب میں چلتا ہوں، میں ذرا جا کر نیہا کو بتا دوں کہ کل ہم لوگ آ رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس کے کمرے کے ساتھ اس کی زندگی سے بھی نکل گیا تھا۔

***

جب تک ریحان اس کے کمرے میں تھا اس نے خود کو کمپوز رکھا تھا مگر اس کے جاتے ہی فجر کے اندر طوفان اٹھنے لگے...... اس کے دل و دماغ میں جھکڑ چلنے لگے......

اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے ایک دم بہت بلندی پر لے جا کر پاتال میں پٹخ دیا گیا ہو...... اور یہی تو ہوا تھا۔ آمنہ کی بات سن کر وہ فضاؤں میں اڑنے لگی تھی اور ریحان نے آ کر منٹوں میں اسے پاتال میں پٹخ دیا تھا۔

"یہ کیا...... کیا ریحان تم نے...... ابھی تو میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپی تمہاری بے پناہ محبت کو فقط محسوس کرنا شروع ہی کیا تھا اور تم نے مجھ سے یہ محسوس کرنے کا حق بھی چھین لیا۔" اس کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔

اسے بے حد تکلیف' بے حد دکھ محسوس ہو رہا تھا' اس کا ایک دم دل چاہا کہ وہ ساری احتیاط' ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر حسب عادت ایک طوفان' ایک ہنگامہ کھڑا کر دے' سب کچھ تہس نہس کر دے۔

"مجھے خوشی نہیں ملتی تو کوئی خوش نہیں رہ سکے گا۔" اس کے دماغ میں شدید انتقامی سوچیں ابھرنے لگیں۔

"لیکن اس سب سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا فجر رضوی؟" وہ ایک دم بے حد شکست خوردہ ہوگئی تھی۔ "ذرا اس کہانی میں اپنا رول تو دیکھو بالکل غیر جانبدار ہو کر۔"

"ایک خوب صورت شہزادہ...... جسے ایک غریب اور دکھی اور مظلوم سی لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے...... اور وہ بہادر' رحم دل اور سلجھا ہوا شہزادہ اس لڑکی کے تمام دکھوں کا خاتمہ کر کے اس سے شادی کر لیتا ہے...... اب وہ اسے ساری دنیا کی خوشیاں دینا چاہتا ہے کہ...... بیچ میں ایک خوب صورت' دولت مند' شرارتی' بدتمیز' بگڑی ہوئی لڑکی آ جاتی ہے' جس سے شہزادے کو بالکل بھی محبت نہیں ہوتی...... تو اس لڑکی کا کیا کردار بھلا اس سارے قصے میں...... ایک ولن کا نا؟"

"اور اگر تم کوئی طوفان یا ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہو...... ظاہر ہے پورا خاندان تمہارا ساتھ دے گا...... ہو سکتا ہے ریحان کے والدین اسے جذباتی طور پر بلیک میل کر کے اسے اس اجنبی لڑکی سے چھین کر تمہاری جھولی میں ڈال بھی دیں...... تو کیا ریحان کبھی تم سے محبت کر سکے گا......

محبت تو دور کی بات ہے کیا وہ تمہاری عزت بھی کر سکے گا کہ نہیں؟" ان سوالوں کے جوابات بہت تلخ تھے۔

"تو پھر مان جاؤ فجر رضوی کہ تمہیں مات ہو چکی ہے...... اور یہ مات کبھی جیت میں نہیں بدل سکتی۔" آئینے کے سامنے لٹے پٹے انداز میں کھڑی وہ خود کو باور کرا رہی تھی۔

"تو کیا تم اب اپنی شکست کا اپنی ٹوٹ پھوٹ کا ساری دنیا کے سامنے اشتہار لگاؤ گی؟ اس سے تمہیں کیا ملے گا...... ترس یا پھر تضحیک یا پھر توہین کا احساس؟ اور کیا تم جیسی بے حد خوبیوں کی مالک لڑکی اس احساس کے ساتھ جی پائے گی؟ نہیں قطعاً نہیں بے حد خوب صورت' بے تحاشا ذہین ڈاکٹر فجر رضوی ان احساسات کے ساتھ نہیں جی سکتی...... تو پھر خاموشی سے ریحان سے دستبردار ہو جاؤ...... اسے اس لڑکی کے حوالے کر دو' جس کا وہ ہو چکا...... دل ٹوٹ چکا اور ٹوٹے ہوئے دل جڑا نہیں کرتے...... ہاں بھرم ابھی قائم ہے اور اسے قائم رہنے دو ڈاکٹر فجر رضوی...... اسے قائم رہنے دو۔" یہ فیصلہ کرتے ہوئے وہ درد کی نجانے کون سی سرحد سے گزر آئی تھی۔

اس نے ایک آنسو بھی نہیں بہایا مگر اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ اسے خود آج اندازہ ہوا تھا کہ وہ ریحان سے کس قدر محبت کرتی ہے...... وہ اس کا کزن تھا' وہ دونوں ایک ساتھ پلے بڑے ہوئے تھے...... اور اسے اس بات کا بھی ہمیشہ سے علم تھا کہ ریحان صرف اور صرف اسی کا ہے...... اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ریحان اس کو چھوڑ بھی سکتا ہے...... اس کی تمام تر بے زاری کے باوجود بھلا کیا کمی تھی اس میں؟ وہ تو حد سے زیادہ خود اعتماد تھی۔ مگر آج...... آج اس کا اعتماد ٹوٹ گیا تھا۔ نجانے انہی پر اذیت سوچوں میں کتنا وقت گزر گیا...... دروازے پر دستک ہوئی تو وہ دروازے کی جانب پیٹھ کر کے کھڑی ہوگئی۔

"فجر بی بی کھانا لگ چکا ہے...... آ جائیں نیچے۔" ملازمہ کھانا لگنے کی اطلاع دے رہی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں۔" ملازمہ اس کی بھاری آواز پر توجہ دیئے بغیر پلٹ گئی اور وہ تمام لائٹس آف کر کے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔

وہ رات اس کے لیے قیامت کی رات تھی...... اس نے زندگی میں پہلی بار کچھ کھویا تھا...... اور وہ کھونے کے بعد یوں لگا تھا جیسے اب باقی کچھ بچا ہی نہیں۔

......O......

گاڑی اسلام آباد کی حدود سے باہر نکل آئی تھی...... اور اس کے اندر دو افراد کی موجودگی کے باوجود مکمل خاموشی تھی۔

بلیو جینز' بلیک کلر کی پلین لانگ شرٹ اور بلیک دوپٹہ سلیقے سے شانوں پر لیے...... فجر آج کچھ پژمردہ لگ رہی تھی...... اس کی آنکھوں میں گلابی پن کے ساتھ ساتھ خالی پن بھی تھا...... گلابی ہونٹ کاٹتی وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی...... اس کی زندگی میں اس وقت صرف ایک ہی خواہش تھی اور وہ یہ کہ ریحان اچانک سے کہہ دے۔

"یار میں نے تو مذاق کیا تھا...... تم کیا سمجھتی ہو یہ کام صرف تم ہی کر سکتی ہو؟" اور پھر وہ اس کے بے وقوف بننے پر خوب ہنسے۔

اس نے انکھیوں سے وائٹ شلوار قمیص میں ملبوس ڈرائیو کرتے ریحان کی طرف دیکھا...... اس کے چہرے پر مکمل اطمینان...... سنجیدگی تھی...... کسی مذاق کی دور تک کوئی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی۔

"ریحان......" وہ اس کے چہرے پر بکھرے اطمینان سے جیلس ہونے لگی تھی تبھی اسے مخاطب کیا۔

"ہوں......" وہ بے ساختہ چونکا۔

"ریحان کیا نیہا بہت خوب صورت ہے؟" اسے خود نہیں پتہ چلا یہ سوال اس کی زبان پر کیسے آ گیا؟ اس کی آواز میں عجیب سی خود ترسی کی کیفیت تھی جو کہ ریحان نے بالکل بھی نہیں نوٹ کی...... تب ہی تو اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"پتہ ہے جب ہماری شادی ہوئی تھی ناں...... تو نیہا کی ایک دوست نے مجھے کہا تھا...... ریحان بھائی' نیہا بہت اچھی ہے...... اس کی خاطر اگر آپ تارے بھی توڑ کر لائیں تو وہ بھی کم ہے؟ تب پتہ ہے میں نے کیا کہا تھا؟" وہ اب دلکشی سے مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہا تھا؟" اس نے بہت بے چینی سے پوچھا۔

"میں نے یہ شعر پڑھا تھا۔

ستارے توڑ کر لانے کی کیا ضرورت ہے؟
دوڑ کر آئیں وہ اتنا دلکش ہے"

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بہت جذب سے شعر پڑھتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تو تم اس کے عشق میں شاعر بھی ہو گئے۔" اس کے ہونٹوں پر یہ کہتے ہوئے ایک شکست خوردہ مسکراہٹ تھی...... اب کہ ریحان نے اس کے لہجے کا پھیکا پن محسوس کیا تھا۔

"میں تو پتہ نہیں کیا کیا ہو گیا ہوں...... تمہاری طبیعت مجھے زیادہ خراب ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے...... ایک تو تمہیں یہ فلو بھی بے وقت ہونا تھا۔" وہ اپنائیت اور بے تکلفی سے بولا۔

دراصل صبح جب سب نے اس کی آنکھوں کی سرخی اور چہرے کے پھیکے پن کی وجہ پوچھی تو اس نے فلو کا بہانہ بنایا...... ریحان اسے گھر میں سب کو یہ کہہ کر لایا تھا کہ وہ اسے اپنے فرینڈ اور اس کی مسز سے ملوانے لے جا رہا ہے بھلا وہاں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"تم میرے بے وقت فلو کی فکر مت کرو...... میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے اپنا خیال اچھی طرح رکھنا آتا ہے۔" اس نے ہونٹوں پر ایک زبردستی کی مسکراہٹ کھینچ لاتے ہوئے کہا اور ریحان مطمئن بھی ہو گیا۔

اس کی مسکراہٹ میں اب سوگواریت کا رنگ بھرنے لگا تھا۔

......O......

گاڑی تنگ گلیوں سے گزرتی ہوئی...... بلیک کلر کے

گیٹ والے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے جاکر کھڑی ہوئی تھی...... پہلے ریحان اترا پھر فجر، ریحان نے کال بیل کا بٹن دبایا...... اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز آئی...... پھر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

"کون؟" یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔

"نیہا میں ہوں...... ریحان۔" ریحان کے لہجے میں بے قراری تھی۔ فجر کی آخری آس بھی چھن سے ٹوٹ گئی...... "تو یہ مذاق نہیں واقعی حقیقت ہے۔" اس نے اپنے اندر صحیح معنوں میں خالی پن اترتا ہوا محسوس کیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہیں کھڑے کھڑے چیخ چیخ کر رونا شروع کردے۔ ہونٹ سختی سے بھینچتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا۔

دروازہ کھلا...... وہ لڑکی دروازے کے اوٹ میں تھی...... پہلے ریحان اندر داخل ہوا پھر فجر...... ان کے اندر آتے ہی نیہا نے دروازہ بند کیا۔ اب اس کی ان دونوں کی طرف پیٹھ تھی، جو چھوٹے سے صاف ستھرے صحن میں کھڑے تھے۔ ریڈ اینڈ وائٹ کلر کے لان کے سوٹ میں، ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے سر پر رکھے وہ ایک درمیانے قد کی اسمارٹ سی لڑکی تھی۔ تب ہی اس نے دروازہ بند کرکے رخ موڑا۔

ریحان کی نظریں بے قراری سے اس کے چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ جبکہ فجر گلابی ڈوروں والی سیاہ آنکھوں کے ساتھ بے حد حیرت سے اس لڑکی کی جانب دیکھ رہی تھی...... جب کہ وہ لڑکی آنکھوں میں نہایت اشتیاق لیے فجر کو تک رہی تھی۔

"فجر میٹ مائی وائف...... مسز نیہا ریحان...... اور نیہا یہ میری بہت شریر سی کزن ہے...... ڈاکٹر فجر رضوی۔" ریحان اب اس لڑکی کے پہلو میں کھڑا اس کے شانوں پر اپنا بازو پھیلائے رسماً تعارف کروا رہا تھا۔

"یہ تو...... یہ تو...... بہت پیاری ہیں۔" نیہا کے انداز میں بچوں جیسی معصومیت اور اشتیاق تھا۔ اس نے یقیناً اپنی ساری زندگی میں اتنی خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی تھی...... چینی گڑیا جیسی۔ جسے ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگے کہ کہیں میلی نہ ہوجائے۔

"یہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہیں...... ان کے ساتھ رہو تو ان کے جوہر کھلتے ہیں۔" ریحان اس کے پہلو میں کھڑا بے حد خوش تھا...... اب بھی اس کی آواز میں چہک تھی۔ فجر نے ایک بار پھر زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی۔

"تم بھی بہت پیاری ہو۔" اس نے آہستگی سے اس لڑکی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

سانولی سلونی رنگت اور عام سے نقوش کے باوجود وہ بہت خاص لگ رہی تھی...... فجر جان نہیں پائی کہ کیا چیز اسے اتنا خاص بنارہی تھی، ریحان اور نیہا کے چہروں پہ جو چیز اس وقت کامن نظر آرہی تھی وہ ایک مکمل اطمینان اور سب کچھ پالینے کی چمک تھی...... اور فجر کا چہرہ انہی دو چیزوں سے محروم تھا۔

"شکریہ۔" اس کی تعریف پر خاص نظر آنے والی وہ عام سی لڑکی بہت اعتماد کے ساتھ مسکرادی...... اور یہ اعتماد ریحان حسن کا بخشا ہوا تھا۔

"آیئے ناں اندر آکر بیٹھیے......" وہ انہیں لیے ایک چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں آگئی، جہاں سامان تو سارا عام تھا مگر سلیقے سے سجا ہوا اور صاف ستھرا تھا۔ وہ باہر نکلی تو ریحان اس سے مخاطب ہوا۔

"فجر نیہا پیاری ہے ناں؟" ریحان بہت اشتیاق کے ساتھ پُر یقین لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں وہ بہت خوب صورت ہے...... اور بہت خوش قسمت بھی۔" فجر نے بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس کی تعریف کی تو ریحان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ایک فاتح کی سی مسکراہٹ۔ تھوڑی دیر بعد نیہا ایک ٹرے میں مختلف لوزمات لیے چلی آئی۔

"نیہا پھوپو کہاں ہیں؟" وہ ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ کر ریحان کے برابر صوفے پر بیٹھی تو ریحان نے پوچھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی ایک بار پھر کال بیل

گونج اٹھی۔

''آ گئی پھوپو...... وہ پڑوس میں صفیہ خالہ کی عیادت کرنے گئی تھیں۔'' نیہا کہتے ہوئے تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی۔

''پھوپو ریحان آئے ہیں...... اور ساتھ اپنی کزن کو بھی لائے ہیں۔'' وہ بہت جوش و خروش سے بتاتی ہوئی ڈرائنگ روم کی جانب آ رہی تھی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو اس کے ساتھ اسکائی بلو کلر کے لان کے لباس اور بڑی سی سفید چادر اوڑھے ایک ادھیڑ عمر کی خاتون تھی...... ان کے چہرے پر عجیب سی ملاحت اور نور بکھرا ہوا تھا...... فجر نے اتنی پُرکشش شخصیت شاید زندگی میں پہلے نہیں دیکھی تھی...... تب ہی جیسے ہی ریحان ان کے احترام میں کھڑا ہوا تو وہ بھی خود بخود کھڑی ہو گئی۔

''السلام علیکم آنٹی......'' ریحان کے لہجے میں بے حد احترام تھا۔

''وعلیکم السلام بیٹا...... اللہ تمہیں ایمان اور اپنے پسندیدہ اعمال کے ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے...... بیٹھو......'' پھر بہت شفقت بھرے لہجے میں انہوں نے ریحان کو کہا اور اب وہ فجر کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کیسی ہو بیٹا تم...... خیریت سے ہو ناں؟'' بہت محبت بھرے میٹھے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے فجر کو گلے لگایا...... اور پھر نجانے فجر کو کیا ہوا تھا؟ وہ ایک دم بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... اس کے یوں اچانک رونے پر ریحان اور نیہا دونوں ہی بوکھلا گئے تھے...... جبکہ پھوپو بہت پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے...... فجر تمہیں...... تم ٹھیک تو ہو؟'' ریحان کے لہجے میں پریشانی تھی...... وہ ایک دم ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی تھی۔ ان خاتون سے الگ ہوتے ہوئے فجر نے تیزی کے ساتھ اپنے رخسار صاف کیے اسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ایک دم اسے کیا ہوا تھا؟

''وہ دراصل میری طبیعت خراب تھی تو......'' اس نے بری طرح بوکھلا کر وضاحت دی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا...... رونا بری بات نہیں...... اگر آپ کی آنکھوں میں آنسو آتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کا دل بنجر نہیں ہوا۔'' وہ بہت شفیق لہجے میں کہہ رہی تھیں' ان کی بات پر ریحان کی پریشانی ختم ہوئی تو فجر بھی پُرسکون محسوس کرنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد نیہا وہاں سے اٹھ کر گئی تو ریحان بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔ فجر نے نہایت ضبط سے ریحان کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اٹھ کر اس عام سی لڑکی پر چلانا شروع کر دے۔

''یہ شخص جس پر تم اتنا حق جتا رہی ہو یہ صرف اور صرف میرا ہے' میں نے دنیا میں آنکھ کھولی تو اس شخص کو میرے نام سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ میں نے ہوش سنبھالا تو اس شخص کو ہمیشہ کے لیے مجھے دے دیا گیا تھا۔ تم کون ہوتی ہو میری محبت' میرے حق پر ڈاکہ مارنے والی؟''

مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی' بے بسی کے احساس کے ساتھ اپنے آنسو پیچھے دھکیلتی رہی' اس دوران پھوپو کی نظریں اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ فجر نے ان کی طرف دیکھا تو بہت ملائمت کے ساتھ مسکرا دیں۔

''ادھر آؤ...... یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو......'' انہوں نے اتنی محبت سے کہا کہ فجر فوراً سنگل صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھی۔ بہت محبت سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے میٹھی پھوار جیسی آواز میں کہنا شروع کیا۔

''میرے شوہر مجھ سے بہت محبت کرتے تھے...... مگر جب شادی کے پانچ سال بعد بھی اولاد نہ ہوئی تو میری ساس سسر نے میرے شوہر پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ دوسری شادی کر لیں...... حالانکہ میرے شوہر نے صاف انکار کر دیا مگر میں بے حد خوف زدہ ہو گئی...... شوہر کے انکار کے باوجود ساس سسر کا مطالبہ زور پکڑتا گیا کیونکہ میرے شوہر ان کی اکلوتی اولاد تھے...... خیر پورے پانچ سال اور گزر گئے' میری گود خالی رہی...... ساس سسر کا

مطالبہ زور پکڑتا گیا اور بالآخر میرے شوہر کی دوسری شادی کردی گئی...... دوسری شادی کے بعد بھی میرے شوہر مجھ سے ہی محبت کے دعویدار رہے...... وہ مجھے زیادہ وقت زیادہ توجہ دیتے مگر اس وقت تک جب تک ان کی اولاد نہیں ہوئی تھی...... اولاد ہوتے ہی دوسری عورت کا پلڑا بھاری ہوگیا اور میں کہیں پس منظر میں چلی گئی...... یہ پس منظر میں جانا اور خاص کرکے اس منظر سے جس کا حصہ آپ کے پیارے ہوں نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے...... یوں لگتا ہے جیسے دل پر کوئی بھاری سل رکھ دی گئی ہو...... سینے میں کچھ دھیمے دھیمے سلگتا ہوا محسوس ہوتا ہے...... آنکھیں بات بے بات چھلکنے کو تیار ہوتی ہیں...... دنیا کی ہر چیز سے رنگینی ختم ہوجاتی ہے۔" وہ کھوئی کھوئی پتہ نہیں اپنی یا پھر فجر کی کیفیت بیان کررہی تھیں مگر بے آواز آنسوؤں سے فجر کے گلابی گال تر تھے...... اس کی آنکھیں لال انگارہ ہوچلی تھیں۔

"بہت مشکل ہوتا ہے بہت مشکل...... شوہر کا بٹوارہ...... ایک عورت کے لیے سب سے بڑا دکھ...... سب سے بڑی آزمائش......" ان کی آواز بھیگ گئی۔

"آپ کی سوکن اور شوہر کیا اب بھی آپ کے ساتھ رہتے ہیں؟" فجر نے بہت آہستگی سے پوچھا۔

"شوہر کا بٹوارہ ہر عورت کے لیے مشکل ہوتا ہے...... بڑی آزمائش ہوتی ہے تو وہ نیک بخت بھلا کیوں خود کو آزمائش میں ڈالے رکھتی...... دو بیٹوں کی پیدائش کے بعد شوہر کو لے کر الگ ہوگئی۔"

"اور آپ؟"

"میں آزمائش کی بھٹی میں تپ کر کندن ہوگئی...... ساس سسر بوڑھے تھے ان کی جی جان سے خدمت کی...... ان کی وفات ہوئی تو نیہا آگئی...... اس کے والدین کی بھی وفات ہوگئی تھی ناں...... یہ میرے کزن کی بیٹی ہے۔" وہ اب دھیمے لہجے میں بتارہی تھیں۔

ان کی آواز و انداز میں نجانے کیا تھا؟ فجر کو اپنے اندر سکون اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے بختی سے اپنی ہتھیلی سے رخسار رگڑ کر صاف کیے۔

"آپ بہت بہادر خاتون ہیں آنٹی۔"

"بہادری کہاں کی بیٹی...... جب سر پہ پڑتی ہے تو انسان سب کچھ سہنا سیکھ جاتا ہے۔" وہ افسردگی سے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں اس چیز سے فرق پڑتا ہے کہ انسان کس انداز میں سہتا ہے شکر کرکے یا شکوہ کرکے...... یہ انداز ہی فیصلہ کرتا ہے کہ انسان نے آزمائش کی بھٹی سے نکل کر راکھ بن کر فضاؤں میں بکھر جانا ہے یا پھر کندن بن جانا ہے۔" ان کی آواز میں بلا کا ٹھہراؤ اور سکون تھا۔

"اور آپ کندن ہوگئیں۔" فجر کا لہجہ ستائشی تھا۔

"ہاں جیسے تم کندن ہوجاؤ گی...... بیٹا وفا باقی رہ جانے والی چیز ہے جبکہ انسان فانی ہے فنا ہونے والا...... فنا ہوجانے والی شے سے باقی رہ جانے والی شے کی توقع تو بے وقوفی ہی ہے ناں...... محبت اور وفا جیسی لافانی چیزوں کی توقع بھی فانی انسان کے بجائے لافانی اللہ سے کرکے دیکھنا...... دیکھنا تو سہی وہ کیسے لاج رکھتا ہے...... کیسے نبھاتا ہے...... کیسے سہارا دیتا ہے......" ان کی باتیں اس کے تھکے ہوئے اعصاب پر ٹھنڈی پھوار کی طرح پڑ رہی تھیں اس نے آنکھیں موند کر ان کے کندھے پر سر رکھ لیا تو انہوں نے بھی اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"جب میرے شوہر اپنی دوسری بیوی کے ساتھ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے تو مجھے لگتا تھا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں بچا...... اب سوچتی ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ تب ہی تو میں نے سب کچھ پایا تھا...... اس سے پہلے کی عمر تو اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے گزاری ہے بس۔" وہ اب آہستہ آہستہ اس کا سر سہلارہی تھیں۔

"جب میرے شوہر مجھ سے منہ موڑ کر اپنی دوسری بیوی کے ساتھ گئے، جب مجھے لوگوں کے طنز اور ترس بھری نظروں کا سامنا کرنا پڑا...... جب میں نے دنیا کی پونجی لٹادی تو میرے اندر سے "میں" نکل گئی۔ میری انا بھربھری دیوار کی مانند ڈھے گئی...... اور ویسا تنے سالوں میں اپنے

شوہر کی محبت میں، میں مکمل طور پر ان کے سانچے میں ڈھل چکی تھی جب انہوں نے مجھ سے منہ موڑا تو میں نے اصل حالت میں واپس آنا چاہا...... میں نے پہلے جیسا ہونا چاہا مگر میں تو اتنے سالوں میں اپنا اصل بھول چکی تھی، میری عادتیں، میرے نظریات، میرے سوچنے کا انداز سب تبدیل ہو چکا تھا، میں پہلے جیسی ہو نہیں سکتی تھی، جیسی تھی ویسی رہ نہیں سکتی تھی...... وہ ایسا وقت تھا جب میں، میں نہ رہی، میں کچھ بھی نہ رہی...... میرے کچھ نظریات تھے نہ خیالات، پسند ناپسند...... سو میں نے بالکل غیر جانبدار ہو کر چیزوں کو دیکھنا...... چیزوں کو پرکھنا شروع کیا، تب مجھ پر سب سے بڑی حقیقت وا ہوئی...... اور سب سے بڑی حقیقت کیا ہے بھلا؟...... اللہ...... میرا اللہ، میرا اللہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔"

اس کے بالوں میں ہاتھ چلاتی، ٹھہرے ہوئے ٹھنڈے میٹھے لہجے میں کہتی وہ دھیرے سے مسکرا رہی تھیں۔ ان کے لہجے میں اس قدر نرمی، اس قدر چاشنی تھی کہ ان کا ہر لفظ سیدھا دل میں اتر رہا تھا۔ وہ نجانے کتنی دیر بولتی رہیں اور فجر سانس روکے ان کو سنتی رہی...... ریحان کافی دیر کے بعد واپس آیا اور فجر کو بغور پھوپو کو سنتے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"واؤ...... تمہیں دوسروں کی بات سننا بھی آتا ہے...... پتہ ہے پھوپو یہ اس سے پہلے ہمیشہ اپنی سنواتی، اپنی منواتی رہی ہے۔" وہ شوخ لہجے میں کہتے ہوئے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک تھی۔

"یہ زندگی ہے بیٹا...... یہ سب کچھ منواتی بھی ہے اور سنواتی بھی ہے۔" پھوپو نے جواب دیا ان کا لہجہ پُرسکون تھا جبکہ فجر کے چہرے پر ایک زخمی سی مسکراہٹ تھی۔

"جی پھوپو...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" ریحان نے ان کی تائید کی۔

"اور تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" اس نے فجر سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ "ہم کب تک واپس چلیں گے؟" فجر نے کچھ دیر ٹھہر کر پوچھا۔ اس سے پہلے کہ ریحان کوئی جواب دیتا، نیہا اندر داخل ہوئی۔

"لنچ سے پہلے تو میں آپ لوگوں کو نہیں جانے دوں گی۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے اعلان کیا...... اس کے لہجے میں ایک استحقاق تھا...... ریحان نے مسکرا کر اس کی تائید کی...... فجر کو اپنا دل ایک بار پھر پاتال میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

لنچ سارا کا سارا نیہا نے خود تیار کیا تھا جو کہ بے حد شاندار تھا...... پھر جب وہ لوگ رخصت ہونے لگے تو ریحان نے نیہا اور پھوپو دونوں کو اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی...... اس کے لہجے میں بے حد محبت اور فکر مندی تھی۔

***

یک طرفہ اور ادھوری محبت کا دکھ زندگی کو کتنا بوجھل کر دیتا ہے؟ یہ کوئی فجر رضوی سے پوچھتا...... زندگی میں ایک دم ایک جامد خاموشی، سناٹا اتر آیا تھا۔ بات بے بات قہقہے لگانے والی اس لڑکی کے لب مسکرانا بھول گئے تھے۔ آنکھوں میں ایک اداسی، ایک ویرانی نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ ہر چیز سے دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ زندگی سے جیسے رنگینی ختم ہو چکی تھی...... ہر شے بے رنگ بے مصرف محسوس ہوتی۔

"فجر آخر تمہیں ہو کیا گیا؟" اس کی کولیگ سعدیہ نے چیخ کر اس سے پوچھا۔ وہ اسے اپنے فیانسی کا کوئی قصہ سنا رہی تھی اور وہ سپاٹ چہرہ لیے خلا میں گھور رہی تھی۔ اس کے چیخنے پر وہ ایک دم خیالوں کی دنیا سے حقیقت میں آئی۔

"مجھے کیوں...... مجھے کیا ہونا ہے؟" اس کی سیاہ آنکھوں میں اتنی وحشت تھی کہ سعدیہ خود دہل گئی تھی۔

اور پھر جب وہ چھٹی کے دن گھر میں ہوتی تھی...... تو اس کی خاموشی ایمن کو حیران کر دیتی...... اس دن بھی وہ صبح ناشتے کے بعد اخبار لے کر بیٹھی تو پورا گھنٹہ اخبار ایک ہی زاویے سے پکڑے بالکل ساکت بیٹھی رہی...... ایمن

کافی دیر اسے نوٹ کرتی رہیں..... وہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی..... جبکہ ایمن کا کسی نہ کسی کام کے سلسلے میں مسلسل لاؤنج میں گزر ہو رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے جا کے اس کے ہاتھ سے اخبار کھینچا..... اور پھر وہ خود ہی ششدر رہ گئی تھیں..... اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں، جبکہ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"فجر.....!" انہوں نے بے یقینی سے ہر وقت ہنسنے ہنسانے والی لڑکی کو پکارا۔

"آنٹی....." کہہ کر وہ ایک دم ان سے لپٹ گئی اور پھر اتنی بری طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ وہ خود گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا فجر؟ میری جان....." کافی دیر رونے کے بعد جب دل ہلکا کر چکی تو ایمن نے بے حد محبت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں آنٹی..... میری طبیعت ٹھیک نہیں..... میں مما کو مس کر رہی ہوں..... میں مما کی طرف چلی جاؤں؟" پتہ نہیں کیسے وہ اتنی بے اختیار ہوگئی تھی۔ اب وہ بات سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں ضرور جاؤ..... میری جان لیکن تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں آنٹی..... بس ٹمپریچر تھا..... ساری رات سر میں درد رہا۔"

"تم بخار میں چڑچڑی ہو جاتی ہو..... مگر اس طرح روتی تو نہیں ہو فجر۔" وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ "اور ویسے بھی میں نوٹ کر رہی ہوں تم کافی عرصے سے بالکل چپ چپ ہو گئی ہو۔" وہ بہت فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔

"وہ آنٹی..... دراصل کام کا بہت زیادہ برڈن ہے..... اور طبیعت بھی کچھ خراب تھی..... میں پیکنگ کر لوں..... میں چند دن مما پپا کے پاس رکوں گی۔" یہ کہہ کر وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی..... مبادا کہ وہ کوئی اور سوال نہ کر لیں۔

"ہاں کر لو..... میں ہیلپ کروں؟"

"نہیں تھینک یو..... آنٹی۔"

پھر وہ کمرے میں آ کر پیکنگ کرنے لگی..... اور جب وہ پیکنگ کر کے فارغ ہوئی تو وہ خود حیران رہ گئی..... کیونکہ اس نے سب کچھ پیک کر لیا تھا..... وہ حیات ولا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے والی تھی۔ وہ گاڑی خود ڈرائیو کر رہی تھی..... وہ ڈائریکٹ گھر نہیں گئی بلکہ وہ پہلے ان ساری جگہوں پر گئی تھی جہاں کبھی وہ ریحان کے ساتھ زبردستی آئی تھی..... وہ پزاہٹ، آئس کریم پارلر، ریسٹورینٹ، جو کبھی اس کے فیورٹ تھے، ان کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ کتنی دیر انہیں دیکھتی رہی پھر پلٹ گی۔ شام گئے جب وہ گھر پہنچی اور جب اس نے آمنہ کو بتایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے آ گئی ہے تو وہ اس کی بات پر ہنس دیں۔

"اچھا کیا..... میں بھی تمہیں یہی کہنے والی تھی..... ویسے بھی بھابی چاہ رہی تھیں کہ اگلی چھٹیوں میں جب ریحان آئے تو تم لوگوں کی رخصتی کر دی جائے اور میری خواہش تھی کہ دوسری دونوں بیٹیوں کی طرح میں تمہیں بھی اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر سے رخصت کروں۔" ان کی بات پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

.....O.....

وہ دسمبر کی ایک سرد رات تھی۔ جب وہ سارے جہاں سے بے خبر اپنی سوچوں میں گم، چھوٹے سے برآمدے سے لان میں جاتی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی..... اچانک اس کا سیل فون گنگنایا تھا۔ اس نے بے حد چونک کر پاس رکھا اسٹائلش سا فون اٹھایا اور پھر سیل فون کی چمکتی اسکرین پر اس کی نظریں جمی کی جمی رہ گئی تھیں۔

"ریحان کالنگ۔" اس پر قیامت ڈھانے کے بعد وہ پہلی بار کال کر رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" بہت ضبط سے اپنی آنکھوں کے نم گوشے انگلی سے صاف کرتے ہوئے اس نے کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام، لگتا ہے تمہارا فلو ابھی تک ٹھیک نہیں

ہوا؟'' دوسری طرف ریحان کی بھاری دلکش آواز گونجی...... اس کی آواز کا بوجھل پن ریحان نے محسوس کرلیا تھا۔

''پتہ نہیں یہ کبھی ٹھیک ہوگا بھی کہ نہیں......'' وہ اپنی اندر کی مایوسی نہیں چھپا سکی تھی۔

''کیا ہوگیا ہے یار فجر تمہیں؟ ڈاکٹر ہوکر اتنی مایوسی کی باتیں کررہی ہو۔'' اس کا انداز ڈانٹنے والا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا...... مجھے کیا ہونا ہے؟ تم سناؤ...... کیسے یاد کیا؟'' اب کے اس نے زبردستی لہجے میں بشاشت سموئی...... جب سمجھوتہ کرہی لیا ہے تو پھر اشتہار لگانے کا فائدہ۔

''وہ مما بتارہی تھیں کہ تم ہمیشہ کے لیے پھوپو کی طرف چلی گئی ہو؟'' اس کی آواز میں حیرت تھی۔

''ظاہر ہے...... مجھے اب یہیں آنا تھا ناں......'' اس نے زبردستی لہجے میں مسکراہٹ سموئی۔

''لیکن فجر...... حیات ولاسے تمہارا صرف ایک ہی رشتہ تو نہیں تھا ناں......'' وہ کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔

''دنیا میں شاید ہی کوئی عورت ہو ریحان...... جو اپنے گھر یا شوہر میں شراکت برداشت کرسکتی ہو...... اور نیہا......'' وہ نجانے کیا کہتے کہتے ایک دم چپ ہوئی۔

''ہاں...... مگر نیہا بہت کھلے دل کی مالک ہے...... وہ تمہاری موجودگی مائنڈ نہیں کرے گی۔'' اس نے بات کو اپنی مرضی کا رخ دیا۔

''ہاں ہوگی...... مگر ہر عورت نہیں ہوتی۔'' اس کے لہجے میں اب بیزاری تھی۔

''یہ تم کیسی بے ربط اور بہکی بہکی باتیں کررہی ہو...... مجھے تمہاری بالکل سمجھ نہیں آرہی۔'' وہ الجھا۔

''اللہ کرے نہ ہی آئے...... اچھا سنو...... میں ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر جانا چاہتی ہوں...... مما' آنٹی نہیں مانیں گی...... میں چاہتی ہوں کہ تم انہیں مناؤ۔'' اس نے اپنا چند دن پہلے کا کیا ہوا فیصلہ اسے سنایا۔

''تمہارا پہلے تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ ایک دم تمہیں کیا سوجھی؟ اور مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں اکیلے باہر جانے کی پرمیشن ملے گی...... اور اس وقت تو مجھے خود تمہاری سپورٹ کی سخت ضرورت ہے...... نیہا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی...... میں چاہتا ہوں کہ تم خود ایک ڈاکٹر کے طور پر اس کا خیال رکھو...... اور پھر مجھے بچے کی آمد کے فوراً بعد یہ شادی بھی ڈکلیئر کرنی ہے...... اگر تم مجھے سپورٹ کروگی تو مما پاپا کو منانے میں کافی آسانی رہے گی۔'' اس کے اپنے مسائل تھے۔

''نیہا کے لیے تم کسی سنیئر اور تجربہ کار ڈاکٹر سے کنسلٹ کرو...... اور رہ گئی بات شادی ڈکلیئر کرنے کی تو میرے یہاں ہوتے ہوئے آنٹی انکل کے لیے یہ چیز ایکسپٹ کرنی زیادہ مشکل ہوگی...... میرے جانے سے تمہیں کافی آسانی ہوگی اور پھر میں وہاں جاکر بھی تمہیں سپورٹ کرسکتی ہوں۔''

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو...... میں نے یونہی سرسری سی بات کی تھی مما سے وہ اس رشتے کے حوالے سے کافی سیریس ہیں۔ تمہاری موجودگی میں انہیں منانا واقعی بہت مشکل ہوگا...... چلو تم بات شروع کرو...... باہر جانے کی...... میں تمہیں سپورٹ کروں گا۔'' اس کا انداز پُرسوچ تھا۔

''تمہیں میرے ہونے نہ ہونے سے ذرا بھی فرق نہیں پڑتا۔'' فجر کے دل پر گہری چوٹ پڑی۔ ''اور تمہارے نہ ہونے سے میری زندگی میں سوائے خالی پن کے باقی کچھ نہیں بچتا۔''

''اور ہاں...... میں تم سے ڈائیورس کے سلسلے میں بھی بات کرنا چاہ رہا تھا...... ظاہر ہے اب تم نے بھی ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے ناں۔'' اس نے ایک بار پھر اس کے زخموں کو چھیڑا تھا۔

''میں فی الحال چند سال پڑھائی کے علاوہ کچھ نہیں کررہی...... یہ ذکر چند سال نہ ہی چھیڑو۔'' اس نے بہت ضبط سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے...... میں صبح بات کرتی ہوں مما سے...... اللہ حافظ۔'' ایک دم الوداعی کلمات ادا کرنے کے

بعد اس نے فون بند کر کے یوں پرے پھینکا جیسے وہ کوئی سانپ یا بچھو ہو۔
پھر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ کتنے ہی گرم گرم آنسو اس کا چہرہ بھگو گئے تھے۔

......O......

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا...... جب ہر طرف خاموشی اور سناٹا تھا...... بھاگتی دوڑتی زندگی رات کے اس پہر جیسے ساکت ہوگئی۔ عدنان رضوی اور ثوبان رضوی کے آبائی گھر میں بھی خاموشی کا راج تھا۔ سب سو چکے تھے مگر اس گھر کی دوسری منزل کے گھپ اندھیرے میں ڈوبے ایک کمرے میں فجر رضوی نہایت بے چینی سے اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ دن بھر کی مصروفیات اور تھکان کے باوجود اس کی آنکھوں میں دور تک نیند کا نام ونشان بھی نہ تھا...... اور نیند اسے آج آ بھی کیسے سکتی تھی؟ آج پھر وہ جہلم گئی تھی۔ نیہا کی طبیعت خراب تھی...... ریحان کو چھٹی نہیں مل رہی تھی سو اس نے فجر کو فون کر کے نیہا کے پاس جانے کا کہا...... اس کے اصرار پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پر تیار ہوگئی...... اور پھر تقریباً اس کا سارا دن وہیں گزرا...... پہلے نیہا کا چیک اپ کرایا پھر وہ پھوپو کے پاس بیٹھی رہی۔
نیہا کے ساتھ گزرا ہر لمحہ اس کے لیے انتہائی اذیت کا باعث بنا تھا...... وہ اس سارے عرصے میں انگاروں پر چلتی رہی تھی...... کیونکہ نیہا کی ہر بات ریحان سے شروع ہو کر ریحان پر ہی ختم ہوتی...... اس کے پاس ریحان کی محبتوں، چاہتوں اور بے قراریوں کے بہت سارے قصے تھے...... ایک مختصر سی سنگت کے باوجود وہ مالا مال تھی۔ جبکہ فجر رضوی ایک طویل ساتھ کے باوجود تہی داماں...... تہی دست رہی تھی۔
ہاسپٹل سے واپس آنے کے بعد نیہا کھانا پکا رہی تھی۔ پھوپو نماز پڑھ رہی تھیں تو وہ بھی نیہا کے پاس کچن میں آ کر اس کی مدد کرنے لگی۔ تب ہی نیہا نے کہا۔
''آپ ویسی تو بالکل بھی نہیں ہیں جیسا ریحان نے بتایا تھا۔'' وہ تیزی سے سلاد کے لیے پیاز کاٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
''اچھا تو پھر کیسی ہوں؟'' فجر رضوی کے خوب صورت گلابی ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ٹھہری جبکہ سیاہ آنکھوں میں خالی پن تھا۔
''ریحان کے مطابق تو آپ کو بہت شرارتی، نان سیریس اور لڑاکا سا ہونا چاہیے تھا...... جبکہ آپ اس کے الٹ ہیں...... اور آپ بہت خوب صورت بھی ہیں...... بالکل چینی کی گڑیا کی طرح نازک ہیں...... میں نے آپ جتنی خوب صورت لڑکی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' نیہا کے چہرے پر معصومیت اور اشتیاق تھا۔
''میں نے بھی تمہارے جتنی خوش قسمت لڑکی اس سے پہلے نہیں دیکھی۔'' فجر کے لہجے میں رشک و حسرت نجانے کہاں سے آسمائے تھے۔
''وہ تو میں ہوں......'' ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے اس نے گردن اکڑا کر کہا اور فجر اسے دیکھتی رہ گئی۔
''اور آپ کو پتہ ہے وہ شخص بھی بہت خوش قسمت ہوگا جسے آپ ملیں گی...... بھئی جس کو اتنی خوب صورت، اتنی ذہین اور اتنی اچھی لڑکی مل جائے وہ زندگی میں اور بھلا کیا چاہے گا؟'' نیہا کے لہجے میں سادگی اور رشک تھا اور فجر کو اس لمحے اللہ سے شدید شکوہ ہوا...... کیا تھا اگر میں خوب صورت نہ ہوتی، ذہین نہ ہوتی، اور کسی خوبی کی مالک نہ ہوتی، اس صورت میں مجھے ریحان کے چھننے کا اتنا غم تو نہ ہوتا...... میں یہی سمجھ لیتی کہ میں اسے ڈیزرو ہی نہیں کرتی۔ اور پھر جب نیہا کھانے کے بعد ریسٹ کر رہی تھی اور وہ پھوپو کے پاس بیٹھی ہوئی تھی...... تو اس نے اپنے دل کی یہ بات ان سے شیئر کر ڈالی۔
''ایسا نہیں کہتے بیٹا...... اللہ کی دی گئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا سیکھو...... وہ کبھی دے کر آزماتا ہے تو کبھی لے کر اور آزمائش پر صبر و شکر سے ہی پورا اترا جا سکتا ہے......''
ان کا وہی مخصوص نرم لہجہ تھا۔

"یہ کیسی آزمائش ہے پھوپو میں سکون کو ترس گئی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی...... یہ صرف وہ جانتی تھی یا پھر اس کا اللہ کہ وہ کس اذیت کا شکار تھی۔ اس پر اس کی محبت تب آشکار ہوئی جب وہ اس سے چھن چکی تھی وہ محبت جو کہ اس کی پوری زندگی تھی اب اس کے بنا وہ ادھوری تھی...... اور ادھورا پن بے سکونی اور بے چینی کا ہی باعث بنتا ہے۔

"سکون صرف اور صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔" اس کے اذیت سے پُر سوال کے جواب میں ان کی مہربان آواز اس کی سماعتوں میں اتری۔

اور رات کے آخری پہر...... بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے اسے اچانک ان کی بات یاد آئی اور پھر وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"سکون صرف اور صرف اللہ کے ذکر میں ہے۔"

"اللہ جی پلیز مجھے سکون چاہیے......" دن بھر کی تھکن طبیعت کا بوجھل پن اور دل کا خالی پن نیند سے خالی آنکھوں میں آنسو امڈ امڈ کر بہنے لگے تھے...... مگر بے چینی تھی کہ بڑھتی جارہی تھی۔

بستر چھوڑ کر وہ واش روم میں آئی اور وضو کیا...... وہ نماز کی بھی کبھی باقاعدہ پابند نہیں رہی تھی اور اس وقت وہ تہجد پڑھ رہی تھی...... اور پھر جب نوافل ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کے پاس مانگنے کے لیے سوائے سکون کے اور کچھ بھی نہ تھا۔

"اللہ جی...... میں اپنے سارے مسائل آپ کے حوالے کرتی ہوں...... مجھے سکون دے دیں۔" اس نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے دعا مانگی تھی۔

اور پھر اس نے پہلی بار اپنے مسائل کسی سے شیئر کیے تھے۔ آدھی رات کو بے تحاشہ روتے ہوئے اس نے اپنی تمام اذیتوں تمام تکلیفوں کا ذکر اللہ سے کر دیا تھا۔ اور پھر اپنا بھرم توڑے بغیر دل کا بوجھ ہلکا کر کے وہ واقعی پُر سکون ہوگئی تھی اور پھر...... پھر یہ اس کا معمول بن گیا۔

"ادھوری محبت...... یک طرفہ محبت...... بے چینی بے سکونی عطا کرتی ہے اور سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔"

اپنی زندگی کے سب سے تکلیف دہ دور سے فجر رضوی نے یہی سیکھا تھا۔

O

اس کے باہر جانے کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں...... جب اس نے پہلی بار یہ ذکر چھیڑا تو سب نے ہی شدید اعتراض کیا...... مگر جب ریحان نے بھی اس کا ساتھ دیا تو سب کا اعتراض خود ہی دم توڑ گیا...... ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ریحان اور فجر کسی معاملے میں ہم خیال تھے...... سب کو حیرت ہوئی...... مگر سب نے ہی یہ مثبت تبدیلی بڑی خوشی سے قبول کی تھی۔ اس کے بعد بھی اس کا کئی بار جہلم جانا ہوا...... کئی بار ریحان کے اصرار پر تو کئی بار خود اپنی مرضی سے۔ کیونکہ اگر وہاں نیہا تھی...... جو کہ اس کے تمام تر زخموں کا موجب تھی تو پھوپو بھی وہیں تھیں جو اس کے تمام تر زخموں کا مرہم بنی تھیں۔

O

اس کے جانے میں صرف دو روز باقی تھے...... اور آج کی شام حیات ولا میں ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر تھی جس میں خاندان کے تمام افراد موجود تھے۔

سیاہ لمبی قمیص سفید چوڑی دار پاجامے میں سیاہ اسکارف سلیقے سے لیے اور ساتھ ہی سفید دوپٹہ لیے وہ لاؤنج میں سب کے درمیان بیٹھی تھی...... چند سالوں میں جتنا اس کا حلیہ بدلا تھا...... اس سے کہیں زیادہ وہ اندر سے بدل گئی تھی...... اس کا چہرہ آج بھی میک اپ سے مبرا تھا اور اتنا ہی خوب صورت تھا مگر اب اس حسن میں شوخی کے بجائے ایک حزن تھا۔ موضوع گفتگو اسی کی ذات تھی مگر وہ خود خاموش تھی۔

"یہ ہماری گڑیا کتنی بدل گئی ہے۔" سحر نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا۔ وہ صرف مسکرا دی۔

"بھئی اب ہماری بیٹی ایک لائق فائق ڈاکٹر ہے...... اس کا ایک اسٹینڈرڈ ہے...... تم لوگ اس سے ابھی تک وہی بچوں والی حرکتیں ایکسپٹ کررہے ہو؟"

اس کے پپا نے بہت پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا دفاع کیا۔

"جو بھی بن جائے...... ہمارے لیے تو بچی ہی ہے ناں...... ہمارے گھر کی تو ساری رونقیں اسی کے دم سے تھیں...... اس کے جانے سے تو ہمارے گھر میں سناٹے اتر آئے ہیں۔" ایمن نے بہت دکھ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میڈیکل میں تو یہ اتنے سالوں سے ہے...... مگر لف روٹین کے باوجود یہ ایسی چپ تو کبھی بھی نہیں ہوئی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے مما...... پہلے نان سیریس تھی تو بھی آپ کو اعتراض تھا...... اب سیریس ہوگئی ہوں تو بھی آپ کو ہی مسئلہ ہے۔" اس نے مسکرا کر ان کا شکوہ دور کرنے کوشش کی جبکہ آمنہ اور ایمن دونوں اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ یہ ان کی فجر کا انداز تو نہیں تھا...... اتنا پُرسکون، ٹھہرا ہوا' وہ تو ہنگامے مچاتی تھی' طوفان کھڑے کرتی تھی' اتنا ٹھہراؤ اس میں کیسے آسکتا تھا؟

"اور یہ جو تم ریحان کو کھلا چھوڑ کر جارہی ہو...... اتنا ہینڈسم' فائٹر پائلٹ ہے تمہارا شوہر...... اگر کوئی لے اڑا تو کل پھر روتی رہ جاؤ گی۔" سحر نے شرارت سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے چھیڑا۔

"جو چیز میرے نصیب میں ہے وہ مجھ سے نہیں چھن سکتی' مجھے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔" اس کے لہجے میں اطمینان اور سکون تھا...... فجر رضوی بدل چکی تھی۔

"اتنی بے پروائی اور بے نیازی اچھی نہیں ہوتی فجر......" آمنہ پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں' فوراً متوجہ ہوئیں...... حسن رضوی اور عدنان رضوی سیاست پر بحث کرنے میں مگن ہوگئے تھے۔

"مما...... ایک بات بتائیں آپ مجھے......" فجر اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ میری ماں ہیں...... مجھ سے پیار کرتی ہیں...... اگر ایک چیز پر میرا حق ہے اور وہ میرے لیے بہتر ہے اور میری خوشی بھی ہے تو کیا آپ وہ چیز سحر آپی یا سویرا آپی کو دیں گی؟ نہیں ناں...... تو اللہ تعالیٰ تو مجھ سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے' وہ میرا حق کسی کو کیسے دے سکتا ہے؟" اس کے لہجے میں اتنا کامل یقین تھا کہ سحر اور آمنہ دونوں ساکت رہ گئیں۔ تب ہی اس کا فون بجا' دوسری طرف ریحان تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام فجر...... یار میں جہلم میں ہوں......" وہ اٹھ کھڑی ہوئی...... اور پھر باہر نکل آئی...... وہ نیہا کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا...... اسے ایک دو دن میں ہاسپٹل لے کر جانا تھا اس لیے وہ اسے سی آف کرنے نہیں آسکتا تھا۔ اسے اپنے دل میں درد کی ایک لہر اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ زندگی میں پہلی بار اپنی فیملی سے اتنی دور جارہی تھی اور وہ بھی اتنے لمبے عرصے کے لیے......

"کاش میں آخری بار تمہیں دیکھ سکتی۔ جب میں پلٹوں گی تب تو یہ حق بھی کھو چکی ہوں گی۔" درد تھا کہ گہرا ہی ہوتا جارہا تھا' شکوہ بھی بڑھتا ہی جارہا تھا۔

"فجر مت بھولو کہ یہ آزمائش ہے...... وہ اللہ کبھی دے کر آزماتا ہے تو کبھی لے کر...... اور آزمائش میں صبر و شکر کیا جاتا ہے نہ کہ شکوہ۔"

"اللہ جی میں آپ سے محبت کرتی ہوں...... آپ نے میرا درد سنا میرا بھرم قائم رکھا...... مجھے سکون دیا...... اور مجھے پتہ ہے آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔" ریحان نے نہ جانے کیا کچھ کہہ کر فون بند کردیا جب کہ وہ گم صم کھڑی نجانے کیا کیا سوچتی رہ گئی۔

بلیو جینز پر بلیو لانگ شرٹ اور ڈارک بلیو کلر کے اسکارف میں ملبوس وہ جانے کے لیے تیار تھی...... آمنہ اور ایمن دونوں کی آنکھیں نم تھیں...... اور وہ دونوں آنکھیں خشک کرتیں اسے ڈھیر ساری نصیحتیں کررہی تھیں۔ اور حیات ولا کے پورچ میں کھڑی وہ آنسو پیچھے دھکیلتی ان کی نصیحتیں سننے کی کوشش کررہی تھی۔

"اب بس کرو...... تم لوگ کیوں اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کررہے ہو؟ ہماری بیٹی سمجھدار ہے' اسے اپنا خیال

رکھنا اچھی طرح آتا ہے۔" عدنان رضوی نے اس کے شانوں پر بازو پھیلا کر اسے اپنے سے قریب کرتے ہوئے ماحول کی سوگواریت کو کم کرنے کی کوشش کی۔

مگر اپنے پپا کا مہربان لمس پاتے ہی فجر کو اپنے تمام زخم تازہ ہوتے ہوئے محسوس ہوئے...... ان کے سینے میں منہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ارے کیا ہوگیا ہے فجر بیٹے؟" اس کا سر تھپکتے ہوئے ان کی اپنی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔

تب ہی فجر کا فون بجا...... بہت بے چینی سے اس نے بیگ سے سیل فون نکالا...... فون کی چمکتی اسکرین پر ریحان حسن کا نام دیکھ کر اس کے بے قرار دل کو جیسے قرار آنے لگا۔

"السلام علیکم!" اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے نارمل ہونے کی کوشش کی، مگر دوسری طرف سے آتی ریحان کی آواز بالکل بھی نارمل نہ تھی۔

"فجر نیہا چلی گئی...... وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی...... ہمیشہ کے لیے۔" ریحان حسن کی آواز اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ کی عکاسی کر رہی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو ریحان؟" وہ بوکھلا گئی جبکہ وہاں کھڑے ایمن، آمنہ، حسن اور عدنان بھی بے حد حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"فجر بتاؤ میں کیا کروں؟ اب دنیا میں کچھ کرنے کے لیے بچا ہی کیا ہے؟"

کیسی شکستگی تھی اس کے لہجے میں، فجر کو اس کا دکھ اپنے دل میں اترتا ہوا محسوس ہوا...... پا کے کھونا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے...... یہ فجر کے سوا بھلا کون جان سکتا تھا۔

"تم...... تم کہاں ہو؟" اس نے ایک دم خود کو سنبھالا۔

"ہاسپٹل میں۔" وہ اب ہسپتال کا نام بتا رہا تھا۔

"اچھا ڈونٹ وری...... ہم لوگ آرہے ہیں، تم خود کو سنبھالو ریحان۔ ہاسپٹل سے کلیئرنس کرانے کی کوشش کرو...... ہمت کرو، ہم بس تھوڑی دیر میں پہنچتے ہیں۔"

اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ ریحان کو کیا کہے۔

اس نے فون بند کیا تو سب کی سوالیہ نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا...... اس نے خود ہی جواب دیا۔

"ریحان کی وائف کی ڈیتھ ہوگئی ہے...... ڈلیوری کے دوران۔" لب کاٹتے ہوئے اس نے چھلکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سب کو بتایا۔

"کیا......؟" سب کے چہروں پر فقط حیرت رقم تھی۔

"اس نے ایک سال پہلے شادی کی تھی......" اس نے خود ہی سب کے چہروں پر لکھا سوال پڑھ کر جواب دیا۔

"ریحان...... ریحان...... ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" یہ ایمن تھیں...... بے یقینی ہی بے یقینی تھی ان کے لہجے میں۔

"آنٹی...... اس وقت وہ بہت اکیلا اور ڈپریسڈ ہے...... اسے ہماری ضرورت ہے۔ ہمیں جانا ہوگا اس کے پاس۔" اپنے آنسو صاف کرتی وہ اس شخص کی جنگ لڑ رہی تھی جس نے اسے نہایت بری طرح ہرا دیا تھا۔

"مگر......" یہ آمنہ تھیں۔

"فجر ٹھیک کہہ رہی ہے...... ہمیں اس وقت ریحان کے پاس چلنا چاہیے۔" عدنان رضوی نے آمنہ کی بات کاٹ کر دو ٹوک بات کی۔

اور پھر کچھ دیر کے بعد پانچ افراد پر مشتمل یہ قافلہ اسلام آباد سے جہلم کی طرف رواں دواں تھا...... مگر پانچ افراد کی موجودگی کے باوجود گاڑی میں ایک جامد سناٹا طاری تھا۔

جہلم کے اس چھوٹے سے گھر میں ایک قیامت برپا تھی...... نیہا جیسی سادہ مزاج اور ملنسار لڑکی کی جواں موت نے جیسے ہر آنکھ کو نم کر دیا تھا۔

وہ لوگ جب وہاں پہنچے تو سب ہی عجیب کیفیات کا شکار تھے مگر ٹوٹے بکھرے ریحان کو دیکھ کر سب کی کیفیات بدل گئیں...... اس کے دکھ نے ان سب کو جیسے توڑ کر رکھ دیا تھا...... سب کی شکایتیں خود ہی دم توڑ گئیں تھیں۔

نیہا نے دنیا سے منہ موڑنے سے پہلے ایک بچے کو بھی

جنم دیا تھا۔ پڑوس کی ایک عورت کی گود میں اس روتے بلکتے بچے کو ریحان حسن کے خاندان میں سب سے پہلے فجر نے دیکھا تھا..... اس چھوٹے سے بچے نے جیسے ہر نقش ریحان حسن کا چرا لیا تھا۔ فجر نے بے اختیار اس عورت کی گود سے اسکائی بلیو کلر کے ملائم سے کمبل میں لپٹا وہ ننھا فرشتہ لیا تھا۔

فجر کی گود میں آ کر اس کے رونے کی شدت میں کچھ کمی آ گئی تھی۔ فجر نے بے اختیار اسے اپنے سینے میں بھینچا اور پھر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"میرا بیٹا۔"

......O......

اور پھر تین دن کے بعد جب وہ لوگ جہلم سے دوبارہ اسلام آباد جا رہے تھے تو بھی وہ بچہ فجر کی گود میں ہی تھا۔ ریحان حسن کو اپنا ہوش نہیں تھا..... پھوپو غم سے نڈھال تھیں جبکہ آمنہ اور ایمن بے یقینی، دکھ اور حسرت کے ملے جلے تاثرات کا شکار تھیں، ایسے میں صرف فجر ہی تھی جو اس بچے کا خیال رکھ رہی تھی۔ حسن اور عدنان تو اسی دن واپس چلے گئے تھے جبکہ آمنہ اور ایمن آج تین دن کے بعد واپس آ رہی تھیں۔

"میرے خیال میں، میں کچھ دن یہیں رک جاتی ہوں..... پھوپو کی طبیعت ٹھیک نہیں..... اور پھر ریحان بھی اپ سیٹ ہے۔" اس چھوٹے سے بچے کو گود میں اٹھائے تین دن پرانے ملگجے لباس میں ملبوس فجر رضوی کے انداز میں بے حد احساس ذمہ داری تھا..... آمنہ اور ایمن کوئی اعتراض نہ کر سکیں۔

......O......

نیہا کی وفات کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا..... سب کی زندگیاں واپس اپنی اپنی پرانی ڈگر پر لوٹ آئی تھیں..... سوائے فجر رضوی کے۔

ننھے حذیفہ نے اس کی زندگی کے معنی ہی بدل دیے تھے۔ وہ اس سے بے حد اٹیچڈ ہو چکا تھا۔ فجر کو دیکھتے ہی وہ قلقاریاں مار کر ہنسنے کی کوشش کرتا..... اپنے ننھے ننھے ہاتھ پیر زور زور سے مارنے لگتا..... اور یوں اس کا اپنی طرف ہمکنا فجر کا سیروں خون بڑھا دیتا..... اسے بعض اوقات خود اپنی سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس سے کیوں اس درجہ انسیت محسوس کرتی ہے؟ یہ صرف حذیفہ تھا جس کی وجہ سے اس نے اپنا اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا..... اسلام آباد کے ایک ہاسپٹل میں اس کی جاب ہو گئی تھی..... مگر ہاسپٹل میں بھی اس کا دھیان گھر پر موجود حذیفہ میں اٹکا رہتا، حالانکہ ایمن اس کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

اور پھر جب ریحان چھٹیوں پر گھر آیا..... تو فجر کو حذیفہ کا اتنا خیال رکھتا دیکھ کر اس کا بے حد مشکور ہوا۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر حذیفہ کو سلانے کی کوشش کر رہی تھی..... مگر اس کا سونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا..... اپنی براؤن کلر کی بڑی بڑی آنکھیں پوری کھولے وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے یار..... اب سو بھی جاؤ۔" اس نے جھنجلا کر کہا تو جواب میں وہ قلقاری مار کر کھلکھلا دیا اور وہ یوں قلقاریاں مارتا اتنا کیوٹ لگتا تھا کہ فجر نے بے اختیار ہو کر اس کو بے تحاشا چوما..... اور اس کے اتنے شدت سے پیار کرنے پر حذیفہ نے اس کے بالوں کی لٹیں اپنی چھوٹی چھوٹی مٹھیوں میں جکڑ لی تھیں۔

"ارے..... پھر پکڑ لیے میرے بال۔" اسے بیڈ پر لٹا کر اس کے چنے منے ہاتھوں سے وہ اپنے بال آزاد کرا رہی تھی جب دروازے پر دستک دے کر ریحان اندر داخل ہوا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" دروازے کے پاس کھڑا وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں آؤ بیٹھو۔" حذیفہ کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے اسے بھی دعوت دی۔

"رات کے ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں فجر..... سو جاؤ صبح تمہیں ہاسپٹل بھی جانا ہے۔" اس کے انداز میں بے حد سنجیدگی تھی اور وہ وہیں جوں کا توں کھڑا تھا۔

”یہ جو تمہارا بیٹا ہے ناں ریحان...... یہ بالکل بھی تم پر نہیں گیا...... اس کے میں تمہیں دو ثبوت دیتی ہوں...... ایک تو یہ کہ اس کی مجھ سے بہت دوستی ہے اور دوسرا یہ کہ یہ بالکل بھی ڈسپلینڈ نہیں ہے...... اس کی نیند بھوک کسی بھی چیز کا فکسڈ ٹائم نہیں...... یہ ہر کام بے وقت کرتا ہے...... سو یہ اب اپنی مرضی سے سوئے گا اور ظاہر ہے میں اس کے سونے کے بعد ہی سوؤں گی ناں۔“ وہ خوشدلی سے اسے اس کے بیٹے کی عادتوں سے آگاہ کررہی تھی۔

”آئم سوری فجر...... اینڈ تھینک یو۔“ آہستگی سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر اس کے قریب آ کر کھڑے ہونے کے بعد ریحان حسن نے جب کہا تو اس کا لہجہ بے حد عجیب سا تھا۔

”فار واٹ؟“ فجر کی سیاہ آنکھوں میں حیرت در آئی۔

”سوری اس سب کے لیے جب میں نے تمہیں ہرٹ کیا...... میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی...... اور تھینک یو ان سب فیورز کے لیے جو تم نے مجھے دیئے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے جھک کر بیڈ پر لیٹے حذیفہ کا ماتھا چوما۔

”المیہ یہ ہے ریحان کہ تم نے کبھی مجھے دوست سمجھا ہی نہیں کہ میں تمہیں سوری یا تھینک یو کہنے سے منع کرسکوں۔“ اس نے افسردگی سے مسکرا کر کہا۔

”نہیں فجر...... المیہ یہ ہے کہ میں نے کبھی تمہیں سرے سے سمجھا ہی نہیں۔“ اس کے لہجے میں پچھتاوے بول رہے تھے۔ ”اور تلخ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو دوسروں کے دکھوں کا اندازہ تب ہی ہوتا ہے جب وہ خود اس دکھ سے گزرتا اور اپنی جان پر سہتا ہیں۔“ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا نہ جانے وہ کیا کہنے کی کوشش کررہا تھا...... فجر کا سر خود بخود جھک گیا۔

”اور اصل حقیقت یہ ہے ریحان کہ ہماری زندگی میں جو یہ المیے اور تلخ حقائق ہوتے ہیں ناں...... یہی زندگی کو زندگی بناتے ہیں...... یہ نہ ہوں تو زندگی سیدھی، سپاٹ اور بے معنی ہوجائے۔“ جھکے ہوئے سر کی ساتھ ننھے حذیفہ پر نظریں جمائے وہ بے حد پختہ لہجے میں بولی۔

”اور پتہ ہے ریحان جس طرح اسٹوڈنٹ لائف میں پہلے کلاسز ہوتی ہیں پھر امتحانات ہوتے ہیں اور پھر جو طالب علم ان امتحانات سے پاس ہوتے ہیں وہ اگلے درجے میں چلے جاتے ہیں، بالکل اسی طرح زندگی بھی پہلے آپ کو کچھ دیتی ہے، کسی کو تھوڑا کسی کو زیادہ، پھر یہ آزمائش لیتی ہے اور جو لوگ آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں وہ اگلے درجے میں چلے جاتے ہیں، یعنی بہتر اور مضبوط انسان بن جاتے ہیں۔“ وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دے رہی تھی۔

”اسٹوڈنٹس کو تو امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے محنت اور ذہانت چاہیے ہوتی ہے، زندگی کی آزمائش میں سرخرو ہونے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟“ ریحان حسن کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے، وہ خود زندگی کے ایک فیصلہ کن مرحلے پر کھڑا تھا۔

”نیک نیت اور ہمت......“ اس نے فوراً جواب دیا۔ ”دل کی گہرائیوں سے نیت کرلو...... ہمت اللہ خود دیتا ہے اور اتنی دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اگر انسان مضبوط نیت کرلے ناں تو اس سے زیادہ باہمت اور مضبوط پوری کائنات میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔“ یہ سب کہتے ہوئے اس نازک سی لڑکی کے لہجے میں بے حد مضبوطی تھی۔

”تمہیں پتہ ہے، فجر مجھے ایئر فورس اور جہاز اتنے پسند کیوں ہیں؟“ فجر کے لہجے کی مضبوطی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گئی تھی۔ ایک دھیمی اور اداس سی مسکراہٹ...... اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ اب وہ بالکل ایک غیر متعلقہ سوال پوچھ رہا تھا۔ فجر نے حیرت سے نفی میں سر ہلایا۔

”کیونکہ مجھے بائی نیچر طاقت ور مضبوط اور یونیک چیزیں متاثر کرتی ہیں...... اور مجھ پر ابھی انکشاف ہوا ہے کہ تم بھی ایسی ہو۔“ اس کے سراہنے کا انداز اتنا یونیک تھا کہ فجر کو اس کی تعریف سمجھنے میں دو منٹ لگے اور جب سمجھ

میں آئی تو وہ بے ساختہ جھینپ گئی۔

"اور پتہ ہے فجر...... میں زندگی کے جس دور سے گزر رہا ہوں ناں...... یہ مضبوطی کا نہیں توڑ پھوڑ کا دور ہے...... نیہا کا جانا میں ابھی تک مکمل طور پر قبول نہیں کرسکا...... اور یہ قبول کرنے کے لیے مجھے کچھ اور وقت چاہیے۔" وہ ایک تکلیف دہ اعتراف کررہا تھا۔

"میں اس وقت کا انتظار کروں گی۔" اس نے ایک خوشگوار اعتراف کیا...... اور اس اعتراف نے ریحان کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

اس نے تو اپنے تجربوں سے بس یہی سیکھا تھا...... کہ زندگی کا سفر ہموار نہیں ہوتا' اسی لیے زندگی میں آئیڈیل صورت حال پیدا نہیں کی جاسکتی...... ہاں مگر آئیڈیل کے قریب ترین والی صورت حال پیدا کی جاسکتی ہے اور اس کے لیے ہمت چاہیے ہوتی ہے اور ہمت اللہ دیتا ہے' اگر نیت کرلی جائے اور فجر رضوی نے نیت کرلی تھی۔

"اور کوئی اعتراف نہیں کروگی...... میں شاید منتظر ہوں کسی اور اعتراف کا بھی......" وہ گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مجھے محبت کا زیادہ نہیں پتہ...... مجھے بس اتنا پتا ہے کہ جب نیہا تمہاری زندگی میں آئی تو وہ میری آزمائش کا دور تھا...... میری زندگی کا سب سے زیادہ مشکل وقت...... مگر اس ایک مشکل کے ساتھ بہت ساری آسانیاں تھیں...... بہت سارے سبق تھے...... وہ مشکل وقت گزر گیا مگر آسانیاں ابھی تک موجود ہیں۔"

"تم اب بھی پھوپو سے ملتی ہو؟" اس نے نجانے کیا سوچ کر پوچھا۔

"ہاں...... حالانکہ اب ان کے ہسبینڈ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے ہیں مگر میں وہاں بھی ہر ہفتے جاتی ہوں...... اور پتہ ہے پھوپو نے مجھے سب سے اہم بات کیا سکھائی؟" وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اگر اللہ کی صفات پر یقین رکھتے ہو...... تو اس بات پر یقین رکھو کہ آپ کی زندگی میں جو ہورہا ہے وہ اللہ کی مصلحت کے مطابق ہے...... اور اللہ کی مصلحت اتنی زبردست ہے کہ اس میں کچھ بھی بے وجہ نہیں ہوتا...... سو زندگی میں ہونے والے ہر واقعے' ہر چیز کی وجہ تلاش کرو...... اور یہ وجوہات خود آپ کی انگلی پکڑ کر آپ کو اللہ کے پاس لے جائیں گی۔" وہ بہت جذب سے کہہ رہی تھی۔

"ہوں...... اور ہم تینوں کے یہاں ہونے کی بھی ایک وجہ ہے...... کیا تم میرے ساتھ مل کر یہ وجہ تلاش کرنا پسند کروگی؟" بیڈ پر سوئے ہوئے حذیفہ کو پیار کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ایک یونیک طریقے سے اسے پرپوز کررہا تھا۔

"بتاؤ ناں...... کروگی؟" حذیفہ کو چھوڑ کر اس سے چند انچ کے فاصلے پر بیٹھا بہت دلکشی سے مسکراتا ہوا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں...... میں پسند کروں گی۔" اس نے سر جھکا کر اقرار کیا۔

تب ہی قریبی مسجد سے...... فجر کی اذان بلند ہوئی...... اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کرتی موذن کی آواز...... اندھیروں کو چیرتی ہوئی فضا میں چارسو بکھر رہی تھی...... اور پھر اندھیرے کی چادر دھیرے دھیرے سرکنے لگی تھی...... یہاں تک نوید سحر نے چارسو غلبہ پالیا...... اور وہ اندھیری رات قصہ پارینہ ہوگئی۔

شبِ ہجر کی پہلی بارش
نازیہ کنول نازی

ضدوں سے ترکِ تعلق تو کرلیا لیکن
سکوں اُسے بھی نہیں' بے قرار ہم بھی ہیں
زبان کہتی ہے سارا قصور اس کا ہے
ضمیر کہتا ہے' کچھ ذمے دار ہم بھی ہیں

السلام علیکم! امید ہے اللہ رب العزت کے خاص کرم سے آپ سب بخیر و عافیت ہوں گے "شب ہجر کی پہلی بارش" اپنے اختتامی سفر کی جانب گامزن ہے اس ناول کے اختتام پہ اپنی قیمتی رائے سے نوازنا ضرور یاد رکھیے گا آپ قاری بہنوں کی رائے کی میں منتظر رہوں گی۔

آج یہ تحریر ایک خاص پیغام کے ساتھ زیر قلم ہے اور پیغام یہ ہے کہ فیس بک اور دیگر سوشل نیٹ ورکس پر بہت سارے بے ایمان لوگوں نے مختلف ناموں سے فرضی کمپنیوں کے پیجز بنا رکھے ہیں جن پر وہ پروڈکس کی تشہیر کرتے ہیں' لوگوں کو اپنی چیزیں پسند کرواتے ہیں اور پھر آرڈر بک کرکے انہیں لوٹتے ہیں' پندرہ سو روپے کی چیز کا پارسل جب گھر آتا ہے تو اس میں سے پچاس روپے کی چیز بھی نہیں نکلتی۔ نو فیشن کولیکشنز اور اسی طرح کے دیگر پیجز نے فیس بک پر اندھیر مچا رکھا ہے' میں خود اس کی شکار ہوئی ہوں اس لیے آپ سب دوستوں سے مودبانہ گزارش ہے کہ خدارا ان پیجز اور گروپ کا مکمل بائیکاٹ کریں اور قطعی کوئی بھی چیز آن لائن مت خریدیں' خواہ وہ کپڑے' جیولری' کاسمیٹکس کا سامان ہو یا مشینری وغیرہ' خبردار ہوشیار!

اسی کے ساتھ میں قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بھی مودبانہ اپیل کرتی ہوں کہ عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان کے ساتھ فراڈ کرنے والے ان لوگوں کے خلاف خدارا ایکشن لیں' نجانے کتنے سادا معصوم غریب لوگ ان کے دھوکے میں آ کر اپنی حق حلال کی کمائی لٹا رہے ہوں گے۔

میں اکثر شادی شدہ رائٹرز بہنوں کے احوال پڑھتی تھی کہ شادی کے بعد انہیں لکھنے کا ٹائم نہیں ملتا' وہ رات میں بچوں کو سلا کر لکھتی ہیں۔ جب میں یہ پڑھتی تھی تو سوچتی تھی پتا نہیں یہ بہنیں ایسے کیسے لکھ لیتی ہوں گی اور آج میرا اپنا حال یہ ہے کہ بچہ گود میں ہوتا ہے' دوسرے کو تھپک تھپک کر سلا رہی ہوتی ہوں' دودھ چولہے پر رکھا ہوتا ہے' ساتھ ساتھ لکھ رہی ہوتی ہوں۔

نہ موڈ ہوتا ہے نہ سکون ہوتا ہے نہ وقت ...... پھر بھی لکھ رہی ہوتی ہوں' یہ حال ہے۔ آنچل میں پیغامات بھیجنے والی سب بہنوں کی محبت کی قرض دار ہوں ان شاء اللہ ایک ساتھ جواب ضرور دوں گی' اپنی محبت اور دعاؤں میں یاد رکھیے گا فی امان اللہ۔

## گزشتہ قسط کا خلاصہ

درمکنون عائلہ کو صیام کی جگہ اپنی پرنسپل سیکرٹری کے طور پر جاب دے دیتی ہے ساتھ ہی اسے یہ جان کر حیرت ہوتی ہے وہ صمید حسن کی بہو اور مریرہ رحمان کی بھیجی تھی۔ درمکنون آفس ٹائم کے بعد عائلہ کو اپنے گھر لے جاتی ہے اور اب اسے وہیں رہنے کا کہتی ہے، جس پر عائلہ شش و پنج میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف صیام درمکنون کی پریشانی جاننے کے بعد جاب چھوڑنے کا ارادہ بدل دیتا ہے لیکن پھر عائلہ کو اپنی سیٹ پر دیکھ کر اسے اپنے فیصلے پر دکھ ہوتا ہے تب وہ درمکنون سے مریرہ رحمان کی طبیعت کا پوچھتا اسے گھر چھوڑنے کی آفر کرتا ہے، جس پر درمکنون مختصراً اسے عائلہ کا بتاتی ہے۔ شہرزاد درمکنون کو فون کرتی اپنی خیریت بتاتی عمر عباس اور مریرہ آنٹی کا پوچھتی ہے، جس پر درمکنون مریرہ کے ایکسیڈنٹ کا بتاتی اس کے کومے میں جانے کا بتاتی اسے حیران کر جاتی ہے۔ شہرزاد عبدالہادی کے موبائل سے درمکنون کو فون کرتی ہے۔ درمکنون مریرہ رحمان کو ہسپتال میں دیکھنے کے بعد گھر آتی ہے تو عائلہ اس سے مریرہ رحمان کی طبیعت پوچھتی ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ دوسری طرف زاویار کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے وہ عمر عباس کے ساتھ ہسپتال مریرہ رحمان کو دیکھنے آتا ہے تو اس کی اپنی کہی گئی باتیں دل و دماغ میں گونجنے کے ساتھ اسے ملامت کرتی ہے تب وہ کرنل صاحب کے مکان پر عائلہ سے معافی مانگنے جاتا ہے لیکن تالا دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ سارا کی کہانی بھی تقریباً زاویار کے سامنے تھی۔ پریہان لندن واپس چلی جاتی ہے، درمکنون کے ہاتھوں بے عزت ہونے کے بعد وہ اب پاکستان نہیں رہ سکتی تھی۔ لندن میں اس کی ملاقات ساویز آفندی سے ہوتی ہے تب ایلی پریہان کو اپنی منگیتر کے طور پر ساویز سے متعارف کرواتا ہے۔ درمکنون گھر میں داخل ہوتی ہے تو ہر چیز بکھری ہوئی ہوتی ہے تب اچانک سے چار آدمی اس کے سامنے آجاتے ہیں ایسے میں صیام اس کی مدد کو پہنچتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁......❁......❁

حساب کرلو گئے دنوں کا
گئی رتوں کا حساب کرلو
اک ایک پل کا اک ایک ساعت کا
دھڑکنوں کا ہنسی کا خوشیوں کا
مسکراہٹ کا قہقہوں کا حسین راتوں کا لمبی باتوں کا
محفلوں کا......
حساب کرلو......
غموں کی بارش پہاڑ راتوں کا
وحشتوں کا ابلتے اشکوں کا رت جگوں کا
اگر خوشی کا کوئی دقیقہ بھی میری جانب ادھار نکلے
تو میری آنکھوں کے دونوں کیسوں میں
آنسوؤں کے ہزاروں سکے پڑے ہوئے ہیں
فگار سینے کے زخم سلنے کے باوجود
ہزاروں ٹانکے کھلے ہوئے ہیں

وہ ایک بھانبڑ جو بجھ چکا تھا' بجھا نہیں ہے
سلگ رہا ہے
ابھی بھی وحشت دبی ہوئی ہے
حساب کرلو
میں سارا قرضہ اتار دوں گا

ملک فیاض پاکستان واپس آ گیا تھا مگر وہ اکیلا نہیں آیا تھا' جوان بیٹے ایاز کی لاش اس کے ساتھ تھی۔ حویلی میں صف ماتم بچھ گئی تھی' قریب وجوار کے لوگوں کا تانتا بندھ گیا تھا' ایک آ رہا تھا تو ایک جا رہا تھا۔ شہر میں میرب فیاض کو عبدالہادی نے کال کر کے اطلاع دی' وہ شاکڈ رہ گئی۔ باپ کے بعد ایک وہی بھائی تو تھا جو اس کے سب سے زیادہ لاڈ اٹھاتا تھا' وگرنہ ماں کو تو اپنا ہوش ہی نہیں تھا' وہ اسے کیا سنبھالتی۔

ملک فیاض کا حال دیکھنے لائق تھا' تنا ہوا سرخ خاموش چہرہ' اس کے اندر کے طوفانوں کا بخوبی پتا دے رہا تھا۔ لندن میں ایاز جن دوستوں سے بھی لڑا تھا وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑنے والا تھا۔ عبدالہادی اور شیر دل نے مل کر تکفین وتدفین کے فرائض انجام دیئے تھے۔ شہزاد اندر کمرے میں صوفے پر بیٹھی آئندہ کا لائحہ عمل سوچ رہی تھی جب نشین وہاں چلی آئی۔

''سلام بی بی صاب۔''

''وعلیکم السلام آؤ نشی' کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں جی' پچھلے ایک ہفتے سے اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر کی ساری ذمہ داری بھی مجھ پر ہے اور حویلی کی ذمہ داری بھی' اوپر سے جو سوتیلا باپ ہے وہ الگ روزانہ نیا ڈرامہ لگائے رکھتا ہے جی۔''

''اب کیا کردیا اس نے؟''

''بس جی میرے ویاہ کے پیچھے پڑ گیا ہے ہتھ دھو کے' کہتا ہے اپنی کسی جواری دوست کے آوارہ بیٹے کے ساتھ کرے گا میرا ویاہ۔ اماں منع کرتی ہیں تو جانوروں کی طرح مارتا ہے پھر' کچھ سمجھ نہیں آتا کیسے اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کریں جی۔''

''ہوں' یہ تو واقعی ٹینشن والی بات ہے۔''

''بس جی کیا کریں' تعلیم کی کمی اور لاشعوری نے انسانوں کو انسان رہنے ہی نہیں دیا۔ گھر گھر یہی دکھ ہے خیر آپ چھڈو جی' یہ بتائیں اب وہ بڈھا واپس آ گیا ہے' کیا کرنا ہے اس کا۔''

''کرنا کیا ہے' بھیج دیتے ہیں اسے بھی اوپر اس کے بیٹے کے پاس۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بی بی جی' پر یہ کرنا کیسے ہے؟''

''چپ ہے مار گولیاں لا دینا تم مجھے آگے میرا کام ہے۔''

''جی ٹھیک ہے' اب میں جاؤں جی؟''

''ہوں' جاؤ۔'' اپنے خیالات میں گم اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کی اجازت دی۔

عمر عباس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور مریہ روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر زندگی اور موت کی بانہوں میں جھول گئی تھی' اس کی نظر میں کہیں نہ کہیں ان دونوں واقعات کے پیچھے ملک فیاض کا ہاتھ تھا۔ اپنی دشمنی اور درندگی میں وہ شخص کسی بھی حد تک

جاسکتا تھا' ایسے شخص کے لیے اس کی عدالت میں معافی نہیں تھی۔

یہ وقت بہت مناسب تھا' اپنے جوان بیٹے کے غم میں نڈھال اس کے ہاتھوں زہر پی کر مرجاتا تو سب یہی سمجھتے کہ وہ بیٹے کے غم میں اٹیک سے خود ہی مرگیا ہے' یوں سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ عبدالہادی اور شیر دل ملک فیاض کے بیٹے کی تدفین میں مصروف تھے وہ ایک طرف خاموش بیٹھی رہی۔ افشین نے چپ ہے مار گولیاں لادی تھیں' شہزاد نے موقع دیکھ کر انہیں باریک پیس لیا اور پھر نہایت ہوشیاری سے سیف کا لاک کھول کر اس میں پڑی شراب کی بوتل میں وہ سفوف اچھی طرح مکس کردیا۔

ملک فیاض جب بھی بہت خوش یا غمگین ہوتا' وہ شراب لازمی پیتا تھا گو یہ شغل حویلی سے باہر ہی پورا ہوتا تھا مگر کبھی کبھار رات کو سونے سے پہلے جب وہ موڈ میں ہوتا تو اسے شراب کی طلب ہوتی تھی اسی مقصد کے لیے وہ ایک بوتل اپنے کمرے میں ضرور رکھتا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے میں ملک فیاض کی عدم موجودگی کے سبب اسے اس کے کمرے کی اچھی طرح تلاشی لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اسی دوران افشین سے اسے ملک فیاض کی شراب والی عادت کا پتا چلا اور اس نے اپنے ذہن میں اس کی موت کا منصوبہ ترتیب دے دیا۔ شراب میں زہریلا سفوف شامل کرنے کے بعد اس نے اچھی طرح بوتل بند کرکے پھر سے لاک لگادیا' اب اسے بس اس وقت کا انتظار تھا جب ملک فیاض اپنے کمرے میں آتا اور شراب کے نشے سے اپنا غم غلط کرتا۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ وقت خود اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟

❀......❀......❀

دن کا ایک بج رہا تھا' عائلہ رات ہسپتال میں گزار کر گھر آئی تو درمکنون تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ سارے گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا' کمروں کے ٹوٹے ہوئے لاک اور جابجا بکھرا سامان اور وہی کہانی سنا رہے تھے۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

کیا حادثہ ہوا تھا وہاں...... کیا کچھ لوٹا جاچکا تھا؟

لپک کر ہراساں سی وہ درمکنون کے قریب آئی جو لاؤنج میں ہی صوفے کے پاس بے ہوشی کی حالت میں تھی۔

"درمکنون......" اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے اس نے پکارا مگر وہ ہوش میں ہی کہاں تھی جو اسے جواب دیتی' بخار کی شدت نے اس کی مت ماردی تھی۔

عمر عباس شہر میں نہیں تھا اس نے شہربانو کو کال کرکے فوراً وہاں بلالیا۔ گھر کا جو نقصان ہوا تھا وہ آنکھوں کے سامنے تھا مگر درمکنون کا کیا نقصان ہوا تھا یہ فی الوقت ان پر عیاں نہیں تھا۔

ہوزان بھی اسپتال پہنچ چکی تھی' تقریباً تین گھنٹوں کے بعد درمکنون کی آنکھ کھلی تو اس کا سر بے حد بھاری ہورہا تھا۔ عائلہ اسے ہوش میں دیکھ کر سب سے پہلے اس کی طرف لپکی تھی' اس کا ہاتھ درمکنون کے ہاتھ میں تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے درمکنون؟" درمکنون نے اس کے سوال پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ کا شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا' مجھے بہت پریشان ہورہی تھی۔" شہربانو بھی قریب چلی آئی تھیں درمکنون نے ایک نظر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سے پلکیں موند لیں۔

"میرا خیال ہے دری کو ابھی مزید آرام کی ضرورت ہے۔"

"جی ہاں' تب تک ہم باہر چلتے ہیں۔"

"ہوں۔" ہوزان کے مشورے پر وہ اور عائلہ دونوں شہربانو کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئیں تو درمکنون نے پھر

سے آنکھیں کھول دیں۔ اس بار اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔
مریرہ نہیں تھی تو اس کی زندگی کیسے امتحان کی بھینٹ چڑھ گئی تھی' کیسی میٹھی چھاؤں تھی اس کی ماں کہ جس کے ہوتے ہوئے اس پر کبھی غم کی ہلکی سی پرچھائی بھی نہیں پڑی تھی اور اب جبکہ وہ اس کے ساتھ نہیں تھیں تو زندگی نے کیسے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کا کلیجہ درد سے پھٹ جائے گا۔
گزر جانے والی رات کی ہولناکی ابھی بھی اس کے دماغ سے نہیں نکلی تھی' وہ ابھی بھی اسی قیامت کے زیراثر تھی جو کل رات بیت چکی تھی۔ کیا ہوتا اگر صیام وقت پر نہ پہنچتا؟ کیا ہوتا اگر وہ ڈاکو اس کی عزت کے ساتھ ساتھ صیام کی جان لے لیتے؟ وہ تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہتی۔ عزت کی چادر میلی ہو جانے کے بعد بھلا اس کا حسن' اس کی ذہانت' اس کی دولت کیا معنی رکھتے تھے۔ وہ جتنا بھی اپنے پاک پروردگار کا شکر ادا کرتی کم تھا۔
بے شک صیام کا یہ احسان جو اس نے وقت پر پہنچ کر ان لٹیروں سے اس کی عزت محفوظ رکھ کر کیا تھا وہ اپنی جان لٹا کر بھی ادا نہیں کرسکتی تھی۔ صیام کا احسان یاد آتے ہی اسے رات کا ایک ایک منظر یاد آنے لگا' ڈاکوؤں کے فرار کے بعد جب وہ صیام کے بازو سے لگی بچوں کی طرح رو رہی تھی تو وہ اسے تسلی دینے کی بجائے پتھر کا مجسمہ بن کر کھڑا رہا تھا۔
رات بھر وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے روتی رہی تھی اور رات بھر وہ اس کی ڈھارس بندھانے یا اسے چپ کروانے کی بجائے صوفے سے ٹیک لگائے بالکل خاموش بیٹھا رہا تھا۔ چپ چاپ اسے روتا ہوا دیکھتا رہا تھا' کیوں؟ اس وقت اس کے لبوں پر چپ کا جو سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا' درمکنون کو اس سانپ سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کی عزت کی چادر اب بھی شفاف ہے' اس پر کوئی داغ نہیں لگا مگر...... وہ اسے یہ سب کیوں بتاتی...... کیوں یقین دلاتی؟
جب یہ طے تھا کہ اسے صیام کی زندگی کا حصہ بننا ہی نہیں تھا تو پھر اسے کچھ بھی کلیئر کیوں کرتی؟ سو وہ روتی رہی اور رات بیت گئی۔ صبح کی سپیدی نمودار ہوتے ہی وہ اٹھا اور اس کے سر پر چند لمحوں کے لیے تسلی بھرا ہاتھ رکھ کر وہاں سے چلا گیا۔ درمکنون کو اس کے جانے کے بعد گھر میں ہوئی واردات پر فکر کرنے کا ہوش آیا تھا' صیام کو کیا لگا کہ وہاں کیا لٹ گیا تھا؟ وہ کیوں خاموش تھا اس نے اس سے اس حادثے پر کوئی سوال کیوں نہیں کیا؟
جانے کیسے کیسے خیالات منہ زور آندھی کی طرح دماغ میں اودھم مچا رہے تھے' وہ چپ چاپ روتی رہی' تو کیا صیام نے یہ مان لیا تھا کہ وہ پاکیزہ نہیں رہی؟ کیا اس کی محبت کا محل بس ایک چھوٹے سے حادثے نے زمین بوس کردیا؟ وہ بیڈ پر لیٹی سوچ رہی تھی اور باہر شہربانو' عائلہ اور ہوزان اس کے لیے فکرمند تھے۔

❁......❁......❁

سفید کرتا شلوار میں ملبوس عمر عباس اس وقت لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا جب ہوزان اپنا چائے کا کپ اٹھائے اس کے پاس چلی آئی۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ' سنجیدہ بیٹھا وہ شخص پچاس سے اوپر ہونے کے باوجود کسی افسانوی ہیرو سے کم نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ پچاس سال کا ہے' کچھ لوگوں کو واقعی وقت چھوئے بغیر گزر جاتا ہے۔
''السلام علیکم!'' ہوزان نے قریب آ کر اسے متوجہ کیا' عمر نے چائے کا کپ رکھ دیا۔
''وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔''
''شکریہ ڈیڈ آج کل کہاں ہوتے ہیں آپ؟ نظر ہی نہیں آتے۔''
''کہاں ہونا ہے نیا بزنس شروع کیا ہے وقت تو دینا پڑتا ہے۔''
''ہوں یہ تو ہے' اصل میں مجھے بات کرنی تھی آپ سے۔''

"کہو۔"

"میرا ویزہ ختم ہورہا ہے پاکستان کے لیے مگر میں لندن واپس نہیں جانا چاہتی' میں یہیں رہنا چاہتی ہوں پاکستان میں آپ کے پاس۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن ہے' آپ نے ابھی نیا نیا بزنس شروع کیا ہے میں چاہتی ہوں آپ مجھے اپنے آفس میں کام دے دیں۔ ابھی تو آپ کو مختلف اسٹاف کی ضرورت ہوگی ناں۔"

"ہوں میں سوچتا ہوں کچھ۔"

"شکریہ۔" عمر عباس کے امید دلانے پر اس نے بے ساختہ شکریہ کا کلمہ پڑھا۔

"ایک اور بات بھی کرنی تھی آپ سے۔"

"ہوں......کہو۔"

"وہ......دراصل میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں' دل سے تو پہلے ہی کرچکی ہوں مگر اعلانیہ اب کرنا چاہتی ہوں۔"

"گڈ' یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے تمہارا مگر میں اسلام کی طرف یوں اچانک آنے کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"اچانک نہیں' بہت سال ہوگئے مجھے اسلام کے بارے میں سوچتے ہوئے' پرکھتے ہوئے' سب سے پہلے میں نے اپنی ماں کو دیکھا جو اسلام سے بے حد متاثر تھیں۔ ساری زندگی وہ قرآن کے ایک حصے کو چھپ چھپ کر سینے سے لگا کر جیتی رہیں۔ اگر انہیں یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے اعلانیہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں اسٹور کی ملازمت سے فارغ کردیا جائے گا تو وہ کب کا اسلام قبول کرچکی ہوتیں۔ انسانی رشتوں اور معاشرے کو جو حقوق اسلام نے دیئے ہیں کسی اور مذہب نے نہیں دیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کے نام نہاد چند مسلمانوں نے اس پیارے مذہب کو غیر مسلمو کے لیے ایک الجھا ہوا راستہ بنادیا ہے' میں اپنی ماں کی طرح تشنگی کی موت مرنا نہیں چاہتی۔" سر جھکائے وہ قطعی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی' عمر کو بے حد خوشی ہوئی۔

"تم اچھی لڑکی ہو ہوزان! اللہ کی پاک ذات تمہیں ہدایت کے رستے پر ثابت قدم رکھے آمین۔"

"شکریہ تو پھر آپ مجھے مولوی صاحب کے پاس لے کر جارہے ہیں؟"

"ہمم......شیور۔" اس نے اپنا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ ہوزان آنسوؤں کے ساتھ مسکرادی۔

اسی رات عشاء کی نماز کے بعد اس نے علاقے کے امام مسجد کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرلی۔ نام تو اس نے اپنا پہلے ہی بدل لیا تھا اب شخصیت بھی بدل لی۔ عمر نے اس کے خلوص اور جذبہ ایمانی کو دیکھتے ہوئے آفس میں اس کے لیے جگہ بنالی جس پر وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی تھی۔

اب روز صبح جب عمر کی آنکھ کھلتی وہ اسے جاء نماز پر بیٹھی نظر آتی' وہ جاگنگ سے واپس آتا تو وہ کچن میں مصروف ملتی۔ جب تک وہ آفس کے لیے تیار ہوتا وہ اپنا' شہر بانو اور عمر کا ناشتا بنا کر خود تیار بھی ہوچکی ہوتی۔ عمر کے کپڑے وہ بنا کہے پریس کرکے ہینگ کردیتی تھی۔ وہ منع کرتا رہ جاتا مگر وہ ایک کان سے سنتی دوسرے سے نکال دیتی۔ اس کے سادہ سے گھر کو فقط چند ہی دنوں میں اس سلیقہ مند لڑکی نے چار چاند لگادیئے تھے شہر بانو تو اس سے بے حد خوش تھیں۔

عمر کے سامنے وہ اس کی تعریف کرتیں' وہ کبھی مسکرادیتا' کبھی محض اثبات میں سر ہلاتا خود کو بلاوجہ مصروف کرلیتا۔

اس کے لیے وہ ابھی بھی ایک چھوٹی سی بچی تھی جس کی ماں نے اس سے بے تحاشا محبت کی مگر وہ کبھی اس محبت کی قدر نہ کرسکا۔ اس کی ماں کی کہانی ختم ہوچکی تھی' اب ہوزان کا وقت تھا جو اپنی ماں کے محبوب کی عقیدت تھی اور اس کی یہ

عقیدت کون سی نئی تاریخ رقم کرنے جارہی تھی یہ خود ھوزان کو بھی پتا نہیں تھا تو عمر عباس کو اس کی خبر کیسے ہو سکتی تھی۔

❁......❁......❁

درمکنون کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ عمر اسے زبردستی ہسپتال سے اپنے گھر لے آیا وہ اب کسی صورت اس کے اور عائلہ کے ''مریرہ پیلس'' میں رہنے کے حق میں نہیں تھا۔ واقعہ کی ایف آئی آر اس نے درج کروادی تھی۔ اس کا بزنس بھی فی الحال عائلہ اور وہی دیکھ رہے تھے۔

شام ڈھل رہی تھی درمکنون اپنے کمرے سے اٹھ کر باہر لان میں آئی تو عائلہ بھی چائے لے کر اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے درمکنون؟'' کپ میز پر رکھ کر وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ درمکنون کے لبوں پر پھیکی سی مسکان بکھر گئی۔

''ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔''

''چلو شکر ہے اللہ کا ورنہ ہم سب تو بہت پریشان ہو رہے تھے تمہارے لیے اسپیشلی عمر انکل۔''

''کیوں؟''

''تمہاری طبیعت جو ٹھیک نہیں پھر وہ حادثہ......''

''کوئی حادثہ نہیں یار...... الحمدللہ میں ٹھیک ہوں محفوظ ہوں۔ میرا ذاتی کوئی نقصان نہیں ہوا ہاں مالی نقصان کافی ہوا ہے اگر میرا سیکرٹری صیام وقت پر نہ آتا تو شاید ذاتی نقصان بھی ہو جاتا۔''

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمیں زیادہ فکر تمہاری ہی تھی تو پھر کل سے آفس جوائن کر رہی ہو تم۔''

''نہیں یار...... میرا دل نہیں چاہ رہا ابھی۔''

''مگر تمہارا آفس جانا ضروری ہے دری بہت سے مسئلے پیدا ہو رہے ہیں اور وہ...... تمہارے پرسنل سیکرٹری صیام نے بھی ریزائن دے دیا ہے۔''

''کیا......؟'' وہ چونکی عائلہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ایسا تو ہونا ہی تھا یار...... ایک ہی سیٹ پر دو لوگ تو نہیں بیٹھ سکتے ناں؟''

''ہوں۔'' اس کا دماغ جیسے سن ہو گیا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ اس نے خود اسے جاب چھوڑنے کی آفر کی تھی مگر...... وہ اس یقین کا کیا کرتی جو اسے صیام پر تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ اس سے محبت کرتا ہے اسے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ اس کا یقین ٹوٹ گیا تھا عائلہ جانے اور کیا کیا بتا رہی تھی مگر اس کی سماعتیں بھلا کچھ سن ہی کہاں رہی تھیں وہ تو گونگی سی بیٹھی بس خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

بارش ہو رہی تھی۔ عائلہ آفس سے نکلی تو باہر موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا پھول پودے درخت سب بارش کے پانی میں دھل کر نکھر گئے تھے۔ درمکنون ابھی آفس میں تھی وہ مارکیٹ چلی آئی۔ اسے اپنے لیے شاپنگ کرنی تھی اور یہ بے حد ضروری کام تھا جسے وہ پچھلے کئی دن سے آج کل پر ٹال رہی تھی۔

درمکنون نے اسے کچھ رقم ایڈوانس دی تھی لہٰذا وہ اپنے لیے آرام سے شاپنگ کر سکتی تھی۔ چند سوٹ دو جوتوں کے جوڑے ایک ریسٹ واچ چند پونیاں ایک پرس ایک گرم شال خریدنے میں اسے اچھا خاصا وقت لگ گیا سیل فون بھی

ٹھیک کروانا تھا اس میں بھی ٹائم لگا۔
وہ ابھی سڑک کے کنارے کھڑی کسی ٹیکسی کی راہ ہی دیکھ رہی تھی جب سڑک کے اس پار ایک شاپ سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے زاویار کی نگاہ اس پر گئی تو وہ نہ صرف چونکا بلکہ فوراً اس کی طرف لپکتے ہوئے اسے آواز بھی دی۔
''عائلہ.....''
عائلہ نے آواز سنی اور پھر جیسے ہی اس کی نظر زاویار پر گئی اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا' نجانے اب وہ شخص بیچ بازار میں اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا۔
گھر کی چار دیواری میں وہ چاہے جتنی بھی اس کے ہاتھوں ذلیل ہوئی ہو مگر گھر سے باہر بیچ بازار میں وہ اس شخص کی کوئی بھی بدتمیزی افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی تبھی اس نے پلٹ کر ایک نظر ڈالنے کے بعد دوڑ لگادی۔ اسے اس وقت اپنے وقار سے زیادہ عزت عزیز تھی' زاویار پیچھے لپکا۔
''عائلہ میری بات سنو۔'' مگر اس نے نہیں سنی' بھاگتے بھاگتے اس نے قریب سے گزرنے والی ٹیکسی روکی اور جلدی سے اس میں بیٹھ گئی۔
زاویار جب تک قریب پہنچتا وہ وہاں سے جاچکی تھی اس کی چیزیں البتہ ضرور سڑک پر بکھری رہ گئی تھیں' کپڑے جوتے' پونیاں۔
پنجوں کے بل بیٹھا وہ ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتا ندامت کی گہرائیوں میں گرتا چلا گیا۔ پتا نہیں زندگی ابھی اس کے ساتھ اور کیا کیا کرنے والی تھی۔

❁.....❁.....❁

میرب ریاض اغوا ہوگئی تھی۔ ہاسٹل سے اپنے جواں سالہ بھائی کی المناک موت پر غم سے نڈھال وہ حویلی آرہی تھی جب راستے میں کسی نے اسے اغوا کرلیا۔ ملک فیاض تک جب تک بات پہنچی بہت دیر ہوچکی تھی۔
جنازہ تیار تھا مگر وہ حویلی نہیں پہنچی تھی تبھی شیر دل اور ملک فیاض کی خاص خادماؤں نے ہاسٹل کی انتظامیہ سے رابطہ کیا تو پتا چلا کہ وہ تو کئی گھنٹے پہلے ہی ہاسٹل سے حویلی کے لیے نکل چکی تھی' ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی اکثر اکیلی ہی ہوسٹل سے گھر آجاتی تھی' گو ملک فیاض کو یہ بات پسند نہیں تھی مگر وہ جتنی لاڈلی تھی انہیں یہ بات ناچاہتے ہوئے بھی نظر انداز کرنی پڑتی تھی تاہم اب تو معاملہ ہی اور تھا۔
زخمی ہوئے ناگ کی طرح ملک فیاض نے غصے سے بل کھاتے ہوئے بڑی مشکل سے بیٹے کی تدفین تک یہ معاملہ دبائے رکھا تھا جیسے ہی تدفین ہوئی اس نے سارے خاص ملازموں کو اکھٹا کرلیا۔
''حکم سائیں۔'' اس کا قریبی خادم اللہ بخش ہمت کرکے آگے بڑھا یوں کہ اس کے ہاتھ ادب سے بندھے تھے' ملک فیاض نے اپنی سرخ آنکھیں اس پر گاڑ دیں۔
''میری بیٹی میرو..... شہر سے حویلی آتے ہوئے لاپتا ہوئی ہے' ایک گھنٹے کے اندر اندر پتا کرو وہ کہاں ہے' کوئی حادثہ پیش آیا ہے یا کسی نے اسے اغوا کرکے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ ایک گھنٹے کا ٹائم ہے تم لوگوں کے پاس' سمجھے۔''
''جی سائیں میں پتا کرواتا ہوں' آپ پریشان نہ ہوں میرب بی بی جہاں بھی ہوں گی ان شاء اللہ خیریت سے ہوں گی۔''
''اس کا خیریت سے ہونا ضروری ہے' نہیں تو میں تم سب کا وہ حشر کروں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' صرف آنکھوں سے نہیں اس کے لہجے سے بھی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اللہ بخش نے اثبات میں سر ہلادیا۔

''جی سائیں۔''

''اب جاؤ۔'' ہاتھ اٹھا کر محفل برخاست کرتے ہوئے وہ ابھی پشت پر دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا' جب شیر دل وہاں چلا آیا۔

''میرو کا پتا چل گیا ہے چچا۔'' اس کی بات ہی ایسی تھی کہ ملک فیاض کو بے ساختہ پلٹ کر اسے دیکھنا پڑا۔

''کیا پتا چلا ہے؟''

''اغوا ہوئی ہے وہ عمر عباس کے ہاتھوں۔''

''یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''جو سچ ہے وہی بتا رہا ہوں' حویلی کے نمبر پر کال آئی تھی اس کی' اس کا کہنا ہے کہ میرو اس کے پاس محفوظ ہے جیسے ہی ہم اس کی بھتیجی کو عزت سے رہا کریں گے وہ فوراً میرو کو بحفاظت حویلی پہنچا دے گا۔ نہیں تو جیسے آپ نے اس کی بھتیجی کے ساتھ نکاح کیا ہے وہ بھی میرب کے ساتھ نکاح کر کے سارے پرانے حساب چکتا کر دے گا۔''

''ایسی کی تیسی اس کچھوے کی' اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا میں' تم دیکھنا تو سہی۔'' دانت پیس کر کہتے ہوئے وہ ڈیرے سے حویلی چلا آیا' جہاں شہزاد عائشہ بیگم کے پاس بیٹھی سپارہ پڑھ رہی تھی' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ قریب آتے ہی اسے زوردار لات رسید کر دی۔ عائشہ بیگم کی چیخ نکل گئی تھی' عبدالہادی جو ابھی مردانے سے اٹھ کر اندر آیا تھا اور آنکھوں پر بازو رکھ کر سو رہا تھا' چونک اٹھا' پیروں میں جوتے اڑس کر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلا باہر صحن کا منظر دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ شہزاد کے نرم ریشمی بال ملک فیاض کی مٹھیوں میں تھے اور وہ نہایت بے دردی سے اس کے منہ پر تھپڑ مار رہا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ بڑے ابو' ہوا کیا ہے؟'' وہ بے ساختہ قریب آیا' ملک فیاض نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''تو ہٹ چل' کم کر اپنا' اب میں تجھے بتاؤں گا کیا ہوا ہے۔''

''یہ غلط بات ہے بڑے ابو' عورت پر ہاتھ اٹھانا کسی طور مناسب نہیں۔''

''چپ کر آیا بڑا عورتوں کا حمایتی' ضرور تو نے ہی اس کی بات کروائی ہوگی' اس کے کمینے چچا سے ورنہ حویلی کے اندر کی باتیں کوئی ملازم باہر نکالے تو میں کھال نہ کھنچوا دوں اس کی۔'' غیض و غضب میں مبتلا وہ شخص قہر بنا ہوا تھا۔ عبدالہادی نے لب بھینچ لیے' شہزاد زندگی میں پہلی بار کسی مرد کے ہاتھوں زدوکوب ہو کر سہم گئی تھی۔ نجانے کیا ہوا تھا کہیں اس کی پلاننگ کا پتا تو نہیں چل گیا تھا اسے؟ ابھی وہ انہی خیالوں میں گم تھی جب ملک فیاض نہایت بے دردی سے اسے گھسیٹ کر حویلی کے تہہ خانے تک لے آیا' عبدالہادی لپک کر ساتھ آنا چاہتا تھا مگر عائشہ بیگم نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر نفی میں سر ہلا دیا۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

حویلی کے تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر کر ملک فیاض نے شہزاد کو بُری طرح سے دھکیلا کہ وہ چاہنے کے باوجود اپنا سر دیوار میں لگنے سے نہ بچا سکی۔ اس کا سر دیوار میں لگنے سے پھٹ گیا تھا اور چہرے پر خون کی چھوٹی چھوٹی لکیریں بہنے لگی تھیں۔ وہ کراہ کر رہ گئی' ملک فیاض اب مغلظات بک رہا تھا۔

''حرام خور...... تُو کیا سمجھتی ہے' تجھ سے نکاح کر لیا تو معزز ہو گئی' تُو جو چاہے کرتی پھرے گی؟ بھول ہے تیری' فیاض نام ہے میرا...... جو میرے پلے پڑ جاتا ہے موت کے سوا دنیا کی کوئی طاقت اسے میرے پنجوں سے رہائی نہیں دلوا سکتی' اب تُو دیکھنا میں کرتا کیا ہوں تیرے ساتھ بھی اور تیرے اس نامراد چچا کے ساتھ بھی' جو چھپ چھپ کر وار کر رہا ہے۔''

منہ سے کف اڑاتا ملک فیاض قہر کی مکمل علامت بنا ہوا تھا۔

شہزاد کا خون لبوں پر آ کر رک گیا تھا' وہ خون کی پروا کیے بغیر ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی' تہہ خانے کا دروازہ بند ہوا تو اس

کے ہوش ٹھکانے آئے۔ ایک عجیب سی گھٹن اور بُو سے اس کا دل متلانے لگا تھا' اوپر سے تاریکی نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ فقط چند ہی لمحوں میں وحشت زدہ ہوکر اس نے چلانا شروع کردیا تھا۔

''کوئی ہے...... مجھے یہاں سے باہر نکالو پلیز......'' سیڑھیوں کے دہانے پر بنا دروازہ اس نے پیٹ ڈالا تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا' اس کی آواز جیسے دیواروں سے سر مار مار کر واپس آتی رہی۔ اگلے ایک گھنٹے کے بعد اس کی ہمت نے جواب دے دیا' مارے پیاس کے حلق میں جیسے کانٹے اُگ آئے تھے' وہ وہیں سیڑھیوں کے دہانے پر دروازے کے ساتھ سر ٹکائے ہمت ہار کر بیٹھ گئی۔

❀......❀......❀

ملک فیاض حویلی سے ڈیرے پر آیا تو غم و غصے سے اس کا برا حال تھا۔ اپنے خاص ملازم کے ہاتھ اس نے شیر دل کو فوری حاضری کا پیغام بھیجا' نتیجتاً اگلے کچھ منٹس کے بعد وہ اس کے سامنے تھا۔

''آپ نے بلایا چاچا؟''

''آہو...... ضروری کام تھا تجھ سے۔''

''حکم کریں۔''

''سر چاہیے مجھے عمر عباس کا' وہ بھی چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر۔''

''ٹھیک ہے ہوجائے گا۔''

''تو بس پھر جاؤ اور سنو' شام تک میری بیٹی مجھے واپس چاہیے۔''

''ایسا ہی ہوگا آپ پریشان نہ ہوں۔''

''شاباش' اب جاؤ۔'' مونچھوں کو بل دیتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے جانے کی اجازت دے دی' شیر دل دل میں لاکھ بغاوت کے باوجود اس کا تابعدار تھا کیونکہ باپ کے بعد ملک فیاض ہی اس کی ساری عیاشیاں پوری کرتا تھا' اس نے ملک فیاض سے عمر عباس کے سر اور میرب فیاض کی عزت کی حفاظت کا وعدہ تو کرلیا تھا مگر وہ یہ وعدہ پورا نہ کرسکا۔

❀......❀......❀

پنڈی شہر کا چپہ چپہ چھان مارنے کے باوجود اسے عمر عباس یا اس سے منسلک کسی بھی رشتے کا نام و نشان تک نہیں ملا۔ رات کے آخری پہر تھک ہار کر کامی کے ساتھ وہ حویلی واپس آگیا۔ ملک فیاض اسی کے انتظار میں پشت پر دونوں ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا' وہ نظریں چرا گیا۔

''معاف کرنا چاچا...... میں نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر نہ عمر عباس کا پتا چلا نہ میرب کا' نجانے وہ کمینہ اسے کہاں اٹھا کر لے گیا ہے......''

''تڑاخ......'' ابھی وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ ملک فیاض کا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر آپڑا۔

''نامرد...... نالائق انسان...... جب کچھ کر نہیں سکتے تھے تو حامی کیوں بھری' میں کسی اور کے ذمہ لگا دیتا۔''

''میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی چاچا' وہ شہر میں نہیں ہے۔''

''دنیا میں تو ہے ناں' زمین کی سات تہوں کے نیچے ہے تب بھی ڈھونڈ نکالو اسے' جب تک میں اپنی آنکھوں کے سامنے اس کی کھال نہیں کھنچوا دیتا میرے دل کو سکون نہیں آئے گا۔'' وہ دھاڑا تھا' شیر دل نے منہ پھیر لیا۔

''کسی کام کے نہیں ہو تم' مفت کی روٹیاں توڑنے کی عادت پڑ گئی ہے۔'' غصے سے اپنی سرخ نگاہیں شیر دل کے

جھکے سر پر ڈال کردہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا' شیر دل اپنا ہاتھ گال پر رکھے دل ہی دل میں کافی دیر تک اسے گالیاں دیتا رہا۔

❀.....❀.....❀

میرب فیاض کی گمشدگی کو پورے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے' اب تو بات حویلی کے اندر بھی پھیل گئی تھی اور باہر بھی۔ عبدالہادی جہاں شہزاد کے لیے متفکر تھا وہیں اسے اب میرب فیاض کی سلامتی اور عزت کی فکر بھی لاحق ہوگئی تھی۔ مردوں کی دشمنی میں عورتیں ایندھن بن رہی تھیں' وہ جتنا کڑھتا کم تھا۔ ملک فیاض کا غصہ اب ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

عمر کے پیغام پر پیغام آرہے تھے کہ جیسے ہی وہ شہزاد کو رہا کریں گے وہ میرب کو ان کے حوالے کردے گا مگر ملک فیاض اتنی آسانی سے اس کے سامنے ہتھیار پھینکنے والا نہیں تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا اگر میرب اگلے دو دن میں بحفاظت حویلی نہ پہنچ سکی تو وہ نہ صرف خود شہزاد سے اس کا بدلہ لے گا بلکہ اپنے تمام پالتو کتوں کو بھی عیش کروائے گا آخر عمر عباس کو پتا تو لگے کہ شیر کی کچھار میں منہ ڈالنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اگلے دو دن بھی گزر گئے تھے ملک فیاض کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی تھیں۔ ڈیرے سے حویلی پہنچ کر وہ سیدھا تہہ خانے کی طرف گیا تھا' دروازہ اس نے باہر سے لاک کیا تھا' لاک کھول کر اس نے جونہی دروازے کو دھکا دیا اسے زبردست دھچکا لگا۔ دروازہ نہ صرف باہر سے لاک تھا بلکہ اندر سے بھی لاک کرلیا گیا تھا' وہ جیسے غصے سے پاگل ہوگیا۔

زور زور سے دروازے پر لات رسید کرتے ہوئے وہ شہزاد سے دروازہ کھولنے کا کہہ رہا تھا مگر اندر موت جیسی خاموشی تھی۔ وہ تھک کر واپس پلٹ گیا تبھی افشین جلدی سے دروازے کے قریب چلی آئی۔

''بی بی جی دروازہ کھولیں' جلدی۔'' وہ گھبرائی ہوئی تھی' دروازے کے اس پار بیٹھی شہزاد نے جلدی سے چٹخنی گرادی۔

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بی بی جی کہ آپ نے دروازہ لاک کرلیا تھا ورنہ وہ کتا کسی صورت آج آپ کو معاف کرنے والا نہیں تھا۔'' اندر آتے ہی پھولی ہوئی آواز میں اس نے کہا تو شہزاد مسکرادی۔

''میرا اللہ بڑا بے نیاز ہے افشین..... مگر تم کیوں اتنا خطرہ مول لے کر آئیں اگر اس فرعون کو پتا چل گیا تو۔''

''کچھ نہیں ہوتا بی بی جی..... اللہ مالک ہے' آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اس لیے میں روٹی چھپا کر لائی تھی' جب تک رات کا اندھیرا نہیں پھیل جاتا۔ میں بھی یہیں آپ کے پاس تہہ خانے میں بیٹھی رہوں گی' رات کے وقت ادھر تہہ خانے کی طرف کوئی نہیں آتا۔''

''ٹھیک ہے مگر آئندہ احتیاط کرنا' میں نہیں چاہتی کہ میری مشکلات کم کرتے کرتے تم خود کو کسی مشکل میں ڈال لو۔''

''جی ٹھیک ہے ویسے آپ کے انکل نے ملک فیاض کے ہاتھ کھڑے کروادیے ہیں' پوری حویلی میں کتے کی طرح واؤ واؤ کرتا پھر رہا ہے۔'' اس بار افشین کے کہنے پر وہ کھل کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

افشین عشاء تک اس کے پاس تہہ خانے میں چھپی رہی' عشاء کے بعد جب ہر طرف تاریکی کا راج ہوگیا' اس نے احتیاط سے تہہ خانے کا دروازہ کھولا' پھر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد شہزاد کو اندر سے دروازہ بند کرنے کی تلقین کرتی وہ آگے بڑھ گئی۔

عائشہ بیگم کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ ذکر و اذکار میں مصروف ہیں۔ عبدالہادی گاؤں سے باہر تھا' وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ سب کے کمروں کے سامنے سے ہوتی ہوئی حویلی سے باہر نکل آئی۔

باہر طوفانی بارش ہورہی تھی' اس کے کپڑے بُری طرح بارش میں بھیگ کر جسم سے چپک گئے' اللہ اللہ کرکے وہ حویلی

سے گھر آئی تو بیمار ماں کو شدت سے اپنا منتظر پایا۔
آج سے پہلے اسے کبھی گھر واپسی میں اتنی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ سالوں حویلی کی خدمت کرنے والی اس کی بے بس و لاچار ماں کا پریشان ہونا بنتا تھا۔ ماں کو جھوٹی کہانی سنا کر مطمئن کرنے کے بعد اس نے دوا کھلا کر سلا دیا مگر اس کا ذہن شہزاد میں ہی اٹکا رہا جو ملک فیاض کی قید میں تھی۔ جانے اسے اس قید سے رہائی نصیب ہونی بھی تھی کہ نہیں؟ بان کی چارپائی پر کھلے آسمان کے نیچے چت لیٹی وہ شہزاد کے لیے فکر مند ہو رہی تھی اسے خبر ہی نہیں تھی کہ خود اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ شہزاد کو تو ملک فیاض کی قید سے رہا ہونا تھا یا نہیں مگر وہ خود ضرور رہا ہونے والی تھی' زندگی کی قید سے رہا۔
ملک فیاض اپنے بیٹے کی رسم قل میں مصروف تھا جب شیر دل نے اس کے کان میں آ کر سرگوشی کی۔
"حویلی کے مخبر کا پتا لگ گیا ہے چچا۔" خبر اتنی مسالے دار تھی کہ ملک فیاض کو وہاں سے اٹھ کر حویلی آنا پڑا۔
"کون مردود ہے وہ' کس کو موت کی طلب ہوئی ہے بتاؤ۔" لہجے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی دہک اٹھی تھیں' شیر دل مونچھوں کو بل دیتا مسکرا دیا۔
"چیونٹی ہے چچا' ذرا سا ہاتھ میں لے کر مسلیں گے تو مر جائے گی۔"
"اوئے پہیلیاں نہ بجھوا' سیدھی طرح نام بتا' اتنا ٹائم نہیں ہے میرے پاس کہ تیری بجھارتیں بوجھتا پھروں۔" وہ غصہ ہوا تھا' شیر دل کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔
"افشین...... زلیخا کی بیٹی' میں نے خود اسے تہہ خانے سے نکل کر گھر جاتے دیکھا ہے چچا...... بڑی ہوشیاری سے ادھر اُدھر دیکھتی چل رہی تھی مگر میری نگاہوں سے نہیں بچ سکی۔" اس کی اطلاع ایسی تھی کہ سامنے کھڑے ملک فیاض کے دماغ کی رگیں تن گئیں' اتنی حقیر ملازمہ اور ایسی جرأت۔
"کہاں ہے وہ اس وقت؟"
"حویلی میں ہے چائے پکا رہی ہے۔"
"ٹھیک ہے' رسم قل سے فارغ ہو کر نپٹتا ہوں اس سے۔" اس کا کہنا ہی طوفان کی علامت تھا' شیر دل اثبات میں سر ہلا کر واپس پلٹ گیا۔
افشین مہمانوں کے لیے چائے پکا کر فارغ ہوئی تو ساتھ ہی شہزاد کے لیے ناشتا بھی تیار کرلیا۔
دوپہر کے دو بج رہے تھے جب وہ سارے کام نپٹا کر فارغ ہوئی' ٹفن میں شہزاد کے لیے کھانا ڈال کر ابھی وہ تہہ خانے کی طرف جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ ملک فیاض نے اسے اپنے حضور حاضری کا پیغام دے بھیجا' ٹفن وہیں رکھ کر وہ مردانے کی طرف چلی آئی۔
"سلام سائیں آپ نے بلایا؟"
"بات کرنی تھی تجھ سے۔" بیڈ پر بیٹھا وہ فرعون ہی لگ رہا تھا' افشین نے نظریں اٹھا کر دیکھا شیر دل بھی وہیں موجود تھا' اس کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا۔
"حکم کریں سائیں' کیا بات ہے؟" اس بار وہ بولی تو اس کے لہجے میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی' ملک فیاض بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"حکم نہیں بابا' درخواست ہے چھوٹی سی۔ پچھلے تین دن سے شہزاد' میری بیوی ادھر تہہ خانے میں بھوکی پیاسی پڑی ہے' غصے میں آ کر میں ہاتھ اٹھا بیٹھا اس پر۔ اب شرمندہ ہوں' معافی مانگنا چاہتا ہوں اس سے مگر وہ ہے کہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں' مر جائے گی وہاں بھوکی پیاسی' اس کے پاس جاؤ بابا...... اسے سمجھاؤ کہ اندر سے دروازہ کھول دے' ضد نہ

کرے۔" اس کا لہجہ قدرے نرم تھا' افشین کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
"سائیں میں...... میں کیسے......؟" ابھی اس نے زبان کھولی ہی تھی کہ فیاض کا زبردست تھپڑ اس کے منہ پر جا پڑا۔
"تڑاخ......" تھپڑ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود خود کو زمین پر اوندھے منہ گرنے سے نہ بچا سکی۔
"حرام خور...... ہوشیاری دکھاتی ہے مجھے' سالوں تیرے کمینے باپ دادا نے اس حویلی کا نمک کھایا اور آج انہی کی چھوکری ہمیں الو بنا رہی ہے' دھول جھونک رہی ہے ہماری آنکھوں میں۔" نرم لہجہ گرجدار ہو گیا تھا' افشین کا جسم کپکپانے لگا' ضرور کسی نے اس کی مخبری کردی تھی۔ اب کوئی راہ فرار نہیں تھی تبھی وہ ملک فیاض کے قدموں میں گر گئی۔
"معاف کردیں سائیں...... مجھ سے بھول ہوگئی' بہت بڑی غلطی ہوگئی مجھ سے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اس کی حیوانیت سے اچھی طرح آگاہ تھی تبھی گڑگڑا رہی تھی' جواب میں ملک فیاض نے اسے پاؤں کی ٹھوکر سے دور دھکیل دیا۔
"ٹھیک ہے کردیا معاف' جا...... جا کر دروازہ کھلوا اس سے۔"
"نہیں...... وہ اب دروازہ نہیں کھولیں گی سائیں وہ بے ہوش پڑی ہیں اندر۔"
"اچھا؟"
"جی' میرا یقین کریں' میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" اس کا لہجہ کانپ رہا تھا' ملک فیاض کا عتاب آسمان کو چھونے لگا۔
"شیر دل......" نہایت گرجدار آواز میں اس نے قریب کھڑے شیر دل کو یوں پکارا کہ خود وہ بھی گھبرا گیا۔
"جی چچا......"
"قل خوانی کا انتظار کرو کل افشین کے' کوئی کمی نہیں رہنے چاہیے کسی چیز میں' برسوں اس کے پرکھوں نے حویلی کی خدمت کی ہے کوئی قرض نہ رہے' سمجھے۔"
"جی چچا' ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"
"شاباش۔" اپنی بات مکمل کرکے وہ فوراً وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ افشین جیسے پتھر کا مجسمہ بنی وہیں زمین پر بیٹھی رہ گئی تھی۔
وہ جانتی تھی اب وہ زمین کی سات تہوں میں بھی چھپ جائے تب بھی ملک فیاض سے بچ نہیں سکتی تھی' ملک فیاض کی منہ سے نکلی بات پتھر پر لکیر کے مصداق تھی۔ شیر دل مسخرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ملک فیاض کے پیچھے ہی وہاں سے نکل گیا' وہ کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی جانے کیسے ہمت کرکے گھر آ گئی تھی۔ گھر میں چارپائی سے لگی ماں اور پانچویں کلاس میں پڑھتا اس کا چھوٹا بھائی آپس میں کوئی بات کرتے ہوئے ہنس رہے تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کی ماں کے لبوں کی ہنسی اڑن چھو ہوگئی۔
"افشی......" ہرنی جیسی سہمی ہوئی نگاہوں سے اس نے افشین کو پکارا تھا جواب میں وہ ماں کے وجود سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"کیا ہوا ہے' جلدی بتا نہیں تو میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"
وہ ماں تھی بیٹی کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت دیکھ کر اس کے اندر کا حال جان گئی تھی' افشین نے آنسو پونچھ لیے۔
"کچھ نہیں ماں' ملکوں کا ایک قیمتی برتن ہاتھ سے گر کے ٹوٹ گیا تو بہت باتیں سننے کو ملیں اسی وجہ سے رونا آ گیا۔"
"چل جھلی نہ ہو تو' میرا تو کلیجہ نکال کے رکھ دیا تو نے' میں بھی پتا نہیں کیا بات ہوگئی' تو بھی ناں افشین کچھ بھی دیکھ بھال کر نہیں کرتی' پتا نہیں کب عقل آئے گی تجھے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ افشین وہیں صحن میں کیکر کے درخت تلے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

کس منہ سے وہ اپنی ماں کو بتاتی کہ آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے بتانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا الٹا نقصان تھا۔ چند سال پہلے یونہی حویلی کی کسی ملازمہ کو ملک فیاض نے موت کی سزا سنائی تھی افشین اس وقت چھوٹی تھی اسے اس ملازمہ کے جرم کی خبر نہیں تھی تاہم اتنا ضرور پتا تھا کہ ملک فیاض کے قہر سے بچنے کے لیے حویلی کی وہ ملازمہ راتوں رات اپنے دو چھوٹے بچے لے کر شہر بھاگنے کی کوشش کررہی تھی جب ملک فیاض کے خاص آدمیوں نے اسے گاؤں کی حدود کے اندر بھاگتے ہوئے پکڑ کر نہ صرف موت کی نیند سلادیا بلکہ اس کے دونوں چھوٹے بچوں کی جان بھی لے لی تھی۔

وہ بھی اگر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتی تو لازمی طور پر ملک فیاض اس کے ساتھ ساتھ اس کے بھائی اور ماں کو بھی موت کی نیند سلادیتا۔ وہ اس شخص کے قہر اور حیوانیت سے بہت اچھی طرح آگاہ تھی تبھی اس نے ماں سے یہ بات چھپائی اگر اس کی ماں کو اس کی موت کے بارے میں پتا چل جاتا تو وہ کسی بھی قیمت پر اسے بچانے کی کوشش ضرور کرتی اور ایسی ہر کوشش میں اس کا خود مارے جانا سو فیصد یقینی تھا۔

سینکڑوں گاؤں والے ملک فیاض کی فرعونیت کی بھینٹ چڑھ گئے تھے مگر وہاں کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا اندھا قانون خود اس کے در کا فقیر تھا وہ کرتی بھی تو کیا کرتی؟

ملک فیاض کے حکم پر اگر وہ شہزاد سے تہہ خانے کا دروازہ کھلوا بھی لیتی تب بھی اس کی زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں تھی۔ ملک فیاض اس کے ساتھ ساتھ شہزاد کی جان بھی لے لیتا پھر وہ اس کی جان کیوں گنواتی مفت میں؟

دوپہر سے رات ہوگئی تھی اسے روتے ہوئے مگر کسی کو اس کے درد کی خبر نہ ہوسکی نجانے ملک فیاض کے آدمیوں نے اس کے لیے کیسی موت کا انتخاب کر رکھا تھا؟ اس رات وہ اپنی ماں کے ساتھ اس کی چارپائی پر سوگئی تھی اسے ڈر تھا کہیں ملک فیاض کے آدمی اسے رات کے اندھیرے میں اٹھا کر نہ لے جائیں۔ حویلی کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی اسے خوف محسوس ہورہا تھا۔

جانے کس بدبخت نے اس کی مخبری کردی تھی نجانے اس کے مرجانے کے بعد شہزاد کا کیا بننا تھا اسے تو شاید خبر بھی نہ ہو کہ وہ دنیا سے چلی گئی ہے۔ سوچیں تھیں کہ بدروحوں کی طرح دماغ سے چپک کر رہ گئی تھیں اس کی بھولی ماں اسے تسلی دے رہی تھی۔

"سوجا افشی...... تُو فکر نہ کر میں صبح خود تیرے ساتھ حویلی جاؤں گی میں ملک صاحب کے پیروں میں پڑ کر تیرے قصور کی معافی مانگ لوں گی میری دھی۔ تُو پریشان نہ ہو پندرہ سال حویلی کی خدمت کی ہے تیری ماں نے میری منت نہیں ٹالیں گے وہ ملک صاحب بڑا خیال رکھتے ہیں میرا۔" افشین سے زیادہ شاید خود کو بہلا رہی تھی افشین کے آنسوؤں کے سیلاب میں مزید شدت آگئی۔

❀......❀......❀

شام ڈھل رہی تھی سارا منیر حسن کچن میں تھی۔ حمنہ مریرہ کے پاس سے اٹھ کر صمید کو ڈھونڈتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی جہاں وہ صوفے پر نیم دراز آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ حمنہ اس سے قدرے فاصلے پر صوفے پر ٹک گئی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی صمید بھائی۔"

"جی فرمائیے۔" آنکھوں سے بازو ہٹا کر وہ فوراً اٹھ بیٹھا حمنہ اس کے لہجے کی سرد مہری پر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

کیا یہ وہی شخص تھا جس سے مریرہ الفت کا دم بھرتی تھی؟ قابل افسوس نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے حمنہ نے نظریں جھکالیں۔

”دیکھیے‘ میں یہ تو نہیں جانتی کہ آپ کے اور مریہ کے درمیان ایک تیسرے فرد کی گنجائش کیونکر پیدا ہوئی مگر آپ کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ مریہ ٹھیک نہیں ہے‘ وہ حاملہ ہے اسے اس وقت آپ کی محبت اور توجہ کی بہت ضرورت ہے مگر وہ اپنا بالکل خیال نہیں رکھ رہی‘ میں نہیں چاہتی وہ جذباتی ہو کر اپنا یا اپنے ہونے والے بچے کا کوئی نقصان کرے اس لیے پلیز جتنی جلدی ممکن ہو سکے اپنے اور اس کے درمیان بنتی دیوار کو گرا دیجیے نہیں تو آپ دونوں کا بہت نقصان ہو سکتا ہے۔“ مریہ کی پریگنینسی اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھی وہ بہت حیرانی سے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

”میرے اور مریہ کے درمیان بنی دیوار اسی وقت گرے گی جب آپ اس گھر میں اپنی آمد و رفت بند کر دیں۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے پر حیران ہوئی تھی‘ صمید حسن نے رخ پھیر لیا۔

”میں نے فارسی میں نہیں کہا‘ میرے خلاف مریہ کے کان بھرنے والی آپ ہی ہیں‘ جب تک آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی‘ میرے اور اس کے درمیان کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں‘ میں نے کیا کیا ہے؟“ وہ اب روہانسی ہو رہی تھی صمید نے دانتوں پر دانت جما لیے۔

”کیا نہیں کیا آپ نے‘ میری اور سارا کی کہانی کو غلط انداز میں مریہ رحمان کے سامنے لانے والی آپ کے سوا اور کوئی نہیں‘ دن رات نجانے کیا کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہیں آپ اسے۔“

”جسٹ شٹ اپ‘ مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو پٹیاں پڑھانے کی۔“

”ضرورت ہے تبھی تو یہ مہم چلا رہی ہیں آپ‘ آپ کا اپنا گھر تو بسا نہیں‘ کسی اور کا گھر بستے کیسے دیکھ سکتی ہیں آپ؟“

”بس صمید بھائی‘ بہت بول چکے آپ اور بہت زیادہ برداشت کر لیا میں نے‘ اس سے آگے میں ایک لفظ برداشت نہیں کروں گی۔“ وہ غصے سے کانپ اٹھی تھی صمید حسن نے سر جھٹک دیا۔

”سچ اسی طرح کڑوا لگتا ہے۔“ اس کی آواز مریہ کے کمرے تک بھی پہنچ رہی تھی‘ وہ زخمی ناگ کی طرح بل کھا کر کمرے سے باہر نکلی۔

”تم میری دوست کی اس طرح سے تذلیل نہیں کر سکتے صمید حسن۔“

”تمہاری دوست‘ مائی فٹ۔“

”ایک منٹ مریہ‘ مجھے بات کرنے دو۔“ حمنہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند چھا گئی تھی صمید کا غصہ بڑھ گیا۔

”مجھے آپ کی کوئی بات بھی نہیں سننی‘ بہتر ہوگا اگر آپ یہاں سے چلی جائیں اور دوبارہ کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھیں۔“

”دیکھ لیا حمنہ..... اس شخص کے ساتھ نبھا کرنے کا کہہ رہی ہو تم مجھے؟“ مریہ کی آنکھیں ضبط کی شدت سے سرخ ہو گئی تھیں‘ حمنہ کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ ٹپک پڑا۔

”ہوں‘ دیکھ رہی ہوں‘ جو مرد عورت کی عزت کرنا ہی نہ جانتا ہو وہ واقعی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ ایک وفادار باکردار عورت زندگی بسر کرے۔“ ٹوٹے ہوئے لہجے میں اس نے ایک نظر صمید حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر مریہ کے ہاتھ تھام لیے۔

”تمہیں اس شخص کی طرف نہیں دیکھنا مریہ..... اپنے بچوں کی طرف دیکھنا ہے۔ میں آج رات کی فلائٹ سے جا رہی ہوں‘ واپس کب آؤں گی کچھ کنفرم نہیں مگر میرا تمہارے شوہر سے وعدہ ہے مریہ..... حمنہ حسین جب تک زندہ

رہے گی آج کے بعد اس گھر کی دہلیز پار نہیں کرے گی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک اور قطرہ پھسل کر گرا‘ مریہ رحمان تڑپ کر رہ گئی۔

"نہیں تم ایسا نہیں کرو گی۔"

"میں ایسا ہی کروں گی میرو اور جہاں تک میرا گھر نہ بسنے کا سوال ہے تو بدقسمتی سے میرا شوہر بھی رنگین مزاج نکلا۔ میری محبت‘ میرا اعتبار‘ سب خاک میں ملا دیا اس نے‘ میرے ساتھ کی ضرورت نہیں رہی تھی اسے لہٰذا میں نے اسے اس کی دنیا میں خوش آباد چھوڑ دیا‘ اللہ نہ کرے تمہیں کبھی یہ دکھ اٹھانا پڑے‘ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے اس رشتے کو نبھانے کی کوشش کرنا نہیں تو کہیں کی نہیں رہو گی تم۔" شکستہ لہجے میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے مریہ کے گال پر پیار کیا پھر محبت سے اس کے دونوں ہاتھ دبا کر اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی وہ وہاں سے نکل گئی۔

مریہ رحمان کو لگا اس کے دل میں مکین صمید حسن کی محبت کا مجسمہ پاش پاش ہو گیا ہو حمنہ کے وہاں سے رخصت ہوتے ہی وہ خود بھی پلٹ کر اپنے کمرے میں مقید ہو گئی تھی۔ صمید بالوں میں انگلیاں پھنسائے وہیں بیٹھا رہا جبکہ کمرے کی دہلیز پر کھڑی سارا منیر حسین کے لبوں پر اس وقت نہایت معنی خیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

❁.......❁.......❁

تیسرا دن تھا مریہ رحمان کو کمرا بند کر کے روتے ہوئے جب اس روز صمید کی ہمت جواب دے گئی اور اس نے ہر چیز بالائے طاق رکھتے ہوئے مریہ سے معافی مانگ کر اسے منانے کا فیصلہ کر لیا نہ صرف مریہ کو منانے کا فیصلہ کر لیا بلکہ وہ سارا منیر حسین کو چھوڑنے پر بھی تیار ہو گیا۔

اس نے سوچ لیا تھا وہ سارا کو طلاق دے کر علیحدہ گھر میں شفٹ کر دے گا اور پھر کوئی اچھا سا شخص دیکھ کر اس کی شادی کر دے گا ابھی اس نے طلاق کے پیپرز بھی بنوا لیے تھے۔ سارا منیر حسین کی علم میں یہ بات آئی تو وہ تڑپ کر رہ گئی تاہم اس نے صمید حسن پر اپنے جذبات ظاہر نہیں کیے‘ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی جب صمید بولا۔

"مجھے معاف کر دینا سارا مگر یہ حقیقت ہے میری زندگی میں مریہ رحمٰن کے سوا دوسری کسی بھی عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں‘ اس لیے بہتر ہے کہ ہم ابھی سے ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ دیں۔"

"ہوں آپ صحیح کہہ رہے ہیں صمید مگر مجھے نہیں لگتا کہ مریہ آپی اب آپ کے ساتھ رہیں گی‘ آپ ایک بار ان سے کنفرم کر لیں۔"

"اس سے کنفرم کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ میری جان ہے‘ میرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی وہ۔"

"ٹھیک ہے مگر میں آپ سے طلاق نہیں لوں گی آپ ان سے کہہ دینا کہ آپ نے مجھے چھوڑ دیا‘ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کبھی زندگی بھر آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔"

"نہیں سارا‘ میں اس بار اس سے کوئی جھوٹ نہیں بولنا چاہتا۔" حتمی لہجے میں کہتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ سارا نے اپنے آنسو کی بوند کو انگلی کی پور پر رکھ کر جھٹک دیا۔

"آپ جھوٹ نہ بولیں صمید‘ میں ایسا جھوٹ بولوں گی کہ وہ آپ کی شکل بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرے گی‘ آپ نہیں جانتے آپ میرے لیے کیا ہیں‘ میں آپ کو‘ اس گھر کو‘ اس گھر کی کسی بھی چیز کو کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتی‘ ایم سوری۔" صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندتے ہوئے اس نے دل میں کہا تھا اور پھر فوراً اٹھ کر مریہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرا اندر سے مقفل تھا‘ اس نے کئی بار دستک دی مگر دروازہ نہیں کھلا‘ اچھی طرح مطمئن ہو کر وہ اپنے کمرے میں

آ گئی۔ شب کے تقریباً ایک بجے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے صمید حسن کو مریہ رحمٰن کے کمرے کی دہلیز کے باہر کھڑے ہو کر روتے دیکھا' وہ دستک دے رہا تھا مگر دروازہ بند تھا۔ اندر سے زاویار کے رونے کی آواز بھی آرہی تھی مگر مریہ نے دروازہ نہیں کھولا۔ صبح ہوئی تو صمید اپنے کمرے میں اوندھے منہ لیٹا تھا' وہ آ کر پاس بیٹھ گئی۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں صمید...... وہ اتنی آسانی سے آپ کو معاف نہیں کرے گی خیر اگر آپ کہیں تو میں ان کا دل صاف کرنے کی کوشش کروں۔ طلاق کے پیپرز بھی میں ان کے سامنے رکھ دوں گی' مجھے یقین ہے یہ پیپرز دیکھ کر وہ ضرور اپنی ناراضگی ختم کردیں گی۔''

''تمہیں جو کرنا ہے کرلو مگر پلیز ابھی یہاں سے جاؤ سارا...... میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں' پلیز۔''

''ٹھیک ہے۔'' قدرے سبکی محسوس کرتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئی' اپنے پیچھے دروازہ بھی اس نے اچھی طرح سے بند کردیا تھا۔ مریہ کو کہیں جانا تھا لہٰذا جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا سارا اس کے سامنے آ گئی۔

''مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔'' مگر وہ اس کی سائیڈ سے یوں گزر گئی جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو' شام چار بجے جب وہ واپس آئی تو صمید گھر پر نہیں تھا۔ ابھی اس نے اپنے کمرے میں قدم ہی رکھا تھا کہ سارا اس کے پیچھے چلی آئی۔

''ان پیپرز پر سائن کردو۔'' طلاق نامہ اس کے سامنے لہراتے ہوئے اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ مریہ کو چونکنا پڑا۔ وہ ابھی اپنے بیٹے کو بیڈ پر سلا کر سیدھی ہوئی تھی۔

''کیا ہے یہ؟''

''طلاق نامہ ہے صمید کی طرف سے۔'' بھرپور اعتماد سے کہتے ہوئے اس نے مریہ کے چہرے کی طرف دیکھا جو یکلخت بجھ گیا تھا۔

''اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی اسے؟''

''یہ تو تم اسی سے پوچھو ویسے اینٹھنا صرف گھوڑیوں کو زیب دیتا ہے' شادی شدہ بیویاں بلاوجہ اینٹھنا شروع کردیں تو مردوں کے دل سے اتر جاتی ہیں۔ بہرحال تمہاری زندگی ہے جو دل میں آئے کرو فی الحال میں اور صمید گھومنے پھرنے ترکی جارہے ہیں' ہماری واپسی تک اپنا سامان باندھ لینا' میں اب تمہیں مزید اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔'' جلے کٹے لہجے میں کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی تھی' مریہ کی آنکھوں سے پھر درد کا چشمہ ابلا تھا۔

کیا یہی صمید حسن اور اس کی محبت کی حقیقت تھی؟ کیا یہی وہ رشتہ تھا جس کے لیے اس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ کیسا شخص تھا وہ جسے اپنے بچوں کی پروا بھی نہیں تھی' وہ جتنا سوچتی جاتی روتی جاتی تھی۔

حمنہ ایبروڈ چلی گئی تھی' کرنل صاحب ابھی پاکستان واپس نہیں آئے تھے' ان کے اپنے بیٹے کی حالت سیریس تھی' وہ کہاں جاتی؟ دنیا میں جیسے اس کے لیے کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا اور وہ شخص جسے اس کے برے وقت میں اس کے تایا نے سہارا دیا اس پر اعتبار کیا اپنی بیٹی تک اسے سونپ دی وہی شخص آج اسے سولی پر لٹکا کر خود دنیا گھوم رہا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ اسے گولی مار دے مگر کاش یہ ممکن ہوتا' ساری رات یونہی انگاروں پر لوٹتے گزر گئی تھی' صبح ہوئی تو اس نے اٹھ کر وضو کیا اور اپنے سوہنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوگئی۔ نماز سے ذہن قدرے پرسکون ہوا تو وہ زاویار پر کمبل سیٹ کرکے کمرے سے باہر نکل آئی۔ صمید ناشتا کررہا تھا' سارا کا دل زور سے دھڑک اٹھا نجانے وہ کیا کرنے والی تھی' مریہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر خود صمید جیسے پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اس کی آنکھیں متورم تھیں' صمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تحقیق، معیار، کفایت
اشرف
اشرف ® کی روایت
قائم شدہ 1939
270 سے زائد قدرتی ادویات کے ساتھ
صحت مند پاکستان
شربت بزوری
شربت بزوری
شربت صندل
الائچی
شربت تسکینِ جگر
اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

''سارا منیر حسین کو طلاق کے پیپرز دے کر تم نے میرے پاس بھیجا؟'' پہلا سوال ہی اس نے یہی کیا تھا صمید کی نگاہیں فوراً سارا کی طرف اٹھیں اور تبھی اسے یاد آ گیا کہ سارا نے اس سے کیا کہا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا ناں صمید...... وہ اتنی آسانی سے آپ کو معاف نہیں کرے گی اگر آپ کہیں تو میں ان کا دل صاف کرنے کی کوشش کروں گی۔ طلاق کے پیپرز بھی ان کے سامنے رکھ دوں گی مجھے یقین ہے یہ پیپرز دیکھ کر وہ ضرور آپ کو معاف کر دیں گی۔'' گویا سارا نے اس نے سب سچ بتا دیا تھا تبھی اسے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہوں۔'' اس کے اثبات میں سر ہلانے کی دیر تھی مریرہ رحمٰن کے اندر تعمیر محبت کی عمارت زمین بوس ہوگئی جانے کتنی مشکل سے اس نے اپنے آنسوؤں کو اپنے اندر چھپایا تھا۔

''کیا تمہیں میرے فیصلے سے خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ پوچھ رہا تھا مریرہ کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بہت خوشی ہوئی شاید میں بھی یہی چاہتی تھی۔'' کہنے کے بعد وہ رکی نہیں تھی پلٹ کر واپس اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔ سارا منیر حسین نے بے ساختہ سکون کا سانس لیا جبکہ صمید اب حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری بات ہوئی تھی مریرہ سے؟''

''ہوں میں نے پیپرز اس کے سامنے رکھ کر اسے یقین دلایا کہ میرے اور آپ کے بیچ کچھ بھی نہیں ہے آپ صرف اور صرف اسے چاہتے ہیں مگر وہ خوش نہیں ہوئی صمید...... اس نے کہا کہ اسے اب آپ کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''جھوٹ بولتی ہے وہ تم نے آنکھیں نہیں دیکھیں اس کی کتنی ویران لگ رہی تھیں۔''

''ہوں آنکھیں تو واقعی ویران تھیں مگر ہوسکتا ہے اس کی وجہ کچھ اور ہو۔''

''کیا مطلب؟'' وہ الجھا تھا سارا اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''ایک بات ہے صمید جو میں کب سے دل میں چھپائے بیٹھی ہوں آپ مریرہ سے جتنی محبت کرتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اسی لیے میں نے آج تک کبھی آپ کو یہ بات نہیں بتائی۔''

''کیسی بات؟''

''ایک شخص ہے شاید عمر نام ہے اس کا پہلے پہل وہ لینڈ لائن نمبر پر مسلسل اس وقت کالز کرتا رہتا تھا جب آپ گھر پر نہیں ہوتے تھے پھر اس نے گھر آنا شروع کر دیا۔ مریرہ آپی اس کے ساتھ کمرا بند کر کے کئی کئی گھنٹے بیٹھی رہتی تھی میں نے سمجھا شاید وہ اس کے بھائی ہیں پھر کچھ روز کے بعد دونوں نے اکٹھے باہر جانا شروع کر دیا جن دنوں آپ ملک سے باہر تھے دونوں کافی ٹائم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے میں انہیں بہن بھائی ہی سمجھتی رہتی جو اگر اس روز میں وہ منظر نہ دیکھ لیتی۔'' دھیمی آواز میں وہ اسے وہ کہانی سنا رہی تھی جو خود اس کے اپنے دماغ نے گھڑی تھی۔ صمید کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا بھلا سارا منیر حسین کو جھوٹ بولنے کی کیا ''ضرورت'' تھی وہ تو اس کی نظر میں مریرہ سے بے حد مخلص تھی پھر اسے بھلا عمر عباس کا کیا پتا؟ وہ تو اسے جانتی بھی نہیں تھی۔

''کیسا منظر؟'' بے حد ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

''اس روز میں سو رہی تھی اچانک کسی کی ہنسی سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ونڈو میں آ کر دیکھا تو وہ شخص لاؤنج میں کھڑا تھا اس کے بازو مریرہ کی کمر کے گرد لپٹے تھے اور میرے سامنے اس نے مریرہ آپی کے گال پر پیار کیا تھا جواب میں مریرہ آپی نے شرما کر اس کے سینے پر مکا رسید کر دیا۔ وہ دونوں بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہے تھے اس روز......''

''بکواس ہے یہ مریرہ ایسی نہیں ہے اور پھر عمر عباس بھی ملک سے باہر ہے۔'' وہ غصہ ہوا تھا سارا نے ہار نہیں مانی۔

''میں جانتی تھی آپ کو دکھ ہوگا اور یہ بھی کہ آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے اسی لیے یہ بات میں نے قیمتی راز

غزل

ترک کج کی جو راہ کرتے ہیں
ہر کسی سے نباہ کرتے ہیں
ہم کڑے وقت میں بہر صورت
رب کی حاصل پناہ کرتے ہیں
صبر کرنا سرشت ہو جن کی
کب مصیبت میں آہ کرتے ہیں
جن کو دعویٰ ہے پارسائی کا
کچھ نہ کچھ تو گناہ کرتے ہیں
ہے بزرگوں کا آسرا گھر میں
وہ سفید و سیاہ کرتے ہیں
ہجر لمحوں کی آگ میں جل کر
کیوں وہ خود کو تباہ کرتے ہیں
بے بسی کا گمان ہوتا ہے
جب وہ نیچی نگاہ کرتے ہیں
جرم کرے ہیں اس صفائی سے
خود کو اپنا گواہ کرتے ہیں
وہ بھی ہیں جو جہیز کی خاطر
اپنے بیٹوں کا بیاہ کرتے ہیں
شعر سنتے ہیں جب کوئی اچھا
سر کو دھنتے ہیں واہ کرتے ہیں

شاکر نظامی......سرگودھا

کی طرح آج تک دل میں چھپائے رکھی' خیر آپ کو آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے میں کپڑے ہینگ کرتی ہوں آپ باتھ لے لیں۔" اس نے چنگاری چھوڑنی تھی چھوڑ دی اب اس پر دیر تک سوچتے رہنا صمید حسن کا کام تھا اس کا نہیں لہٰذا اطمینان سے اٹھ گئی۔

صمید حسن کبھی نہیں جان سکتا تھا کہ اس نے یہ کہانی مریرہ رحمان کے موبائل میں جانے کب کے محفوظ کیے ہوئے عمر عباس کے چند میسجز پڑھ کر اپنے ذہن سے تخلیق کی ہے اور واقعی وہ اپنی بربادی تک کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔

❁.........❁.........❁

اس روز بہت بارش ہوئی تھی۔ صبح سے وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی' مریرہ کو زاویار کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں پھر کمرے کی چار دیواری میں مسلسل قید سے بھی اس کا دم گھٹنے لگا تھا' تبھی بارش کے رکتے ہی وہ ننھے زاویار کو ساتھ لے کر مارکیٹ چلی آئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہاں عمر عباس سے اس کی مڈبھیڑ ہو جائے گی۔

پورے دو سال ہوگئے تھے اسے عمر عباس کو دیکھے ہوئے اب تو وہ اسے یاد بھی نہیں رہا تھا کہ اچانک بوتیک کے دروازے سے نکلتے ہوئے اس کا ٹکراؤ عمر عباس سے ہوگیا۔ بڑھی ہوئی شیو اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں' کمزور سادہ شخص اس عمر عباس سے قطعی مختلف تھا جسے وہ جانتی تھی۔ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی مریہ رحمان کی آنکھیں بھرا گئی تھیں جبکہ وہ ٹھٹک گیا۔

"ایکسکیوزمی! مجھے عمر عباس کہتے ہیں اور آپ؟" وہ سنجیدہ تھا' مریہ مسکرادی۔

"مریہ رحمان......"

"اوہ نائس نیم' ویسے چڑیلیں ایسے ہی نام شوق سے رکھتی ہیں' میں بھی کہوں اتنی بارش میں جب بندے کو بندہ نظر نہیں آرہا' مجھے کسی خوب صورت لڑکی نے ٹکر کیسے ماردی؟" اس کا انداز آج بھی وہی تھا' وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"یہ کون ہے؟" اس کی گود میں چھپے ننھے زاویار کا گال پر چٹکی بھرتے ہوئے اس نے اگلے ہی پل سوال کیا تو مریہ نے بچہ اسی کی گود میں دے دیا۔

"میرا بیٹا ہے زاویار......"

"اوہ' میں سمجھا شاید تم کسی کا بچہ اٹھالائی ہو' ویسے بچہ خوب صورت ہے بالکل تمہاری طرح۔"

"شکریہ۔"

"باہر بہت زیادہ بارش ہورہی ہے' اتنے چھوٹے بچے کو لے کر کہاں جارہی ہو۔"

"گھر جارہی تھی اور کہاں جاسکتی ہوں میں۔"

"ہمم...... یہ بھی سوچنے والی بات ہے ویسے آئی کس کے ساتھ ہو؟"

"کسی کے ساتھ نہیں' ٹیکسی سے اکیلی آئی تھی اکیلی ہی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے' تم یہیں رکو' میں گاڑی لے آتا ہوں پر کسی اچھی سی جگہ بیٹھ کر ایک کپ چائے پیتے ہیں' اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو۔"

"شیور۔" وہ اتنے خلوص سے آفر کررہا تھا' مریہ نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا' جواباً وہ پارکنگ سے گاڑی نکال کر اس کے قریب لے آیا۔

بارش تیز ہورہی تھی' عمر نے گاڑی سے باہر نکل کر زاویار کو پھر اپنی گود میں لے لیا۔ جس وقت وہ بچہ گود میں لے کر مریہ کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا عین اسی لمحے بوتیک سے کچھ ہی فاصلے پر قائم ریستوران کے باہر کھڑے صمید حسن کی نگاہوں نے وہ منظر دیکھا تھا۔ دماغ تو پہلے ہی سارا منیر حسین کی باتوں نے بارود بنایا ہوا تھا' یہ منظر گویا بارود میں چنگاری کا کام کرگیا۔

مریہ گاڑی میں بیٹھ کر جاچکی تھی' وہ وہیں پتھر بنا کھڑا رہا۔ مریہ رحمٰن اور صمید حسن کی کہانی میں یہ دن آخری پتھر ثابت ہوا تھا' ہجر کی صبح کے سورج نے سر اٹھایا' شب ابھی بہت دور تھی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ

قبلہ رُو ہو گئے
اُم ایمان قاضی
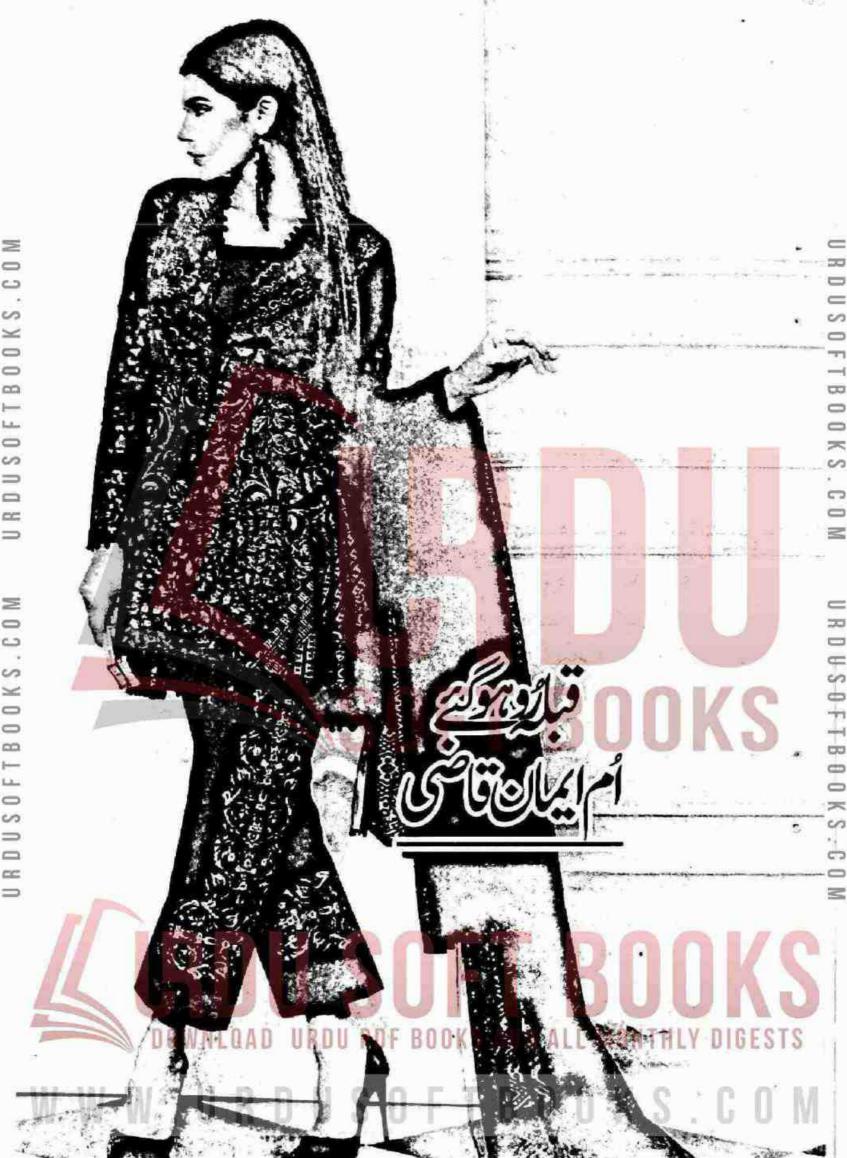
پھولوں میں تُلے‘ چاند ستاروں میں رہے ہیں
کچھ لوگ ہمیشہ ہی بہاروں میں رہے ہیں
ہے اُن سے توقع ہی غلط حرمتِ فن کی
ہر دور کے جو نغمہ نگاروں میں رہے ہیں

ست روی سے وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن چل رہی تھی جب اپنے بالکل پاس بائیک رکنے کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی مگر سعد پر نظر پڑتے ہی ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔

”اپنے گھر سے تو تم نے کبھی آنا نہیں ہماری طرف ناک سے لکیریں کیوں نہ نکال لیں ہم‘ مگر آج سر راہ نظر آ ہی گئی ہو تو اپنے گھر لیے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گا۔“ وہ جو جواب میں انکار کرنے کا سوچ رہی تھی اس کا استاد ٹوک اور قطعی انداز دیکھ کر گویا ہار مان کر ساتھ بیٹھ گئی۔

”پیدل کیوں چل رہی تھیں؟“

”پریکٹیکل تھا آج تو پوائنٹ مس ہوگئی‘ مین روڈ سے رکشا لینے کا سوچ رہی تھی اور تم سناؤ کیسے ہو پھوپو کیسی ہیں؟“

”میں بھی ٹھیک ہوں‘ امی بھی بالکل ٹھیک ہیں بس آج کل اپنی پیاری بھتیجی کی یاد میں اداس رہتی ہیں‘ جس کو منہ دیکھنے پر محبت یاد آتی ہے اور آج تیسرا دن ہے تمہاری یونیورسٹی کے چکر لگاتے ہوئے تب جا کر کہیں محترمہ دستیاب ہوئیں۔“ بائیک کی رفتار بڑھاتا وہ کچھ جتا کر بولا۔

بیس منٹ بعد ہی وہ پورے دو ماہ بعد پھوپو سے مل رہی تھی جو اس کو گلے سے لگا کر آبدیدہ ہوگئیں۔

”کتنے دن سے یاد کر رہی تھی تم دونوں کو‘ ایک دفعہ تو دل پر پتھر رکھ کر خود آنے کو تیار ہوگئی مگر عادل نے روک دیا کہ نجانے وہاں ممانی کیا سلوک کریں‘ میں خود ہی اسے یونیورسٹی سے لے آؤں گا۔ میرے مرحوم بھائی کی بچیاں ہو تم لوگ‘ تم لوگوں سے مجھے ان کی خوشبو آتی ہے۔ آجایا کرو بیٹا...... میرا کلیجہ ٹھنڈا کرنے۔“ وہ کتنی ہی دیر اسے لپٹائے کھڑی رہیں‘ عروہ دل ہی دل میں بے حد شرمندہ ہوئی اور عہد کیا کہ آئندہ ضرور ہفتہ میں نہیں تو مہینے میں ایک بار ان کو اپنی شکل دکھا جایا کرے گی۔

❀......❀......❀

زرینہ خاتون بہت غصے میں تھیں اسی لیے بیٹیوں پر خوب گرج برس رہی تھیں۔

”ہر خاندان کے بزرگوں نے زندگی گزارنے کے کچھ اصول مقرر کر رکھے ہوتے ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنا اس خاندان کے ہر فرد کا فرض ہوتا ہے اور جو لوگ روایات کے امین نہ ہوں وہ باغی کہلاتے ہیں‘ ان کو پھر خاندان بھی قبول نہیں کرتا۔ میں اوروں کو نہیں جانتی مگر تم لوگوں کو میں یہ بات گھول کر پلا چکی ہوں کہ پہلے زمانے میں تو لڑکیوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا یا دفنا دیا جاتا تھا۔ صحیح کرتے تھے وہ لوگ‘ لڑکی ہے ہی ایسی تذلیل کا نام جسے وقت کے وقت ٹھکانے نہ لگایا جائے تو موقع ملنے پر ماں باپ کے منہ پر کالک ملنے سے بھی نہیں چوکتی۔ وہ وقت گزر گئے مگر آج بھی لڑکیوں کی اوقات وہی کی وہی ہے‘ بھلے انہیں دفنایا نہیں جاتا مگر بہرحال زندہ رکھ کر بھی ماں باپ عمر بھر کی ذلالت گلے میں ڈالے رکھتے ہیں۔ جب یہ بات طے ہے کہ پرکھوں کی زمین جائیداد میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں تو ایک بار کیوں نہیں سمجھ آتی یہ بات۔ ایک بے حیا تھی تو ماں باپ کے مقابل عدالت میں آ کھڑی ہوئی حق مانگنے‘ دوسری ہے تو دبے دبے لفظوں میں روز ہی اپنا حق سنانے چلی آتی ہے۔ میں پوچھتی ہوں کیسا حق‘

کون سا حق...... کون سا تمہارے سسرال والے دے کے گئے تھے یہ حق' دق...... جو تم لوگوں کے نصیب کا تھا' وہ تم لوگوں کی اوقات کے مطابق دے چکے ہم۔ اب اگر کوئی مسئلہ ہے بھی تو ہم کچھ امداد کرسکتے ہیں مگر زمین یا جائیداد میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں مل سکتی تمہیں' ارے ہم تھے ہم سے پہلے کی بیٹیاں کس نے جائیداد میں سے حصہ مانگا؟ بالکل نہیں' ہمیں یہ ہی سبق پڑھایا گیا کہ بہنیں بھائیوں پر صدقے واری جانے کو پیدا ہوتی ہیں۔ ایک تم لوگ ہو جو بھائیوں کی بوٹیاں نوچنے کو تیار ہو۔" بولتے بولتے وہ ہانپ گئیں تو سکینہ ان کی جو چھوٹی بیٹی تھی نے اٹھ کر ان کی کمر سہلائی' پانی پلایا۔

"آپ تو خوامخواہ ناراض ہورہی ہیں اماں...... ہمیں اپنے خاندان کی سب روایتیں آپ ہی کی طرح عزیز ہیں اور ہم بھی اپنے بھائی پر جائیداد' زمین تو کیا جان وارنے کو بھی تیار ہیں۔ میں نے جائیداد میں حصہ نہیں مانگا صرف یہی کہا کہ بھائی نے بہت سا رقبہ فروخت کیا ہے' اس رقم میں سے کچھ پیسے ادھار ہی دے دیں' وہ بہت بیمار ہیں' گھر میں کھانے کے لالے پڑے ہیں' ایسے میں دواؤں کے لیے رقم کہاں سے آئے؟ آپ نے پوری بات سنے بغیر ہی اتنی باتیں سنادیں۔" دوسری بیٹی جس کی بات کی وجہ سے زرینہ خاتون غصے میں آگئی تھیں نے روتے ہوئے کہا۔ بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ دھیمی پڑ گئیں۔

"ایک کم بخت نے چوٹ ہی ایسی پہنچائی ہے' ہمیں کہ اپنی ہی اولاد پرائی لگتی ہے اب تو' روز عدالتوں کے چکر لگا لگا کر آدھا رہ گیا ہے میرا بچہ' سارا خاندان تھو تھو کررہا ہے۔ ایک ذلت تھوڑی تھی کہ اپنی مرضی سے غیر خاندان میں شادی کرلی' رہی سہی کسر عدالت میں جاکر جائیداد میں سے حصہ مانگ لیا۔" زرینہ خاتون کو ان کی سب سے بڑی بیٹی کی طرف سے ملنے والا دھچکا بہت شدید تھا۔

خاندان میں کوئی جوڑ کا تو کیا بے جوڑ رشتہ بھی موجود نہ تھا' جو زرینہ خاتون اس کو کھپا دیتیں مگر ان کی اور ان کے خاندان کی توقعات کے برعکس کہ وہ بھی کئی دوسری لڑکیوں کی طرح شادی کے بغیر ہی ماں باپ کی دہلیز پر زندگی گزار دے گی' پر اس نے اپنی سہیلی کے بھائی سے چوری چھپے نکاح کرلیا جس کی وجہ سے تمام خاندان نے اس سے قطع تعلق کرلیا تھا۔ سال بعد ہی اس نے ان لوگوں کو دوسری اور شدید زک تکلیف پہنچائی جب عدالت کے ذریعے جائیداد میں سے اپنا حصہ طلب کرلیا جو کہ ان کے خاندان میں بے حد غیر مناسب بات تھی کہ شادی ہوجانے کی صورت میں جہیز' زیورات تو حیثیت کے مطابق دیئے جاتے تھے بیٹی کو مگر زمین' جائیداد سے بیٹیوں کو محروم رکھا جاتا نتیجتاً تمام جائیداد لڑکوں کے حصوں میں آتی تھی' پر لڑکے غیر خاندان میں شادی نہیں کرنی جیسی شرط سے مستثنیٰ تھے۔ زرینہ خاتون کے خاوند بھی خاصی جائیداد چھوڑ کر وفات پاگئے تھے جس پر ان کے نزدیک ان کا اکلوتا بیٹا ہی وارث تھا۔ بیٹیاں جائیں بھاڑ میں اور قرآن اور حدیث اس بارے میں کیا رائے دیتے تھے' اس سے انہیں قطعاً کوئی سروکار نہیں تھا' اس واقعہ کے بعد گویا زرینہ خاتون کی زبان پر کانٹے اُگ آئے تھے اور وہ پرانے زمانے کی بیٹیوں کو زندہ دفنا دینے کی رسم کو کھلم کھلا حق بجانب قرار دینے لگیں۔ اب دوسری بیٹی ان کے اپنے خاندان میں بیاہی گئی تھی مگر دنوں میں ہی خاوند کی بیماری نے مالی حالات ایسے خراب کردیئے کہ ماں کے پاس مدد کی درخواست کیا لے کے آئی کہ زرینہ خاتون کے غصے کو سوا نیزے پر پہنچا دیا حالانکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ ان کا اکلوتا نور نظر باپ دادا کی خون پسینے سے جمع کرکے بنائی گئی جائیداد کو کیسے اللوں تللوں میں اڑا رہا تھا۔

❁......❁......❁

اس نے یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی مگر باہر جو چہل پہل اور روز مرہ کا ہنگامہ تھا اس کے باعث اس کا دل ہی نہ کیا اٹھ کر باہر جانے کو سو کسلمندی سے بستر پر ہی لیٹی رہی تاوقتیکہ جیا اس کا اور اپنا ناشتا کمرے میں ہی لے آئی۔

"میں دیکھ رہی ہوں عروہ' تمہاری دلچسپی دن بدن گھر میں کم ہوتی جارہی ہے۔ گھر میں ہوتے ہوئے بھی خود کو

ایک کمرے تک محدود رکھتی ہو ایسے تو تم اپنے گھر میں اجنبی ہو جاؤ گی عروہ۔“ اس کے گم صم انداز کو دیکھ کر جیا نے ٹوکا۔

”یہ گھر ہمارا ہے ہی کب جیا...... یہ تو اماں اور ان کے رشتہ داروں کا گھر ہے جب سے اماں اس گھر میں بیاہ کے آئیں تب سے ہی مگر ابا کی موجودگی بہت ڈھارس تھی میرے لیے۔ اماں جو کہتیں یا کرتیں میں نے کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ میرے ابا تھے میرے پاس‘ میرا مان‘ میری ڈھال میرا سب کچھ۔ ان کے جانے کے بعد کچھ بھی تو نہیں رہا ہمارے پاس‘ ماں تو پہلے ہی اپنی نہیں تھی گھر بھی تب تک اپنا تھا جب تک ابا حیات تھے‘ اب تو مجھے لگتا ہے کہ میں ایک خلا میں معلق ہوں نہ سر پہ آسمان ہے نہ پیروں کے نیچے زمین......“ ناشتا چھوڑ کر وہ دلگیری سے بولی تو جیا کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔

”تم ہر بات کا منفی پہلو تلاش مت کیا کرو عروہ‘ ایسے تو زندگی نہیں گزرتی ناں‘ تمہارے اس طرح سوچنے یا مایوس رہنے سے اماں نہیں بدلیں گی۔ ان کی فطرت میں ہے یا تربیت میں کہ میکے والوں کی محبت میں اولاد کو اس حد تک فراموش کردینا کہ ان کے حقوق تک سلب کرکے میکے والوں کے حوالے کرنا‘ میں اس چیز کو بہت پہلے قبول کرچکی ہوں اور ابا بھی شاید اس لیے ہمیں زیادہ محسوس نہیں ہوا‘ بعض لوگوں کی فطرت کو نہیں بدلا جاسکتا تو ان کو ان کی ویسی فطرت کے ساتھ ہی قبول کرلیا جانا چاہیے کیونکہ انہیں تبدیل کرنے کی خواہش اور کوشش ہمیں ہی تکلیف میں مبتلا کرتی ہے۔ تم یہ دیکھو کہ ہماری ماں جیسی بھی ہیں مگر اللہ نے ہمیں اتنے پیارے ابا بھی تو دیئے تھے۔ اپنے پرائے پر محبتوں کے خزانے لٹانے والے دردمند دل کے مالک جنہوں نے ساری زندگی اماں کی زیادتیاں نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیں بلکہ کسی حد تک ہمیں ماں کا پیار بھی دینے کی کوشش کی۔ اللہ کے کرم سے ہم کبھی کسی معاشی بدحالی یا تنگی کا شکار نہیں ہوئے ہمیشہ اچھا کھایا‘ پہنا اور برتا۔ کسی قسم کی کوئی پابندی بھی نہیں ہے ہم پر ان سب نعمتوں کے جواب میں اگر ایک اماں کی فطرت سے کمپرومائز کرلیا جائے تو میرے خیال میں ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔“ وہ سمجھانے کے ساتھ اس کے منہ میں نوالے بھی دیتی جارہی تھی بالکل ایسے جیسے کسی چھوٹے بچے کو کھلایا جائے پتا تھا اس کی یہ بہن کتنی حساس تھی اور ابا کے بعد تو خود کو اور زیادہ اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔

”ابا کے ہوتے مجھے کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا جیا مگر اب جب جب اماں کو دیکھتی ہوں اولاد کو فراموش کرکے صرف اور صرف اپنی بہن اور بھائی کے لیے‘ ان کی اولاد کی خوشیوں‘ ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے کوشاں تو مجھے دکھ ہوتا ہے۔ کیا کوئی ایسا بھی ہوتا ہے‘ جس کے لیے اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی اور بھی اہم ہوسکتا ہے؟“ وہ معصومیت سے بولی تو جیا مسکرادی اور اٹھتے ہوئے بولی۔

”اچھا اب جلدی جلدی ناشتا ختم کرو‘ آج شہر میں ہڑتال کے باعث میں بھی یونیورسٹی نہیں جارہی۔ دونوں بہنیں خوب باتیں کریں گے میں چائے لے کر آتی ہوں۔“

❁......❁......❁

زرینہ خاتون نے اپنی ساری اولاد کو جمع کیا کہ ان کی سب سے چھوٹی‘ تیسرے نمبر والی بیٹی کا رشتہ آیا تھا اور وہ رشتہ کسی بھی طور نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ لڑکا ان کے دور پرے کا عزیز تھا انہی کی ٹکر کا زمین دار‘ باپ وفات پاچکا تھا ایک بوڑھی ماں اور بہن تھی بس۔ لڑکے نے سکینہ کو خاندان کی کسی تقریب میں دیکھا تھا اور دل ہار بیٹھا تھا اگرچہ ماں‘ بہن اس خاندان میں اپنے بیٹے کو بیاہنے پر ہرگز رضامند نہیں تھیں کیونکہ وہ خود کسی غیر خاندان سے آئی تھیں مگر ان کو خاندان کی بعض غلط رسوم پر سخت اعتراض تھا۔ انہوں نے تہیہ کیا تھا کہ اپنی اولاد کو اپنے خاوند کے خاندان میں ہرگز نہیں بیاہیں گی اور کسی حد تک اپنے خاوند کو بھی قائل کرلیا تھا بعد میں خاوند کی زندگی نے ہی وفا نہ کی مگر ان کے ارادے بچوں کی شادی کے حوالے سے مستحکم تھے کہ ایسے خاندان میں ہرگز نہیں گھلنا ملنا جہاں لڑکی کو تیسرے درجے کی مخلوق تصور کیا جاتا ہو۔ اسے جائیداد کے علاوہ بھی اس کے ہر اولاد حق سے محروم رکھ کر صرف

بیٹوں کو ہی اہمیت دی جاتی ہو وہ خود صاحب جائیداد تھیں جو کہ ان کو ان کے والدین کی طرف سے ترکے میں ملی تھی؛ جبکہ اب جہاں ان کا بیٹا شادی کرنا چاہتا تھا وہ لوگ رشتے میں ان کے خاوند کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھی مگر ان کے طور طریقوں اور عجیب قسم کی فطرت کی بنا پر وہ ہرگز اس بات پر راضی نہیں تھیں کہ ان کا بیٹا یہاں سے بیوی لے کر آئے مگر بیٹے کی ضد پر مجبور ہوگئی تھیں جب اس نے جان دینے کی دھمکی دی تھی تب وہ دل پر پتھر رکھ کر بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔

"میں نے کچھ سوچا ہے۔" زرینہ خاتون نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

"نئے دور کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ لوگوں کی سوچ بدل رہی ہے اب جو کچھ بھی ہوگا پکے کاغذوں پر ہوگا ورنہ ایک نے جو راہ دوسروں کو دکھائی ہے دوسرے بھی اسی پر چل کر کل کو ہمیں عدالت کا منہ دیکھنے پر مجبور کر دیں گے ہم ایک چوٹ کھا چکے دوسری کی ہمت نہیں۔ اگرچہ لڑکا ہمارے خاندان کا ہے مگر اس کی ماں کچھ الگ مزاج رکھتی ہے۔ غیر خاندان سے ہے سو اس کے لیے شاید ان روایات کی اتنی اہمیت نہ ہو جو ہمارے لیے ہمارے بزرگوں کی روایت کی ہے۔ اس لیے سکینہ شادی سے پہلے ہمیں لکھ کر دے جائے گی کہ اس کا جتنا حصہ اس کے باپ کی جائیداد سے بنتا ہے وہ اپنے بھائی کے نام اپنی مرضی سے کر رہی ہے مزید ان لوگوں کو اگر رشتہ کرنا منظور ہے تو کچھ زرعی زمین سکینہ کے نام کرنی ہوگی۔" ان کی فیصلہ کن تقریر پر کسی کو نقطہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی سو جلد ہی پیغام بھجوا دیا گیا کہ اگر یہ شرائط منظور ہیں تو شادی کی تیاری شروع کر دیں مگر سلیم کی ماں یہ سب سن کر بگڑ گئی تھی۔

"اس لیے میں منع کرتی تھی کہ مجھے اس خاندان میں نہ تو اس لڑکی سے نہ ہی کسی اور لڑکی سے تمہاری شادی نہیں کرنی۔ جب قرآن و حدیث کا فیصلہ زمین و جائیداد کے معاملات میں صاف اور اٹل ہے تو یہ کون ہوتے ہیں اس طرح بیٹیوں کا حق کھانے والے چلوان کے گھر کا معاملہ

ہے خود ہی دوزخ کا ایندھن بننے کا سامنا کررہے ہیں۔ ہمیں نہیں چاہیے ان کی جائیداد۔ اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر میں اپنے باپ دادا کی جائیداد کس طرح اٹھا کر ایک انجان لڑکی کے حوالے کردوں۔" انہوں نے سر جھکائے بیٹھے بیٹے پر بگڑتے ہوئے کہا' ان کی بیٹی بھی پاس ہی بیٹھی تھی۔

"سلیم احمد...... میرے ابا مرحوم کہا کرتے تھے کہ رشتہ چاہے بیٹے کا کرو یا بیٹی کا شجرہ نسب سے لے کر خاندان کے ایک ایک فرد کی ہر خوبی خامی کو اچھی طرح جانچو پرکھو۔ یہ بھی نہ کرسکو تو اس کی ماں کے ہی طور طریقوں' رہن سہن' گفتگو' کردار و شخصیت کا کچھ عرصہ جائزہ لے لو ہر چیز آئینہ کی طرح شفاف نظر آئے گی۔ وہ تمام خامیاں جنہیں ہم چھوٹی چھوٹی خامیاں سمجھ کر اس وقت نظر انداز کردیتے ہیں آگے آکر ہمارے لیے مشکلات کے ایسے پہاڑ کھڑے کرتی ہیں جن کو عبور کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ میری بات کو سمجھو میرے بچے میں تمہاری دشمن نہیں ہوں' صرف بیٹیوں کے ہی نہیں' زندگی کے بہت سے معاملات پر اس خاندان کے غلط نظریات بے حد اٹل ہیں جبکہ مجھے اپنی نسل کی آبیاری کسی ایسی لڑکی کے ہاتھ نہیں کروانی جو شروع سے ہی ہمارے گھر میں غلط اور فرسودہ نظریات لے کر آئے۔ ایک مرد کی تعلیم و تربیت صرف اسی کی اپنی ہوتی ہے مگر ایک عورت کی تعلیم و تربیت کا اثر نسلوں تک رہتا ہے۔" وہ اپنی پوری کوشش کررہی تھیں کہ کسی بھی طرح کرکے اس شادی کو روک لیں۔

"میں آپ کی باتوں کو مانتا ہوں اماں......" کافی دیر سے خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھے سلیم احمد نے سر اٹھا کر کہا تو وہ خاموشی سے کھل گئیں کہ شکر ہے وہ بھی اپنے خاندان کی کافی ساری فرسودہ رسومات کے خلاف تھا اور بولتا بھی رہتا تھا کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ یا بہن کے ساتھ بالکل بھی ویسا نہیں کرے گا جیسا باقی لوگ کرتے تھے مگر اس کی اگلی بات ان کو پھر سے پریشان کرگئی جب اس نے کہا۔

"نسل در نسل چلی آنے والی روایتیں ایک طرف اماں مگر یہ بھی تو دیکھیں ہر گھر کا اپنا ایک ماحول ہوتا ہے۔ وہ لڑکی جسے میں نے پسند کیا ہے بے شک اپنی ماں کی تربیت کا اثر لے کر آرہی ہے مگر جب اس گھر میں آئے گی تو آپ پر مجھے پورا بھروسہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ہوئے اپنے جیسا بنادیں گے۔"

"ہونہہ...... پرانا درخت جب کسی زمین میں اپنی جڑیں مضبوط کرلیتا ہے سلیم احمد پھر نئی فضا اور ماحول کہاں اسے راس آتا ہے۔ وہ سوکھ جاتا ہے مگر نئی زمین اسے راس نہیں آتی۔" اماں نے اس کی بات کاٹی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اماں' لیکن درخت کا سایہ بھی تو کبھی اپنے لیے نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنا پھل کبھی خود کھاتا ہے اور جہاں سے درخت اکھاڑا جاتا ہے وہیں کی زمین بھی متاثر ہوتی ہے۔ آپ قرآن و سنت کی بات کررہی ہیں تو ہمیں بھی ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی روایات کو نظر انداز کرنا چاہیے۔" وہ ان کے تجربے کے نچوڑ کو دلائل سے نفی کررہا تھا بالآخر ان کو ہی ہار ماننی پڑی تھی۔

❁......❁......❁

"کہاں ہو...... مجھے تم سے ملنا ہے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس کو یونیورسٹی میں عادل کا ٹیکسٹ موصول ہوا تھا۔ عروہ فکر مند ہوئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اسی کی طرح بے حد محتاط طبیعت کا مالک تھا' اسے ہرگز بھی گھر سے باہر ملنا پسند نہیں تھا مگر اب وہ کہہ رہا تھا تو ضرور کوئی اہم مسئلہ ہی درپیش ہوگا۔

"خیریت......" اس نے جواباً ٹیکسٹ کیا مگر جواب میں اس کی کال آگئی جس میں اس نے عروہ کو ساری بات تفصیل سے بتادی تھی۔

"تم بے فکر ہوجاؤ عادل...... میں اماں کی فرماں بردار بیٹی ضرور ہوں مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کی بہن کے آوارہ نکھٹو بیٹے کو بھی قبول کرلوں گی۔ ہوسکتا ہے میری ماں کی ضد اور پھوپو سے ان کی چپقلش ہمیں ایک نہ ہونے دے مگر خالہ کی یہ خواہش ہرگز پوری نہیں ہوگی کہ میں ان کی بہو بنوں۔" بولتے ہوئے پتا نہیں کہاں سے

ڈھیر سے آنسو باہر نکلنے کو بے قرار ہوگئے۔ فون بند کرکے اس نے بیگ میں رکھ دیا' خالہ کی اولاد کا تصور ہی دل جلا دینے والا تھا خالہ اماں کی دست راست' جنہیں بچپن سے ہی اس نے اپنے گھر میں ان کے بال بچوں سمیت دیکھا تھا۔ دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ہمراہ اماں انہیں تب اس گھر میں لائیں جب وہ بیوہ ہوگئی تھیں۔ بہن بھائیوں کی محبت تو اماں کی گھٹی میں تھی ہی اوپر سے نانی کا حکم تھا کہ بہن بھائیوں کا ایک دوسرے پر حق ہوتا ہے۔ بھائی تو دوسری عورت کے کانوں سے سنتا اور اسی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے سو وہ چونکہ کھاتے پیتے گھر میں بیاہی گئی ہے' میاں بھی بھلا مانس ہے تو اسے ہی بہن کا سہارا بننا چاہیے عروہ کی دادی تو عدم کو سدھار چکی تھی۔ پھوپو بھی شادی ہوکر اپنے سسرال میں تھیں' ابا پر اماں شروع سے ہی حاوی تھیں سو بہن کی مظلومیت کے وہ قصے شوہر کو سنائے کہ وہ خود ہی بیوہ سالی کو ان کے یتیم بچوں سمیت گھر لے آئے تھے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

گھر آنے پر دونوں خالہ زاد بہنیں اپنے بال بچوں سمیت نظر آئی تھیں' اماں اور خالہ ان کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ خالہ کا اکلوتا فرزند خالد عرف خالدستا اس زنانہ محفل میں اپنی زنانہ خصوصیات سمیت موجود تھا۔ عروہ کا حلق تک کڑوا ہوگیا' سلام کیے بنا ہی وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔

"دیکھیں تو خالہ..... کتنے دنوں بعد چکر لگا ہمارا مگر عروہ نے ملنا تو دور کی بات سلام کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔" جاتے جاتے اس نے خالہ کی بڑی بیٹی کا شکوہ سنا' اماں کا جواب اسے ازبر تھا کہ "بس بیٹا کیا بتاؤں' اپنے ددھیال پر گئی ہے ویسی شکل ویسے ہی مزاج۔" اماں کی نادر رائے کانوں میں پڑتے ہی اس نے دھاڑ سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بیگ اچھال کر ایک طرف پھینکا' دل چاہ رہا تھا ابھی کے ابھی بھاگ کے باہر جائے اور اماں کے سب رشتہ داروں کو ایک ایک کرکے نکال باہر کرے جو نجانے کب سے جونک کی طرح ان کے گھر' خاندان سے چمٹ کر ان کا خون ہی نہیں چوس رہے تھے بلکہ ان کی ضروریات' خواہشات' آرزوئیں'

خواب اور ان کی ماں تک کی محبت کے حق دار بن بیٹھے تھے۔

کچھ دیر جلنے کڑھنے کے بعد اسے جیا کا خیال آیا جو یقیناً اس ساری پلٹن کے لیے پکوان تیار کرنے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ اسی کے ذمہ تھا کچن سنبھالنا اگرچہ کبھی وہ بیمار ہوتی یا مصروف ہوتی۔ اماں فٹ سے بازار سے کھانا منگوا کر دسترخوان سجا لیتیں' وہ اپنی دوستوں کی ماؤں کو دیکھ کر حسرت سے آہ بھر کر رہ جاتی' ان کی سمجھداری' گرہستی کے گن اور فہم و فراست جب جب دیکھتی' اپنی ماں کے طور طریقے یاد آتے تو اللہ سے شکووں کی تعداد اور بڑھ جاتی' اس نے ہوش سنبھالتے ہی خالہ کو اپنے گھر دیکھا تھا اور دونوں خواتین کی دلچسپی اپنے گھر سے زیادہ دوسروں کے گھروں میں دیکھی تھی۔ دونوں ہی فارغ وقت اپنے گھر کو دینے کی بجائے محلہ میں گزارنا پسند کرتیں۔ ابا جب تک رہے' دبے لفظوں میں کچھ کہتے تو مارے باندھے اماں جو پکا کے رکھ دیتیں وہ کھانے کے ہرگز قابل نہ ہوتا۔ جلد ہی خالہ نے اپنی بیٹیوں کو گھر کے کاموں پر لگا دیا کہ ان کی پڑھائی میں دلچسپی واجبی اور اپنی ماں کی طرح دیگر معاملات میں زیادہ تھی جبکہ جیا اور عروہ میں ابا کی طرح تعلیم حاصل کرنے کی لگن بھی تھی کچھ ابا بھی ان کی پڑھائی میں دلچسپی لیتے۔ ان کا باقاعدہ ٹائم ٹیبل تھا پڑھنے کا۔ ابا کو سوچتے نہ جانے وہ کہاں نکل گئی تھی' جب خیال آیا تو جیا کی خیال سے کچن کی سمت بھاگی۔ وہ جانتی تھی کہ اماں کو تھکی ہوئی اولاد سے زیادہ یہ فکر ہوگی کہ بیاہی بھانجیاں اپنے گھر سے کچھ اچھا کھا کر جائیں سو گھسا دیا ہوگا اس کو' جل کر سوچتے وہ کچن میں داخل ہوئی تو واقعی پژمردہ سی جیا کو مختلف چولہوں پر چڑھے پکوانوں سے نبرد آزما دیکھا۔

"پتا ہے جیا..... تمہارا پرابلم کیا ہے' اپنے حق کے لیے آواز بلند نہیں کرتی اور ایسا شخص ظلم کرنے والے سے بھی زیادہ ظالم ہوتا ہے۔ اماں کو انکار کرنا تمہیں کبھی نہیں آتا مگر اتنا تو کر ہی سکتی تھیں جو یہ پھاپھا کٹنی ٹائپ تمہاری کزنز ہر دوسرے روز اپنے مسٹنڈے شوہروں کے ہمراہ ٹھونسنے آجاتی ہیں' ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتا تھا۔"

"بری بات عروہ...... ایسے نہیں کہتے' اپنا گھر ہے ان کا اور مہمان ہیں وہ۔ میں مہمانوں سے کام کرواتی اچھی لگتی کیا اور روز تو ایسا نہیں ہوتا ناں۔ دوپہر کے لیے سالن تو میں پکا کے جاتی ہوں اب تو صرف پلاؤ اور سویٹ ڈش کا ہی اضافہ کیا ہے۔ تم بیٹھو میں تمہیں کھانا نکال دوں باقی سب نے تو ابھی فروٹ وغیرہ کھالیا ہے تو کھانا بعد میں کھائیں گے۔"
جیا ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھی۔

"خالہ نے یہ جو مجھے ہر جگہ اپنی بہو متعارف کرانا شروع کردیا ہے ناں جیا...... تو اپنی زبان میں اماں کو سمجھا دینا' ایسا میری زندگی میں تو ہرگز نہیں ہونے والا' خالہ کے بیٹے کی تو جس دن میں شکل دیکھ لوں میرا دن بُرا گزرتا ہے' کجا کہ پوری زندگی گزارنا۔" کچھ اس انداز میں اس نے کہا کہ جیا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم بھی ناں عروہ...... کتنی اچھی ہو' دل کی بات دل میں رکھ کر خود کو زیادہ تکلیف نہیں دیتی' باہر نکال کر کم از کم اپنا بوجھ تو ہلکا کرلیتی ہو۔"

"ہاں مگر اثر تو کبھی نہیں ہوا' اماں کی نظر میں ڈھیٹ تو پہلے تھی' نافرمان بھی ہوگئی ہوں۔"

"سنو...... اظہر سے پھر بات ہوئی۔" چاولوں کا چمچ منہ میں رکھتے اسے اچانک یاد آیا' دہی پھینٹتے جیا کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔

"بات تو روز ہی ہوتی ہے مگر جو بات تم پوچھ رہی ہو اس کا باب تو کب سے بند ہوچکا ہے' تمہیں شاید پتا نہیں کہ ماموں ایک دو روز پہلے آئے تھے سجاد کا باضابطہ رشتہ لے کر جو اماں کے بقول بچپن سے ہی طے تھا' بس اب تو رسمی بات رہ گئی تھی۔ اماں نے کہا جیا آپ کی امانت ہے جب چاہے لے جائیں۔" وہ بہت سکون سے آہستہ آہستہ بتارہی تھی جبکہ عروہ کا صدمے کے مارے پورے کا پورا منہ کھل گیا تھا۔

"تم...... تم چپ کرکے سنتی رہیں غلط فیصلہ۔" اس نے چاولوں والی پلیٹ کھسکا کر چلا کر کہا۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو جیا' ارے اظہر سے کہو فوراً اپنی امی کو بھیجئے میں بات کروں گی اماں سے۔ گھر کی چیزیں' اپنے بچوں کے منہ کے نوالے روپیہ پیسہ اور جائیداد تک دان کردینا تو برداشت کیے رکھا ہم نے اس چپ کا نتیجہ دیکھا تم نے۔ بیٹیاں تک اٹھا کے اپنے خاندان کی جھولی میں ڈالنے کو تیار بیٹھی ہیں اماں۔ اظہر کو کال کرو فوراً میں اماں سے بات کرتی ہوں۔" غصے سے لال ہوتے چہرے کے ساتھ وہ اٹھ گئی اور لاؤنج میں آ کر ہی دم لیا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے ابھی۔" بالکل اماں کے سامنے آ کر اس نے کہا۔

"تم اور تمہاری ضروری باتیں......" اماں نے منہ بنایا اور اس کی بات اور انداز کو چنداں اہمیت نہ دی' اس کی خالہ زاد بہنوں نے البتہ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"کرلو بھئی عروہ...... یہیں کرلو جو بات کرنی ہے مگر میں کہے دے رہی ہوں۔ یہ موئی یونیورسٹی کے نئے نئے چونچلوں کے لیے اور پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔ ابھی مہینہ بھر پہلے ہی تم دونوں کی فیس بھری ہے ہزاروں میں۔" اماں نے صاف ہری جھنڈی دکھائی' عروہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اس نے ایک طائرانہ نظر وہاں بیٹھے حاضرین پر ڈالی پھر اماں سے مخاطب ہوئی۔

"میری سہیلی کا بھائی ہے' اظہر نام ہے' بہت اچھی جاب ہے۔ شریف اور اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں' ایک دو بار اس لڑکی نے اپنے بھائی کے رشتے کے لیے جیا کا نام لیا تھا اور آج میں نے اسے اپنی امی کو لانے کو کہہ دیا ہے' بہت اچھے لوگ ہیں' لڑکا بھی ساتھ آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو پسند آئیں گے وہ لوگ' جیا بہت خوش رہے گی۔" اس کے بات مکمل کرنے تک باقی سب کو سانپ سونگھ گیا جبکہ اماں کے چہرے پر پتھریلے تاثرات نمودار ہوگئے۔

"تمہارا باپ مرگیا ہے مگر ماں ابھی زندہ ہے' تمہیں تو بات کرنے کی تمیز نہیں اور چلی بڑی ہو رشتے کرنے' تمہارے باپ کی ہی زندگیوں میں تم دونوں کا رشتہ طے ہوگیا ہے۔ جیا کا سجاد کے ساتھ اور تمہارا اظفر کے ساتھ۔ جیا کے امتحان ہوجائیں تو شادی کا پروگرام تھا ہمارا مگر اب جو

تمہاری زبان کے پھن اور تمہارے طور طریقے دیکھ رہی ہوں تو کان کھول کر سن لو دو ماہ بعد جیا کے ساتھ تمہاری بھی شادی ہے۔" اماں کا جلالی انداز بہت دنوں بعد نظر آرہا تھا۔

"ہمارے ابا ہمارے لیے ایسا کچھ کرہی نہیں سکتے تھے جس میں ہماری خوشی شامل نہ ہو۔ ایسے فیصلے کرنا تو ہمیشہ اپ کا وطیرہ رہا ہے مگر آپ بھی سن لیں جیا آپ کی اس جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوسکتی ہے میں نہیں، میں نے یہ شادی نہیں کرنی اور اگر آپ نے زبردستی کی تو نتیجہ بھی بھگت لیں گی۔" زور زور سے روتے ہوئے اس نے خاصی بدتمیزی سے کہا اور اندر بھاگ گئی۔ وہ جیا کا مقدمہ لڑنے اور اس کی قسمت سنوارنے آئی تھی مگر اماں اسے بھی اپنے فیصلوں کی بھینٹ چڑھانے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھیں یہ خبر اس کے ہوش اڑا گئی تھی اور جواب میں نے اس نے جو منہ میں آیا وہ بول دیا تھا، جس کے نتیجے میں لاؤنج میں اس وقت اماں کا بلڈ پریشر بے حد بڑھ گیا تھا، وہ ڈرامائی انداز میں روتے ہوئے اسے بُری طرح کوس رہی تھیں۔

❀❀❀

کہنے کو تو اس نے کہہ دیا تھا کہ انسان جب اور جیسے چاہے دوسرے کو اپنے ماحول میں ڈھال سکتا ہے مگر جو عادات واطوار انسان کو گھٹی میں پلادی جائیں پھر انہی کو اپنائے رکھنے میں ایک عمر گزری ہو وہ عادات نہیں رہتیں فطرت بن جاتی ہیں اور فطرت کو بدلنا ناممکن ہوتا ہے۔ سکینہ بھی اس گھر میں جو فطرت لے کرآئی تھی اسے بدلنا نہ تو سلیم احمد کے بس میں تھا، نہ ہی اس کی ماں بہن کے۔ اماں کے دل میں اسی دن سے ہی سکینہ اور ان کے خاندان کے خلاف گرہ پڑ گئی تھی جب سے انہوں نے اپنے غلط مطالبات منوائے تھے۔ سکینہ اپنے ابا کی جائیداد میں سے جو اس کا حصہ بنتا تھا، نہ صرف وہ اپنی مرضی سے اپنے بھائی کے نام کرکے آئی تھی بلکہ سلیم احمد کی بھی کافی جائیداد سکینہ کے نام ہوئی تھی تب جاکر یہ رشتہ طے ہوا تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر ان کے لیے ناقابل برداشت چیز سکینہ کا اپنے میکے سے والہانہ لگاؤ تھا جو ان کے گھر کو بھی متاثر کررہا تھا۔

سلیم احمد سارا دن گھر سے باہر رہتا مگر وہ دونوں تو گھر ہوتی تھیں، سب کچھ دیکھتیں اور کڑھتیں، بہت دفعہ بول بھی اٹھتیں۔ نتیجہ میں ایک نا ختم ہونے والا جھگڑا شروع ہوجاتا، جیسے جب سے سکینہ نے گھر گرہستی سنبھالی، سالن کے یا کسی بھی اچھی چیز کے گھر میں پکتے ہی وہ ایک بڑا اور اچھا حصہ اپنے میکے بھجوانے کو تیار ہوجاتی چونکہ متعلقہ گھر اگلے ہی محلے میں تھا سو بھجوانے کا بھی کوئی خاص مسئلہ نہ تھا۔ نکڑ سے کسی بچے کو پکڑ کر پانچ روپے پکڑاتی اور جو کچھ بھجوانا ہوتا بھجوادیتی۔ ایک دن اماں نے بچے کو روک کر ڈونگا اس سے واپس لے لیا اور لے جاکر واپس کچن میں رکھا۔

"بات سنو بہو...... میرا بیٹا سارا دن ہڈیاں گھسا کر اس قابل ہو پاتا ہے کہ دو وقت کی روٹی ہمیں کھلا سکے، تم ہماری ذمہ داری ہو جس کی ہر ضرورت پوری کرنا ہمارا فرض ہے تمہارے پورے ٹبر کی نہیں۔ غضب خدا کا پہلے ہم تین جی تھے تو آدھا کلو سبزی یا گوشت بہت تھا سب کے لیے اب تین سے چار ہوئے ہیں تو ڈیڑھ ڈیڑھ کلو چیز گھر میں پکنے لگی ہے۔ گھر کے لوگوں کے لیے کھانا بچے یا نہ بچے تمہارے گھر ضرور جائے گا تو بہت برداشت کرلیا میں نے یہ سب آئندہ نہیں کروں گی۔" انہوں نے غصے سے کہا جواباً سکینہ نے بھی بدزبانی کی انتہا کردی اور خوب بولنے کے بعد آنسو بہاتی ماں کے گھر رخصت ہوئی تھی۔

❀❀❀

اماں کچھ سالوں سے بلڈ پریشر جیسے مرض کا شکار ہوگئی تھیں، اس کی وجہ ہرگز کوئی پریشانی یا گھریلو مسئلہ نہ تھا بلکہ بازاری اور مرغن غذاؤں کا بے تحاشا استعمال تھا۔ ڈاکٹرز کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے اس شوق سے ہٹنا گوارا نہیں کیا تھا اس لیے بلڈ پریشر کم وبیش بڑھا ہی رہتا۔ ہاں اپنی اس بیماری کو پہلے شوہر اور اب بیٹیوں کا جذباتی استحصال کرنے کے لیے ضرور استعمال کرتیں جیسے کہ اس دفعہ ہوا تھا۔ عروہ کے فیصلہ کن اور دوٹوک انداز کے علاوہ جیا کے لیے اس کا اس طرح سوچنا ان کے لیے اتنا تشویش ناک تھا کہ انہوں نے رو رو کر اپنی حالت اتنی بگاڑ لی کہ انہیں

ہسپتال منتقل کرنا پڑا تھا۔ عروہ پریشان اور بالکل چپ تھی کسی مجسمے کی مانند جبکہ جیا نے رو رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

ایسے میں خالہ کی لعن طعن دونوں بہنوں کو سننے کو مل رہی تھی؛ خالہ کا زور اسی بات پر تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو زیادہ تعلیم نہیں دلوائی اور میٹرک کے بعد گھر بٹھا لیا ورنہ وہ بھی ان دونوں بہنوں کی طرح اتنی بے صبار ہو جاتیں کہ اپنی مرضی کے بر ڈھونڈ کے ان کے سامنے لا کھڑا کرتیں اور اپنی ماں کو اس حال میں پہنچا دیتیں۔

لماں کے ہوش میں آنے پر سب نے سکون کا سانس لیا تھا؛ اظفر اس کا خالہ زاد چونکہ بھوک کا بے حد کچا تھا اور وہ سب مسلسل چار پانچ گھنٹوں سے ہسپتال میں تھے سو اماں کی طرف سے اچھی خبر ملتے ہی نزدیکی ہوٹل سے کھانا پیک کروا لایا تھا۔ جسے ہسپتال کے بیرونی احاطے میں بیٹھ کر وہ سب تناول کر رہے تھے ان دونوں بہنوں کو بھی کہا تھا مگر جیا نے تو لماں کے پاس سے ہلنا بھی گوارا نہیں کیا تھا حالانکہ وہ غنودگی میں تھیں مگر وہ مسلسل ان کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی؛ عروہ نے البتہ ان کی کسی بات کا جواب دینا گوارا نہیں کیا۔ ان لوگوں سے وہ اتنی بے زار تھی کہ ان میں سے کسی ایک کی بھی شکل دیکھنے اور بات کرنے کی روادار نہ تھی کجا کہ عمر بھر اسی ماحول میں انہی لوگوں کے درمیان زندگی گزارنا؛ یہی سوچ کر اس کا دم گھٹنے لگتا۔ لماں سو چکی تھیں؛ جیا ان کے پاس ہی تھی۔ خالہ کا خاندان کہیں نظر نہیں آیا تو اس نے جیا کے پاس آہستہ سے آ کر کہا کہ وہ گھر جا کر تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتی ہے؛ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے فوراً ہی مین روڈ سے رکشہ کیا اور پھوپو کے گھر آ گئی۔

پھوپو کی شکل نظر آتے ہی وہ ان سے لپٹ کر دھواں دھار روئی تو پھوپو کو اسے چپ کرانا مشکل ہو گیا تھا بلکہ کسی حد تک اس نے پھوپو کو پریشان کر دیا تھا۔ کافی دیر بعد اس کی سسکیاں تھمی تھیں؛ وہ شرمندہ ہوئی یہ سوچ کر کہ اس نے پھوپو کو پریشان کر دیا تھا مگر یہ تھا کہ رونے کے بعد وہ اپنے آپ پر چھائی کثافت کی گرد چھٹتی محسوس کر رہی تھی پھر اس نے باقی سب کچھ حذف کر کے صرف لماں کی طبیعت کا بتا دیا؛ اتنے میں عادل بھی گھر پہنچ چکا تھا اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔

”ویسے امی...... آج سورج کہاں سے نکلا ہے کہ نہ منت سماجت کرنی پڑی اور نہ زبردستی؛ بڑے لوگ خود ہی تشریف لے آئے ہیں۔“ شگفتگی سے کہتے وہ سامنے براجمان ہوا۔

”مت تنگ کرو عادل میری بیٹی کو۔ وہ پہلے ہی پریشان ہے تم اس کے ساتھ بیٹھو باتیں کرو؛ میں کھانا لگا دوں۔“ پھوپو کہہ کر چلی گئیں تو عادل اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”کیا بات ہے مطلع ابر آلود لگ رہا ہے؛ جہاں تک میرا ناقص علم ہے تو میں نے عروہ بی بی تمہیں دشمنوں کو رلاتے دیکھا ہے آج کس سورما میں اتنی جرأت ہوئی جس کی وجہ سے تمہیں رونا آ گیا؛ کچھ ہمیں بھی تو پتا چلے۔“ اس کے ستے چہرے کو دیکھتے اس نے کہا؛ جواباً عروہ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اسے جیا کی اظہر کے حوالے سے پسندیدگی؛ لماں کی وجہ سے اس کا چپ رہ جانا اور اس کے حق میں اپنا بولنا صاف صاف بتا دیا اور یہ بھی کہ اس کے نتیجہ میں لماں نے کتنا واویلا کر کے اپنی طبیعت خراب کر لی اور اب ان کے ہاسپٹلائزڈ ہونے اور سب گھر والوں کا اس کو لعنت ملامت کرنا سب بتا دیا تھا۔

”بعض اوقات ہم صحیح ہوتے ہوئے بھی کیسے غلط ہو جاتے ہیں ناں عادل...... ابا بہت ٹھیک کہا کرتے تھے کہ انسان کے مضبوط ارادوں کو اس سے جڑے رشتے کمزور کر دیتے ہیں۔ بہت بار میں ابا سے بحث کرتی تھی کہ آپ اماں پر سختی کیا کریں جب جب وہ زیادتی کرتی تھیں تب ہمیں پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کیوں ایسے کہتے تھے بس یہ تھا کہ ہمارا ہر مسئلہ خود پر لے کر منٹوں میں حل کر دیا کرتے تھے کوئی بھی آنچ ہم پر آئے بغیر اور...... اب مجھے ان کی ایک ایک بات پوری جزئیات سے سمجھ آ گئی ہے۔ بعض رشتے واقعی آپ کی کمزوری ہوتے ہیں؛ یہ اپنے ہونے اور قائم رہنے کا خراج مانگتے ہیں۔“ وہ اپنے ہاتھوں پر نظر جمائے بولے جا رہی تھی؛ عادل تاسف سے اسے

دیکھ رہا تھا۔

"پتا نہیں مامی ایسی کیوں ہیں؟ امی بتاتی ہیں کہ ایک دو دفعہ ان کی کسی غلط بات پر امی نے انہیں ٹوک دیا تھا تب سے ہی امی کو کچھ خاص پسند نہیں کرتیں وہ اور اس بار تو انہوں نے حد کردی' امی کو خوب برا بھلا کہہ کر آئندہ گھر آنے سے ہی منع کردیا۔ ماموں مرحوم سے امی کئی بار ہمارے رشتہ کی بات کرچکی تھیں اور وہ بہت خوش تھے اس بات پر باضابطہ اس لیے کچھ طے نہ کیا کہ بچے اپنی تعلیم مکمل کرلیں پھر ہی سب کچھ ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ماموں نے کس مصلحت کی بنا پر مامی سے اس بات کو پوشیدہ رکھا مگر اب وہ اس رشتہ کو ماننے سے اور قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ اونٹ اب کس کروٹ بیٹھے گا لیکن اگر تم چاہو تو ایک......" ابھی بات اس کی زبان پر ہی تھی کہ پھوپو کھانا لگنے کی اطلاع کے ساتھ اندر آ گئیں پھر جب وہ اسے ہسپتال واپس چھوڑنے گیا تو اسے گیٹ پر ہی روک لیا۔

"امی کے آجانے سے میں بات مکمل نہیں کرسکا عروہ...... مگر جو حالات ہیں ان کو دیکھ کر لگتا ہے کہ ممانی ہمیشہ کی طرح حالات کو اپنے حق میں ہموار دیکھ کر فیصلے بھی اپنی مرضی کے کروائیں گی۔ ان کی بلا سے دوسرے سولی چڑھ جائیں یا زندہ درگور ہوجائیں ان کو فرق نہیں پڑے گا اگر......" اس نے اپنی بات دھیان سے سنتی عروہ کو غور سے دیکھا۔ "اگر تم مان جاؤ امی سرپرست بنیں گی ہماری اور نکاح کروادیں گی ہمارا۔ ممانی پہلے تو واویلا کریں گی مگر پھر مان جائیں گی آخر اولاد ہوان کی اور اگر آج یہ قدم نہ اٹھایا گیا تو مجھے لگتا ہے ممانی چچا کے ساتھ تمہیں بھی نمٹانے کے چکر میں ہیں اور میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" وہ اضطراری کیفیت میں جوتے کی نوک سے زمین کریدتا ہوا بولا۔

"تمہارے خیال میں یہ مسئلہ کا حل ہے۔" سوال کے جواب میں سوال کیا۔

"تو اور تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ امی کو کتنی دفعہ تمہارے گھر بھیج چکا ہوں اب تو گنتی بھی بھول گئی ہے۔ ماموں کے مرتے ہی ممانی ہر بات سے مکر گئیں' اماں کو نہ صرف رشتے سے انکار کیا بلکہ ہر بار بے عزت کرکے بھی نکالا۔ اب تو یہ تک کہہ دیا کہ ماموں اور انہوں نے باہمی رضا مندی سے تمہارا رشتہ تمہارے خالہ زاد سے طے کردیا تھا حالانکہ میں اور تم جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہیں۔ میری امی نے بہت پہلے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے ماموں سے بات کی ہے اور وہ بہت خوش ہوئے ہیں مگر وہ ابھی اس بات کو پھیلا کر کسی طوفان کو آواز نہیں دینا چاہتے۔ زندگی ان سے زیادہ عرصہ وفا نہیں کرنے والی' یہ اندازہ اگر ہوتا تو امی اسی وقت نکاح پر زور دیتیں۔" وہ کئی بار پہلے کی دہرائی باتیں پھر سے دہرا رہا تھا۔

"مجھے تو اماں یا ابا کسی نے بھی کسی رشتے کی بابت کبھی نہیں بتایا عادل...... مگر میں پھر بھی جب جب سوچتی تھی تمہارا ہی سراپا آنکھوں میں در آتا تھا کہ اماں کے خاندان کے مسلسل سر پر سوار ہونے اور...... اور بھی کئی ناپسندیدہ عادات کی وجہ سے مجھے ان سے پہلے بے زاری اور پھر نفرت سی ہوگئی تھی۔ پھوپو کا گھر اور ماحول میرے لیے ایک ونڈر لینڈ تھا گویا' جہاں رشتوں کو اس کے صحیح توازن کے ساتھ برتا جاتا تھا' بیٹی بیٹے جیسی تخصیص سے بالاتر۔" گراؤنڈ میں بنے سنگی بینچ پر وہ زندگی میں پہلی بار اپنے جذبات اس پر آشکار کررہی تھی۔

"ان سب سے ہٹ کر میں ایک بات یہ بھی جانتی ہوں عادل کہ انسانوں سے غلطیاں اور گناہ ہوجاتے ہیں مگر بعض غلطیاں اتنی سنگین ہوتی ہیں کہ ان کے تاوان کئی نسلیں بھگتتی ہیں' ہمارے خاندان میں بیٹیوں کو بیٹوں سے کم تر جاننے اور ان کا حق کھانے کا قبیح فعل نجانے کس نسل سے شروع ہوا مگر دیکھو پتا نہیں کتنے لوگ خصوصاً لڑکیاں تب سے اب تک اس کی بھینٹ چڑھتی آرہی ہیں۔ پھوپو کی ہم سے محبت شدید سہی مگر ان کے منہ سے ہمیشہ اماں کے خاندان کی غلط روایات کا تذکرہ ہی سنا' نجانے کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔ غلط ہدایات کی اس زنجیر میں ایک کڑی کا اضافہ میں یہ غلط قدم اٹھا کر نہیں کرنا چاہتی۔ ہم

دونوں کے جذبات خالص اور سچے ہیں مگر ان کو پاکیزہ شکل دینے کا جو طریقہ تم بتا رہے ہو وہ غلط ہے۔ مرد کے ہر گناہ کو کچھ عرصہ بعد بھلا دیا جاتا ہے مگر عورت کا ایک قدم چاہے اس کا سبب کچھ بھی ہو نسلوں تک نہیں بھلایا جا سکتا۔ میں اظفر سے شادی پر بھی راضی نہیں ہوں نہ ہی اماں مجھے جیا کی طرح ٹریپ کر سکتی ہیں۔ ہاں یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ زندگی میں اگر تم نہیں تو کوئی بھی دوسرا نہیں' اماں کا بھانجا یہاں مجھے تمہارے ساتھ دیکھ چکا ہے اور ان کو اتنا خیال بھی نہیں آئے گا کہ وہ کس کنڈیشن میں ہیں اس وقت مگر جتنا میں ان لوگوں کی فطرت کو جانتی ہوں' ان کے پیش نظر یہ بات اہم ہوگی کہ اماں کے سامنے اس بات کو کیسے اور کس طرح غلط انداز میں پیش کیا جائے کہ مجھ پر لگے اماں کے فتوؤں میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے' چلتی ہوں' پھوپو کو سلام کہنا اور اپنا خیال رکھنا۔"

"عروہ......مگر......" اس کے قدم بڑھاتے ہی وہ بے قراری سے بولا۔

"ہم انسان تو بس تدبیر تک ہی کوشش کر سکتے ہیں ناں عادل......تقدیر لکھنے والا بھی تو جیسے ان کا رب ہے ویسے ہمارا' اس کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کچھ ایسا سوچے ہوئے ہو جو ہمارے گمان سے بھی دور ہو۔" حالات کی نہج کو دیکھ کر بھی وہ پُر امید تھی' نم آنکھوں سے اسے اللہ حافظ کہہ کر وہ اندر چلی گئی جبکہ وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہا۔

❁......❁......❁

"بھائی آپ نے اپنی مرضی سے شادی کی ہم نے برداشت کر لیا مگر کچھ باتیں ناقابل برداشت ہیں۔ اماں اور مجھے تو وہ کسی بھی کھاتے میں نہیں لکھتیں ان کا سدباب نہ کیا گیا تو نتیجہ بہت بُرا نکل سکتا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ان کا ماحول مختلف ہے تو کیا ہوا وہ یہاں آ کر وہی طور طریقے سیکھ لے گی جو ہمارے گھر میں رائج ہیں' دیکھ لیں کتنے طور طریقے سیکھ لیے بھابی نے ہمارے الٹا ہمارے گھر کا ماحول عجیب سا بنا دیا ہے۔ کل ہی ان کی اماں کے گھر قرآن خوانی پر اماں نے مجھے بھیجا' ان کی طبیعت خراب تھی۔ وہاں کتنی ہی ایسی گھریلو استعمال کی چیزیں میں نے دیکھیں جو یہاں سے پتا نہیں کیسے غائب ہو گئیں اور پوچھنے پر بھابی نے ایسا واویلا مچایا کہ اپنی عزت کے ڈر سے ہم چپ ہو گئے۔ بستروں کی چادروں سے لے کر پردوں تک اور تو اور عام استعمال والے برتنوں میں بھی کتنے برتن ہمارے وہاں نظر آئے' اللہ کی قسم میرا مقصد بھابی پر کسی قسم کا الزام لگانا نہیں ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ آپ ان کو کسی طریقے سے سمجھائیں۔ ان کی ماں کے گھر کسی چیز کی کمی نہیں ہے نہ ہی وہ غریب ہیں' نہ مستحق' نہ ضرورت مند' اب نئی بات جو زیادہ تشویش میں ڈالنے والی ہے وہ گڑیا کو نظر انداز کرنے کا تکلیف دہ رویہ ہے' نہ اسے دودھ دیتی ہے' نہ اٹھاتی ہیں۔ کچھ مانگنے یا قریب جائے تو مارتی بھی ہیں' اماں ایک دفعہ بولی ہیں تو ایسا ترخ کے جواب دیا کہ وہ اپنا منہ لے کر بیٹھ گئیں۔"

سلیم احمد کام کے سلسلے میں شہر سے باہر بھی جاتے رہتے تھے' اس بار واپس آنے پر بیوی گھر پر نہ ملی تھی یا تو ان کی اماں یہاں پائی جاتیں یا سکینہ خود ہی وہاں چلی جاتی۔ گڑیا کو گھر پر چھوڑ کر گئی تھی' کھانا کھا کر تھکن اتارنے کی غرض سے کچھ دیر آرام کیا پھر اٹھنے کے بعد گڑیا کو گود میں لے کر جب چائے پینے کے لیے بیٹھے تو ان کی بہن نے یہ ساری باتیں ان کے گوش گزار کی تھیں۔ اماں ہنوز چپ بیٹھی تھیں' سکینہ سے شادی کے بعد جو اس کے انداز تھے' اس کی ناراضی کا اظہار بیٹے سے وہ خاموش رہ کر کرتی تھیں ورنہ اکلوتے بیٹے کی دلہن کے حوالے سے انہوں نے کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے۔ سلیم احمد تو یہ سب سن کر بہت پریشان ہو گئے تھے' وہ خاصے سلجھے ہوئے اور شریف النفس انسان تھے' سکینہ کے حسن سے مرعوب ہو کر اپنی ماں سے شادی کی ضد تو منوالی مگر بعد میں معمولی معمولی تلخ کلامیوں کو روایتی ساس بہو کا جھگڑا سمجھتے تھے مگر اب یہ باتیں جو اُن کی بہن نے بتائی تھیں جو ایک دفعہ ماں کی زبانی بھی سن چکے تھے نے ان کو کسی حد تک پریشان کر دیا تھا۔ سکینہ ان کی ایک بچی

کی ماں تھی اور دوسرے کی ماں بننے والی تھی۔ سکینہ کے گھر آنے پر وہ کسی اور معاملے پر تو بیوی سے باز پرس نہ کر سکے کہ وضع دار آدمی تھے مگر بیٹی کے ساتھ بے زار رویے پر اس کو آڑے ہاتھوں لیا' جواب میں اس کا بے نیاز انداز میں دیا جانے والا جواب ان کو ششدر کر گیا۔

''گڑیا کے ابا' میں اس بار بھی بیٹی کی ماں نہیں بننا چاہتی اور اگر اس حالت میں عورت بیٹی کو دیکھتی اور اٹھاتی رہے تو ہر صورت بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ بیٹیاں تو مجھے پسند ہی نہیں ہیں' ماں باپ کے لیے خواری ہی لاتی ہیں۔ ذلت کا سامان' کھلاؤ' پلاؤ' بڑا کرو' ماں باپ کا خیال کیے بغیر ان کے سروں میں خاک ڈال کر کسی کے بھی ساتھ چل پڑتی ہیں نہ بھی کریں ایسا تب بھی خرچہ بھی اٹھاؤ' پرورش بھی کرو اور پھر اٹھا کے دوسرے کے سنگ رخصت کر دو وہ بھی خاندان میں رشتہ ہو تب' نہ ہو رشتہ تو ماں باپ کے سینے پر ساری عمر مونگ دلنے کو موجود......'' سلیم احمد اس کے عجیب وغریب خیالات سن کر حیران رہ گئے اور کتنی ہی دیر تو ان سے بولا بھی نہ جا سکا۔ جس عورت کے غلط خیالات اس قدر راسخ ہوں وہ ان کے بچوں کی کیسے تربیت کرے گی؟ پہلی بار سکینہ کے حسن کے جادو کی پٹی کو آنکھوں سے اتار کر سوچا اور دیکھا تو بہت پریشان ہوئے تھے۔

''تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو سکینہ...... بلاوجہ ایک غلط گمان کے پیچھے بچی کو نظر انداز کر رہی ہو' ارے نادان عورت' بیٹی تو رحمت ہے۔ جنت میں لے جانے کا ذریعہ اور تم کیسی غلط اور بے سر وپا باتیں کر رہی ہو' انسان کا اچھا یا برا ہونا دو وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے یا تو اس کی فطرت یا پھر تربیت' لڑکی اور لڑکے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ جب ہم اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں گے تو وہ ہمارا نام روشن کرے گی بیٹا ہو یا بیٹی لیکن ایسے خیالات اور ایسا رویہ اگر بیٹیوں کے ساتھ روا رکھو گی تو وہ ضرور باغی ہو جائیں گی۔ میں نہ آئندہ دیکھوں کہ تم نے گڑیا کے ساتھ ایسا سلوک برتا ہے توبہ استغفار کیسے غلط خیالات ہیں تمہارے......'' وہ جھلا کر بولے۔

''جھوٹ نہیں کہہ رہی میں۔ کون سی کمی رکھی تھی میری اماں نے ریحانہ کی تربیت میں مگر اس نے کیا کیا ہمارے ساتھ...... نہ صرف بھاگ کے شادی کی گھر سے بلکہ عدالت میں جا کر اپنا جائیداد میں سے حصہ تک مانگ لیا اس سے پہلے میری خالہ......''

''بس......بس...... میں تمہاری خاندانی کہانیاں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں' تمہاری بہن کا طریقہ کار بھلے غلط ہو مگر نکاح کرنا اور جائیداد میں سے اپنا حصہ لینا اس کا شرعی حق تھا۔ خاندان برادری میں رشتہ نہ ہونے کا تو ایک بہانا ہے۔ درحقیقت بیٹیوں کی شادی نہ کر کے مجھے تو لگتا ہے کہ لوگوں کا مقصد ان کو ان کے حق سے محروم رکھنا ہوتا ہے مگر کان کھول کر سن لو میں اپنی بیٹی کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گا بلکہ اپنے بچوں کی شادیاں ان سے پوچھ کر کروں گا بھلے ان کو خاندان سے باہر کیوں نہ کوئی پسند ہو تم بھی اب اپنی خاندان کے طور طریقے بھول کر اسی گھر کی روایات دیکھو' سیکھو اور اسی کے مطابق اپنی زندگی بسر کرو۔ گڑیا یہاں آؤ بیٹا...... آپ کی امی بلا رہی ہیں۔'' انہوں نے دوٹوک بیوی کو کہہ کر ایک طرف ماں کے رویے سے سہمی گڑیا کو پاس بلکہ زبردستی اسے سکینہ کی گود میں بٹھا دیا تھا۔

❀......❀......❀

ماموں' ممانی آج جیا کی شادی کی تاریخ لینے آئے تھے' جیا بغیر کسی تاثر کے حسب معمول کچن میں مصروف تھی جبکہ عروہ کو نجانے کیوں غصہ آ رہا تھا۔ دل کر رہا تھا کوئی جادو کی چھڑی گھمائے کہ وہ سب کے سب ناپسندیدہ لوگ عمر بھر کے لیے اس کے گھر سے' اس کی نظر سے دور ہو جائیں مگر غصے کے گھونٹ پینے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ امی' خالہ اور ماموں کی فیملی ڈرائنگ روم میں موجود تھی' منہ میں بڑبڑاتی وہ جیا کے پاس کچن میں آ رہی تھی جب ڈرائنگ روم سے آتی ماموں کی تیز آواز پر اس نے کچن میں جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور ڈرائنگ روم کے دروازے میں آن کھڑی ہوئی۔ اصل میں اماں اور خالہ کے نزدیک ماموں ایک بھائی کی نہیں کسی پیر کی حیثیت رکھتے تھے گویا زمین' جائیداد

تو دونوں بہنوں نے ماموں کو دی تھی سو دی تھی اور بھی بے شمار فائدے پہنچائے تھے بلکہ اکثر اوقات ماموں اپنے روپے سے زیادتی بھی کر جاتے تھے۔ عروہ کو کبھی یاد نہیں تھا کہ ماموں نے کسی عید یا تہوار یا کسی اور موقع پر کبھی ایک روپیہ بھی دونوں بہنوں کے بچوں میں سے کسی کو دیا ہو۔ ہاں ماموں کی فیملی ہر دوسرے روز ضرور فرمائشی پروگرام کے ساتھ حاضر ہوتی تھی' اماں تو جب بھی ماموں کے ہاں جاتیں تحائف لے کر جاتیں۔

"وہ پرانے دور گزر گئے آپا...... جب بچوں کی حق تلفی کی جاتی تھی اور وہ چپ بھی رہتے تھے۔ اب وہ زمانہ ہی کہاں رہا ہے نیا دور' نئی باتیں' ہمیں ہی دیکھ لو بیٹی کا رشتہ خاندان میں نہیں تھا کوئی جوڑ کا میرے چچازاد بھائی کے گھر اس کی شادی کر دی...... زمین' جائیداد کے علاوہ بھی ایک دکان اس کے نام کی ہے کہ کل کو بیٹی بددعا نہ دے۔ اب بھی توقع آپ سے بھی کرتے ہیں ہم۔" یہ ماموں کی منہ چڑھی اور لاڈلی بیگم تھیں جو کچھ وہ کہہ رہی تھیں' عروہ کو تو سمجھ میں آ گیا تھا مگر اماں نجانے کیوں تجاہل عارفانہ برت رہی تھیں' عروہ نے دروازے کو تھوڑا سا کھولا اب اسے آوازوں کے ساتھ وہاں پر بیٹھے لوگ بھی دکھائی دینے لگے تھے۔

"کھل کر کہو بھابی...... کیا کہنا چاہتی ہو۔" اماں کے بجائے اس بار خالہ نے کہا۔

"آپا میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اللہ سلامت رکھے آپ کے بیٹے کو آپ کی نسل کو چلانے والا ہے جبکہ چھوٹی آپا کی صرف دو بیٹیاں ہیں ان کو ان کی جائیداد کا پورا پورا حصہ ملنا چاہیے جیا کو بھی عروہ کو بھی۔" ان کی بات سن کر اماں نے ایک ہنکارا بھرا اور بھائی کی طرف نگاہ کی وہ اپنی بیوی کے نظریات سے پوری طرح متفق نظر آتے تھے۔

"بات سنو بجیلہ...... ہمارے بزرگوں کی وہ روایات جو ہم نے تمہارے شوہر کے حوالے سے برقرار رکھیں ان پر تو تم نے کبھی تردد نہیں کیا نہ اعتراض پھر ہماری اولاد کے لیے کیسے تم ہمیں مجبور کر سکتی ہو سب کچھ بدلنے پر۔ تم شاید بھول رہی ہو کہ جس دکان اور جائیداد کا تم دھڑلے سے تذکرہ کر رہی ہو اس میں میرا اور میری بہن کا حصہ بھی تھا جس پر ہم نے کبھی حق نہیں جتایا کہ ہماری تھی کیونکہ ہم اپنے ماں باپ کے مطابق اپنی مرضی سے اپنے بھائی کو دے چکے تھے۔ خاندانی روایات کی رو سے ان پر صرف تمہارے بیٹے کا حق ہونا چاہیے تھا بیٹی کا نہیں مگر تم لوگوں کی چیز تھی تمہاری مرضی کہ بیٹے کو دو یا بیٹی کو مگر......" اماں کہتے کہتے رکیں اور ممانی کے ماتھے پر بڑھتے بل دیکھے اور مزید گویا ہوئیں۔

"مگر میں جب تک زندہ ہوں ویسا ہی ہوگا جیسا ہمارے خاندان میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے' جیا کے ابا نے اپنی زمین جائیداد میرے نام کی تھی۔ میرا بیٹا ہوتا تو وہ یقیناً ساری اس کی ہوتی کہ ہمارے یہاں بیٹی پرائی چیز ہے تو اس کا اس پر کوئی حق نہیں پر جائیداد اور زمین میرے بڑھاپے کا سہارا ہے۔ وہ میں مرتے دم تک کسی کو نہیں دوں گی' ہاں میرے مرنے کے بعد اس پر میری بیٹیوں کا حق ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنی بچیوں کو خالی ہاتھ اگلے گھر بھیجوں گی۔ ان کے شایان شان زیور اور جہیز بھی دوں گی۔" اماں نے اپنی بات مکمل کر کے حاضرین پر نظر ڈالی۔

"آپ کے بعد بھی تو آپ کا سب کچھ آپ کی بیٹیوں کا ہے پھر پہلے کیوں نہیں۔"

"میں تو کہے دے رہی ہوں آپا صاف بات' عالیہ کی ایک نند کو میری بہو بنانے اور اچھی خاصی زمین میرے بیٹے کے نام کرنے کو تیار بیٹھی ہے عالیہ کی ساس۔ دو تین چکر لگا چکی ہے اس مقصد کے لیے' آپ کے بھائی پر ہی بہن کی محبت کا بھوت سوار تھا' کہا کہ بہن کو رشتے کی زبان دیئے بیٹھا ہوں۔ میری بہن سے مجھے بات کرنے دو وہ ضرور اپنے بھتیجے کا خیال کرے گی اور زیادہ نہیں تو دو دکانیں تو ضرور سجاد کے نام کر دے گی آخر کو اس کے بیٹے کی جگہ پر ہے۔" اب کے ممانی نے صاف پینترا بدلا۔

"اگر میں ایسا نہ کروں تو......" اماں نے کہا تو ممانی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں' ساتھ میں ماموں کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"انہیں جی' جب بیٹی والی ہو کر یہ جا رہی ہیں تو ہم

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

# پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

کیوں لحاظ کریں۔ بھلا بیٹی والوں کو بھی اتنی اکڑ زیب دیتی ہے ہماری تو ایک ہی شرط تھی بتادی۔ ان کو نہیں منظور تو ہماری طرف سے بھی رشتے کے لیے انکار ہے۔" ممانی کے اٹھتے ہی ماموں بھی اٹھ کھڑے ہوئے اماں کو تو ماموں کی طرف سے ڈھال بننے کی امید تھی سو اتنے بڑے بڑے بول بول دیئے تھے مگر بھائی کو اٹھتے دیکھ کر مارے صدمے کے نہ بول سکیں نہ ان کو روک سکیں۔ دروازے سے عروہ بھاگ کر اپنے کمرے کی جانب آئی اور ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوتی جیا کو بازوؤں سے پکڑ کر زور زور سے گھما ڈالا۔

"میرے اللہ نے مجھے مایوس نہیں کیا جیا...... وہ بہت کریم ہے ہم انسان بہت ناشکرے ہیں۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں میں نے کہ یا اللہ یہ رشتہ کسی طرح سے ٹلک جائے اور ماموں کی لالچی فطرت اماں کے سامنے کبھی تو عیاں ہو اور دیکھو اللہ نے کیسے اور کس موقع پر ان کی لالچ کا پول کھولا۔ اب تم ایسا کرو لوہا گرم ہے چوٹ لگانی چاہیے جیا...... تم اظہر کو کال کرو اپنی ماں کو لے کر آئے اس سے پہلے کہ ماموں اور اماں کی محبت کی ٹوٹی زنجیر پھر سے جڑ جائے ان کو آ جانا چاہیے۔ اللہ نے اب تک ساتھ دیا ہے آگے بھی دے گا۔" وہ خوشی سے تیز تیز بولتی اپنا سیل فون اٹھا کر جیا کے پاس لے آئی جبکہ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی وہ تو کچن کا کام مکمل کر کے کپڑے تبدیل کرنے آ رہی تھی۔

❁......❁......❁

بہت دن بعد اس نے عادل کو کال کی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں عادل...... تدبیر انسان کے بس میں ہے اور کام بنانا اللہ کا کام ہے اور یہاں تو تدبیریں بنانے والا بھی وہی ہے اور کام بنانے والا بھی۔" وہ خوشی سے چہک رہی تھی عادل حیرت زدہ سا سن کر دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"بس جناب...... اظہر کے گھر والوں کو بھی اماں نے کوئی خاص رسپانس نہیں دیا تھا اُدھر میں اور جیا بھی دل میں ڈرے ہوئے تھے کہ ماموں یا اماں دونوں جو فی الحال اپنی اپنی اناؤں کو دیوار کو بلند سے بلند کیے ہوئے کہیں موم نہ ہو جائیں مگر بھلا ہو ممانی کا جنہوں نے دنوں میں ہی سجاد کا رشتہ طے کر کے شادی کی تاریخ بھی مقرر کر کے مٹھائی ہمارے گھر بھجوادی پتا نہیں سچ تھا یا اماں کو رام کرنے کی ایک کوشش مگر اماں کو بھی جوش آیا انہوں نے اظہر کے گھر والوں کو بلا کر ہاں کر دی مجھے خیال آیا کہ کہیں عین وقت پر نہ کچھ گڑ بڑ ہو جائے اور بہن بھائی کو تجدید تعلقات کا خیال نہ آ جائے سو اظہر کی امی کو سمجھا دیا تھا کہ فوری نکاح پر زور دیں پھر کیا تھا جناب...... رات ہی جیا کا اظہر سے سادگی سے نکاح ہو گیا اور آج پتا چلا ہے کہ سجاد کا رشتہ سب جھوٹ تھا صرف اماں سے بات منوانے کے لیے اب منہ سے تو کچھ نہیں کہہ رہیں مگر اماں بولائی بولائی سی ضرور پھر رہی ہیں۔ اظہر سے شادی کی تاریخ کے بارے میں ڈسکس کرنے کے لیے فون اٹھایا میں نے پھر خیال آیا کہ تمہیں تو کچھ پتا ہی نہیں ہوگا۔ تمہیں بتا دوں تاکہ پھوپو کو بتا سکو وہ پریشان تھیں ناں جیا کے لیے۔" ایک ہی سانس میں عروہ نے بات مکمل کی مگر خوشی کا تاثر فون پر بھی بہت نمایاں تھا۔ عادل جو بہت دنوں سے اس سے کسی بہانے رابطہ کرنے کا سوچ رہا تھا اس کی چہکتی ہوئی آواز سن کر جیسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ لگے ہاتھوں مجھے اماں کو ایک بار پھر مامی کی خدمت میں بھیجنا چاہیے ہو سکتا ہے اس بار ہماری قسمت بھی کھل جائے۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں...... نہیں ابھی مت بھیجنا فی الحال تو منظور نظر اماں کا بھانجا ہی دست راست ہے ان کا میری تو خواہش تھی کہ اماں جیا کے نکاح کی تقریب میں پھوپو کو بھی بلائیں۔ جیا نے اور میں نے دبے لفظوں میں ہی کہی اماں کو کہا مگر......"

"اچھا...... اچھا تم شرمندہ مت ہو اور کوشش کرنا کہ مامی کا منظور نظر ان کا دست راست ہی رہے تو زیادہ بہتر ہے یہ نہ ہو جیا سے ناکام ہونے کے بعد مامی سب کی

امیدیں اسی سے وابستہ ہوجائیں اور اسے اپنی فرزندی میں لے لیں اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں۔" قدرے تشویش سے اس نے کہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا عادل...... اللہ پر بھروسہ رکھو اور فی الحال مجھے جیا کی خوشی میں پوری طرح خوش ہونے دو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" میری صابر وشاکر بہن نے بھی اماں کے رویے پر ایک لفظ بھی کچھ نہیں کہا اور اب بھی اللہ اپنا کرم نہ کرتا تو اس نے خاموشی سے اماں کی غلط خواہشات کی بھینٹ چڑھ جانا تھا' میرا اللہ واقعی انسان کو اس کے صبر سے زیادہ نہیں آزماتا۔" وہ آبدیدہ ہوگئی اور عادل بے چین ہوگیا۔

"اچھا بس اب جذباتی نہ ہو اللہ سب خیر کرے گا' جیا کو میری طرف سے بہت بہت مبارک باد دینا اور ہاں میرا مشورہ تو یہی ہوگا کہ اظہر سے کہو جلد از جلد بارات لے کر آئے اور جیا کو رخصت کرا کے لے جائے' اس کے بعد ہی تمہارے معاملے سے بھی نپٹنے کی تیاری کریں گے۔"

"میں بھی اظہر کو یہی مشورہ دینے لگی تھی ویسے بھی اس کی اماں اگلے ماہ شادی کا کہہ کر گئی ہیں اور میری اماں اس وقت چپ رہی تھیں' پھوپو ہیں تو میری بات کراؤ' بہت دن ہوگئے یاد آ رہی ہے ان کی۔"

"بس...... بس رہنے دو' پتا ہے پھوپو سے کتنی محبت ہے محترمہ کو' دو ماہ پہلے چکر لگایا تھا تم نے اور جانتی ہو آج بات کتنے دن بعد کی ہے پورے پینتیس دن بعد' اوپر سے مجھ غریب پر بھی پابندی کہ کال ہی ناں کروں' اب بتاؤ بندہ کرے تو بھی کیا کرے۔" اس کے ہمیشہ والے شکوہ پر عروہ مسکرا دی تھی۔

"ویسے تو حساب تمہارا ہمیشہ کمزور رہا ہے مگر میرے معاملے میں دن' مہینے فنگر ٹپس پر یاد رہتے ہیں تمہیں۔ اسی خوشی میں جلد ہی چکر لگاتی ہوں پھوپو کی طرف۔" عروہ نے ہنستے ہوئے کال بند کی۔ عادل سے بات کرنا ہمیشہ اسے پُرسکون کردیتا تھا پھر واقعی عادل اور عروہ کے خدشات ٹھیک ثابت ہوئے تھے' جیا کے نکاح کے فوراً بعد اظہر کے

گھر والوں کی شادی کے اصرار پر اماں کو طوعاً وکرہاً تاریخ دینی پڑی تھی' جیا اور عروہ کے بے حد اصرار پر بھی اماں پھوپو کو بلانے پر قطعاً راضی نہ ہوئی تھیں۔

"بس تم بھی کرو تم لوگ' جب کچھ جانتی ہی نہیں ہو تو مجھے مجبور مت کرو' ارے جس عورت نے ساری زندگی تمہارے ابا کو میرے خلاف ورغلائے رکھا۔ مجھے عمر بھر خوش نہ ہونے دیا اس عورت نے اکلوتی بھابی تھی اس کی مگر کبھی بھابیوں جیسا مان نہ دیا اس نے۔ ارے عزت دینی تو ایک طرف' چور تک کہہ ڈالا اس نے مجھے' ہر لڑکی کا ہی اپنے میکے سے دل سے رشتہ جڑا ہوتا ہے۔ کیا خود شادی کے بعد نہیں آتی رہی ماں سے ملنے' بھائی کو دیکھنے اس سے ملنے مگر میرے میکے والوں سے میرا ملنا' میرا آنا جانا ہمیشہ ہی کھلا اس کو۔ بیوہ بہن کو گھر میں لانے کی سب سے زیادہ مخالفت اسی نے کی تھی۔ ایک ایک زیادتی یاد ہے مجھے اس کی' مت اس عورت کی طرف داری کرکے میرے زخموں پر نمک چھڑکا کرو۔" اماں اچھی خاصی جذباتی ہوگئی تھیں ویسے بھی جیا کے نکاح کے بعد بھی اماں ماموں کی طرف سے تجدید کی منتظر تھیں اور اب جب وہ شادی کی تاریخ بادل نخواستہ دے بیٹھی تھیں تو دل کی بھڑاس اور تو کہیں نہ نکلی بلکہ ہمیشہ کی طرح عروہ ہی اس کی زد میں آئی تھی۔ عروہ کون سا کم تھی جو اپنے دل کی دل میں رکھتی فوراً ہی اٹھ کر اماں کے قریب آئی۔

"اچھا تو آپ کے ساتھ آپ کے بھائی نے بھی نہیں کیا پھر بھی جیا کی شادی کا پہلا کارڈ کیوں اور کس خوشی میں ان کے نام لکھا گیا ہے۔ شادی کی تاریخ مقرر کرنے آئے تھے آپ کے بھائی صاحب اور رشتہ توڑ کر چلے گئے۔ اظہر کی فیملی کو اللہ تعالیٰ سبب نہ بناتا تو ایسے کیسز میں لڑکی کو ہی قصوروار ٹھہرا لیا جاتا ہے۔ آپ ہماری پھوپو کو دیکھنا نہیں چاہتیں تو آپ کے جونک کی طرح چمٹے آپ کے رشتہ داروں نے کون سا اچھا سلوک کیا ہے ہمارے ساتھ۔ زہر لگتے ہیں یہ رشتہ دار' جو رشتوں کے نام پر ایک دیمک ہیں' جنہوں نے ہمارا سب کچھ کھالیا۔ ہماری ضروریات' ہمارا

وقت، ہمارے حصے کی محبت اور ہمارے حقوق، مزید اور کتنا خراج وصول کریں گے آپ کے رشتہ دار ہونے کا ہم سے میں بھی کہہ رہی ہوں۔ پھوپو کو نہیں بلائیں گی تو آپ کے بھائی کا خاندان بھی قدم رکھ کر دکھائے یہاں۔" وہ چبا چبا کر کہہ رہی تھی جب اماں نے پاؤں سے چپل اتار کر دو اس کے کندھے پر رسید کیں، جیا فوراً آگے آئی اور اماں کے ہاتھ سے چپل لے کر دوبارہ نیچے رکھی۔

"دیکھ رہی ہو اس کم بخت کی زبان اب یہ الفاظ تمہاری خالہ اگر سن لیتی تو کل کیا عزت ہوگی اس کی سسرال میں۔ میں کیا ساری زندگی اس کے سر پر رہوں گی۔ ارے زبان ہی تو ہوتی ہے، جس کی کرنی سے انسان کو بھی تخت نصیب ہوتا ہے اور کبھی تختہ اور اس کی زبان سے تم خود واقف ہو۔" اماں نے ایک زہر خند نگاہ سوں سوں کرتی عروہ پر ڈالی۔

"زبان سے نہیں اماں...... بیٹیوں کے نصیب میں تخت یا تختہ ان کی ماؤں کے اعمال کے سبب نصیب ہوتا ہے، ابا مرحوم کہا کرتے تھے کہ سجدے کر کر کے کتنی ہی ٹکریں کیوں نہ مارے انسان، کتنے ہی محراب پیشانی پر کیوں نہ سجالے کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوتی اگر جو قبلہ ہی درست نہ ہو۔" وہ جیسے اپنے آپ سے بول رہی تھی، اماں اور جیا یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں پھر وہ آ کر اماں کے قدموں کے پاس دو زانو بیٹھ گئی۔

"ٹھیک اسی طرح اماں، ایک گھر میں سب کچھ کبھی ٹھیک نہیں ہوسکتا جب تک اس گھر کا قبلہ درست نہ ہو، گھر کا قبلہ، مطلب ایک ماں کا ہر عمل اس کی آنے والی کئی نسلوں کی بیٹیاں فرض سمجھ کر نبھاتی ہیں کہ ان کی ماں نے کیا تھا یہ عمل صحیح اور غلط کو جانے بغیر۔ یہ جانے بغیر کہ ان کا قبلہ ٹھیک بھی تھا یا نہیں، دادی مرحومہ ہمیشہ کہتی رہیں کہ اس خاندان کا قبلہ ہی نہیں ٹھیک، میں یہاں نہ بیٹی بیاہوں گی نہ بہو لاؤں گی۔ آپ کے خاندان کے بارے میں اماں، سنا آپ نے آپ کے خاندان کے بارے میں۔" اس نے آنسو بھری آنکھوں سے ساکت بیٹھی اماں کا گھٹنا ہلایا۔

"مجھے آپ سے کوئی پرخاش نہیں ہے اماں، آپ میری ماں ہیں دنیا میں میرا سب سے عزیز ترین رشتہ۔ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں مگر میں نہیں چاہتی میری ماں کے لیے دوسرے غلط قبلہ کا لفظ استعمال کریں جیسا کہ دادی آپ کی ماں اور ان کی ماں کے بارے میں استعمال کرتی تھیں۔ میں نہیں چاہتی اماں...... کل کو لوگ میرے اور جیا کے لیے پھر ہماری بیٹیوں کے لیے ایسے الفاظ استعمال کریں۔ آپ نے پھوپو کی نفرت کی وجہ جاننے کی اور پھر اسے دور کرنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی، بس اپنی نفرت کی شدت کو بڑھالیا۔ جس طرح جسم کا کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے وہ دوسرے جسم کو خراب نہ کرے اس ڈر سے اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ غلط روایتیں جو زندگیوں کو جینے کی غلط نہج دیں، جن سے مثبت روایات کو بھی گھن لگنے کا اندیشہ ہو ایسی روایات کو ختم کر دینا مناسب ہوتا ہے۔ مجھے بتائیں بیٹا کون سے ہیرے کے تاج لا کر والدین کے سر پر دھرتا ہے جو بیٹیاں نہیں کر سکتیں۔ بیٹیوں سے ان کی نسوانیت کا تحرمت چھینیں خدارا، جائیداد میں بیٹی کا حصہ جب اللہ دے رہا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس کے حتمی اور منطقی فیصلوں میں غلط دلائل سے ٹانگ اڑانے والے، ہمیں کیوں یاد رہتا ہے کہ بیٹا نعمت ہے؟ ہمیں کیوں بھول جاتا ہے کہ بیٹی بھی تو رحمت ہے۔ اللہ کے واسطے اماں، ہمارے لیے خود کو غلط قبلہ مت بنائیں۔ پہلا قدم اٹھانا مشکل ہوتا ہے پھر منزل آسان ہو جاتی ہے۔" اس سے آگے بولنا اسے مشکل لگنے لگا تو سسکیاں دباتی وہ اماں اور جیا کو وہیں ساکت چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اماں کو عروہ کی باتوں پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ انہوں نے عجیب سی تھکن اور الجھن کی سی کیفیت محسوس کی تھی پھر جیا کو چائے لانے کا کہہ کر وہ لیٹ گئی تھیں، نجانے کس بات پر ان کا جی بھر آیا اور انہوں نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا تھا۔

❁......❁......❁

رات کو وہ کھانا کھائے بغیر سو گئی تھی، اماں سے تلخ کلامی کے بعد طبیعت عجیب مضمحل سی تھی۔ دروازہ بند کر کے جو سوئی تھی تو صبح کی خبر لائی تھی۔

”جیا جانے کہاں سوئی ہوگی؟“ بال سمیٹتے اس نے شرمندگی سے سوچا پھر ناشتے کے بعد اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اماں نے پھوپو اور عادل کے نام کا کارڈ اسے دے کر کہا کہ جا کر دے آئے وہ خود دے آتیں مگر انہیں بازار کے کسی کام سے باہر جانا تھا۔ عروہ تو مارے خوشی کے گنگ رہ گئی دل جیسے بلیوں اچھلنے لگا تھا پھر اس نے دیر نہیں کی تھی فوراً ہی پھوپو کی طرف آ گئی تھی۔

”دیکھا امی...... آپ مجھے لیٹ ہونے پر سست سنا رہی تھیں تو ہر کام کے پیچھے ایک مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ آج میں لیٹ نہ ہوتا تو عروہ سے کیسے مل پاتا۔“ اسے صبح صبح اپنے گھر میں دیکھ کر وہ بے حد خوشی محسوس کر رہا تھا جس کا اظہار بھی اس نے کر دیا۔

”اور اب جو خبر میں آپ لوگوں کو سنانے لگی ہوں اسے سن کر آپ دونوں بہت خوش ہوں گے۔“ اس نے ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی گھسیٹی اور پھوپو کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا پھر جیا کی شادی کی خوش خبری سناتے ہوئے اس نے ٹیبل پر رکھے پرس میں سے ایک سنہرا کارڈ نکال کر ٹیبل پر رکھا اور ان دونوں کو اماں کی طرف سے شادی میں آنے کا مژدہ سنایا۔

”یا اللہ...... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بھابی نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے میکے والوں سے ہٹ کر اپنی اولاد کی خوشیوں کے بارے میں سوچا۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے؟ پچھلی دفعہ جب میں آئی تھی تم لوگوں کے ہاں بھابی نے مجھے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کے رشتے اپنے بہن بھائیوں کے ہاں طے کر چکی ہیں جلد ہی وہ شادیاں بھی کر دیں گی تو پھر کس طرح ہو گیا یہ سب؟“ پھوپو حیرت اور خوشی کے ملے جلے احساس کے تحت بولیں۔

”بس پھوپو...... اللہ نے اپنا کرم کر دیا ماموں اور خالہ نے تمام عمر اماں کا کیسے جذباتی مالی معاشی ہر قسم کا استحصال کیا مگر ہماری اماں کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہی۔ وہ تو ہم نادان انسان ہی نہیں سمجھتے کہ ہر چیز اور کام کا قدرت نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور وہ اسی مقررہ وقت پر ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ماموں نے شادی کے عین موقع پر اپنا لالچ دکھا دیا اور...... اور بس۔“ سرشاری سے بتاتے بتاتے وہ چپ رہ گئی۔

”چلیں اب اس خوشی کے موقع پر مجھے اچھی سی چائے پلوائیں اپنے ہاتھوں سے بنی ہوئی۔ مجھے تو جیسے ہی اماں نے بتایا خوشی سے رہا ہی نہیں گیا میں چائے پیے بنا ہی پہلی فرصت میں آ گئی یہاں۔“ خوشی سے چہک کر عروہ نے کہا تو پھوپو مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔ عادل پھوپو والی چیئر پر ہی بیٹھ گیا پھر عروہ نے آہستہ آہستہ اسے ساری تفصیلات بتا دی تھیں۔

”میں نے اماں کے ساتھ بہت تلخ کلامی کی عادل...... بہت بُرا بھلا کہا اب مجھے اپنی بدتمیزی پر افسوس ہو رہا ہے کہ میں یہ سب باتیں آرام سے بھی تو کر سکتی تھی۔ صبح صبح میں آئی تھی اماں کے پاس اپنی بدتمیزی کی معافی مانگنے مگر حسب معمول خالہ اور ان کی اولاد خدائی فوجدار کی طرح ان کے ساتھ تھی بس پھر کیا تھا میں نے بھی معافی مانگنے کا ارادہ اماں کے تنہا ملنے پر موخر کر دیا۔ ہماری ہر پرائیویسی میں زبردستی کی دخل اندازی ہے ان لوگوں کی زہر لگتے ہیں مجھے وہ لوگ۔“

”کیا بات ہے تمہاری بھی عروہ بی بی...... جیا کا مقدمہ تو لڑ کر جیت بھی لیا کوئی ایک آدھ فقرہ اپنے حق میں بھی بول ہی دیتیں۔ مامی کے جذبات زوروں پر تھے اس وقت ہو سکتا ہے ہمارے حق میں ووٹ ہی ڈال دیتیں وہ۔“

”ہونہہ...... ووٹ ڈال دیتیں جیا کا جیتا مقدمہ بھی ہار جانا تھا میں نے۔ صبر کر کے جیا کی شادی ہونے دو پھر دیکھتے ہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ماموں کی طرف سے جو خاموشی ہے مجھے تو اس پر بھی دھڑکا لگا ہوا ہے جہاں تک ان لوگوں کو جانتی ہوں میں وہ اپنے مقصد کے لیے آخری حد تک جا سکتے ہیں اور اماں تو ہیں ہی ماموں کی دیوانی صرف اسی بات کی تسلی ہے مجھے کہ نکاح

ہوچکا ہے جیا کا۔"
"ارے بھئی جب اللہ پر توکل کیا ہے تو یقین بھی رکھو' ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ کچھ باتوں کے گرد خدشات کے حاشیے نہ بھی لگائے انسان تو بھی سب ٹھیک ہوہی جاتا ہے۔" عادل کے سمجھانے پر وہ ہلکا سا مسکرادی تھی' اتنے میں پھوپو چائے لے آئی تھیں' عادل نے آج اس کے آنے کی خوشی میں چھٹی کرنے کا فیصلہ کیا تھا' یوں پورا دن پھوپو اور عادل کی سنگت میں رہ کر وہ بے حد خوش باش لوٹی تھی۔

❀......❀......❀

رات کو جیا اسے بلانے آئی تھی کہ اماں بلا رہی ہیں' ہال میں پہنچنے پر پتا چلا کہ سب ہی وہاں جمع تھے بس اسے ہی نہیں پتا تھا کہ حسب معمول باہر کیا ہورہا ہے۔ خالہ' ان کی بیٹیاں اپنے سامنے زرق برق ملبوسات کا ڈھیر لگائے بیٹھی تھیں' ان کے بھائی کی اس زنانہ محفل میں موجودگی اور ہر معاملے میں گہری دلچسپی لینا اس کو ہمیشہ کی طرح سلگا گیا مگر وہ سب کو نظر انداز کرتی جا کر اماں کے پاس بیٹھ گئی۔ پھوپو کے شادی پر بلاوے کے بعد اماں سے اس کے شکووں کی تعداد میں کمی ہوگئی تھی پھر خالہ کے اشارہ کرنے پر اماں نے بات شروع کی۔

"قسمت کا پھیر تھا یا وقت کی کوئی چال کہ جان سے پیارا بھائی جدا ہوگیا مجھ سے...... اب اللہ کے بعد بس ایک بہن کا ہی سہارا بچا ہے۔ اس سے پہلے کہ قسمت کوئی اور کھیل کھیل جائے ہم دونوں بہنیں اپنے رشتے کو مضبوط سے مضبوط کرنا چاہتی ہیں۔ آپا اس مبارک موقع پر تمہیں اظفر کے نام کی انگوٹھی پہنانا چاہتی ہیں اور جیا کی رخصتی والے دن نکاح بھی ہوگا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے بلکہ میرے لیے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میری بچی عمر بھر میری آنکھوں کے سامنے رہے گی آؤ بھئی آپا...... اپنی بہو کو انگوٹھی پہنادو۔"

اماں نے کچھ ایسے وقت پر اس طریقے سے عروہ کو گھیرا کہ وہ کچھ بھی نہ کرسکی مگر جب خالہ اسے انگوٹھی پہنا چکیں تو خالہ کی بڑی بیٹی مٹھائی لے کر آئی تب عروہ سے وہاں مزید بیٹھا نہ جاسکا وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ انگوٹھی کو اتار کر پھینکا اور بستر پر گر کر پھوٹ کر رودی تھی' اپنی باری پر اپنے حق میں لڑنے کے بڑے بڑے دعوے کرنے والی عروہ اماں کی جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوکر بُری طرح پھنس چکی تھی' جیا اسی پل کمرے کا دروازہ کھول کر حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی اسے بھی عروہ کے عادل کے حوالے سے جذبات کا پتا تھا۔

"کیا ہوا عروہ...... روتو مت' تم تو بہت بہادر ہو' ہر مسئلے کا حل منٹوں میں ڈھونڈ لینے والی۔ اٹھو شاباش...... ابھی تو خالہ نے صرف منگنی کی انگوٹھی پہنائی ہے کون سا نکاح ہوگیا ہے جو ایسے ہمت ہار گئی ہو۔" جیا روہانسی ہوکر اسے چپ کرارہی تھی' جب اماں اچانک کمرے میں داخل ہوئی تھیں' انہوں نے جیا کی آخری بات سن لی تھی۔ دروازہ پوری طرح بند کرتی وہ ان دونوں کے قریب آئیں۔

"اس کو اپنی زبان میں سمجھا دو جیا کہ میں مزید کوئی تماشا اس گھر میں نہیں چاہتی۔ پرسوں اس کا نکاح ہے اس حقیقت کو جتنی جلدی قبول کرلے گی اتنا ہی اس کے حق میں اچھا ہوگا کیونکہ اس نے اگر انکار کیا تو میں نے تمہیں بھی رخصت نہیں کرنا اور خود کچھ کھا کر مر جانا ہے۔ ایسے جینے کا کوئی فائدہ ہی نہیں میرے نزدیک جس میں انسان اپنے عزیز ترین رشتوں سے عمر بھر منہ چھپاتا پھرے۔ میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں' آج سے نہیں برسوں پہلے سے۔" اماں جیسے آئی تھیں ویسے ہی واپس جاچکی تھیں' ان دونوں کی سماعتوں پر بم گرا کر' اماں اپنی ضد کی کتنی پکی تھیں اور اپنے بہن بھائیوں کی محبت میں ہر حد تک گزر جانے والی۔ یہ وہ دونوں اچھی طرح جانتی تھیں سو عروہ جو اماں کی باتیں زرد پڑتے چہرے کے ساتھ سنتی رہی تھی اب ان کے جانے کے بعد ایک بار پھر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی' عادل کو کیسے وہ خاموش کروادیتی تھی کہ اپنا وقت آنے پر وہ اماں سے ہار نہیں مانے گی۔ جیا بے بسی سے اسے روتا دیکھ کر چپ تھی۔

"کیا...... کہہ رہی ہو جیا؟" عادل کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ "عروہ نے کیوں پہن لی انگوٹھی اور مان کیسے گئی وہ؟" وہ تیزی سے بولا پھر جیسے جیسے جیا اسے تفصیل بتاتی گئی تھی ویسے ویسے اس کے ماتھے کی سلوٹیں گہری ہوتی گئیں۔

"میں جانتا تھا' میرا دل کہتا تھا کہ مامی ایسا ہی کچھ کریں گی۔ میں نے اسے بہت بار کہا تھا مگر اسے بھروسہ تھا خود پر کہ وہ سب ٹھیک کرلے گی' اب کہاں ہے وہ۔" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔ جیا نے بتایا کہ رات سے کمرہ بند کرکے بس روئے جارہی ہے۔

"شام میں میری مایوں کی تقریب ہے عادل بھائی...... مگر گھر میں اس نئی ٹینشن کی وجہ سے کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا' آپ کم از کم پھوپو کو ہی بھیج دیں۔" جیا روہانسی ہوکر بولی' عادل نے اسے تسلی دے کر کال بند کی اور خود پھوپو کو مختصر صورت حال بتا کر انہیں ماموں کے گھر چلنے کو کہا۔

❀......❀......❀

"پتا نہیں کیسے ثمینہ تک اس منگنی کی خبر پہنچ گئی ہے اماں...... تمہیں کیا ضرورت تھی محلے میں مٹھائی بانٹ کر ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ مت پوچھ کتنی مشکل سے اور کتنے جتن کرکے اسے روکا ہے یہاں آنے سے' اب ایسی صورت میں جب وہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے میں اسے کوئی پریشانی نہیں دینا چاہتا۔ کب سے کہہ رہا ہوں کہ جلدی جلدی کرو جو کچھ کرنا ہے' تمہاری وہ خودسر' ہٹ دھرم بھانجی زہر لگتی ہے مجھے۔ جیا ہوتی تو پھر بھی چپ چاپ ایک کونے میں پڑا رہتا تھا اس نے' ثمینہ بھی آجاتی اس گھر میں تب بھی' اب اس زبان دراز لڑکی کو نجانے کب تک برداشت کرنا پڑے گا مجھے' کہے دے رہا ہوں کہ ثمینہ ہی میری بیوی ہے اور رہے گی۔ خالہ کو ایک بار مٹھی میں کرلیا اس کے بعد اس عروہ کو تو میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

"ہاں...... ہاں سب کرلینا مگر فی الحال چپ کرو' کوئی سن نہ لے۔ تمہیں بھی تو ثمینہ سے شادی کی بہت جلدی تھی' ایک بار عروہ سے شادی ہونے کے بعد سب کچھ تم اپنے قبضے میں کرلیتے پھر تسلی سے میں تمہاری ثمینہ سے شادی بھی کروادیتی مگر نہیں۔ من پسند بیوی بھی چاہیے' دولت' جائیداد پر قبضہ بھی ہوا تنا آسان نہیں ہے یہ سب۔ اب چلو بازار' عروہ کے لیے نکاح کا جوڑا اور زیور ہی لے آئیں۔" خالہ کی آواز آئی تھی اور اماں اپنا دل پکڑے پکڑے ان کے باہر نکلنے سے پہلے ہی تخت پر آ کر ڈھے گئیں۔

"عروہ...... جیا...... میری بچیاں......" اماں نے زندگی میں پہلی بار ماں بن کر سوچا تو دل پانی بن کر آنکھوں سے بہنے لگا۔ وہ وہیں تخت پر آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئیں اور آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پھوپو بھی آن پہنچی تھیں' خالہ اور اظفر نے اماں کو بازار ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر وہ ان سنی کیے لیٹی رہی تھیں۔ خالہ سمجھی تھیں کہ ان کی طبیعت خراب ہے' سو نیند سے نہ جگانے کا خیال کرکے وہ بیٹے کے ساتھ بازار چلی گئی تھیں۔

"پھوپو کو میرے کمرے میں بٹھاؤ جیا...... میں آتی ہوں۔" پھوپو سے ملنے کے بعد اماں نے جیا کو مخاطب کیا تو اماں کے ستے ہوئے چہرے اور نڈھال انداز پر حیران پریشان ہوتی جیا' عادل اور پھوپو کو اماں کے کمرے میں لے آئی تھی۔

اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے اماں کے قدم ان دونوں بہنوں کے کمرے کے سامنے ست پڑے تھا۔ عروہ نے صبح چائے پی تھی' وہ بھی جیا کے بے حد اصرار پر اور تب سے ایک بار پھر کمرے میں بند تھی۔ آنکھوں میں نمی لیے وہ اپنے کمرے میں آئی تھیں' ان کے بیٹھنے کے بعد پھوپو نے ایک بار پھر قسمت آزمائی کا سوچتے ہوئے گلا کھنکار کر اماں کے سامنے اپنے بیٹے کی خوشیوں کے لیے دست دراز کیا تھا' ساتھ ہی بار بار کی ہوئی بات دہرائی تھی کہ ان کے بھائی اس رشتے سے بہت خوش تھے۔ عادل نظریں جھکائے پتا نہیں کیا سوچ رہا تھا' جیا بھی دھڑکتے دل کے

ساتھ وہیں ٹک گئی۔ اب پھوپو اماں سے اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے عروہ کی خوشیوں کی ضمانت دے رہی تھیں ساتھ ہی بتا رہی تھیں کہ یہ صرف ان کی ہی خواہش نہیں ان کے بیٹے کی بھی شدید خواہش ہے عروہ سے شادی کرنا۔

"میں یہ سب باتیں جانتی ہوں آپ مجھے بتا کر مزید شرمندہ مت کریں مگر ایک شرط ہے۔" ابھی پھوپو کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ اماں نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان سب نے بے یقینی سے اماں کو دیکھا تھا' عادل کا دل گویا کانوں میں آ کر دھڑکنے لگا۔

"مجھے ہر شرط منظور ہے بھابی...... میں اپنا گھر' عادل کے ابا کا ایک پلاٹ ہے' وہ بھی سب کچھ عروہ کے نام کرنے کو تیار ہوں۔ بس مجھے اپنے مرحوم بھائی کی نشانی دے دیجیے۔" پھوپو نے اماں کی ذہنیت مدنظر رکھ کر جلدی سے کہا۔

"مجھے ان الفاظ سے اور مت شرمندہ کریں آپ' میں تو عمر بھر ضمیر کی لعن طعن برداشت کر جاؤں یہ بھی بڑی بات ہے۔ میری شرط یہ ہے کہ ابھی ابھی عادل اور عروہ کے نکاح کا بندوبست کیا جائے اور آپ کا سب کچھ آپ کو مبارک ہو' انسان کی اصل جائیداد تو اولاد ہوتی ہے۔ میں ہی یہ بات دیر سے سمجھ پائی ہوں' عادل جاؤ بچے جلدی سے نکاح کے لیے بندوبست کرو اور وکیل کا بھی' مجھے کچھ ضروری فیصلے آج اور ابھی کرنے ہیں پھر وقت اور زندگی مزید مہلت دے نہ دے۔" ان کے نڈھال لہجے پر جیا تو رونے لگ گئی۔

"جاؤ بچے...... دیر مت کرو۔" اماں نے اصرار کیا تو عادل خوشی سے نہال ہوتا باہر نکل گیا۔

"یہاں آؤ میرے بچے...... میری عروہ کو بھی بلاؤ میرے پاس' رو رو کے ہلکان ہو گئی میری بچی اور میں ایسی نادان اور کم فہم کہ ثانوی رشتوں اور مادی چیزوں کو اپنی اولاد سے بڑھ کر جانا۔" اماں نے جیا کی پیشانی چوم کر اس کا سیروں خون بڑھا دیا' وہ فوراً ہی عروہ کو بلانے کے لیے بھاگی تھی۔

پھر جس وقت خالہ اور اظفر لوٹے ان کی آنکھوں نے ناقابل یقین منظر دیکھا تھا' صوفے پر دلہن کے روپ میں سجی سنوری عروہ' اس کے پہلو میں بیٹھا کان میں سرگوشیاں کرتا اور اپنی دلہن کو مسکراتا دیکھ کر کھلکھلاتا عادل۔ دونوں کے اردگرد خوش باش بیٹھی اماں اور پھوپو ڈھولکی بجا بجا کر اونچی آواز میں گاتی محلے کی لڑکیاں' تتلی کی طرح اڑتی جیا اور سب کے درمیان ہکا بکا اور حیران بیٹھی خالہ کی بیٹیاں' جن کو ابھی تک سمجھ نہیں آسکی تھی کہ ابھی کچھ دیر قبل جو ہوا تھا' وہ حقیقت تھی یا کوئی خواب۔

"آؤ آپا...... میری عروہ آج رخصت ہو کر اپنی پھوپو کے گھر جا رہی ہے' اپنے ابا کی خواہش کے مطابق۔ اسے دعائیں دے کر رخصت کرو اور ہاں اس خوشی کے موقع پر اپنی اکلوتی بہو ثمینہ کو بھی میری طرف سے شادی کا دعوت نامہ دے دو۔" اماں نے جیسے ہی طنز سے یہ کہا تھا' خالہ کا غصے سے تنا ہوا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ قدرت نے ان کی سازش میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا' انہوں نے ایک نظر بیٹے کو دیکھا اور ڈھیلے قدموں سے عروہ کو دعا دینے کے لیے آگے بڑھ آئیں۔

"میں نے کہا تھا ناں اللہ پر توکل کرنے والوں کی وہ وہاں سے مدد کرتا ہے جہاں بدگمان کی آخری حد بھی نہیں جاتی۔" عادل کی سرگوشی پر وہ مسکرائی' اس کے گمان میں ابا آ کر مسکرائے۔

"عروہ...... اپنا قبلہ درست رکھنا بیٹا' اللہ اور نوازے گا۔" ہولے سے اثبات میں سر ہلاتے پل بھر کو اس کی آنکھوں میں نمی سی چمکی تھی پھر وہ خود کو کچھ کہتی جیا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

❀

وفا کی جنگ مت لڑنا یونہی بیکار جاتی ہے
زمانہ جیت جاتا ہے محبت ہار جاتی ہے
ہمارا تذکرہ چھوڑو' ہم ایسے لوگ نہیں جن کو
زمانہ کچھ نہیں' کہتا وفا ہی مار جاتی ہیں

"کبھی میں سوچتا ہوں کچھ نہ کچھ کہوں......
پھر میں سوچتا ہوں کیوں نہ چپ رہوں"
قدآدم آئینے کے سامنے بال سنوارتے ہوئے اس کے لب شوخ گنگناہٹیں بکھیر رہے تھے۔ بال سیٹ ہونے کے بعد اس نے پرفیوم کی تیز پھوار میں خود کو بھگویا۔

"نویر بیٹا...... کہیں جارہے ہو؟" اسی دم عابدہ بیگم نے پردے کا کونہ ہٹا کر جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"جی امی...... آپ کو بتایا تو تھا میرا دوست باسل جو کولیگ بھی ہے اس کا آج ولیمہ ہے۔" کف کے بٹن بند کرتے ہوئے ادب سے وہ بولا پھر گھوم کر انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "خیریت آپ کو کچھ منگوانا ہے؟"

"نہیں منگوانا تو کچھ نہیں' میں نے کہیں جانا ہے۔" عابدہ بیگم پردہ ہٹاتے ہوئے اندر آگئیں۔ ان کے چہرے پر تردد تھا۔

"تمہاری عارفہ خالہ کے گھر جانا ہے' مجھے وہاں چھوڑتے ہوئے تم ولیمہ میں چلے جانا۔"

"کیوں خیریت؟ آپ کو اچانک خالہ کے گھر جانے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟" نویر کی کشادہ پیشانی پہ آن کی آن میں ناگواری کی شکنیں بچھتی چلی گئیں۔

"تمہارے خالو اکرم کو رات پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اللہ جانے عارفہ اور بچوں کا کیا حال ہوگا۔" عابدہ پریشانی سے بولیں۔

"وہی حال ہوگا جو پہلے ہوتا رہا ہے۔" نویر تلخی سے بولا۔ "خالو نے تو گھر' تھانہ ایک بنا رکھا ہے۔ کس نے کہا ہے جوئے کی محفل سجانے کو۔ کئی بار تھانے کی ہوا کھا چکے ہیں مگر غیرت' عزت اور حمیت تو جیسے انہیں چھو کر نہیں گزری' دو تین چھتر' ذرا سا جرمانہ بھگتنے کے بعد پھر وہی جوئے کا اڈہ' نشے کے جام اور بدقماش و آوارہ دوستوں کی صحبت' میں تو کہتا ہوں معاملہ سینٹرل جیل تک چلا جائے' عمر قید کی سزا تو لازمی ہو۔" جوتے پہنتے ہوئے نویر کے لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

"اللہ کے لیے ایسا تو نہ کہو' میری بہن کا سہاگ ہے چاہے جیسا بھی سہی۔" عابدہ بیگم بے ساختہ تڑپ کر بولیں۔ "بدنصیب عارفہ...... ساری زندگی دکھوں کی بھٹی میں جلتی رہی اوپر سے چار جوان جہان بیٹیوں کا ساتھ۔ شوہر نکھٹو اور جواری کون کون سا دکھ نہیں سہا میری ماں جائی نے۔" عابدہ بیگم کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ یہ بتائیں۔" نویر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے قدرے نرمی سے بولا۔ ماں کا نمناک لہجہ اثر کر گیا تھا۔

"مجھے عارفہ کے گھر چھوڑ دو پریشانی کے اس عالم میں کم از کم مجھے تو اس کے پاس ہونا چاہیے۔" عابدہ بیگم اس کا جواب سنے بغیر جلدی سے چادر اوڑھ کر باہر آ گئیں۔

"اُف امی...... کبھی کبھی آپ دق کرکے رکھ دیتی ہیں رکشہ کرکے چلی جاتیں جیسے پہلے جاتی ہیں۔" جھلاتے ہوئے وہ بائیک کو کک مارنے لگا۔ عابدہ بیگم پیچھے خاموش بیٹھی رہیں جانتی تھیں کہ نویر کے لیے خالہ کے گھر جانا ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ وجہ خالو اکرم کی بری شہرت تھی۔ ایک جواری شرابی اور برے کردار کے حامل شخص کا اپنے خاندان سے منسلک ہونا اسے شدید دکھ و غصے میں مبتلا کر دیتا تھا۔ اس کے مرحوم ابا شفیق الرحمٰن بھی اکرم کی اسی بری روش کے باعث کبھی دوستانہ مراسم نہ بڑھا سکے تھے البتہ چھوٹی اکلوتی سالی عارفہ کے سر سے دست شفقت کبھی نہ ہٹایا تھا۔

"اُف خالہ کے محلے کی گلیاں ایسی ہیں جیسے سرکس میں بائیک چلانی پڑ گئی ہو۔" ٹیڑھی میڑھی کوڑے کچرے سے اٹی گلیوں میں بائیک دوڑاتے ہوئے نویر با آواز بلند کوفت سے بڑبڑا رہا تھا۔

ٹوٹی اکھڑی گلیاں ناقص سیوریج سسٹم اور ابلتے ہوئے گٹر اتنی بدبو اور تعفن کے ان کا تو سانس ہی ایک لمحے کو رکنے لگا تھا۔ اللہ اللہ کرکے بائیک عارفہ کے لکڑی کے دروازے کے سامنے رکی جس پہ ٹاٹ کا پردہ لٹکا ہوا تھا اور دروازے کا روغن اتر چکا تھا۔

"آؤ تم بھی خالہ سے مل لو۔ تمہارے محبت بھرے دو بولوں سے اس کے دکھیارے دل کو ذرا سکون مل جائے گا۔" بائیک سے اتر کر عابدہ بیگم لجاجت سے اس سے مخاطب ہوئیں۔

"اُفوہ امی پلیز...... ایسی فارملیٹیز کی مجھ سے توقع مت رکھا کریں۔" انتہائی رکھائی سے کہتے ہوئے وہ بائیک کو بھگا لے گیا۔

☐......◉......☐

اتوار کے دن وہ ایک بھرپور نیند لینے کے بعد غسل لے کر فریش ہو کر باہر نکلا تو گھر میں مانوس چہل پہل محسوس ہوئی تھی۔ نازیہ باجی اپنے بچوں سمیت آئی ہوئی تھیں۔

"ارے آؤ نویر...... اتنی لیٹ مارننگ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی واقعی لیٹ مارننگ ہے۔ پر کیا کریں ہم جاب کرنے والے سارے ہفتے کی آدھی ادھوری نیندیں اتوار کو ہی پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ خوش دلی سے کہتا ان کے قریب صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"اچھا سب باتیں چھوڑو یہ بتاؤ ان سارے کپڑوں میں سے کون سا سوٹ فالحہ پہ جچے گا۔" نازیہ کے انداز میں دبا دبا سا جوش اور خوشی تھی۔ سامنے زرق برق کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

"مجھ سے کیا پوچھتی ہیں خود فالحہ سے پوچھیں اس پہ کون سا جوڑا سوٹ کرے گا۔ میں کوئی دوشیزہ تھوڑی ہوں جو لڑکیوں کے ٹیسٹ کا مجھے پتہ ہو۔" گھٹنوں پہ بازو رکھے وہ ریلیکس موڈ میں گویا ہوا۔

"اچھا چلو یہ ہی بتا دو تمہیں فالحہ کو کس ڈریس میں دیکھنا اچھا لگے گا۔" نازیہ کا انداز ہنوز پُرجوش تھا۔ "پہننا اس نے ہے مگر دیکھنا تو تم نے ہی ہے ناں۔" زرتار آنچل گھٹنوں پہ پھیلاتے ہوئے اب کے نازیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شوخی سے بولی۔

"واٹ ڈو یو مین...... میں نے دیکھنا ہے آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" یکلخت وہ سنجیدہ ہوا۔

"اس لیے میرے بھائی کہ فالحہ نے اس گھر میں دلہن بن کر آنا ہے آپ کی شریک حیات کی حیثیت سے امی کی بہو اور میری اکلوتی بھابی جان بن کر۔" نازیہ نے ایک بم پھوڑا اس کے سر پر۔

"ایکسکیوزمی...... جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ الجھوں میں برہم ہوا۔

"نویر...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میرا اور امی کا ارادہ تمہارے لیے فالحہ کو لینے کا ہے۔" نازیہ کو بھی بھائی کے بگڑے تیور دیکھ کر سنجیدگی کا چولا پہننا پڑا تھا۔

"امی پلیز...... آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں فالحہ کو اپنی لائف پارٹنر کے طور پر قبول کرلوں گا۔" وہ تو جیسے ہتھے سے اکھڑ اتھا۔

"فالحہ سے بہتر کوئی اور چوائس نہیں ہے ہمارے پاس' شریف ہے' خوب صورت ہے' نیک اطوار ہے اور سب سے بڑھ کر ہماری کزن ہے۔" نازیہ کا انداز مدافعانہ تھا۔

"اور یہ کہ وہ ایک جواری کی بیٹی بھی ہے۔ یہ بھی بولیں ناں۔" وہ گہرے طنز سے بولا۔

"تو کیا ہوا' ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ خالو کس قماش کے ہیں۔ ہمیں تو فالحہ سے مطلب ہے۔ اب اگر اس کا باپ جواری ہی' بری شہرت کا حامل ہے تو اس میں اس بے چاری کا کیا قصور؟ خالو کی سرگرمیوں سے ہمیں کیا لینا دینا۔"

"مگر مجھے لینا دینا ہے' میرا اپنا ایک سرکل ہے' دوست احباب ہیں' میری کیا عزت رہ جائے گی ان سب کے سامنے اگر میں ایک جواری کی بیٹی کو بیاہ لاؤں' میرا کچھ مقام ہے' کچھ بدخواہ بھی ہیں جو خالو کی شہرت کو لے کر مجھے آفس میں ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کریں گے۔" وہ بہت آگے کی سوچ رہا تھا۔

نازیہ نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔

"یہ بیل منڈھے چڑھتی نہیں دکھتی۔" عابدہ بیگم نے صاف کہنے کی ٹھانی۔

"دیکھو بیٹا...... تم میرے اکلوتے بیٹے ہو میری کل جمع پونجی' بالفرض اگر میں کسی اچھے' باصلاحیت اور باکردار شخص کی بیٹی کو بہو بنا لاؤں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ لڑکی بھی اپنے باپ کی طرح باکردار اور نیک اطوار کی حامل ہوگی' ہوسکتا ہے وہ پھوہڑ' ہٹ دھرم' بدمزاج ہو' تمہاری زندگی اجیرن کرکے رکھ دے' اپنی خدمت کروائے تو کیا اپنے اکلوتے بیٹے سے ہی ہاتھ دھو بیٹھوں' پھر اس سے بہتر نہیں ہے کہ میں فالحہ کو بیاہ لاؤں' جو میری بھانجی بھی ہے' دیکھی بھالی' گھر کی بچی' جس سے میں اپنی خدمت کی توقع بھی رکھ سکتی ہوں۔ اسے میں اپنے گھر کی چابیاں بھی سونپ سکتی ہوں' آنکھیں بند کرکے بلا جھجک۔" عابدہ بیگم آہستہ آہستہ بول رہی تھیں' نویر لب بھینچے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ چہرے پہ کہیں آمادگی کا تاثر نہ تھا۔

"نویر میری جان...... فالحہ میرے دل کی خوشی ہے' کیا اپنی ماں کی خوشی کا پاس بھی نہیں رکھو گے؟"

"امی پلیز......!" اس نے ماں کے گلوگیر انداز پر تڑپ کر ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"مجھے مجبور نہ کریں' میرا دل فالحہ کے لیے نہیں مانتا۔ آپ کے دل کی خواہش تو پوری ہوجائے گی مگر مجھ سے وہ عزت' احترام اور وقار نہ پاسکے گی جس کی وہ مستحق ہوگی۔ آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں ایک گنہگار کی زندگی گزاروں۔" وہ ایک عجیب بے بسی کے عالم میں بول رہا تھا۔

"نویر...... تمہارے ابا کے جانے کے بعد میں نے بہت کڑا وقت جھیلا ہے' تم میری ساری زندگی کی جمع پونجی ہو' میں تمہارے بارے میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتی' کوئی نقصان اٹھانے کا یارا نہیں اب مجھ میں' مجھ سے وہ مت مانگو جو میں تمہیں نہیں دے سکتی۔" بولتے بولتے عابدہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور نویر کو ان آنسوؤں میں اپنی دنیا ڈوبتی نظر آرہی تھی۔

□......◎......□

اور پھر نویر عباس کی بارات بڑی دھوم دھام اور روایتی شان وشوکت سے ٹیڑھی میڑھی بدبودار گلیوں سے ہوتی ہوئی اکرم جواری کے ٹوٹے ہوئے لکڑی کے دروازے پر پہنچی تو مہمانوں نے بے ساختہ فالحہ کی قسمت پہ رشک کیا تھا۔ جسے نجانے کس نیکی کے طفیل نویر جیسا دراز قامت' خوبرو اور سنجیدہ و متین شخص ملا تھا۔

"میری فالحہ واقعی فالحہ (خوشبو) بن کر میرے بیٹے کی زندگی کو معطر کرے گی۔" بے حد نفیس قیمتی جوڑے میں ملبوس عابدہ بیگم بے پایاں مسرتوں سے سرشار مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں' مگر نویر

کا سپاٹ چہرہ اور سرد رویہ بھی دل ہی دل میں پریشان کیے دے رہا تھا۔

رات تیسرے پہر میں داخل ہوتے ہی سارے ہنگامے ٹھنڈے پڑ گئے۔ ٹی پنک و گرین امتزاج والے کامدار عروسی ملبوس‘ زیورات اور ہار سنگھار سے سجی سنوری فاطہ کو نوریر کے بے حد خوب صورت اور پُر آسائش بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔

’’نوریر...... یہ وہ کنگن ہیں جو تمہاری دادی نے مجھے پہنائے تھے۔ خاندانی اور بیش قیمت ہیں‘ تمہاری دلہن کے لیے سنبھال رکھے تھے۔ آج بلکہ ابھی جا کر اپنی دلہن کو منہ دکھائی میں یہ تحفہ دینا۔‘‘ عابدہ بیگم نے ایک مخملی کیس نوریر کی طرف بڑھایا۔

’’جی ادھر لائیں...... ساری تو اپنی منوا چکی ہیں‘ اگر یہ فارمیلیٹی پوری نہ کروں تو یقیناً بلیک میلنگ کا کوئی اور طریقہ آپ کے پاس موجود ہوگا تازہ بہ تازہ......‘‘ کیس ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ حد درجہ تلخی سے بولا تھا۔ عابدہ بیگم کی آنکھیں بھر آئی...... اس کے انداز یہ‘ کس قدر خفا تھا وہ ان سے...... ان کا اکلوتا جگر گوشہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا کہ ان کی یہ بلیک میلنگ سراسر اس کے اپنے فائدے کے لیے تھی...... فالحہ جیسی خوب صورت‘ باوقار...... شرم و حیا کا پیکر۔ رات کسی پل انہیں نیند نہ آئی تھی‘ کروٹ پہ کروٹ بدلتی رہیں‘ لاڈلے بیٹے کا روٹھا انداز اور تنا ہوا چہرہ کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

’’کہیں بہن اور بھانجی کی محبت میں آ کر میں نے نوریر کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کر دی۔‘‘ اسی ایک سوچ نے بے چینی کے سمندر میں غوطہ زن کر کے انہیں اتنا بے حال کیا کہ بے ساختہ تہجد پڑھنے کے لیے بستر چھوڑا۔ سپیدہ سحر نمودار ہونے کو تھا۔ وضو کر کے باہر آئیں تو ٹھٹک کے رک جانا پڑا۔ کچن کی لائٹ آن تھی‘ انہوں نے دروازہ دھکیلا۔

’’ارے خالہ جان...... آئیں‘ میں گرین ٹی بنا رہی تھی۔ ابھی سر درد کی ٹیبلٹ لی ہے‘ آپ کے لیے بھی ایک کپ تیار ہے مجھے معلوم ہے آپ سحر خیز ہیں۔‘‘ کیتلی سے کپوں میں چائے انڈیلتے ہوئے فالحہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’سر میں درد؟‘‘ عابدہ چپ چاپ آگے بڑھیں ان کے دیئے ہوئے کنگن فالحہ کی حنائی کلائیوں میں جگمگا رہے تھے۔

’’نوریر نے خود پہنائے ہیں ناں یہ کنگن؟‘‘ وہ اس کے ہاتھ تھام کر ایک آس بھرے انداز میں بولیں۔

’’جی خود پہنائے تھے۔‘‘ فالحہ نے جھکے سر کے ساتھ شرگیں انداز میں جواب دیا‘ کہیں اندر ہی اندر دل کے اوپر ڈھیر ساری اوس آ گری تھی‘ کچھ گھنٹوں پہلے کا منظر دھیان کی اسکرین پہ فلیش بیک ہوا تھا۔

’’تمہارا میری زندگی میں شامل ہونا سراسر امی اور نازیہ کی خواہش پر ہوا ہے‘ کبھی اس بھول میں مت رہنا کہ مجھ سے تمہیں وہ عزت‘ چاہت اور وارفتگی ملے گی جس کو دینے کا مجھے وہ عہد پابند کرتا ہے جو میں آج کافی لوگوں کی موجودگی میں چند کاغذوں پہ دستخط کی صورت کر چکا ہوں۔‘‘ گلے سے گلابوں کا معطر ہار نوچ کر صوفے پر پھینکتے ہوئے نوریر بلا کے ٹھنڈے اور ٹھہرے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

’’میں نوریر عباس...... ایم بی اے ان فنانس جس کا ایک مہذب سرکل ہے‘ جس کی ایک کلاس ہے اس میں کسی جواری کی بیٹی کی گنجائش ہرگز نہیں نکلتی۔‘‘ مخملی کیس اندازے سے اس کی طرف اچھالا تھا جو ٹھک سے فالحہ کی گود میں آ کر کھل گیا تھا۔ دو کنگن ملبوس کی جگمگاہٹ سے ہم آہنگ ہو کر روشنی بکھیر رہے تھے‘ لمحہ بہ لمحہ ان کی تابناکی بڑھتی جا رہی تھی اتنی کہ فالحہ کی بصارتوں کی روشنائی انہوں نے اچک لی تھی‘ اندر تک گھپ اندھیرا...... گہری خاموشی فالحہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والی کیفیت میں کافی دیر بیٹھی رہی کہ اچانک ایک مہربان‘ نرم اور غم خوار آواز دماغ کے کسی گوشے سے نکل کر دھیان کے دروازے پر دستک دینے لگی تھی۔

"فالحہ...... میری بچی تو نے اس گھر میں میرے ساتھ ایک جیسی تکلیفیں اور آزمائشیں جھیلی ہیں۔ تمہارے باپ کی طرف سے بخشی ہوئی ذہنی آزردگی اور دلی تھکاوٹ کے باوجود میں لمحہ بھر کو بھی تم لوگوں کی تربیت کی طرف سے غافل نہیں رہی اب جبکہ تم باجی کی فیملی کا حصہ بننے جارہی ہو تو میری تربیت کی لاج رکھنا' یہ سوچ کر تمہارے بعد تمہاری تین بہنیں بھی ہیں جن کے نصیب تمہارے سسرال میں سجاؤ کو دیکھ کر کھلیں گے۔" یہ نرم آنسوؤں میں بھیگی آواز اس کی ماں کی تھی...... اس آواز کے ساتھ ہی اس کی ساری بینائی بھی جیسے لوٹ آئی تھی۔ اب سب کچھ صاف نظر آرہا تھا...... سامنے صوفے پہ گہری نیند سویا وہ شخص بھی جس کی ہم راہی کے خواب وہ چپکے چپکے دیکھا کرتی تھی' اس کی چاہت کے دل میں کھلے پھولوں کی وہ برسوں سے آبیاری کرتی آرہی تھی۔ جس نے نوعمری کی چمکیلی دھوپ میں اپنے دل کے تار اس بے درد کے دل کے تاروں کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیئے تھے۔ چپ چاپ بڑے سکون کے ساتھ گود میں رکھے کنگن کلائیوں میں پہن لیے اور اب اسی سکون سے چائے کا کپ عابدہ کی طرف بڑھایا۔

"نوير نے تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کیا؟" عابدہ نے کپ تھامتے ہوئے پوچھا۔

ایک روایتی سوال انتہائی غیر روایتی سچویشن میں' فالحہ کا دل ایک ساتھ ہنسا اور سسکا تھا۔ پوچھنے والی جان چھڑکنے والی خالہ تھی جو گنتی کے چند گھنٹوں پہلے ساس بنی تھیں۔

"ارے نہیں خالہ...... نویر تو بہت لونگ اور کیئرنگ ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا کہ ان جیسا سنجیدہ اور لیے دیئے انداز والا بندہ اتنا رومینٹک...... میرا مطلب ہے......" فالحہ کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ عابدہ اس کے خشک بالوں والے سر کو دیکھ رہی تھیں۔

"میری بچی...... صبر کر' تیرا صبر رائیگاں نہیں جائے گا۔ نویر تیرا ہے اور اسے ہر حال میں تمہارا ہونا ہی پڑے گا۔" عابدہ بیگم نے بھینچ کر فالحہ کو گلے لگالیا تھا۔

□ ...... ◉ ...... □

"فالحہ بیٹے یہ دم کی ہوئی چینی ہے' جب رات کو نویر کو دودھ دینے جاؤ تو ایک چٹکی چینی کی گھول دینا' ان شاءاللہ دیکھنا اثر۔" عابدہ بیگم شاپر میں بندھی چینی فالحہ کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے پُرامید لہجے میں بولیں۔

"چھوڑیں خالہ...... ان دم وظیفوں میں کوئی اثر نہیں...... جو دھاگہ بابا جی سے دم کروا کر لائی تھیں وہ ابھی تک ان کے سائیڈ والے بیڈ کے پائے سے بندھا ہے۔ تکیے میں بھی تعویذ رکھا ہوا ہے' کوئی فائدہ ہوا؟" فالحہ از حد مایوس تھی۔ نویر کا رویہ اس کے ساتھ روز اول کی طرح آج بھی سرد' کٹھور اور اجنبیت والا تھا۔ بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ اس کی فالحہ کے وجود سے لاتعلقی اور غیر دلچسپی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ رات دیر گئے گھر لوٹنا' بنا کسی سے بات چیت کیے چادر منہ تک تانی اور اگلے ہی لمحے اتنا غافل اس بات سے بے خبر کہ اس کے ہاتھ بھر کے فاصلے پر ایک مہکتا نرم وکومل وجود اس کے التفات' ذرا سی نرم سرگوشی' تھوڑی سی محبت کے لیے بھکاری بنا سسک رہا ہے۔ اس لمبے چوڑے وجود میں پتھر ہوتے دل کے پگھلنے کی دعا کررہا ہے۔ التجا کررہا ہے' گڑگڑا رہا ہے' اس رب کے حضور جس نے اپنی رحمت سے اس شخص کی ہم راہی سونپی تھی' وہی رب اس ستم گر کے دل میں اس کی چاہت کی جوت جگا سکتا تھا۔ وہی اس کے دل کو پگھلا سکتا تھا' اس کا یقین پختہ اور ایمان غیر متزلزل تھا' مگر کیا کرتی کہ عزیز خالہ کی تابع داری کا درس بھی اس کے پلو میں بندھا ہوا تھا۔ سو چپ چاپ ان کی ہدایتوں پہ عمل کیے جاتی' کبھی ان کے فراہم کردہ تعویذ چپکے سے نویر کے تکیے میں رکھ دیتی تو کبھی نویر کے لیے نکالے سالن میں دم کیا ہوا نمک چھڑک دیتی' اور پور پور سجی سنوری سراپا عجز بنی شوہر کی ہر خدمت بجالاتی' گھٹی میں صبر و برداشت تھا اور مزاج میں حلیمی' مجال ہے جو خاندان میں کسی کو اپنے حالات کی ہوا لگنے دی ہو۔ بہت کمپوزڈ' خوش اخلاق' خوش مزاجی کو تو جیسے نکھار مل گیا تھا' کبھی

رشک کیے بنا رہ نہ پاتے' بہنیں تو جیسے اس کی آئیڈیل زندگی پہ فخر کرنا ضروری سمجھنے میں حق بجانب سمجھتی تھیں۔

ایک عابدہ بیگم ہی تھیں جو اس کی روکھی پھیکی اور بے رونق زندگی کو دیکھ دیکھ کر جلتی کلستی رہتی تھیں۔ بیٹے کی بے رخی انہیں مارے جارہی تھی مگر اس کا دوٹوک اور سخت رویہ دیکھ کر لب پہ کچھ نہ لاتیں کہ اس کے دل میں اٹھتے طوفان سے وہ بخوبی واقف تھیں' بس فالحہ کا ہی حوصلہ بڑھائے رکھتیں۔

"بیٹا...... تم اپنی توجہ اور خدمت میں کوئی کمی نہ آنے دو' کتنی ہی عورتوں کے نصیب میں ایسے بے مہر شخص آجایا کرتے ہیں' پھر اولاد کی خوشبو ان کی سرد مہری کو بھاپ کی مانند اڑا دیتی ہے۔ تم اپنے حوصلے جوان رکھو' خوب صورت ہو' کم عمر اور دھیمے مزاج کی مالک ہو' اتنی ساری خوبیاں نویر کی لاتعلقی کی دیوار کو ڈھانے میں بھالے کا کردار ادا کریں گی دیکھنا۔" عابدہ بیگم کا لفظ لفظ خیر خواہی کے عطر میں بھگویا ہوا ہوتا تھا۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی؟ جو اتنے کٹھور رویے پر کرلاتا رہتا تھا۔

"جی خالہ جان' بجا فرمایا آپ نے...... خوب صورت اور کم عمر ضرور ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک جواری کی بیٹی بھی تو ہوں' بس یہی ایک حوالہ ان کی لاتعلقی کی دیوار کو فولاد بنائے جارہا ہے۔" فالحہ کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔

□......◉......□

عابدہ بیگم کے سسرالی رشتہ داروں میں سے کسی قریبی عزیز کی شادی تھی۔ فالحہ کو انہوں نے خوب اچھے سے تیار ہونے کی تاکید کی' رائل بلو کامدار جوڑا' ہلکے پھلکے طلائی زیورات' نفاست سے کیا گیا میک اپ' فالحہ نے بھی تکمیل میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔ فنکشن میں سبھی سے نمایاں اس کا سراپا تھا جو اپنی دلکشی' خوبصورتی اور نفاست کے باعث سب میں ممتاز تھا۔

سونے پہ سہاگہ اس کی خوش اخلاقی اور خوش بیانی لڑکیاں بالیاں تو اس کے گرد حصار ہی باندھ لیتیں...... بس بزرگ خواتین کی باتیں ہی کوفت میں مبتلا کردیتی تھیں۔

"سناؤ دلہن...... کوئی خوش خبری؟ خیر سے گیارھواں مہینہ شادی کا چل رہا ہے' کچھ تو اچھی خبر ہونی چاہیے؟" مسکراتی...... اس کے دھان پان سراپے کا جانچتی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے صاف لفظوں میں دریافت کرتیں۔ وجہ کھوجتیں' قیاس لگاتیں۔

"عابدہ بھابی اتنی دیر اچھی نہیں ہوتی' دلہن کو سال بھر بعد کسی گائنا کالوجسٹ کو ضرور دکھانا۔" مشوروں کا ایک سیشن شروع ہوجاتا جو عابدہ بیگم خود ہی بھگتاتیں۔ وہ گھبرا کے منظر سے اِدھر اُدھر ہوجاتی' دل دھڑک اٹھتا اور ہتھیلیاں الگ پسیجی ہوئی ہوتیں۔

"اللہ' کیسے منہ بھر کے سب کی سب بچے کا کہہ دیتی ہیں۔ مانو کوئی درخت پہ لگا ہوا پھل ہے جو ہاتھ بڑھا کے توڑ لوں؟ صاحب نے جی بھر کر دیکھا تک نہیں اور یہ بات کرتی ہیں بچہ......" اف اس کی لوئیں سرخ ہوجاتیں' پلکیں جھک جھک کے آنسو روکنے کی کوشش کرتی۔

"اللہ...... اپنا کرم کردے' نویر میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سال کے سال اس کا بچہ گود میں کھلاؤں۔" عابدہ بیگم انتہائی خشوع وخضوع سے کہہ رہی تھیں جب وہ ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"خالہ جان...... اگر آپ کا رکنے کا ارادہ ہے تو میں گھر چلی جاتی ہوں میرے سر میں سخت درد ہے۔"

"ہائیں...... ابھی سے کیسے چل دیں۔ ابھی تو کھانا لگنا ہے' پھر نیوتا دینا ہے' ٹھہرو میں تمہیں مجمی بھائی کی موٹر میں بھجواتی ہوں۔ یہ بیٹھے بٹھائے سر میں درد کیسے ہوگیا؟ ابھی تو بھلی چنگی تھیں۔" بولتے ہوئے آنکھیں سکیڑ کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ چہرے پہ ضبط کی لالی صاف نظر آرہی تھی۔ آنکھوں کے نم گوشے' فوراً اس کی واپسی کا بندوبست کردیا۔ گھر آ کر وہ سیدھی کچن میں چلی آئی۔ بیاہتا عورتوں کے پاس بیٹھو تو یہ باتیں۔

"سناؤ فالحہ' نویر بھائی کی محبت کا ذائقہ چکھنے میں کیسا ہے؟ دیکھنے میں جتنے خوب صورت ہیں کیا اندر سے بھی

ایسے ہی ہیں؟" شوخ لفظوں میں سیدھی سادھی تفتیش پھر باتوں کا رخ اپنی اپنی زندگیوں کی طرف مڑ گیا۔ محبتیں، وارفتگیاں، چاہتیں، شدتیں، بچے، گھرداری اور بزرگ خواتین کے پاس ایک ہی ٹاپک...... بچہ...... کیوں نہیں ہورہا؟ کب تک ہونا چاہیے؟ سن سن کر تو اس کے دل کے ساتھ ساتھ سر میں درد جاگ اٹھا تھا۔ کوئی کب تک سنے کوئی کب تک سہے ایک سی باتیں...... ایک سا درد...... کب سے رکے آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ سر درد کی گولی نگل کر چائے کا کپ لے کر اپنے بیڈروم میں آگئی، مگر قدم دروازے پر ہی تھم گئے تھے۔ بیڈ پہ نویر دراز تھا۔ بغیر چینج کیے بازو فولڈ کر کے آنکھوں پہ دھرے۔

"ہیں...... یہ کب آئے اور اس وقت آمد کی وجہ؟" وہ دل میں اچنبھا لیے آگے بڑھی۔ نویر کا چہرہ سرخ ہورہا تھا، اس کی چوڑیوں کی کھنک پہ بازو آنکھوں سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں کی بے تحاشا سرخی اسے گھبرا گئی تھی۔

"آگئی ہو تم...... مجھے بخار کی ایک ٹیبلیٹ دے دو...... ہوسکے تو جا کر ایک کپ چائے بھی لے آؤ...... میری طبیعت خراب ہے۔" اس نے بھاری آواز میں اس سے کہا۔ نویر کو سخت بخار تھا...... اور اس گھر میں بلا مبالغہ گیارہ مہینوں میں پہلی بار وہ اس سے براہ راست مخاطب ہوا تھا۔ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی حاجت بیان کی۔

یہ کون بولا ہے اتنی چاہ سے عدم
احساس برتری سے خدا ہوگیا ہوں میں

فالحہ تو جیسے اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی تھی۔ بے یقینی کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ ایک لمحے کو اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ سامنے بستر پر دراز شخص کی خراب حالت، اپنا سر درد، سب کچھ تو پس منظر میں چلا گیا تھا سوائے ان الفاظ کے۔

"آگئی ہو تم...... چائے بھی دے دو...... میری طبیعت خراب ہے......" فالحہ کے اردگرد انہی لفظوں کی تکرار ہورہی تھی۔ تکرار اتنی کہ لفظ اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"سنو...... میں نے تم سے چائے مانگی ہے؟" باوجود خرابی طبیعت کے نویر نے اس کی ٹک ٹک دیدم والی کیفیت نوٹ کرلی تھی۔ "عجیب لڑکی ہو، فریز ہو کر رہ گئی ہو۔" زکام زدہ آواز سے برہمی جھلکی تو لفظوں کا حصار چھناکے سے ٹوٹا تھا۔

"جی یہ چائے لیں...... نہیں بلکہ یہ ٹھنڈی ہوگئی ہے، میں گرم کر کے لاتی ہوں۔" حواسوں میں لوٹتے ہی وہ بے ربط انداز میں بولی، گرتے پڑتے قدموں سے کچن میں واپس آئی، چائے کو گرم کر کے بیڈ کی سائیڈ دراز سے بخار کی ٹیبلٹس نکالیں اور حنائی ہتھیلی میں لے کر نویر کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

مگر بخار نے ایسی نقاہت طاری کی ہوئی تھی کہ اٹھا نہیں جارہا تھا۔ فالحہ نے پورا زور لگا کر نویر کو اٹھنے میں مدد دی، خود اپنے ہاتھوں سے ٹیبلٹ دینے کے بعد پانی کا گلاس لبوں سے لگایا، تکیے سے ٹیک لگا کر نویر چائے خود گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ دن ڈھلنے لگا تھا، شام کی نارنجی روشنی گھر کی خاموشیوں میں گھلتی جارہی تھی۔ فالحہ نے نویر کی طبیعت کے پیش نظر چکن کارن سوپ بنالیا۔ عابدہ بیگم کی واپسی ابھی تک نہیں ہوپائی تھی۔ فالحہ سجے سنورے سراپے میں نویر کے سامنے جھجکتے ہوئے سوپ کا باؤل لے کر پہنچی تو نویر سوتے سے اٹھ بیٹھا اور چپ چاپ فالحہ کے بڑھائے چمچ کو قبول کرلیا تھا۔ ٹیبلٹ اور چائے سے طبیعت پہلے سے تھوڑی سنبھل چکی تھی۔ گرم سوپ لذت و ذائقے سے بھرپور محسوس ہورہا تھا۔ درد کی کیفیت زائل ہوئی تو حواس بھی چارج ہونے لگے تھے۔ چمچ بڑھاتے ہاتھ کی رنگینی و زیبائی ہرگز بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھی۔ ہاتھ سے ہوتے ہوئے نظر دلکش چہرے پہ ٹک گئی۔ سیاہ چمکیلی آنکھیں، سرخ لپ اسٹک لگے ہونٹ، شفاف گالوں پہ بکھرا غازہ۔

نویر کا دل ابن آدم کا دل تھا، فوراً ہمکا، ہاتھ بڑھا کر فالحہ کے کانوں میں جھولتے گولڈ کے آویزے کو درست کیا...... ساتھ ہی صراحی دار گردن میں سجے نیکلس نے توجہ کھینچ

لی۔ کان سے گردن تک کے گرم ہاتھوں کے سفر نے فالحہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ باؤل خالی ہو کر ابھی بھی اس کے ہاتھوں میں تھا مگر اٹھ کر جانے کی ہمت نہ ہو پا رہی تھی۔ نجانے یہ کس تعویذ کی بندش تھی کہ پلکیں اٹھانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وقت نے محبت کا طلسم ان پہ پھونک دیا تھا اور وقت کا دان کردہ تعویذ کسی بیری تلے بیٹھے زلفوں والے بابا کا تعویذ نہیں تھا کہ جس کی اثر پذیری کی کوئی مخصوص مدت ہو، یہ تو الوہی منتر ہوتا ہے' نجانے کب کہاں کس کو اپنے سحر میں لے لے' نویر نے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں اور سینے کی حدت کو محسوس کرتے ہوئے فالحہ نے خود کو اس کی سپردگی میں دے دیا تھا۔

□ ...... ◉ ...... □

"سجنا ہے مجھے سجنا کے لیے"

دھیمے سروں میں شوخ گنگناہٹیں بکھیرتے ہوئے فالحہ آئینے کے سامنے کھڑی رخساروں پہ بلش آن مہارت سے لگا رہی تھی۔ آسمانی بلو کلر کے ڈیزائنر سوٹ میں وہ بلا کی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ محبت کی چاندنی نے اس کے خدوخال کو نکھار کے رکھ دیا تھا۔ پور پور نکھر چکی تھی وہ۔ نویر کی لاتعلقی کی دیوار پہ اس کی معصوم محبت' خلوص اور چاہت نے تو کب سے دراڑیں ڈالنا شروع کر دی تھیں مگر اس شام کی ذرا سی خدمت نے تو کاری ضرب لگائی تھی اس دیوار پہ جسے وہ اپنی نام نہاد انا سے مضبوط بناتے بناتے اندر تک کمزور ہو چکا تھا۔

نویر پہ پہلی بار ادراک ہوا تھا کہ فالحہ گھر والوں کے عین مطابق بے حد خوب صورت اور ہمدرد فطرت ہے۔ اگر حسن اور دلکشی کے اس خزانے کا وہ بلا شرکت غیرے مالک ہے تو ابھی تک اسے لاپروائی اور فضول ضد اور انا کے پیچھے خود کو کیوں محروم کیے ہوئے ہے۔ ہوگا کوئی اس جیسا کم عقل؟ ماں کی بات کا مان رکھ لیا' صرف آخرت میں سرخروئی کے سبب اور ایک معصوم لڑکی کو لاتعلقی کی آگ میں جھلسانے پر کون سا رب نے خوش ہو جانا تھا۔

شکر کہ اس گمراہی اور خود ساختہ اذیت کا سلسلہ گیارہ ماہ ہی چل سکا۔ خانگی زندگی کی مسرتوں سے مسرور و شاداں فالحہ اپنے رب کی بے پناہ شکر گزار تھی جس نے نویر کے دل کو بدل دیا تھا۔ خود عابدہ بیگم بھی اس کایا پلٹ پر شکر گزار تھیں...... بہو بیٹے کی باہمی محبت اور ذہنی ہم آہنگی انہیں بے کنار خوشی سے دوچار کرتی تھی۔

دونوں اکثر باہر گھومنے چلے جایا کرتے۔ ہفتے میں ایک دن تو عارفہ کے گھر کا چکر بھی لازمی لگا کرتا تھا۔ آج بھی دونوں عارفہ کے ہاں مدعو تھے۔

"ہو گئیں تیار؟" نویر ڈریسنگ روم سے تیار ہو کر نکلا تو نگاہیں بے ساختہ فالحہ کے سراپے پر جم سی گئیں۔ وہ اس کے فیورٹ نیلے رنگ میں ملبوس تھی۔

"جی بس ہوگئی' ایک منٹ۔" عجلت میں کہتے ہوئے فالحہ نے مڑ کر پرفیوم اٹھایا اور خود پہ اسپرے کرنے لگی۔

"اک ستم اور میری جاں باقی ہے......"

نویر مصنوعی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

□ ...... ◉ ...... □

"یہ لیجیے خالہ جان آپ کی چائے۔" فالحہ نے گرما گرم بھاپ اڑاتا چائے کا کپ عابدہ بیگم کے قریب ادب سے رکھا...... عابدہ بیگم پلنگ پر بیٹھیں خاموشی سے تسبیح پڑھ رہی تھیں' صبح کا اجالا کونوں کھدروں میں چھپتا جا رہا تھا۔

"فالحہ...... چائے لانے میں دیر کر دی' یہ بیڈ ٹی کا تو ٹائم نہیں۔ غالباً ناشتے کا وقت ہے؟" عابدہ بیگم چائے لبوں سے لگاتے ہوئے بولیں...... فالحہ نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ چہرہ پُرسکون و نرم تاثرات لیے ہوئے تھا مگر الفاظ میں محسوس کی جانے والی کاٹ تھی اور اب ایسا اکثر ہونے لگا تھا۔ عابدہ بیگم کی باتوں' لہجے اور رویے سے بے وقت' بے موقع خوامخواہ ترشی در آنے لگی بلکہ جھلکنے لگی تھی۔

"سوری خالہ جان آنکھ دیر سے کھلی' اصل میں رات نویر دیر سے گھر آئے تو باتوں باتوں میں مووی دیکھتے ہوئے......؟" رک رک کر بولتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی' عابدہ بیگم کے چہرے پہ چھائی سختی اس

سے بات مکمل کرنے کا اعتماد چھین رہی تھی۔

"دیکھو فالحہ...... تم میری بھانجی اور اس گھر کی اکلوتی بہو ہو۔ میں نے اس گھر میں کچھ اصول و ضوابط کے مطابق زندگی گزاری ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تم بھی انہی طور طریقوں کو اپناؤ' ٹھیک ہے اس گھر میں تمہاری کوئی کنواری نند نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دن چڑھے گیلے بال جھٹکتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلو۔ مجھے یہ سارے غیر مہذبانہ طور طریقے بالکل نہیں پسند اور نہ ہی میں اس کی اجازت دیتی ہوں۔" سخت' دوٹوک اور کھردرے سے انداز میں شروع کی گئی بات اسی انداز میں ہی ختم کی گئی تھی۔ بیچ میں نہ کہیں ناصحانہ رنگ جھلکا' نہ خیر خواہی اور شفقت نے چھب دکھائی۔

"جی خالہ جان' آئندہ جلدی اٹھنے کی کوشش کروں گی۔" فالحہ دھیمے سے کہہ کر ہٹ گئی تھی۔ ورنہ تو دل پہ آنسوؤں کی شبنم گر رہی تھی۔

عابدہ بیگم کے رویے میں اچانک در آنے والی تبدیلی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ وہ پہلے دن کی طرح مؤدب' منکسر المزاج اور کم آمیز تھی...... ہر کام ساس سے پوچھ کر کرتی...... ہر ممکن ادب بجالاتی' پہلے تو نویر کا رویہ باعث تکلیف تھا اب تو سب ٹھیک تھا نویر کا رویہ ہر گزرتے دن کے ساتھ بہتر بلکہ مہربان ہوتا جارہا تھا' اس کی محبت کی پھوار میں پور پور بھیگتے ہوئے وہ زندگی کے بہترین ایام گزار رہی تھی۔ ایسے میں غلطی کہاں ہو رہی تھی کہ عابدہ بیگم کو اس کے کیے گئے کام غلط نظر آنے لگے تھے۔ کبھی کھانا اچھا نہ پکتا تو کبھی گھر کی صفائی ٹھیک طریقے سے نہ ہو پاتی' فالحہ کا اٹھنا' بیٹھنا' ہنسنا ہر چیز تنقید کی زد میں رہنے لگی تھی۔ فالحہ اس ساری صورت حال سے سخت پریشان تھی۔ نویر سے ڈسکس کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ تو پہلے ہی خالہ بھانجی کی باہمی محبت اور انڈر اسٹینڈنگ سے مطمئن و شاد تھا۔ اس ساری صورت حال میں فالحہ کا دماغ اسے کھل کر واضح طور پر سمجھا رہا تھا کہ عابدہ بیگم ایک روایتی ساس بن چکی ہیں اور اس کی چھوٹی سی غلطی' ذرا سی کوتاہی پر بھی اسے کوئی رعایت دینے پر تیار نہیں ہیں مگر اس کا اپنی اکلوتی خالہ کی محبت' چاہت اور احترام سے لبالب بھرا دل کسی طور بھی دماغ کی بات تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔

□......◉......□

عارفہ کی دوسری بیٹی روادبہ کا رشتہ اکرم کے عزیزوں کے ہاں طے پا گیا تھا۔ عارفہ بڑی بہن عابدہ بیگم کے پاس رشتے کے حوالے سے صلاح مشورے کے لیے آئیں تو عابدہ بیگم نے بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ہونے والے رشتے کی باریکیوں سے آگاہ کیا' ساتھ میں روادبہ کے اچھے نصیب کی ڈھیروں ڈھیر دعائیں مانگیں۔

باقاعدہ رشتہ طے ہوجانے کے بعد عارفہ نے لڑکے والوں کی گھر میں دعوت کا اہتمام کیا جس میں نویر اور فالحہ کو بھی مدعو کیا تھا۔

"خالہ جان...... آپ بھی تو چلیں گی ناں امی کے گھر؟" اِدھر اُدھر کے کام نمٹاتے ہوئے فالحہ نے ساس سے پوچھا۔

"ارے نہیں' میں کہاں چل سکتی ہوں ایک تو ظالم جوڑوں کا درد اوپر سے بھائی اکرم کے رشتے دار...... سچی بات ہے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ہنسنے بولنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں' عجیب چھوٹے گھروں کے چھوٹی ذہنیت کے لوگ' معمولی باتوں کو سر پہ سوار کرنے والے...... تمہارے خالو مرحوم تو بھی عارفہ کے گھر بھی میرا زیادہ آنا جانا پسند نہ کرتے تھے' بس میں ہی تھی جو لاکھ حیلوں بہانوں سے بہن کے گھر جا نکلتی تھی۔ اللہ روادبہ کا نصیب اچھا کرے' شکر ہے لڑکا اکرم بھائی کے اپنے خاندان کا ہے ورنہ تو جو اکرم بھائی کی شہرت ہے مجال ہے جو کوئی وضع دار اور شریف النفس بندہ ان کے گھر جھانک لے' یہ تو میں ہی جانتی ہوں کہ نویر کو کن جتنوں سے اس رشتے کے لیے راضی کیا تھا۔" عابدہ بیگم کے لفظ لفظ سے تحقیر و تضحیک ٹپک رہی تھی۔

فالحہ کا رنگ لمحہ بھر کو سفید ہوا تھا' تاہم خود کو سنبھالتے ہوئے خوش دلی سے بولی۔

"چھوڑیں ناں خالہ جان...... ان سب باتوں کو......

یہ بتائیں آج کی دعوت کے لیے کون سا جوڑا پہنوں؟"
"میں کیا اپنی پسند بتاؤں بتانا تو ویسے بھی تم نے نیلی پری ہی ہے؟" وہ اس کی نوید کے پسند کے رنگ کو بار بار پہننے پر طنز کررہی تھیں۔ فالحہ گہرا سانس کھینچ کر اندر آگئی۔
سرخ و نیلے رنگ کے امتزاج والا کڑھائی شدہ سوٹ پہنا خوب دل لگا کر تیار ہوئی۔ اتنے میں نوید بھی آفس سے واپس آ گیا۔
"نوید بیٹا مجھے اپنی رقیہ پھوپو کے ہاں چھوڑ دو...... ان کی ٹانگ کا پلستر اتر گیا ہے اب عیادت کرنا تو بنتا ہے؟" اسی لمحے عابدہ بیگم چادر اوڑھ کر آ گئیں۔
"جی امی...... آپ رکیں میں پہلے فالحہ کو خالہ کے گھر چھوڑ کر آ جاؤں پھر آپ کو ڈراپ کر آتا ہوں۔" نوید ادب سے بولا۔
"نہیں...... فالحہ بعد میں جائے گی پہلے مجھے چھوڑ آؤ؟" عابدہ بیگم تحکمانہ انداز میں بولیں۔
"امی...... رقیہ پھوپو کا گھر بہت دور ہے واپسی پہ مجھے دیر ہو جائے گی۔ ایسا کریں آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں فالحہ کو چھوڑ کر پھر آپ کو چھوڑ دوں گا۔" نوید نے اب کے درمیانی راہ نکالی۔
"نہیں...... عارفہ کی سائیڈ پہ اس وقت جانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا ٹیڑھی میڑھی ٹوٹی پھوٹی گلیوں میں دوڑتی بائیک میرا انجر پنجر ہلا دیتی ہے اور کوڑے کی بدبو اور غلاظت سے تو کھایا پیا اگلنا پڑتا ہے۔" انداز میں حد درجہ کراہیت اور ناگواری تھی۔ فالحہ کے دانت پہ دانت مضبوطی سے جم گئے تھے اپنے میکے کی حمایت میں ڈھیروں الفاظ دل میں مچل رہے تھے مگر ضبط لازم تھا۔
"ہاں...... ایسا کرو کہ ایک ساتھ گھر سے نکلتے ہیں مجھے چھوڑ کر پھر تم اپنی سسرال چلے جانا سالی کی منگنی بھگتانے۔" عابدہ بیگم نے سسرال اور سالی کے الفاظ پہ خاصا زور دیتے ہوئے ایک ممکنہ آپشن پیش کیا تھا۔
فالحہ اور نوید دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ شام کے سائے اتر آئے تھے۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔
"امی بات تو وہی ہے ناں کہ رقیہ پھوپو کا گھر بہت دور ہے مہمان آچکے ہوں گے اور فالحہ کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔" نوید متحمل انداز میں بولا۔
"تمہارا کہنے کا مقصد کیا ہے نوید...... ماں کے کہے کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔" عابدہ بیگم ایک دم سے چیخ کر بولیں۔ نوید خائف سا ہو گیا تھا۔
"کل کی آئی بیوی کے آگے تم ماں کی برسوں کی محبت اور محنت کو مٹی کررہے ہو۔ اپنی جوانی رول دی تم لوگوں پر...... اور ماں کی خواہش کا ذرا احترام نہیں۔" عابدہ بیگم کا ہذیانی انداز فالحہ اور نوید دونوں کے لیے تکلیف دہ تھا۔
"یاد کرو جب تم پہ خالہ کے گھر جانا گراں گزرتا تھا اب ایسے کون سے پھول ان راستوں پہ بکھرے ہوئے ہیں کہ ناں تمہاری بائیک کو جمپ لگتا ہے اور ناں ہی کوئی بدبو...... اس جواری کی بیٹی نے ایسا کون سا منتر تمہارے اوپر پھونک دیا ہے کہ تمہیں اپنی بیوہ ماں نظر نہیں آتی ناں اس کا کہا سنائی دیتا ہے۔" فالحہ کو اتنے زور سے چکر آیا تھا کہ بے ساختہ اس نے پلر کو تھاما تھا۔ آنسو بے آواز رخساروں پہ لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے کانوں میں بس انہی الفاظ کی بازگشت گونج رہی تھی۔
"جواری کی بیٹی...... جواری کی بیٹی......!"

# پرچم ستارہ و ہلال

اقراء گلزار

رسم الفت کو نبھائیں تو نبھائیں کیسے
ہر طرف آگ ہے دامن کو بچائیں کیسے
بوجھ ہوتا جو غموں کا تو اٹھا بھی لیتے
زندگی بوجھ بنی ہو تو اٹھائیں کیسے

''کیا مصیبت ہے یار امی کو بھی آج ہی پھوپو کے گھر جانا تھا۔'' اس نے جھنجلا کر گاڑی کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا۔

وہ پچھلے پندرہ منٹ سے مزار قائد کے سامنے کھڑا تھا لیکن ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے روڈ جام تھا۔ اسے امی کو لینے جانا تھا جنہیں آج صبح اس کا کزن اپنے گھر لے گیا تھا۔ پھوپو کو امی سے کچھ کام تھا۔ وہ خود چل پھر نہیں سکتی تھیں اس لیے مزمل (کزن) آکر لے گیا تھا۔ واپس لانے کی ذمہ داری اس کے حصے میں آئی تھی۔ وہ یونیورسٹی سے گھر چلا آیا تھا اور اب جب وہ نکلا تو ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔ بائیک سواروں کی زیادتی اور ان کی غیر ذمہ دارانہ ڈرائیونگ کی وجہ سے ایم اے جناح روڈ بالکل جام تھا۔ وہ اسی جھنجلاہٹ میں مبتلا تھا تب اچانک اس کی نگاہ گاڑی کے بائیں جانب والے مرر پر گئی وہ چونکا۔ ایک لڑکی فٹ پاتھ پر تیز تیز چلتی آرہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا ایک گلدستہ تھا۔ وہ شاید آٹو رکشہ کی تلاش میں تھی۔ اس کے انداز سے وہ بہت غصے میں لگتی تھی۔

''منزل۔'' وہ لڑکی جب اس کی گاڑی کے قریب پہنچی تو اس نے شیشہ نیچے کر کے اسے آواز دی۔ وہ اپنا نام سن کر چونکی۔ پھر اس کو دیکھ کر مسکرائی۔

''ارے اریب تم......؟''

''آجاؤ۔'' اریب نے دروازہ کھولا۔ منزل نے گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور گلدستہ ڈیش بورڈ پر رکھا۔

''خیریت، یہاں کیسے؟'' اریب کچھ کچھ صورت حال سمجھ چکا تھا پھر بھی سوال کیا۔

''میں یہاں فاتحہ پڑھنے آئی تھی لیکن بدتمیز گارڈ نے مجھے اندر ہی نہیں جانے دیا۔'' وہ بری طرح تپی ہوئی تھی۔

''ظاہر ہے وہ تمہیں کیسے اندر جانے دے دیتا؟'' اریب نے مسکراتی نظر پھولوں کے گلدستے پر ڈالی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''بھئی اب چودہ فروری کے دن تم سرخ گلابوں کا گلدستہ لے کر قائداعظم کے مزار پر آؤ گی تو کون یقین کرے گا کہ تم فاتحہ پڑھنے آئی ہو؟'' اریب اب بھی مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کی کوفت زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''اچھا تمہیں سرخ پھول دکھائی دے گئے لیکن یہ ہرا اور سفید سوٹ نہیں دکھائی دیا جو میں نے پہنا ہوا ہے۔'' منزل نے سبز دوپٹہ چٹکی میں پکڑ کر اس کے سامنے لہرایا۔

''ارے بابا' مجھے تو نظر آ رہا ہے لیکن اس گارڈ کو تو نہیں سمجھ میں آئے گا ناں۔'' ٹریفک بحال ہوا تو اریب گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پھر سے مسکرایا۔

''تم کل بھی تو آ سکتی تھیں۔ اب آج کے دن کون یقین کرے گا تمہاری بات پر۔'' اریب بولا۔

''کیوں...... کل کیوں' آج کیوں نہیں' ویلنٹائن ڈے آج ہے نا' کل تو نہیں تھا نا؟ اور نہ کل ہو گا۔'' وہ جو چیونگم کا ریپر کھول کر اس کو منہ میں ڈالنے لگی تھی ایک دم جذباتی ہو کر بولی۔

''ویسے میں صبح صبح آتی ہوں تو صبح والا گارڈ مجھے پہچانتا ہے۔ لیکن آج دیر ہو گئی۔'' وہ افسردہ ہوئی۔

''لیکن ویلنٹائن ڈے پر تو لوگ پھول لے کر ان کے پاس جاتے ہیں نا جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔'' اریب اب جان بوجھ کر اس کو چڑا رہا تھا۔

''ہاں تو......؟ میں اسی لیے تو یہاں آئی ہوں۔ میں قائداعظم محمد علی جناح سے بہت زیادہ محبت کرتی ہوں اور کیوں نا کروں؟ انہوں نے میرا پاکستان بنایا ہے۔'' اب کی بار اس کا لہجہ عقیدت سے پُر تھا۔

''کاش میں بھی قائداعظم ہوتا۔'' اریب نے سرد آہ بھر کر خود سے کہا لیکن اس نے سن لیا تھا۔

''تم بن سکتے ہو۔ قائداعظم بننے کے لیے صرف باہمت ہونا اور سچ کا ساتھ دینے کی لگن ہی تو چاہیے اور پاکستان سے محبت کرنا۔ دیکھو اریب ہمارے ملک میں......'' وہ شروع ہو چکی تھی اور اب اریب کو صرف سننا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

منزل سے اریب کی پہلی ملاقات یونیورسٹی کے پہلے دن ہوئی تھی۔ وہ اس سے ایک سال سینئر تھا۔ اوپن ڈے کے دن اس کا پورا گروپ ہی فریشرز کے لیے لگائے گئے استقبالیہ کے اسٹال سے تھوڑا آگے کوریڈور کے دوسرے سرے پر نئے لڑکے لڑکیوں کو گھیرنے میں مصروف تھے۔ ویسے تو ہر یونیورسٹی کی طرح ان کی یونیورسٹی میں بھی نئے آنے والے اسٹوڈنٹس کے ریگنگ منع تھی لیکن ہر یونیورسٹی کی طرح ان کی یونیورسٹی میں بھی اس رول کو توڑنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

''اے اریب۔ سامنے دیکھو۔'' وہ اپنے پچھلے شکار سے ہتھیائے ہوئے قیمتی پین کھول کر دیکھ رہا تھا جب حمزہ نے اس کی توجہ سامنے سے آتی ایک لڑکی کی طرف مبذول کرائی۔ سبز اور سفید رنگ کے لباس میں ملبوس دراز قامت اور گندمی رنگت والی وہ لڑکی باقی نئے آنے والوں کی طرح تھوڑا محتاط اور کافی نروس نظر آ رہی تھی۔

''کوئی اس کو جا کر بتاؤ کہ اگست کو گزرے ہوئے تین ماہ ہو چکے ہیں۔ کپڑے بدل لے اب۔'' نوال نے کہا تو وہ سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔ اتنی دیر میں وہ لڑکی ان کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''ایکسکیوزمی مس پاکستان۔'' نوال نے اس کو مخاطب کیا۔

''جی؟'' وہ لڑکی بہت زیادہ خوش اور تھوڑی حیران ہوئی تھی جب کہ نوال اس کو یوں خوش ہوتا دیکھ کر اتنی حیران ہوئی کہ بولنا ہی بھول گئی۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' نوال کو خاموش دیکھ کر اریب نے سوال کیا۔

''منزل۔'' سامنے سے یک لفظی جواب آیا۔

''کون سی؟'' اب کی بار حمزہ نے پوچھا۔
''مطلب؟'' منزل نے الجھ کر ان سب کے مسکراتے چہروں کو دیکھا۔
''میرا مطلب ہے کہ کون سی منزل...... پہلی' دوسری' تیسری' چوتھی' یا پانچویں؟'' حمزہ نے انگلیوں کو گن کر پوچھا۔
اب کے بار وہ ان کی حرکت سمجھ گئی۔ وہ بنا کوئی جواب دیئے منہ بنا کر جانے لگی۔ تب ہی نوال نے اس کا بیگ جھپٹ لیا۔
''اے...... اے...... میرا بیگ دو۔'' منزل کچھ لمحے تو حیران کھڑی رہی پھر اس نے نوال کے ہاتھ سے اپنا بیگ واپس کھینچا۔
تب تک نوال اس کا بیگ کھنگال چکی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر اس کو سخت مایوسی ہوئی تھی کہ بیگ میں ایک نوٹ بک، ایک بال پین اور کچھ مڑی تڑی خستہ حال جھنڈیوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔
''کچھ نہیں ہے۔'' نوال نے بیگ منزل کے حوالے کرتے ہوئے مایوسی سے اریب اور حمزہ کو دیکھا۔
''کیا چاہیے آپ کو؟'' منزل برہمی سے بولی۔
''وہ دراصل اقبال ڈے آنے والا ہے تین دن بعد۔ ہم لوگ اس کی سیلیبریشنز کے لیے پروگرام رکھتے ہیں جس کے لیے فنڈ جمع کرتے ہیں۔ اس میں پیسے کم پڑ رہے ہیں۔'' اریب نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ حمزہ سے مسکراہٹ ضبط کرنا مشکل ہوگی جبکہ نوال نے دوسری طرف منہ کرکے ہنسی چھپائی۔
''اچھا یہ بات ہے۔ تو چھیننے کی کیا ضرورت ہے یہ لیں۔'' اس نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر ڈھیر سارے پیسے نکال کر اریب کے ہاتھ پر رکھ دیے۔
حمزہ نے نوال کو گھورا۔ پیسے اندر والی جیب میں تھے۔ منزل نے حمزہ کی حرکت دیکھ لی تھی اس لیے مسکرا کر بولی۔ نوال اور حمزہ خفیف ہوگئے۔ منزل واپس

اریب کی طرف مڑی اور اس کے ہاتھ میں سے دو نوٹ اٹھا کر واپس بیگ میں ڈالے پھر اریب کی مٹھی بند کرتے ہوئے بولی۔

''یہ رکھ لیں۔ ابھی میرے پاس اتنے ہی ہیں۔ اگر اور چاہیے ہوں تو مجھے بتائیے گا۔ میں بی اے اسلامک ہسٹری کے ڈیپارٹمنٹ میں ہوں۔ منزل نام ہے میرا۔ اب جاتی ہوں دیر ہورہی ہے۔'' وہ بیگ کندھے پر ڈال کر تیز تیز قدموں سے چلتی ان سے دور ہورہی تھی اور وہ تینوں ہونقوں کی طرح کبھی ایک دوسرے کو، کبھی اریب کے ہاتھ میں موجود ڈھیر سارے پیسوں کو اور کبھی قدم بہ قدم دور ہوتی منزل کو دیکھ رہے تھے۔ اس دن انہوں نے مزید کسی کے ساتھ شرارت نہیں کی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

منزل سے ان لوگوں کی دوسری ملاقات اقبال ڈے کے فنکشن کے بعد ہوئی۔ ان کی یونیورسٹی اقبال ڈے پر عام تعطیل کی وجہ سے بند ہوتی تھی۔ لہٰذا اقبال ڈے کا پروگرام ایک دن قبل رکھا گیا تھا۔ وہ تینوں پروگرام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہال سے باہر آرہے تھے تب ہی ان کو اس کی آواز سنائی دی۔

''سنیے...... جی آپ......'' اریب کو سوالیہ انداز میں انگوٹھے سے اپنی جانب اشارہ کرنے پر اس نے کہا اور لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی ان کی طرف بڑھنے لگی۔ اریب ایک نظر نوال اور حمزہ کو دیکھا۔ پکڑے گئے بیٹا۔ اریب نے منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حمزہ سے کہا۔

''بہت اچھا پروگرام تھا۔'' اس سے پہلے کو وہ وہاں سے کھسکتے منزل ان کی قریب پہنچ کر فوراً بولی۔

''جی......؟'' وہ تینوں سوالیہ نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگے۔

''ارے...... اقبال ڈے کا پروگرام۔'' اس نے جیسے ان تینوں کو یاد دلایا۔ ''فنڈ جمع ہوگیا تھا آپ لوگوں کا' کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟'' وہ اب سوال کررہی تھی۔ وہ تینوں جی بھر کر شرمندہ ہوئے۔

''منزل...... ہمیں آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد اریب نے بالآخر منزل کو مخاطب کیا۔

''وہ اوپن ڈے والے دن ہم......'' اریب نے منزل کو ساری بات بتادی۔ منزل کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کو ہنستا دیکھ کر ان تینوں کو کچھ حوصلہ ہوا۔

''بہت غلط بات ہے۔ اگر آپ لوگوں نے اقبال ڈے کا نہ کہا ہوتا تو میں کبھی آپ کو پیسے نہ دیتی۔ وہ میری پوری مہینے کی پاکٹ منی تھی اور اب میرے پاس صرف آنے جانے کے پیسے بچے ہیں۔'' وہ ہنستے ہنستے کہہ رہی تھی۔

''سوری یار' تمہارے پیسے تو ہم نے کھا لیے لیکن ہم تمہیں لنچ کرواسکتے ہیں۔'' نوال نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''تو چلو پھر۔'' منزل بھی ان کے ساتھ آگے بڑھی اور پھر وہ سب اچھے دوست بن گئے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ غلامی کی کوئی نہ کوئی شکل موجود رہی ہے۔ تاریخ کا ایک بڑا حصہ طاقتور قوموں کی کمزور قوموں کو اپنا جسمانی غلام بنانے کی کوششوں کی داستانوں سے مزین ہے۔ اکیسویں صدی میں جہاں سائنس ترقی کی معراج پر ہے وہیں ایک تبدیلی ''نظریہ'' کی تبدیلی ہے۔ اکیسویں صدی میں جہاں مختلف ممالک مل کر غلامی کے نظریے کو جڑ سے ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں وہیں ایک سازش اور جاری ہے۔ اپنی ترقی کے فسوں میں گرفتار کرکے ترقی پذیر قوموں کو ذہنی غلام بنانے کی سازش' خود کو اعلیٰ اور ان کو اِرزاں ثابت کرنے کی سازش' ان کے ذہنوں کو جکڑ کر ان کی سوچوں کو غلام بنانے کی سازش۔ اس دنیا میں واحد ایک وقت ایسا ہے جو کبھی

کسی کا غلام نہیں رہا۔ بس پر لگائے خاموشی سے اڑتا رہتا ہے۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ان کو پتا ہی نہ چلا کہ کب یونہی ہنستے' گاتے، کھیلتے، گھومتے پھرتے سمسٹر گزر گیا اور امتحان سر پر آ گئے۔

اریب' حمزہ اور نوال ساتھ مل کر پڑھتے تھے۔ منزل چونکہ ان سے ایک سال جونیئر تھی لہٰذا اس کو الگ ہی پڑھائی کرنی پڑ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی پچھلی ملاقات امتحانات سے دو ہفتہ قبل ہوئی تھی۔ ہاں موبائل کے ذریعے سے وہ سب رابطے میں تھے۔ اس ملاقات کے بعد وہ آج مل رہے تھے۔ آج سیکنڈ ایئر والوں کا لاسٹ پیپر تھا۔ منزل کا لاسٹ پیپر کل ہو چکا تھا۔ لیکن وہ آج بھی یونیورسٹی آئی تھی دوستوں کے ساتھ آزادی منانے کے لیے۔ وہ سب آج لنچ پر جا رہے تھے۔ ان کو اریب کی گاڑی میں جانا تھا کیوں کی ان چاروں میں سے گاڑی صرف اریب کے پاس ہی تھی۔

''تم لوگ بیٹھو میں سامنے دکان سے موبائل کارڈ خرید کر آتا ہوں۔'' اریب نے گاڑی اَن لاک کرتے ہوئے ان سے کہا اور خود کچھ فاصلے پر موجود موبائل کارڈز کی دکان کی طرف بڑھ گیا۔

منزل فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ یونہی گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے باہر دیکھنے لگی۔ ان کی گاڑی سے تھوڑا فاصلے پر دو لڑکے آ کر کھڑے ہوئے۔ غالباً ان کا بھی آج پیپر تھا کیونکہ وہ اسی بارے میں بات کر رہے تھے۔ اپنے حلیے سے وہ دونوں کسی اچھی فیملی سے لگتے تھے۔

''تیرا پیپر کیسا ہوا؟'' ایک لڑکے نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے لڑکے سے سوال کیا۔

''کچھ خاص نہیں اور ویسے بھی پیپر کی کس کو فکر ہے؟ جاب تو مجھے مل ہی جانی ہے۔'' لڑکے نے بے پروائی سے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں اور کیا تیرے ماموں صوبائی اسمبلی میں منسٹر ہیں۔ وہ تیری جاب لگوا ہی دیں گے اگر تو فیل بھی ہو گیا تب بھی۔ مسئلہ تو ہمارا ہے۔'' پہلے لڑکے نے شاید طنز کیا تھا۔

''ارے تو فکر کیوں کرتا ہے۔ ہماری دوستی کس دن کام آئے گی؟ تو بھی میرے ماموں کو کچھ ''تحفہ'' دے کر اپنی نوکری لگوا لینا۔'' سگریٹ والے لڑکے نے اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''کیا واقعی؟'' دوسرے لڑکے کی شاید دلی مراد بر آئی تھی وہ اب کافی جوش سے پوچھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کے سگریٹ والا لڑکا کچھ کہتا منزل چلائی۔

''شرم نہیں آتی تم دونوں کو؟'' وہ دونوں حیرانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''ہاں...... ہاں تم لوگوں سے ہی کہہ رہی ہوں۔ بے شرمی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ محنت کر کے پاس ہو اور پھر اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اچھی جاب حاصل کر کے ملک کی خدمت کرو تم لوگ رشوت دے کر نوکری حاصل کرنے کی سوچ رہے ہو۔''

''محترمہ ایک ہم نہیں بلکہ پورا پاکستان ہی یہ کر رہا ہے۔'' لڑکے نے سگریٹ بجھائی اور ناگواری سے منزل کو دیکھا۔

''جی نہیں یہ صرف تمہارا ہی خیال ہے۔ وہ بھی شاید اس لیے کہ تمہاری فیملی کے سارے لوگوں نے اسی طرح نوکری حاصل کی ہوگی۔ میرے امی گورنمنٹ کالج کی پرنسپل ہیں۔ میرے ابو نے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں جاب کی تھی اور میرے دادا ریٹائرڈ فوجی تھے۔ میں خود بھی مقابلے کا امتحان دے کر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں جاب کروں گی اور ہاں یہ سب ہم نے اپنی محنت کے بل بوتے پر کیا ہے......'' منزل بولتے بولتے رکی۔

''ارے واہ...... تمہارا پورا خاندان ہی تم جیسا

ہے۔ اگر تمہاری ہسٹری واقعی یہ ہی ہے جو تم بتا رہی ہو تو تمہارے خاندان کو تو نیشنل میوزیم میں رکھوا دینا چاہیے۔ نیشنل ہیروز ہو تم لوگ۔" دونوں لڑکے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسے۔

منزل کا پارہ آسمان چھونے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی اریب آ کر گاڑی میں بیٹھا اور شیشہ اوپر کر دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ، میں بات کر رہی ہوں نا۔" وہ جھنجھلا کر مڑی۔

"کوئی نہیں سن رہا تمہاری بات۔" اریب نے چابی گھمائی۔

"میں ان دونوں کو سمجھا رہی تھی کہ......" وہ واپس کھڑکی کی طرف مڑی۔ دونوں لڑکے ہنستے ہوئے دور جا رہے تھے۔ وہ متاسف سی چپ ہو کر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام منزل کس نے رکھا؟ تمہارا نام تو خطیبہ ہونا چاہیے تھا۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے حمزہ نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا اور حربہ کارگر رہا۔

"میرا نام منزل میرے دادا نے رکھا تھا۔" وہ اسی جوش و خروش سے بولی جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی اور وہ سب اس کو سن رہے تھے۔

"جب پاکستان بنا تو میرے دادا بیس سال کے تھے۔ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ پاکستان آئے تو دل میں بہت امنگیں تھیں۔ وہ پاکستان کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش جلد ہی پوری ہو گئی۔ جب قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا تو پورا ملک ہی غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہمارے بزدل دشمنوں نے موقع غنیمت جان کر پاکستان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت دادا سمجھ گئے کہ ان کو کیا کرنا ہے۔ وہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ پھر جب ان کے والد بیمار ہوئے تو انہوں نے ان کی شادی ان کی چچا زاد سے کروا دی۔ دادا نے پوری جان سے اپنی ڈیوٹی انجام دی اور ترقی پا کر کیپٹن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ لیکن وطن کی خدمت کا شوق اب بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے یعنی میرے بابا کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح ان کا بیٹا بھی اپنے ملک کی خدمت کرے۔ ابو کی تعلیم کے دوران ہی دادا نے ان کی شادی کر دی تھی۔ ماما دادا کے ایک دوست کی بیٹی تھیں۔ بابا نے اپنی تعلیم مکمل کی اور جب نوکری کا وقت آیا تو انہوں نے تعلیم کے شعبے کو منتخب کیا کہ تعلیم ہی کسی بھی قوم کی تعمیر کا سنگِ بنیاد ہے۔ میری ماما بھی کالج میں استاد تھیں۔ وہ اب اسی کالج کی پرنسپل ہیں۔ زندگی اچھی گزر رہی تھی تبھی اچانک ایک حادثہ ہوا۔ ابو کا آفس سے گھر واپس آتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ موقعے پر ہی جاں بحق ہو گئے۔" منزل بولتے بولتے یک دم چپ ہوئی۔ باقی سب بھی خاموش تھے۔ حمزہ اپنے سوال پر پچھتا رہا تھا۔ منزل نے پھر بولنا شروع کیا۔

"جب یہ حادثہ ہوا میری پیدائش میں دو ماہ تھے۔ میری ماما بتاتی ہیں کہ میرے دادا کو بیٹے کی جدائی سے زیادہ اس بات کا غم تھا کہ ان کے ملک کا ایک خدمت گار کم ہو گیا۔ میں اپنے بچپن ہی سے دادا سے بہت زیادہ قریب رہی تھی۔ وہ مجھے پاکستان بننے کے وقت کی اور نیشنل ہیروز کی کہانیاں سناتے تھے۔ انہوں نے میرا نام منزل رکھا کہ میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ اپنے ملک کی خدمت کرنی ہے۔ میں ان کے خوابوں کی منزل ہوں۔ میں دس سال کی تھی جب میرے دادا کی وفات ہوئی۔ میں نے ان سے یہی سیکھا ہے کہ میں اپنے ملک کی خدمت کے لیے بنی ہوں۔ میں اس کے پرچم کی حفاظت کے لیے بنی ہوں۔ اس ملک کے پرچم کو سربلند رکھنے کے لیے بنی ہوں۔ اسی لیے میں قائداعظم محمد علی جناح سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں۔ میں مرتے دم تک اپنے پرچم کو سربلند رکھنے کے لیے کام کروں گی۔" وہ ایک عزم سے بول رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سچے جذبوں کی

روشنی تھی۔ خاموشی سے گاڑی چلاتا ہوا اریب جو پہلے ہی اس کی معصومیت کا شکار تھا کچھ اور متاثر ہوا۔ اوروں کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔

☆☆☆......☆☆☆☆

اریب، حمزہ اور نوال کا یہ لاسٹ سمسٹر تھا۔ اس لیے وہ سب دل لگا کر محنت کر رہے تھے۔ ان کی منزل سے بھی کم ہی ملاقات ہو پاتی تھی۔ اس نے ایک رضاکارانہ سروس شروع کردی تھی۔ بچوں کے لیے کام کرنے والی ایک این جی او کے ساتھ منزل کافی مصروف تھی۔ لیکن محبتیں اور دوستیاں ویسے ہی برقرار تھیں۔ اس کی این جی او چودہ اگست کے موقع پر ایک اسکاؤٹ مارچ کروا رہی تھی۔ جس میں مختلف اسکولوں سے طلبہ وطالبات کو شرکت کرنا تھی۔ منزل نے اریب لوگوں کے گروپ کو بھی اس مارچ کو دیکھنے آنے کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے اقرار بھی کرلیا تھا۔ حالانکہ وہ آج کل پڑھائی کی مصروفیات کی بنا پر ہم نصابی سرگرمیوں سے دور ہی تھے لیکن بہرحال منزل کو انکار وہ نہیں کر سکتے تھے۔ مارچ ایک اسپورٹس گراؤنڈ سے شروع ہونی تھی اور وہاں تک باقی سب کو لانے کی ذمہ داری اریب کی تھی۔ وہ مقررہ وقت سے ایک گھنٹے قبل ہی گھر سے نکلا تھا کیوں کہ دوسرکاری جماعتیں چودہ اگست کے موقع پر آزادی مارچ کر رہی تھیں اور تبت سینٹر تا مزار قائد روڈ بلاک ہونے کا خدشہ تھا اور ان لوگوں کو کلفٹن کی طرف سے آنا تھا۔ اریب کی احتیاط کام آئی اور وہ لوگ مقررہ وقت پر گراؤنڈ پہنچ گئے تھے۔ منزل انہیں استقبالیہ پر ملی۔ ناظرین کا ایک بڑا ہجوم تھا جو اس راستے کے دونوں جانب رکھی رکاوٹوں کے پیچھے کھڑے تھے جس پر اسکاؤٹ مارچ ہونا تھی۔ وہ سب بھی ان میں شامل ہوگئے۔ منزل مارچ والے راستے کے دوسری جانب انتظامیہ کے ساتھ کھڑی تھی۔ قومی ترانہ شروع ہوا۔

پاک سرزمین شاد باد کشور حسین شاد باد

تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

اریب منزل کو دیکھ رہا تھا۔ جو اسکاؤٹ کیپٹن کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک نوعمر لڑکا تھا جو بے شکن خاکی وردی میں ملبوس گلے میں سنہرا رومال ڈالے فخر سے سر اونچا کیے سبز پرچم تھامے کھڑا تھا۔ سبز اور سفید لباس میں ملبوس منزل اریب کو پرچم کا ہی ایک حصہ لگ رہی تھی۔ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جس کے لب قومی ترانہ پڑھ رہے تھے تبھی اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ پھر کوئی اس کے کان کے پاس چلایا۔ وہ چونک کر مڑا۔ سب لوگ چیختے چلاتے شور مچاتے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ وہ حیران ہوا تبھی کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا یہ حمزہ تھا۔

"چلو یہاں سے یہاں بم دھماکہ ہوا ہے۔"

دھماکہ اسپورٹس گراؤنڈ کی مرکزی عمارت کے اندر ہوا تھا جس کے عین سامنے اسکاؤٹس کھڑے تھے۔ اریب عالم ہوش میں واپس آیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ منزل ابھی تک وہیں کھڑی اسکاؤٹ کیپٹن کو دیکھ رہی تھی۔ اسپورٹس گراؤنڈ کا ننھا بورڈ جو دھماکے سے قبل اوپر کی کسی منزل کی دیوار کی زینت تھا وہ اب اس نوعمر کیپٹن کا نصف وجود چھپائے ہوئے تھا۔ اس کی کچھ دیر قبل تک بے نشان وردی پر کئی سرخ نشان تھے۔ سبز پرچم اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کی بے نور آنکھیں آسمان کو تک رہی تھیں۔ آس پاس اور بھی لوگ خاک و خون میں لپٹے بے بس پڑے تھے۔

"تم نوال کو لے کر جاؤ میں منزل کو لے کر آتا ہوں۔" اس نے حمزہ کو جانے کو کہا اور خود منزل کے پاس جانے کی کوشش کرنے لگا۔ مخالف سمت سے آتے لوگوں کے رش کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ایک انچ حرکت نہ کر پایا۔

"منزل۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے چیخا۔

کچھ آوازیں بہت شور میں بھی سن لی جاتی ہیں۔

اس کی آواز بھی منزل تک پہنچ گئی تھی۔ وہ اریب کی جانب بڑھی۔ انتظامیہ پولیس اور ایمبولینس کو کال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ جبکہ لوگ اندھا دھند باہر کی جانب بھاگ رہے تھے۔ کسی شخص کا پیر زمین پر گرے پرچم پر پڑا۔

''ارے..... دیکھ کر۔'' منزل چلائی۔ کچھ اور لوگ بھی بھاگتے ہوئے اسی سمت آرہے تھے۔ منزل جلدی سے آگے بڑھی اور زمین پر گرے ہوئے پرچم کو اٹھا کر عقیدت سے چوما۔ پھر واپس اریب کی طرف مڑی۔ اس سے پہلے کے وہ آگے بڑھنے کے لیے قدم اٹھاتی اوپری منزل کی بیرونی دیوار جو کے کچھ دیر قبل ہونے والے دھماکے کے باعث خستہ حال ہوچکی تھی دھڑام سے نیچے آگری۔ ایک اور زوردار آواز آئی۔ لوگوں کی بھاگ دوڑ تیز ہوگئی۔ اریب دوڑ کر اس جگہ پہنچا جہاں دیوار کا ملبہ گرا تھا۔ جس جگہ کچھ دیر قبل منزل کھڑی تھی۔ وہ ملبہ ہٹاتے ہوئے رورہا تھا۔ چلا چلا کر اُس کا نام پکار رہا تھا۔

لوگوں کے شور میں پولیس اور ایمبولینس کے سائرنوں کی آوازیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ ایک ایمبولینس اس کے قریب اکی اور اس میں سے دو رضا کار نیچے اترے انہوں نے اسٹریچرز باہر نکالے اور زخمیوں کو ڈھونڈنے لگے لیکن وہاں موجود اکثر لوگ مدد سے بے نیاز ہوچکے تھے۔ کچھ لوگ اس کی جانب بڑھے۔ اس کو ملبہ ہٹاتے دیکھ کر خود بھی تیزی سے ملبہ ہٹانے لگے۔ ان کو دیکھ کر کچھ اور لوگ بھی آگئے۔ پتھر اور مٹی کے ڈھیر کی اونچائی کم ہونے لگی۔ کچھ ہی دیر میں زخموں سے چور منزل ان کے سامنے تھی۔ رضا کاروں نے جلدی سے اس کو اسٹریچر پر لٹایا اور ایمبولنس میں رکھ کر ہسپتال کی طرف روانہ ہوگئے۔

اریب منزل کے ساتھ ہی ایمبولینس میں موجود تھا۔ وہ رورہا تھا۔ اُس کو پکار رہا تھا۔ منزل کی آنکھیں بند تھیں اور اریب کا جیسے دل بند ہورہا تھا۔

وہ شدید زخمی تھی۔ ایمبولینس شور مچاتی تیزی سے ہسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔ تبھی منزل نے ذرا سی آنکھیں کھولیں۔

''منزل، پلیز کچھ بولو مجھے بتاؤ تمہیں بہت تکلیف ہورہی ہے نا؟'' اریب نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''وہ بچہ مرگیا۔'' وہ بولی بھی تو کیا۔ اریب چپ رہا۔

منزل رونے لگی۔ ایمبولینس کافی سفر طے کرچکی تھی۔ منزل کے ہاتھ میں پرچم بدستور موجود تھا۔

''وہ بچہ قومی ترانہ پڑھ رہا تھا۔'' منزل نے دھیمی آواز میں کہا۔ وہ بدستور رورہی تھی۔ گاڑی مزار قائد کے پاس پہنچ کر رک گئی۔

''پاک سرزمین کا نظام۔'' منزل نے قومی ترانہ وہیں سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا جہاں سے چھوڑا تھا۔ دونوں سیاسی جماعتیں آزادی مارچ کو ایک طرف رکھ کر اب دھرنا دے رہی تھیں۔ ان کا مطالبہ تھا کہ بم دھماکے کے مجرموں کو فوراً پکڑا جائے۔ وہ روڈ بلاک کیے بیٹھے تھے۔

''قوت اخوت عوام۔'' منزل نے اگلی لائن پڑھی۔

''گاڑی واپس لے جاؤ۔ دوسرا راستہ لو۔'' کسی نے گاڑی پر ہاتھ مار کر کہا۔

''ہمارے پاس زخمی ہے۔ اسے جلدی ہسپتال پہنچانا ہے۔'' ڈرائیور نے شیشہ نیچے کرکے کسی سے کہا۔

''قوم ملک سلطنت۔'' کسی نے منزل کی طرف والی کھڑکی ذرا سی کھول کر گاڑی میں جھانکا پھر کچھ لوگ آپس میں بات کرنے لگے۔ ''گاڑی کو جانے دو۔'' کسی نے کہا۔

''پائندہ تابندہ باد۔'' ڈرائیور نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

''شاد باد منزل مراد۔'' منزل کی آنکھیں اب بند

تھی لیکن لب اب بھی ہل رہے تھے۔ بہت دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی۔ گاڑی مزارِ قائد کو بھی اب کافی پیچھے چھوڑ چکی تھی۔

''پرچمِ ستارۂ وہلال۔'' کھڑکی اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھی۔ ہوا کی وجہ سے منزل کے ہاتھ میں موجود پرچم اُڑ کر اُس کے چہرے پر چھا گیا۔ اس پر لگا خون اب خشک ہو کر سیاہ ہو رہا تھا۔ اریب نے پرچم سمیٹ کر ایک طرف رکھا۔ منزل کی آواز بند ہو گئی تھی۔ اریب نے جھک کر اس کو بغور دیکھا۔ سانس چل رہی تھی۔ لب ہل رہے تھے۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔

''رہبرِ ترقی وکمال۔'' وہ اب بھی پڑھ رہی تھی۔

''ترجمانِ ماضی شانِ حال۔'' گاڑی ابھی ابھی ریڈیو پاکستان کی پرانی عمارت کے سامنے سے گزری تھی۔ سول ہسپتال بس کچھ ہی دوری پر تھا۔

''جانِ استقبال۔'' وہ بند آنکھیں بند کرتی بمشکل مسکرائی۔ کچھ اور آنسو آنکھوں سے نکل کر لہو میں مل گئے۔

''سایہ خدائے ذوالجلال۔'' منزل کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی۔

منزل اریب اُس کا نام لے کر چلایا۔ تبھی گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ کسی نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ دو آدمی اسٹریچر لے کر دوڑتے ہوئے ایمرجنسی میں جا گھسے جہاں ڈاکٹرز پہلے سے موجود تھے۔ ان کو خبر دے دی گئی تھی کہ حادثے کے زخمیوں کو سول ہسپتال لایا جا رہا ہے۔

اریب خود بھی گرتا پڑتا ان لوگوں کے پیچھے دوڑا۔ جب تک وہ ایمرجنسی تک پہنچا منزل کو اندر لے جایا جا چکا تھا۔ کسی نے اس کو پکڑ کر ایک جانب قطار میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بٹھا دیا اور اس کو پانی پیش کیا۔ وہ ناسمجھی سے پانی پیش کرنے والے کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ تب پانی لانے والے نے ذرا سا پانی ہاتھ میں لے کر اس کے چہرے پر چھڑکا۔ وہ یک دم ہوش میں آیا۔ سامنے والا دروازہ کھلا تھا اور اس میں سے ایک اسٹریچر کو باہر لایا جا رہا تھا۔ وہ منزل تھی۔ اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ سفید چادر کی سائیڈ سے اس کا سبز لباس جھانک رہا تھا۔ اس نے لپک کر چہرے پر سے چادر ہٹائی۔ ہاں وہ منزل ہی تھی اور اریب اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

### قصور

آخر ہمارا قصور کیا ہے
ان چاہی کا ٹھپہ لگانے والو
ہمیں بدبخت کا القاب دلوانے والو
ہمارے والدین کو پریشان کرنے والو
اتنا تو بتا دو
آخر ہمارا قصور کیا ہے
زخمی زخمی خورندہ
آنکھ سمندر سے اٹھتی لہریں شوریدہ
آبلہ پائی پائی اجسام ہمارے
ہمیں اجاد پر گھسیٹنے والو
آخر ہمارا قصور کیا ہے
کیوں ہمیں عدالتوں تک لاتے ہو
کیوں ہمیں اتنا تڑپاتے ہو
آخر بتاؤ ہمارا قصور کیا ہے
ہمارے زخموں سے کھرنڈ اتارنے والو
ہمارے اصبار کو بے انتہا آزمانے والو
آخر ہمارا قصور کیا ہے
صورت بنانے والا خدا مصور
لیکن پھر بھی ناں ناں کی رٹ لگاتے ہو
ہم ہیں صنفِ نازک کہ اس کے سوا
آخر ہمارا قصور کیا ہے

خدیجہ رانا مقامی......کھڈیاں خاص

ایک سال بعد

وہ پندرہ اگست کی صبح بہت جلد بیدار ہوا تھا لیکن اس کے اپنے حساب سے وہ اب بھی کافی لیٹ اٹھا تھا۔ کل کا پورا دن وہ یوم آزادی کے حوالے سے مختلف جگہوں پر مختلف پروگرامز میں مصروف رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی تیار ہوا اور اپنے کمرے میں رکھا بڑا سا شاپر اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ مختلف گلیوں محلوں اور سڑکوں پر گھومتا رہا۔ اسی طرح گھومتے گھومتے دوپہر ہوگئی۔ وہ ذرا دیر کو ستانے کے لیے ایک ٹریفک سگنل پر کھڑا ہوگیا۔ وہ یونہی کھڑا آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ تب اس کی نظر روڈ پر گئی جہاں سے ابھی ابھی ایک موٹر سائیکل سوار گزرا تھا۔ اس کے بیک کیریئر میں ایک چھوٹا سا پاکستانی پرچم لگا تھا جو کہ روڈ پر گر گیا تھا اور اس موٹر سائیکل سوار کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی تھی۔ اریب آگے بڑھا۔ اتنے میں ایک اور موٹر سائیکل سوار پرچم کے انتہائی قریب سے گزرا۔

''اے دیکھ کر۔'' وہ چلایا۔ کچھ لوگوں نے مڑ کر حیرانی سے اس کو دیکھا پھر کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئے۔ سگنل کھلا ہوا تھا اور کچھ اور گاڑیاں اسے سمت میں آرہی تھیں۔ اریب آگے بڑھا۔ اس نے پرچم کو اُٹھا کر چوما۔ ایک کار اس کے عین قریب آکر رکی۔

''اے پاگل ہوگیا۔'' ڈرائیور کھڑکی سے منہ نکال کر اس پر چلایا۔

وہ چپ چاپ واپس سڑک کے کنارے آیا جہاں اس کا تھیلا رکھا ہوا تھا۔ اس نے تھیلا کھول کر اس پرچم کو تھیلے میں رکھ دیا جہاں پہلے سے ہی ڈھیر ساری جھنڈیاں اور کچھ مختلف سائز کے پاکستانی پرچم موجود تھے۔

''مجھے میرے پرچم کو ہمیشہ سربلند رکھنا ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا۔

وہ ایک بار پھر چل دیا تھا۔ تھیلا اب بھی اس کے کندھے پر موجود تھا۔ یادیں اس کا دل جلا رہی تھی۔

اُس ''حادثے'' کے بعد اُن سیاسی جماعتوں کے رہنما جن کے کارکنان نے اُن کی ایمبولینس کو روک لیا تھا اور وہ بروقت ہسپتال نہ پہنچ سکے تھے، منزل کے گھر تعزیت کے لیے آئے تھے اور اپنی سیاست چمکائی تھی اور ظاہر سی بات ہے اس کا کوئی فائدہ متوفی کے خاندان کو نہ ہونا تھا۔ انہوں نے جو کھویا تھا اس کو واپس نہیں لایا جاسکتا تھا اور نا ہی اس کا کوئی بدل ممکن تھا۔

''ملک کو بچانے کے لیے اسی طرح عوام کو بہادری دکھانی ہوگی۔'' ایک لیڈر نے کہا جس کے پروٹوکول میں نو گاڑیاں تھیں ان سب میں مسلح باڈی گارڈ تھے۔

''اور تم لوگ ان کے بل پر اپنی سیاست چمکانا۔'' اریب سخت جھنجلایا ہوا تھا۔ ''یہ لوگ کسی کو ڈھنگ سے غم بھی نہیں منانے دیتے۔ خوشی تو کیا دیں گے۔'' اریب آنسو چھپاتا ٹی وی رپورٹرز کی نظروں سے چھپتا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا تھا کیوں کہ وہ ''آپ کیسا محسوس کررہے ہیں؟'' جیسے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

وہ یونہی پچھلے سال کے اسی دن کو یاد کرتا چلا جارہا تھا۔ یادیں اُمڈتی چلی آرہی تھیں۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اس کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بے حواس چلتے رہا اور اس کی حالت کسی ایسے مسافر کی سی تھی جس کی منزل کھوگئی ہو۔

ہر لمحہ میرے لیے اک امتحان
تو میرے پیار کو کہاں تک آزمائے گا
میں نہ کبھی تھکی ہوں نہ تھکوں گی
تو خیال کر اپنا تو تھک جائے گا

گھپ تاریک سیاہی میں بے رحم برستے بادل‘ ایک تسلسل سے ہچکی زمین پر درخت کے نیچے بھیگتے اس ننھے بچے کا دل بری طرح سہار رہے تھے‘ ہواؤں کا زور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں تھمے سبز ہلالی پرچم کو چھائیں چھائیں کی آوازوں سے بری طرح لہرا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ پرچم اپنی جگہ سے اکھڑ کر کسی گندے نالے کی نذر ہوجائے گا لیکن اس ننھی جان نے ایسا ہونے نہ دیا‘ اپنی پوری طاقت اس نے اس جھنڈے کو جکڑنے میں صرف کر رکھی تھی۔ وہ طاقت تھی سچائی کی‘ محب وطن کی۔ اسے اپنے مخالفوں سے جیتنا تھا تاکہ وہ پرچم ہمیشہ کے لیے اس کی زمین پر لہراتا رہے۔

آج جاڑے کی اس سرد رات میں اسے سینہ ٹھونک کر دشمنوں کی للکار کا جواب دینا تھا۔ ثابت قدم رہ کر اپنے جھنڈے کو ثابت کرنا تھا اور پھر وہ جیت گیا‘ صبح کاذب تک ثابت قدم رہا‘ سورج آب و تاب سے چمک کر اسے خراج تحسین پیش کر رہا تھا‘ نم آلود شفاف فضا میں دھیرے دھیرے ہلتا سبز ہلالی پرچم اس معصوم محب وطن کی خوشی میں محو رقص تھا اور وہ ہچکی زمین خود پر نازاں...... گھنے بالوں میں ہولے ہولے نازک انگلیاں چلاتی وہ ٹھہرے لہجے میں اپنے اکلوتے شہزادے کو حب الوطنی سے بھرپور کہانی سنا رہی تھی۔

”ماما! مجھے بھی اس بچے جیسا بننا ہے۔“ معصوم لہجے میں ایک نئی خواہش پنپنے لگی۔

”اچھا وہ کیسے؟“ نازک انگلیاں بالوں سے نکل کر ٹھوڑی تلے آ گئی تھیں‘ انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کا عزم جاننا چاہ رہی ہو۔

”میں بھی آرمی میں جاؤں گا اور اپنے جھنڈے کے دشمنوں کو گولی مار دوں گا۔“ بچگانہ انداز میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

”ان شاء اللہ“ کہتے ہی اس نے عفان کو اپنے سینے سے لگالیا‘ وہ ماں تھی محبت و خلوص کی مٹی سے گندھی‘ اسے اس مٹی کو مضبوطی کی خوشبو سے مہکانا تھا تاکہ کل کو اگر اس کے اکلوتے لاڈلے کی سفید کفن میں

لپٹی لاش گھر کی دہلیز پر رکھی جاتی تو وہ صبر سے وہ لمحات برداشت کرسکے۔ آنکھیں آنسوؤں سے تو بھریں لیکن چیخیں اپنا وجود کھودیں، دکھ تو ہو لیکن حیات کو بے رنگ کرنے والا نہیں، درد ہو بھی تو روح میں نہ اتر سکے، گویا صف ماتم یوں بچھے کہ اس کا گلشن ویران نہ کرپائے لیکن یہ سب تو سوچنے کی حدود میں بہت آسان لگتا ہے، مگر حقیقت تو آنے والے وقت نے ہی بتانی تھی۔

❁......❁......❁

امبر اپنے چار سالہ بیٹے سے جنون کی حد تک عشق کرتی تھی، سارے دن میں وہ صرف اسکول کے اوقات میں اس کی نظروں سے اوجھل ہوتا...... اس کی ہر خواہش کو وہ حکم کا درجہ دیتی تھی، اسی لیے ابھی بھی اسے آملیٹ کے لیے مچلتے دیکھ کر وہ فٹ سے کچن کی طرف بڑھی ہی تھی کہ حسام کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو روکا۔

''امبر...... عفان کو پہلے ہی دیر ہوچکی ہے، اس لیے آملیٹ کل کھلا دینا۔''

''اب ایسی بھی کوئی دیر نہیں ہوئی کہ میں اپنے بیٹے کو بھوکا جانے دوں ویسے بھی سر یاصف (پرنسپل) تمہارے اچھے دوست ہیں۔ تم ان سے بات کرلینا۔''

ہاتھ جھاڑتی وہ معاملہ ختم کرگئی اور ہمیشہ کی طرح حسام نے مزید بحث کو بے معنی جانا، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ امبر عفان کے چھوٹے سے معاملے میں بھی ذرا سا سمجھوتا نہیں کرے گی۔ بظاہر تو وہ خاموش ہوگیا تھا لیکن برسوں سے اس کے وجود میں امبر کی جنونیت سے پیدا ہونے والا خوف، آج تناور درخت کی شکل میں اپنی جڑیں اس کی روح تک مضبوط کرگیا تھا۔

❁......❁......❁

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی تپتے ویران صحرا میں ننگے پاؤں تنہا کھڑی ہے۔ دور تک دیکھنے پر بھی کوئی سایہ نگاہ کی زد میں نہیں، خود سے بے گانہ عجب عالم فراموشی میں وہ خود کو گھسیٹتی، اس گھر کی دہلیز پار کر گئی جہاں اس کا شوہر حسام مضطرب سا اسی کے لیے محو انتظار تھا۔

''امبر......'' اس کی مجنونانہ بکھری حالت کو دیکھ کر قدم بے ساختہ اس کی جانب بڑھے۔ دھندلائی نگاہوں میں وحشت، ویرانی، خوف، خدشوں کا ایک آسیب زدہ جہان آباد تھا۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا، تم پریشان مت ہو، میں ہوں نا۔'' عالم نزع میں امید حیات جیسی اس کی تسلی تھی، جس کا احساس اسے شدت سے تھا۔

''کیسے؟'' خاموش نگاہوں میں سوال مچلا، جسے جان کر بھی وہ انجان بن گیا۔ دھیرے سے ہاتھ پکڑ کر اس کے بے جان ہوتے وجود کو اس نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور پھر سب احساسات سے عاری اس کی گمبھیر مردانہ آواز نے اس موت جیسے سکوت کو توڑا۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو امبر؟'' غیر مناسب موقع پر غیر متوقع سوال۔

''یہ وقت محبت کے اظہار کا نہیں ہے حسام......'' بھیگے پُرسوز لہجے میں بلا کا کرب تھا۔

''میرے سوال کا جواب دو امبر......'' سرد سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے وہ اب بھی اس کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھا۔

''کبھی محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ بنے تو بتانا، شاید وہ تمہارے لیے میری محبت کو ناپ سکے۔'' کرب میں محبت کے رنگ بکھرنے لگے۔

''تو اگر آج اس وسیع محبت کے عوض کچھ تھوڑا سا مانگوں تو دو گی۔'' آہستہ آہستہ وہ اصل موضوع کی جانب گامزن ہوا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' چھٹی حس نے بیدار ہوکر اسے بری طرح چونکایا۔

''یہ وقت تو ایک دن ہم پر آنا ہی تھا لیکن شاید کچھ جلدی آ گیا......'' اس نے ایک بڑی بری خبر سنانے

سے پہلے نرم سی تمہید باندھی۔
"آج تمہیں ایک فوجی کی بیوی اور مجھے محبِ وطن کی طرح سوچنا ہے۔"
"تم جو کہنا چاہ رہے ہو صاف لفظوں میں کہو۔" اس کی بات کاٹ کر وہ وحشت سے چلائی۔
"صاف لفظوں میں....." زیرلب کی گئی بڑبڑاہٹ واضح تھی چند پل سوچنے کے بعد وہ دل کڑا کر بولا۔
"صاف لفظوں میں سن سکتی ہو تو سنو۔" نگاہیں اب اس کے ویران چہرے کا طواف کررہی تھیں۔ "عفان کو جس گروہ نے اغواء کیا ہے اس کے اہم بندوں کو میں نے تین مہینوں کی سرتوڑ کوششوں کے بعد کچھ دیر پہلے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچایا ہے اور اب انہوں نے عفان کی بازیابی کی شرط اپنے بندوں کی آزادی پر رکھی ہے۔"
"پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟" اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے سب جانتے ہوئے بھی نجانے کس امید کے تحت اس سے سوال کیا۔
"وہی جو کسی بھی محبِ وطن فوجی کا ہونا چاہیے۔" آواز میں پتھروں جیسی سختی تھی۔
"اور اگر میں ان بندوں کو آزاد کرنے کا کہوں تو....." امید کی لو آخری سرے پر تھی۔
"تو پھر میں تم سے معذرت کرلوں گا۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتا وہ کمرے سے نکل گیا۔ اپنے پیچھے ہولناک خاموشی کو چھوڑے امبر کو محسوس ہوا جیسے پوری کائنات خاموشی کی لپیٹ میں آگئی ہو اور دور کہیں کوئی اس کی بے بسی پر ہنس رہا ہو اور اسے کہہ رہا ہو۔
"تم تو بڑے مزے سے لہجے میں محبت سمو کر اپنے راج دلارے کو حب الوطنی سے بھرپور کہانیاں سناتی تھیں خود کو مضبوط بنانے کی کوششیں کیا کرتی تھیں پھر

## عیدالضحیٰ کے رنگ

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہمارے مذہبی تہوار ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں بھائی چارہ کا درس بھی دیتے ہیں۔ عیدالاضحیٰ جسے قربانی کی عید بھی کہتے ہیں اس میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں سنت ابراہیمی کو پورا کرتے ہوئے جانور قربان کرتا ہے اور اس کے بعد گوشت کی تقسیم کا ایک اہم مرحلہ آتا ہے۔

اب ہر چیز معاشرے میں مقابلے کی نذر ہوگئی ہے تہوار اور بھائی چارہ کہیں پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ قربانی کے جانور کے گوشت کی تقسیم پر بھی اب ہم غریبوں کا حصہ مار کر دوسروں کو اپنے مطلب کے لیے خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں یا پھر فریز کردیتے ہیں کہ بعد میں کام آئے گا۔ یہ ایک غلط فعل ہے بہتر ہے سنت ابراہیمی کے تقاضوں کو احسن طریقے سے پورا کریں تاکہ ہماری دنیا کے ساتھ آخرت بھی سنور سکے۔ عیدالاضحیٰ کے حوالے سے کچھ سوالات درج ذیل ہیں۔

☆ پہلے وقتوں میں خواتین بکرا منڈی نہیں جایا کرتی تھیں اب یہ ایک فیشن بن گیا ہے آپ بھی گئی ہیں تو کیسا تجربہ رہا؟

☆ عیدالاضحیٰ کے موقع پر آپ کون سے منفرد پکوان تیار کرتی ہیں؟

☆ عیدالاضحیٰ کے موقع پر آپ اپنے باورچی خانے کو کس طرح صاف کرتی ہیں اور کون کون سے مصالحہ جات پہلے سے تیار کرلیتی ہیں؟

ان سوالات کے جوابات پانچ اگست تک ذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کردیں تاکہ آپ بہنوں کی شرکت کو یقینی بنایا جاسکے۔

info@aanchal.com.pk

آج کیوں نوحہ کناں ہو...... کیوں جسم سے روح نکلتی محسوس ہورہی ہے...... کیوں...... کیوں؟'' اس کے اندر کیوں کیوں کی آوازیں گونجنے لگی اور وہ خاموش' جامد لبوں کے سنگ اشک بار ہوتی رہی۔

❁......❁......❁

فضا میں مؤذن کی خوب صورت سحر انگیز آواز اذان کے کلمات ادا کررہی تھی اور وہ عطا کرنے والی ذات کی پکار سے بے نیاز اسی کے بنائے ایک عام سے مٹی کے پتلے کے در پر دستک دے رہی تھی۔ اسے یقین تھا وہ اپنے بیٹے کو بچالے گی اسی لیے ملنگوں جیسی حالت میں وہ گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گئی اور سران کی گود میں رکھ کر سسکی۔

''تایا ابو...... آپ جانتے ہیں' حسام نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''جانتا ہوں۔'' سوال میں جس قدر بے سکونی تھی' جواب اسی قدر اطمینان سے پُر تھا۔

''پھر...... پھر آپ اسے روکتے کیوں نہیں؟'' ایک جھٹکے سے ان کی گود سے سر اٹھا کر' اس نے وحشت سے استفسار کیا اور پھر لہجے میں انتہا کا درد سمیٹ کر بولی۔

''وہ اپنی وردی کے لیے میرا بیٹا قربان کرنے جارہا ہے' وہی بیٹا جس کی سانسیں چلنے سے میری زندگی کی گاڑی آگے چلتی ہے' جسے پاکر میرا ادھورا پن مکمل ہوا' آپ...... آپ اسے روک دیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالے گا۔'' سرخ انگارہ آنکھوں میں یقین کی لہر واضح تھی جبکہ سماعتیں مؤذن کی آواز سے بے پروا' تایا ابو کی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر مرکوز تھیں۔

''میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں امبر...... جاؤ اس کے سامنے جاکر جھولی پھیلاؤ' جو سب کی جھولیاں بھرتا ہے۔ جاؤ امبر وہ پکار رہا ہے' اس کی پکار پر لبیک کہو' دیکھنا سب تمہارے حق میں ہوگا۔''

تایا ابو کے لفظ مؤذن کے کہے کلمات کا ساتھ دے رہے تھے جواب کامیابی کی طرف بلا رہا تھا لیکن ابھی اس کی عقل سمجھنے کے در پر قفل لگائے' خاموش سی اندر بیٹھی تھی' ابھی اس کی نگاہیں وہ دیکھنے سے قاصر تھیں جو تایا ابو کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں' ہدایت کا وقت ابھی دور تھا' امبر پہلے سے بھی زیادہ درد سے سسکی۔

''اللہ کے لیے تایا ابو...... یہ وعظ کا وقت نہیں' یہ عمل کا وقت ہے' کچھ کریں تایا ابو' اللہ کے لیے کچھ کریں۔'' اس نے باقاعدہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں' یہ عمل کا وقت ہے۔ جاؤ پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہو' اس کے حکم پر عمل کرو' جاؤ امبر کہیں دیر نہ ہوجائے' بہت دیر......'' مؤذن اب اذان کے آخری کلمات ادا کررہا تھا۔

''آپ میری بات سمجھ نہیں رہے۔'' وہ بحث میں پڑ گئی' مؤذن رب کی طرف پکار پکار کرتھک گیا' اذان ختم ہوگئی۔ وہ رب کی جانب نہ لوٹ پائی' وہ بندوں سے مانگتی رہی اور رب اس کی ایک پکار پر عطا کرنے کے لیے محو انتظار رہا' پھر وقت گزر گیا اور شاید اس کا بیٹا بھی۔

❁......❁......❁

''تو پھر تمہارا کیا فیصلہ ہے کیپٹن حسام؟'' کسی پیاسے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے سامنے اگر پانی سے بھرا گلاس رکھ دیا جائے تو اس وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے وہی کیفیت اس لمحے حسام کی تھی۔ لاؤڈ اسپیکر سے ابھرتی اس منحوس مردانہ آواز نے امبر کے قدم دہلیز پر ہی روک دیئے۔

''تم میرے ایک بیٹے کو تو کیا پورے خاندان کی بھی جان لے لو تب بھی میں وہ نہیں کروں گا جو تم چاہتے ہو۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا' امبر نے بے ساختہ دروازے کا کونہ تھاما۔

''ہاہاہا......'' زندگی سے بھرپور قہقہہ لیکن لہجے میں

بے انتہا سفا کی۔ ''لگتا ہے تمہیں میری بات کی سچائی کا یقین نہیں۔''

''میں تمہاری درندگی کو تم سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔'' وہ حقارت سے بولا۔

''چلو تو پھر ٹھیک ہے' ہم کیپٹن کے یقین پر ایک اور خوب صورت مہر لگا دیتے ہیں۔'' اور پھر اگلے ہی لمحے گولیوں کی خوف ناک آوازوں میں عفان کی معصوم دل دوز چیخیں وہاں کھڑے تینوں نفوس کے کانوں میں اتریں۔ حسام نے دھیرے سے فون بند کرنے کے بعد' چپکے سے آنکھ کے کنارے پر ٹھہرے ایک آوارہ سے آنسو کو اپنی پوروں پر چن لیا۔ دہلیز پر کھڑی وہ نازک سی لڑکی برف کی سل بن چکی تھی جبکہ اس کے پیچھے کھڑے تایا ابو نے بے اختیار اسے شانوں سے تھام لیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا امبر...... مانگ لو دینے والے سے ورنہ دیر ہو جائے گی۔'' ان کے لہجے میں دکھ و تاسف تھا۔

''مم...... مم...... میں نے دیر کر دی...... دیر...... اب...... بہت دیر...... وہ چلا گیا...... ختم ہو گیا سب...... سب ختم......'' خالی لہجہ' خالی آنکھیں' پچھتاوے کی تصویر جیسا اس کا چہرہ...... عقل پر لگا قفل کھلنے لگا' سب واضح ہو گیا۔ سویا ضمیر جاگا' ادراک ہونے لگا' برف کی سل پگھلنے لگی' پانی بہنے لگا۔ آنسوؤں کا نمکین چشمہ ابل رہا تھا' چیخیں دیواروں سے سر پٹخنے لگیں۔ وہ حال سے بے حال ہو رہی تھی کہ تایا ابو کا وجود ایک بار پھر تاریکی میں روشنی جیسا کردار ادا کرنے لگا۔

''شش...... چپ کر جاؤ' پہلے نہیں سمجھی تو اب سمجھ لو' اب صبر کرو۔ کسی پیارے کی موت پر آنسو بہانا جائز ہے لیکن بین کرنا نہیں۔ اپنے دکھ کو آنسوؤں کے ذریعے بہا دو نہ کہ آہ و بکا کے۔'' الفاظ جادو کی طرح اس کے اندر تک اترے' پھر اس کی آوازیں اندر ہی

روایت توڑ دی اس نے
وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی
تمہیں اپنا بناؤں گی
مجھے تم سے محبت ہے
میں لوگوں کو بتاؤں گی
وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی
وفا ہے ذات عورت کی
مگر جو مرد ہوتے ہیں
بہت بے درد ہوتے ہیں
کسی بھنورے کی صورت
گل کی خوشبو لوٹ لے جاتے ہیں
سنو......
تم کو قسم میری
روایت توڑ دینا تم
نہ تنہا چھوڑ کے جانا
مگر......
پھر یوں ہوا محسن
مجھے انجان راستے پر
اکیلا چھوڑ کر اس نے
میرا دل توڑ کر اس نے
محبت چھوڑ دی اس نے
وفا ہے ذات عورت کی
روایت توڑ دی اس نے
قوسین' منیبہ...... صبور شریف

دبنے لگیں' چیخیں خاموش ہو گئیں۔ اشک آنکھوں سے خاموشی کی چادر اوڑھے' گالوں کو رستہ بنائے گریبان میں جذب ہونے لگے۔ حسام جو کافی دیر سے یہ سارا منظر نہایت تکلیف سے دیکھ رہا تھا' اسے صبر و ضبط کی انتہاؤں کو چھوتا دیکھ کر آگے بڑھا اور اسے اپنے مضبوط توانا بازوؤں کے ہالے میں لے لیا۔ آنسو

قطار در قطار حسام کی آستین اور اس کے گریبان کو گیلے
کر رہے تھے، بھیگے سے اس موسم میں حسام اور تایا ابو کی
آنکھیں بھی چھلک رہی تھیں۔ صبر کے اس منظر میں
چیخیں حیران ہوتی وہاں سے بھاگ گئیں اور بے شک
اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

❀......❀......❀

لان کے وسط میں رکھی چارپائی کی طرف وہ سج سج
کر قدم اٹھا رہی تھی، گیلے نین اور مسکراتے لب اس
کے پُرسوز حسن کی تابناکی میں کچھ اور بھی اضافہ
کر رہے تھے۔ اردگرد کی آنکھوں میں حیرت و
استعجاب کی ملی جلی کیفیات تھیں، چارپائی کے عین
سامنے پہنچ کر، حسام کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ
دھیرے سے لرزا، صبر وضبط کا پیالہ چھلکنا ہی چاہتا تھا
لیکن چھلک نہ پایا۔ یہ اس کے لیے رب کی جانب
سے بھیجا گیا تحفہ تھا، اس کے حد سے تجاوز کرتے ضبط کا،
نسوانی ہاتھ نے ہولے سے اس کے چہرے سے سفید
چادر ہٹائی، دل کش نقوش سے سجا معصوم چہرہ، کسی
درندے کی درندگی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس نے اتنی
زور سے لبوں کو آپس میں پیوست کیا کہ چیخ منہ کے
اندر ہی کراہ کر رہ گئی، ہلکا سا جھک کر اس نے عفان کی
ٹھنڈی ننھی پیشانی پر ممتا سے بھرپور بوسہ دیا اور پیچھے
کھڑے حسام کی طرف دیکھ کر دھیرے سے ہنس دی۔

❀......❀......❀

عفان کی تدفین ہوئے چھ گھنٹے گزر چکے تھے۔
لان کی سیڑھیوں پر خاموش بیٹھی امبر دور خلاؤں میں
نجانے کیا کھوج رہی تھی جب حسام دبے پاؤں آ کر،
اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''امبر......'' اس نے پکارا۔

''تمہیں پتا ہے حسام، ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں ایک
ساتھ جی کیوں نہیں سکے۔'' اس کی پکار کو نظرانداز
کرتی، وہ عجیب سا سوال کر رہی تھی، بنا جواب کا انتظار
کیے وہ خود ہی بول پڑی۔ ''کیونکہ انہوں نے محبت نہیں،
عشق کیا تھا اور عشق کی تو معراج ہی جدائی ہے۔ میرا
بیٹا بھی میرا عشق تھا، آج میرا عشق امر ہو گیا۔'' اس
نے بوجھل سا گہرا سانس لیا۔

''ہاں، امر ہو گیا عشق میرا، آج اس نے آکاش کی
بلندیوں کو چھو لیا کیونکہ آج اسی کے توسط سے ہی تو
مجھے صبر کرنا آ گیا ہے۔ میں اپنے خالق کو پہچان گئی،
جدائی امر ہو گئی، عشق مکمل ہو گیا اور شاید ہم سرخرو......''
چند لمحوں کے وقفے کے بعد پھر بولی۔

''اسی لیے تو عمر بھر کی پونجی ہار کر بھی میں مطمئن
ہوں، یہ اطمینان خاص ہے۔ رب کا مجھ پر کرم ہو گیا اور
شاید س کی رحمت کی وجہ سے ہم دونوں کامیاب
ہو گئے۔'' کھوئی ہوئی آواز میں مسرت کی مہک تھی،
خوشی کی لہر تھی جبکہ حسام کے ذہن کے پردے پر اس
امبر کی شبیہ لہرا رہی تھی جو اپنے پہلے بیٹے کی پیدائش پھر
کبھی نہ ماں بننے کی خبر سن کر کفر بکنے لگی تھی۔ کتنا فرق
تھا نا آج کی اور چار سال قبل والی امبر میں...... وہ
حیرت زدہ تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے بغور دیکھتا
حسام شاید بھول گیا تھا جو ایک بار رب کی چاہ کو اپنی چاہ
بنا لے اس کی رضا میں راضی ہو جائے، وہ جاوداں قرار
پاتا ہے، جیسے امبر نے پایا تھا۔

شام سے رات ہو رہی تھی، ہر منظر تاریکی میں
ڈوب رہا تھا، سیاہی ہر شے پر پھیل رہی تھی سوائے امبر
کے وجود کے، اس کے اندر تو سدا رہنے والی صبح نے
ڈیرہ جما لیا تھا جو یقیناً اس کے رب کی طرف سے اس
کے لیے ایک بہترین انعام تھا۔

❀

# کھلتا ہے دریچہ

## حمیرا علی

تم بھری دنیا کی نظروں سے بچا لو مجھ کو
اب پناہوں میں ترے دل کی اُترنا ہے مجھے
مرے دشمن ہیں بنے چاہنے والے جاناں
ابھی دشمن کے ارادوں سے گزرنا ہے مجھے

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

جونہی اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی۔ اس نے بے تابانہ قریب رکھا موبائل اٹھا کر میسج دیکھا۔ میسج پڑھتے ہی اس نے برہم ہوکر اپنے بالکل سامنے بیٹھے ضمائر کو خونخوار نظروں سے گھورا۔ وہ بظاہر بے حد انہماک سے گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا لیکن ماورا جانتی تھی وہ اس سے قطعی بے خبر نہیں بلکہ وہ اتنی دیر سے اسی توجہ کا طالب تھا اور آخر اس کی خواہش پوری ہوگئی تھی۔ ماورا نے نظر اٹھائی اور ضمائر نے دسترخوان پر موجود افرادِ خانہ کی پروا کیے بغیر سب کو کھانے کی جانب متوجہ دیکھ کر اپنی بائیں آنکھ کو خفیف سی جنبش دی۔ ماورا کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔ کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔ وہ جانتی تھی ضمائر کے لب ہی نہیں آنکھیں بھی مسکرا اٹھی ہوں گی۔

غصہ بھری نگاہ کا شکوہ نہیں کوئی

کرتے ہیں اس پہ شکر کہ وہ دیکھتا تو ہے

اس بار میسج پڑھنے کے بعد ماورا نے اس کی جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اسے شکیب کے میسج کا شدت سے انتظار تھا مگر سامنے بیٹھا شخص اسے زچ کررہا تھا پھر دوبارہ، سہ بارہ اور بار بار موبائل کی اسکرین روشن ہوئی، اسکرین کو لب بھینچے دیکھتے رہنے کے باوجود اس نے موبائل نہیں اٹھایا۔ وہ اس کے میسجز پڑھ کر مزید کوفت اور غصے کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی، گھر کے باقی افراد سکون اور خاموشی سے کھانا تناول کررہے تھے۔ گھر پہ اباجی موجود نہیں تھے لہٰذا گھر کا ماحول پُرسکون تھا۔ وہ موبائل کی روشن ہوتی اسکرین پہ نظر تک ڈالنے سے گریز برت رہی تھی ہر بار شکیب کے خیال سے اس کا دل دھڑک اٹھتا مگر وہ دل کڑا کرکے اپنی پلیٹ میں موجود چاولوں کو چمچ سے اِدھر اُدھر کرتی رہی اگر سب سے پہلے دسترخوان پہ سے اٹھ کر جاتی تو اماں جان سے سخت سست سننے کو ملتی۔ کھانا کھاتے ہی وہ پڑھنے کے بہانے چھت پہ آگئی۔ رات کے کھانے کے بعد برتن دھونے کی ذمہ داری اس کی تھی مگر اسے کام کی کوئی فکر نہیں تھی اسے پتا تھا اگر اماں جان کو علم ہوگیا کہ وہ چھت پہ ہے تو صرف وہی اسے بلائیں گی باقی اس کی بہنیں اور چچا زاد ترانہ یا عمرانہ بھابی ہرگز نہیں بلائیں گی۔ پہلے اماں جان کی طرح فرزانہ چچی بھی اس پہ شیر کی نگاہ رکھتی تھیں مگر جب سے اس کی نسبت ضمائر کے ساتھ زبانی کلامی ہوئی تھی ان کا رویہ یکسر بدل گیا تھا حالانکہ اماں جان اپنی بہو کے ساتھ کوئی خاص نرمی نہیں برتتی تھیں اور ماورا کی بھابی اماں جان کی بہو عمرانہ چچی جان کی بڑی بیٹی تھیں۔ اسے یقین تھا چچی جان اس سے اپنی بیٹی پہ روا رکھے جانے والے مظالم کا بدلہ ضرور لیں گی مگر اسے ضمائر کے ساتھ منسوب ہوئے ایک سال ہونے والا تھا۔ چچی کا رویہ اس کے ساتھ یکسر بدل چکا تھا۔

چھت پہ بچھی بان کی کھردری چارپائی اور اکلوتے زرد بلب کی محدود روشنی کو دیکھتے ہوئے اس کا دل ہر چیز سے بیزار ہوگیا۔ اس کے سامنے کھلی کتاب کے ورق ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر اس کی تمام تر توجہ ہاتھ میں موجود موبائل پہ تھی۔ وہ اکتا چکی تھی انتظار اب گراں گزرنے لگا تھا۔ اگر شکیب نے خود فون نہیں کیا تو میں بھی اس سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ اس نے دل ہی دل میں عہد کیا۔ اس نے وقت گزارنے کے لیے ان بکس میں موجود میسج دیکھنا شروع کردیئے ہر طرف ضمائر ہی ضمائر تھا۔

ترے ستم سے خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شامل ارباب امتیاز کرے

اس نے بے دلی سے ایک کے بعد ایک تمام میسجز ڈیلیٹ کردیئے۔ یک دم ہی اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

''تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے، کل مجھ سے ملنے آرہی ہو یا نہیں؟'' وہ بضد تھا جبکہ وہ اسے کہہ چکی تھی کہ اگر یہ بات کرنی ہے تو فون مت کرنا، مگر اس وقت وہ ہر بات فراموش کرگئی تھی۔

''ٹھیک ہے میں آجاؤں گی مگر ہم باہر ملیں گے آپ کے گھر پہ نہیں۔ میں وہاں نہیں آسکتی۔'' اس نے بہت سوچ کر درمیانہ راستہ نکالا۔

''کیوں اعتبار نہیں ہے مجھ پہ، ڈرتی ہو۔'' شکیب سنجیدہ تھا۔

''ہاں اعتبار نہیں ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ ڈرتی ہوں۔'' اس نے انکار نہیں کیا۔ دوسری طرف سکوت چھا گیا۔

''آپ اکیلے رہتے ہیں، آپ نے خود بتایا تھا۔'' وہ اس کی خفگی کا خیال کرکے بولی۔

''اور یہ بات میں نے خود تمہیں بتائی تھی اگر میں کہتا کہ میرے گھر پہ سب موجود ہیں اور تمہیں دھوکے سے بلا لیتا تو تم کیا کرتیں؟ ماورا تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو میں کیسا ہوں، پھر بھی تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے استفسار کررہا تھا۔ ماورا الجھ گئی اس سے زیادہ اپنے آپ کو مطمئن کرنا خود کو وضاحت دینا دشوار تھا۔

''جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بے اعتباری بے موت

مار دیتی ہے۔"

"یہ بے اعتباری ہی ہے مگر احتیاط کا دامن تھامے رکھنے میں ہی عقل مندی اور عافیت ہوتی ہے۔" وہ بردبار انداز میں گویا ہوئی۔ سیڑھیوں پہ مخصوص قدموں کی آہٹ سن کر اس نے فوراً رابطہ منقطع کردیا۔

کام اس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
ہوئے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

ضمائر نے آتے ہی شوخ انداز میں شعر اس کے گوش گزار کیا۔

"آپ مجھ سے سیدھی طرح بات نہیں کرسکتے ضروری ہے اپنی داستان محبت سنانا۔" وہ غصے میں کہہ گئی مگر اس کے ہونٹوں پہ نمودار ہونے والا تبسم دیکھ کر اسے فوراً اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ دل کی دھڑکنیں بلاوجہ ہی بے ترتیب ہوگئیں اس نے فوراً نگاہ کتاب کے کھلے ہوئے صفحے پہ جمالی۔

"اگر آپ کو کوئی کام نہیں ہے تو جائیں یہاں سے مجھے پڑھنا ہے۔" وہ اس کی نگاہوں کے ارتکاز سے جھنجلا کر بولی۔

"ہاں ایک کپ چائے پلادو پھر پڑھتی رہنا۔" وہ اس کی گود میں رکھی کتاب اٹھا کر اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولا وہ اپنی جگہ سے جھٹکے سے اٹھ گئی۔

"ماورا..... تم خوش نہیں ہو؟" اس سے پہلے کہ وہ جاتی ضمائر نے اس کی کلائی پکڑ کر استفسار کیا۔ وہ بے دم ہوگئی پہلے دل کی دھڑکنیں بڑھی...... اب یک دم ہی دل رکنے لگا۔ ذہن صاف سلیٹ بن گیا تھا۔

"ماورا کیا کوئی مسئلہ ہے؟" وہ اس کی بے معنی خاموشی سے گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔ ماورا نے بے بسی سے اس کی گرفت میں موجود اپنی کلائی کو دیکھا۔ اس کا ہاتھ نہیں پکڑا تھا اس نے بلکہ اس کا دل اپنی مٹھی میں بند کرلیا تھا ماورا کی سانس رکنے لگی تھیں۔

"نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس امتحان ہونے والے ہیں ناں اسی لیے پڑھائی کی فکر ہے۔" اس نے ہمت مجتمع کر کے اسے جواب دیا۔

"اچھا میری جان پھر تم پڑھائی کرو۔ تمہارے ہاتھ کی چائے اب تمہارے امتحانات ختم ہونے کے بعد سہی۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے دل کی دگرگوں، نڈھال حالت سے بے خبر، وہ اپنی کمزوری پہ کڑھتی ہوئی واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

"میں کس قدر دھوکے باز اور بے اعتبار لڑکی ہوں۔ مفاد پرست، سطحی ذہن کی مالک اُف ضمائر میں کیسے بتاؤں آپ کو میں اب بدل چکی ہوں۔ حقیقت پسند اور خود غرض ہوگئی ہوں میں۔" اس نے اپنی جلتی کلائی پہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں پھیریں۔ اس کے لمس کی حدت سے صرف کلائی ہی نہیں بلکہ جسم و جان سلگ اٹھے تھے۔ اس نے بے ساختہ بے خود ہو کر اپنی کلائی پہ اپنے جلتے لب رکھ دیئے۔ وہ اس سے بے وفائی کی مرتکب ہورہی تھی اور اپنے ہی ضمیر کی خلش اسے اذیت سے دوچار کررہی تھی بے بسی کی انتہا پہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

......☆......

ضمائر ماورا کا چچازاد تھا۔ بہن بھائیوں میں ضمائر کا نمبر دوسرا تھا۔ اس سے بڑی عمرانہ شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں تھیں۔ ماورا کا بھائی حازق غصے کا تیز اور سہل پسند انسان تھا۔

"عمرانہ بھابی اور حازق بھائی کا کیا جوڑ تھا آخر حازق بھائی میں احساس ذمہ داری تک نہیں ہے۔ ابھی تو دونوں بچے بالترتیب تین اور ایک سال کی عمر کے ہیں مگر کچھ دن بعد انہیں اسکول میں بھی داخل کرانا پڑے گا بچوں کی دیگر ضروریات اور تعلیمی اخراجات کے لیے انہیں مستقل مزاجی سے کوئی نوکری کرنی چاہیے، مگر وہ ہیں کہ ہر وقت چارپائی توڑنے کے علاوہ بے چاری عمرانہ بھابی کو تختہ مشق بنا کر رکھتے ہیں۔ آخر آپ بھائی کو کچھ کہتی کیوں نہیں ہیں؟" گھر میں جب بھی کبھی ہنگامہ ہوتا وہ اماں جان کے سامنے پھٹ پڑتی تھی۔ نتیجہ اماں جان اس پہ شروع ہوجاتیں، اگر وہ قریب ہوتی تو دوچار

تھپڑوں سے بھی اس کی تواضع ہوجاتی۔

"بڑا بھائی ہے۔ ادب لحاظ نہیں ہے اس کا' بھائی کی فکر ہے بہت۔" اماں جان غضب ناک ہوجاتیں۔

"بھائی میں ایسا ہے ہی کیا جو میں فکر کروں۔ کام چور مفت خور تھے وہ پہلے اب جواری بھی بن جائیں گے۔" اس نے حازق کو محلے کے بدقماش اور بدنام زمانہ لڑکوں کے ساتھ دیکھا تھا لہٰذا تلملا کر بولی۔ اماں جان نے پاؤں سے جوتی نکال کر اسے کھینچ ماری۔

"چپ کرجا بے دید لڑکی۔ اپنے ہی بھائی کے خلاف بول رہی ہے۔" مگر اماں جان کی ڈانٹ پھٹکار اس کی زبان نہیں بند کرسکتی تھی۔ گھر میں غربت کے ساتھ ساتھ بے حسی وافر مقدار میں پائی جاتی تھی۔ ابا جان کی چھوٹی سی کریانے کی دکان تھی جس پہ ابا جان کے علاوہ صرف ضمائر ہی بیٹھا کرتا تھا۔ حازق بھائی وہاں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ شہریار چچا کی عادت واطوار کم وبیش حازق بھائی جیسی ہی تھیں یا پھر حازق بھائی نے وراثت میں ہو بہو چچا جان کی عادت واطوار لے لی تھیں۔ شہریار چچا نے ساری زندگی لگ کر نوکری نہیں کی۔ مڈل تک تعلیم غربت اور تنگ دستی میں کاروبار کے خواب دیکھتے رہے اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کسی معجزے کا انتظار کرتے رہے کہ اچانک ان کے ہاتھ کوئی جادو کا چراغ لگ جائے اور وہ راتوں رات کسی خزانے کے مالک بن جائیں مگر بدقسمتی سے ایسا کوئی جادوئی چراغ ان کے ہاتھ کبھی نہیں لگا۔ چار سال قبل ایک ٹریفک حادثے میں وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہوکر مزید چڑچڑے' بدمزاج اور تندخو ہوگئے تھے۔ پہلے بھی فرزانہ چچی ان کے عتاب کا نشانہ بنتی تھیں اب بھی وہ انہیں ایک ٹانگ پہ کھڑا رکھتے تھے۔ ویسے تو گھر میں اماں جان کی حکومت چلتی تھی مگر ابا جان کے آتے ہی وہ بھی سوکھے پتے کی مانند کانپنے لگتی تھیں پتا نہیں کب ابا کو کوئی بات ناگوار گزر جائے۔ ابا جان بھی تندو تیز زبان اور آتشی مزاج کے حامل تھے۔ جب تک سدرہ باجی اور فائزہ کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ اماں جان کے سامنے زبان کھولنے سے احتراز ہی برتتی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں تھا۔

سدرہ باجی تو خیر اس سے بڑی تھیں' ان کی شادی کو آٹھ سال ہوچکے تھے۔ چار بیٹیاں تھیں ان کی جن کی وجہ سے وہ ساس اور شوہر کی ہی نہیں بلکہ دو نندوں سمیت پورے سسرال کی تنقید کا نشانہ بنتی تھیں۔ بظاہر کھاتے پیتے اور مقدور بھر دینی ودنیاوی تعلیم سے آراستہ لوگوں کو بیٹیاں بوجھ لگتی تھیں۔ سدرہ باجی قصوروار=

"اونہہ چار چار بیٹیاں میرے بیٹے کے تو کندھے ہی اس بوجھ سے جھک گئے۔ اب کی بار اگر بیٹا نہیں ہوا تو میں اس کا فیصلہ کرا کے اپنے بیٹے کی دوسری شادی کردوں گی۔ ویسے بھی یہ گھنی میسنی لڑکی مجھے پسند نہیں۔ زبان سے کچھ نہیں کہتی مگر مجھے پتا ہے ہمارے خلاف اس کے دل میں کتنا زہر ہوگا' میں تو پچھتاتی ہوں اس رشتے پہ' میرا بیٹا تو راضی ہی نہیں تھا کاش ملیحہ سے کردی ہوتی اس کی شادی' آج تین بیٹوں کا باپ ہوتا مگر میں نے شوہر کی بھانجی پہ اپنی بھانجی کو ترجیح دی' ہائے کیا ملا مجھے نیکی کا صلہ۔" سدرہ باجی کی ساس ہاتھ ملتیں' شوہر ماتھے پہ بل ڈالے بیٹھے رہتے۔

ڈیڑھ سال پہلے ماورا سے چھوٹی فائزہ کو نسیمہ پھوپو کے اکلوتے بیٹے کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یہاں بھی صورت حال مختلف نہیں تھی۔ پتا نہیں بیٹے کی ماں کو کس بات کا غرور ہوتا ہے۔ ڈیڑھ سال میں فائزہ بے چاری تین چار بار ہی میکے آئی تھی۔ شادی کے دس ماہ بعد ہی اس کی گود میں بیٹا آ گیا۔ ماورا کا خیال تھا شاید نسیمہ پھوپو اور ایاز بھائی خوش ہوجائیں گے۔ ظاہر ہے سدرہ کے سسرال والے بیٹے کے نہ ہونے کا رونا روتے رہتے تھے مگر نہیں' نسیمہ پھوپو نے پوتے کی پیدائش کے بعد عقیقے کے بہانے ماورا کے خیالات پہ پانی پھیر دیا۔ بے چاری فائزہ کی خوشی بھی ملیامیٹ کردی۔ انہیں عقیقے پہ ان کے حسب منشاء تحائف سے نہیں نوازا گیا تھا ایسا ان کا اور نسیمہ پھوپو کے سسرالی رشتے داروں کا کہنا تھا۔ جبکہ ماورا اچھی طرح جانتی تھی اماں جان نے اپنی پوری پینتیس ہزار کی بی

سی فائزہ کے بچے اور سسرال والوں کے لیے کپڑے وغیرہ خریدنے میں ختم کردی تھی۔ اماں جان نے یہ بی سی ڈالی ہی اس نیت سے تھی۔ ہزار روپے مہینہ ماورا کو سوچ سوچ کر افسوس ہوتا تھا۔ اماں جان کس طرح پائی پائی جوڑ کر سدرہ باجی اور فائزہ کے سسرال میں لین دین کرتی تھیں مگر ان کے مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ آج کل وہ شدومد سے اس کے لیے جوڑ توڑ کررہی تھیں۔ اسے پتا تھا عمرانہ کی طرح چار لوگوں کو بلا کر اس کا نکاح اور رخصتی کردی جائے گی آخر یہ گھر کا معاملہ تھا۔ مگر پھر بھی اماں جان آنے والے چند مہمانوں کے کھانے اور اس کے لیے چار جوڑے اور اتنے ہی برتن خریدنے کی فکر میں ہلکان نظر آتی تھیں۔ اس کے بعد فاخرہ اور جاسرہ کے بھی ہاتھ پیلے کرنے کی فکر تھی اماں جان کو۔ چچی جان ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوچکی تھیں۔ ترانہ اپنے ماموں کے بیٹے سے منسوب تھی۔ ابرار ان کا سب سے چھوٹا بیٹا' ابھی دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس گھر میں ماسوائے ماورا کے کوئی یونیورسٹی تک نہیں پہنچا تھا۔ ایک تو گھر کے حالات اور تنگدستی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی دوسرا بچوں کو خاص شوق بھی نہیں تھا۔ اماں اور چچی لڑکیوں کے زیادہ پڑھنے کے حق میں نہیں تھیں۔ حازق بھائی بڑے تھے مگر ان کا رجحان پڑھائی کی طرف نہیں تھا۔ ضمائر کو پڑھنے کا شوق تھا مگر اس پہ گھر کی ذمہ داریاں تھیں۔ میٹرک کے بعد اس نے ٹیوشن پڑھا پڑھا کر گریجویشن تک تعلیم حاصل کی تھی۔ ابا جان کی دکان پہ بھی جاتا تھا۔ ماورا کی پڑھائی کی وجہ سے وہ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہیں رکھ سکا تھا گھر کے حالات اس بات کے متحمل نہیں تھے کہ وہ خود بھی پڑھتا اور ماورا کے بھی تعلیمی اخراجات اٹھاتا۔

اماں جان اور ابا جان کی سخت مخالفت کے باوجود اس نے ماورا کا ساتھ دیا اور پہلے کالج اور پھر یونیورسٹی میں اس کا داخلہ کرایا۔ اس کے پاس بیچلرز کی ڈگری تھی۔ بیس ہزار سیلری۔ بوسیدہ مکان تنگ و تاریک گلیاں..... گھٹا ہوا ماحول' اماں جان کی روک ٹوک' چچی جان کی تنقید گھر میں ہونے والے لڑائی جھگڑے' گھر کے ہر کونے سے جھانکتی غربت وہ ابتدا سے ہی اس ماحول سے بیزار تھی۔ غربت اور بے بسی کے ساتھ ساتھ مایوسی کے اندھیروں میں اس کے دل میں کسی نئے جذبے کا ایک دریچہ وا ہوگیا اور دریچے سے نظر آنے والا پہلا ہی چہرہ اسے مبہوت کرگیا۔ وہ اس کے اردگرد ہی تو موجود تھا۔ ہر وقت بے حد مصروف مگر گھر کے ہر فرد کی ضروریات کا خیال رکھنے والا' ابا جان' شہریار چچا اور حازق بھائی سے بالکل مختلف' بے نیاز اور جفاکش..... اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔ وہ ماورا سے عمر میں تین سال بڑا تھا۔ اپنی عمر کے لڑکوں سے بالکل مختلف نہ ہی وہ لاپروا تھا اور نہ ہی غیر ذمہ دار۔ ماورا کو یاد نہیں تھا کہ پہلی بار کب اس نے اس کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی اپنے دل میں موجودگی کو تسلیم کیا تھا۔ اس گھر میں کھل کر بات کرنے کی اپنی پسند ناپسند ظاہر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ماورا نے درمیانی راستہ نکال لیا وہ کم عمری سے ہی اپنے احساسات' اپنے جذبات کو لکھنے کی عادی بن گئی۔ وہ باتیں جو وہ کسی سے نہیں کہتی تھی اپنی ڈائری میں لکھ دیتی۔ اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ اس کی کسی بھی ڈائری میں اپنی باتیں تھی ہی نہیں اس کی تین چار ڈائریاں صرف ایک نام سے بھر چکی تھیں۔ ضمائر شہریار' وہ شخص بالکل بے خبر تھا۔ وہ محبت جو ماورا اسرار کے لیے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کی مانند تھی۔ بہت جلد ماورا کا سانس بھی لینا محال کرنے لگی۔ اس نے اپنے گھر میں موجود لوگوں کو دیکھا اور پھر باہر کی دنیا کو..... حقیقت تو یہ تھی کہ وہ یہاں زندگی بھر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس نے شکیب اعوان سے ملنے کے بعد بہت خاموشی سے اپنی تمام ڈائریاں اٹھا کر ایک لکڑی کے صندوق میں بند کیں اور کاٹھ کباڑ سے اٹے چھوٹے سے اسٹور میں ڈال آئی۔ کاش وہ انہیں پھاڑ کر سمندر میں ڈال آتی' کاش وہ انہیں جلا کر ہوا برد کردیتی' کاش وہ نادانستگی میں انہیں سنبھال کر نہیں رکھتی۔ شکیب اعوان اس کی پہلی شرمین کا تایا زاد تھا۔ ایک بار شرمین کے گھر میں سرسری سی ملاقات ہوئی اور شناسائی کا مرحلہ

شکیب اعوان کی دیوانگی نے آسان بنادیا وہ روزانہ اس کی یونیورسٹی شرمین کو پک کرنے کے بہانے آجاتا۔ وہ پاکستان میں تنہا رہائش پذیر تھا اس کے والدین اور دو بہنیں کینیڈا میں مقیم تھے۔ دونوں کے ماحول اور طبقات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دونوں کی شناسائی دو سال قبل ہوئی تھی۔ وہ بہت تیزی سے اپنی پہلی محبت' پہلی خواہش ضمائر شہریار کو بھول کر شکیب اعوان کی گرویدہ ہوگئی۔ زندگی یک دم ہی پہلے سے زیادہ خوب صورت ہوگئی۔ شکیب اعوان ایک کامیاب بزنس مین کا نام تھا۔ وہ اس سے عمر میں کم وبیش دس سال بڑا تھا۔ سحر انگیز شخصیت کا مالک۔ دنیا ایک اشارے میں جس کے قدموں میں خوشیاں نچھاور کرنے کو بے تاب دکھائی دیتی تھی۔ اس کی قیمتی گاڑی اُس کے وجود سے اٹھتی مہنگے ترین کلون کی خوشبو۔ اس کا شستہ انگریزی لب ولہجہ اس کا کروفر اور اس کے والٹ میں رکھے کریڈٹ کارڈز اس سے متاثر ہونے کی انگنت وجوہات تھیں۔ کچھ اس کی کم عمری کا قصور تھا کچھ کم عقلی اور سطحی ذہنیت کا خاصہ...... باقی کمال اس کی حقیقت پسندی نے دکھایا۔ وہ بھول گئی کہ اس کے دل کی سلطنت کا مالک ومختار کوئی اور تھا اس شہزادے کو فراموش کرکے وہ خوش آئند مستقبل کے خواب دیکھنے میں محو ہوگئی۔ ابھی پلکیں ان خوابوں کے بوجھ سے تھک کر بند بھی نہیں ہوئی تھیں اس سے پہلے سارا کھیل بگڑ گیا۔ اس کی بھولی بسری محبت کا راز طشت ازبام ہوگیا۔

اس نے یک طرفہ محبت سے کچھ عرصے دل کو بہلایا پھر اکتا کر اس کتاب کو بند کردیا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی ڈائری ضمائر کے ہاتھ لگ گئی۔ بلکہ شاید کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا۔

اماں جان نے اسے اس دن زبردستی ترانہ کے ساتھ گھر کی صفائی میں لگادیا وہ بددلی سے کام نمٹانے لگی۔

''ایسا کرو تم یہ گدے اور رضائیاں اسٹور میں رکھ آؤ۔ ویسے بھی اب سردیاں ختم ہی ہونے والی ہیں اور یہ اضافی گدے اور رضائیاں ہیں جن کی ضرورت نہیں۔ اس نے ترانہ کی ہدایت پہ اسٹور کا رخ کیا۔ اسے صرف ٹرنک کھولنا تھا باقی گدے رضائیاں لانے کا حکم وہ ابرار کو دے کر آگئی تھی۔ اس نے سامان رکھ کر ٹرنک بند کیا' نگاہ اس صندوق کی طرف چلی گئی جس پہ اس نے چھوٹا سا تالا بھی ڈال رکھا تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی جو کھول کر دیکھتا۔ سب کا خیال تھا اس میں اس کی پرانی کورس کی کتابیں ہیں۔ وہ انہیں بھی اسی طرح سنبھال کر رکھتی تھی۔ وہیں کہیں سے اس نے چابی برآمد کی۔ سیاہ' بادامی اور سرخ کور والی کئی ڈائریاں اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں۔ ایک کے بعد ایک اس نے ہر ڈائری کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ لفظ اب تک تازہ تھے یوں بھی سال پہلے کی تو بات تھی۔ کون سی صدیاں بیت گئی تھیں۔ اس خزانے کو مقفل ہوئے۔ اماں جان کی آواز پہ وہ صندوق اسی طرح کھلا چھوڑ کر چلی گئی۔

اگر وہ نہ جاتی تو یقیناً اماں جان آموجود ہوتیں۔ واپس آئی تو ضمائر کے ہاتھ میں اس کی بہت پرانی ڈائری تھی۔ اس کا دل دہل گیا۔ ضمائر کے چہرے پہ حیرانی اور لبوں پہ دل آویز تبسم تھا۔ کسے چاہے جانا اچھا نہیں لگتا اور چاہت بھی ایسی جسے کسی متاع کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھا گیا ہو۔

''ضمائر کے لیے میں کیا محسوس کرتی ہوں لفظوں میں بتانا مشکل ہے۔ شاید میں ان سے یہ بات کبھی نہ کہہ سکوں کہ مجھے دنیا میں ان جیسا کوئی نہیں لگتا۔ کیا ایسا سوچنا ہی محبت ہے؟ ہاں یقیناً کیونکہ میری نظر ان کے علاوہ کسی چہرے پہ اگر پڑ بھی جاتی ہے تو دل اداس ہوجاتا ہے۔ دل چاہتا ہے ہر وقت انہیں دیکھتی رہوں۔ انہیں سوچتی رہوں اور انہیں اللہ سے مانگتی رہوں۔''

بہت معصوم سا اظہار تھا' وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ ہمت ہی نہیں ہوئی کہ آگے بڑھ کر ضمائر کے ہاتھ سے اپنی ڈائری لے لے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

''سوری میں نے بلا اجازت تمہاری ڈائری پڑھ لی۔''

اس نے ڈائری بند کرکے بہت شرافت سے اس کی طرف بڑھادی۔ ماورا کا دل کی پاتال سے ڈوب کر ابھرا تھا۔

''آپ کو مجھ سے پوچھے بغیر نہیں پڑھنی چاہیے تھی۔''

اسے شدید احساس بے بسی نے غصہ دلا گیا۔ اس کی آواز ہی نہیں ڈائری کو تھامنے والے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

"تو کے آئندہ تم سے پوچھ کر پڑھوں گا۔" اس کا انداز پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا مگر آنکھیں جیسے اس کے اردگرد روشنی کا ہالہ بننے لگی تھیں۔ وہ سرتاپا جگمگا اٹھی۔ نگاہیں کسی مجرم کی طرح جھکائے وہ شدت سے اس کے جانے کی منتظر تھی۔ وہ کچھ دیر اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا پھر جیسے اس کی حالت پہ رحم کھا کر چلا گیا۔ ماورا ریت کے مجسمے کی مانند زمین پہ گری۔ اس کی توجہ کے ایک سبک خرام جھونکے نے ماورا کی ذات کو تہہ و بالا کر کے بکھیر دیا تھا۔

ضمائر نے ماورا کی محبت پہ سر تسلیم خم کردیا تھا۔ وہ اس کی معصوم پوشیدہ اور ان کہی محبت کا اسیر ہوگیا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ ماورا نے زبان سے اقرار نہیں کیا تھا وہ فقط ڈائری میں لکھے لفظوں پہ ایمان لے آیا اور پہلی ہی دستک پہ اپنے دل کا در ماورا کے لیے وا کردیا تھا۔ وہ پورے طمطراق سے اس کے دل کی سلطنت میں داخل ہوگئی۔ اماں جان ابا جان فرزانہ چچی اور شہریار چچا کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا۔ ضمائر کے لیے تمام مراحل طے کرنا آسان ثابت ہوا۔ اس نے فقط ایک بار فرزانہ چچی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے فوراً بیٹے کا منہ چوم کر خوشی خوشی رضامندی دے دی۔ شہریار چچا کو بھی اعتراض نہیں تھا۔ اماں جان پہلے ہی اس کے لیے فکرمند تھیں اس سے چھوٹی فائزہ کی شادی کو چھ ماہ گزر چکے تھے۔ اگر ماورا خود منع نہ کرتی تو اماں جان پہلے چھوٹی کی شادی کرنے کے بجائے اس کے ہاتھ پیلے کرتیں...... مگر اس وقت اس نے پڑھائی کا بہانہ بنالیا تھا۔ اماں جان تو اس کی ایک نہ سنتیں مگر ضمائر نے انہیں زبردستی اس کی شادی کرنے سے روک دیا تھا۔ اس وقت ضمائر کے ذہن میں کوئی دوسری بات نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ اسے پڑھنے کا شوق ہے۔ اس نے شکیب اعوان سے کچھ نہیں چھپایا حالانکہ ضمائر سے نسبت طے ہوجانے پہ اس کی انگلی میں ایک چاندی کا چھلا تک نہیں ڈالا گیا تھا مگر پھر بھی اسے شکیب اعوان کو دھوکا دینا گوارہ نہیں تھا۔ اگر وہ کسی کو دھوکا دے رہی تھی تو خود کو ضمائر کو۔ وہ حقیقت پسند تھی خالی محبت نہ ہی انسان کا پیٹ بھر سکتی ہے نہ ہی بلند معیار زندگی کی خواہش پوری کرسکتی ہے۔ اس نے اپنی ترجیحات کی فہرست سے محبت کو یکسر نکال دیا۔ اسے کسی نے ورغلایا یا اکسایا نہیں تھا مگر ہر کسی کو زندگی میں ایک ہی موقع ملتا ہے آگے بڑھنے کا بلند معیار زندگی اس کی ہر خواہش کی تکمیل اس کے ہر خواب کی تعبیر شکیب اعوان کے ساتھ کی بدولت لمحوں میں پوری ہوسکتی تھی۔ زندگی شکیب اعوان کی جنبش ابرو سے اس پہ مہربان ہوجاتی وہ شکیب اعوان کو گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

❁......☆......❁

کون سی چیز تھی جو پورے دو سال تک اس کے پیروں کی بیڑی بنی رہی۔ ضمائر کی محبت تو ہرگز نہیں اسے وہ پہلے ہی ایک صندوق میں مقفل کرچکی تھی۔ اماں جان کی عقابی نگاہیں گھر کی دہلیز تک ہی اس کا پیچھا کرتی تھیں اس گھر کی دہلیز کو پار کرتے ہی ہر چیز پیچھے چھوٹ جاتی تھی۔ سارے ڈر سب محبتیں اور سارے اندیشے۔ اگر کچھ ساتھ رہ جاتا تھا تو گھٹی میں ڈالی گئی اماں جان کی تربیت۔ راستے میں نظر جھکا کر چلنا کسی کی طرف ہنس کر مت دیکھنا اول فول دوستیاں گانٹھنے کی ضرورت نہیں کسی سے زیادہ فالتو بات مت کرنا وہ اتنی تابعدار کہاں تھی۔ چھوٹی چھوٹی نافرمانیاں وہ چٹکی بجاتے کر گزرتی۔ اس کی ساری سہیلیاں ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ خود کو یونیورسٹی کے بعد پڑھائی کے بہانے کسی بھی سہیلی کے گھر جانے کی ترجیح دیتی تھی۔ مگر اس طرح شکیب اعوان سے ملاقات وہ اس سے ہمیشہ شرمین کے گھر پہ یا پھر یونیورسٹی میں ملی تھی۔ فون پہ بات کرنا اور تنہا باقاعدہ ملنے جانا دو مختلف باتیں تھیں۔ فون پہ بھی اس نے فقط تین چار بار ہی بات کی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر اس سے ملنے اور فون پہ بات کرنے سے اجتناب برتتی تھی۔ فون بھی ابا جان نے ایک ماہ پہلے ہی اس کی ضد پہ لاکر دیا تھا۔ شکیب اعوان کی طرف سے دیئے جانے والے تحائف اس نے کبھی قبول نہیں کیے تھے۔ ایک بار اس کی سالگرہ کے موقع پر اور پچھلے سال اس کا پریوئس کا رزلٹ اچھا آنے پہ اس نے

تحفہ دینے کی کوشش کی تھی مگر ماورا نے بلاجھجکچاہٹ اس کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر اس کے تحائف لوٹا دیئے تھے۔ شکیب اعوان اس کے رویے سے اذیت محسوس کرتا تھا۔

''تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' وہ ہر بار یہی جملہ کہتا۔

اور وہ بے بسی سے اپنے دل کو ٹٹولتی رہ جاتی۔

☆

وہ اپنی خواہشات کے منہ زور گھوڑے پہ سوار اپنی لغزش کو اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش قرار دے کر اپنے ضمیر کی چیخوں کو نظر انداز کر کے آ گئی تھی۔

(اگر میں اتنی ہی بہادر ہوں تو یہاں آ کر اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کرنے کے بجائے ضمائر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے شادی کرنے سے انکار کرنا چاہیے تھا مجھے' کیا وہ میری بات نہیں سمجھتے؟ میں ان سے منسوب ہوں ان کی پشت پہ کسی اور شخص سے مل کر ان کے اعتبار و اعتماد کا خون کر رہی ہوں)

ہوٹل کے خواب ناک ماحول میں بیٹھ کر وہ اعصابی خلجان کا شکار ہو کر سامنے بیٹھے شخص پہ نظر تک ڈالنا بھول گئی تھی جو بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہی تھیں؟'' کتنی دیر بعد اس نے چونک کر سر اٹھایا اور وہ جیسے منتظر تھا۔

''آپ کو کیا بات کرنی تھی؟'' وہ جلد از جلد اس لمحے سے رہائی کی خواہ تھی جو اسے کسی عفریت کی مانند خود پہ مسلط ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''تم یہاں آ کر خوش نہیں ہوناں۔ میں نے زبردستی ہی تمہیں مجبور کیا؟'' شکیب بے دلی سے بولا۔

''میرے لیے یہاں آنا آسان نہیں تھا مگر اب آ گئی ہوں تو پلیز آپ وہ بات کریں' جس کے لیے میں نے خود کو بہت تکلیف دی ہے۔'' وہ پست آواز میں گویا ہوئی۔

''تم نے میری خوشی کے لیے خود کو تکلیف دی ہے کیا میں تمہیں اتنا عزیز ہو گیا ہوں کہ تم میرے لیے اپنی خوشیاں تیاگ سکتی ہو؟'' شکیب خوش دلی سے بولا۔

''میں آپ سے پہلی اور آخری بار اس طرح ملنے آئی ہوں اس کے بعد آپ ضد مت کیجیے گا۔'' وہ اکھڑے لہجے میں باور کرا گئی۔ وہ ہنس دیا۔

''تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو میری توجہ اور التفات پہ اپنا آپ مجھ پہ نچھاور کر دیتی۔'' وہ روٹھی ہو گئی۔

''میں اتنی بے وقعت ہوں اور نہ ہی معمولی۔ آپ جیسے بہت ہوں گے اس دنیا میں' مگر میں ماورا اسرار ہوں' اگر آپ میری جگہ کسی اور لڑکی کو بیٹھا دیکھنے کی خواہشمند ہیں تو اس لڑکی کو ساتھ لے کر آتے' مجھے لا کر یہ گھٹیا بات کہنے کا مطلب کیا ہے؟'' وہ بھڑک اٹھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم جیسی لڑکی کوئی اور نہیں ہے۔ ماورا...... میں نے برسوں دربدر کی خاک چھانی ہے' صدیاں گزاری ہیں اس دشت کی سیاحی میں مگر تم...... تم نے مجھے باندھ لیا۔ میرے قدم منجمد ہو گئے اور نگاہ ساکت اب کسی اور کی خواہش نہیں ہے۔'' بے ساختہ شکیب کا ہاتھ میز کی سطح پہ رکھے اس کے ہاتھ پہ آ ٹھہرا۔ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ اس کی پیشانی پہ پسینے کی بوندیں چمک اٹھیں۔ ہوٹل کی سرد' دلفریب اور راحت بخش فضاء میں اس کی پیشانی پہ چمک اٹھنے والی بوندیں اسے خود گھبراہٹ میں مبتلا کر گئیں۔ یہ گھبراہٹ کوئی روایتی شرم وحیا کے زیر اثر اس پہ وارد نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی بدحواسی کی وجہ شرمندگی اور اندر اٹھنے والی ناگواری کی شدید لہر تھی۔ کل رات ضمائر شہریار نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اس وقت اس کے دل کی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''کیا ہوا تم ابھی ابھی تو آئی تھیں؟'' شکیب حیران رہ گیا۔

''کہاں یہ لمحات تو صدیوں پہ محیط لگ رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں' خوشگوار وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے اور مشکل وقت ٹھہر سا جاتا ہے۔ اس نے شکیب اعوان کی لفٹ کی پیشکش مسترد کر دی۔ دل کا سکون غارت ہو گیا تھا۔ اس کی روح ان دیکھے بوجھ تلے دب گئی تھی۔ اس کی

حالت کسی چور جیسی تھی۔ گھر آنے کے بعد اس نے گھنٹوں کسی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کی اور ضمائر کے آنے سے پہلے وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے کمرے میں بند ہوگئی مگر چھوٹے سے گھر میں آوازیں دروازوں کے پیچھے دب نہیں جاتیں۔

ضمائر اماں جان سے اسی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ ترانہ نے اسے آتے ہی بتادیا تھا کہ ماورا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو میں اسے کلینک لے جاتا ہوں۔" وہ متفکر ہوا۔ اس کی بھاری مردانہ آواز ماورا کے اعصاب پہ کوڑے برسانے لگی اس نے کھینچ کر تکیہ اپنے سر پہ رکھ لیا دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں مگر دل چیخ چیخ کر اسے بے وفا اور بے اعتبار گردان رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کون سا ضمائر سے وعدے کیے تھے، مگر محبت تو کی تھی ناں اور اگر وہ یہ بات فراموش کرچکی تھی اور اس کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی تو بھی وہ اس سے منسوب تھی اور یہ بات نظر انداز کرنا اس کے لیے مشکل ترین تھا۔

☆

"میری شادی، اس طرح اچانک ایسا کیسے ممکن ہے اماں جان۔ کیا عمرانہ بھابی واقعی سچ کہہ رہی ہیں؟" وہ بھاگم بھاگ اماں جان کے پاس آئی تھی۔ اس کی واپسی یونیورسٹی سے ابھی ہوئی تھی اور اس خبر نے اس کے ہوش اڑادیئے تھے۔ اماں جان اس کی زبان کی رفتار سے عاجز تھیں گھور کر دیکھا۔

"توبہ ہے لڑکی کچھ حیا وشرم بھی ہے تم میں۔" اماں جان نے فرزانہ چچی اور ان کے لخت جگر ضمائر کی موجودگی کا احساس دلانا چاہا مگر اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔

"اماں جان، ابھی تو میرے امتحان بھی نہیں ہوئے۔ ابھی سے اور آپ......" وہ ضمائر سے مخاطب ہوئی۔ "آپ نے تو کہا تھا ابھی شادی کی بات نہیں ہوگی۔ ترانہ کی شادی سے پہلے تو بالکل نہیں۔" اس نے کان میں پڑجانے والی باتوں پہ باز پرس شروع کردی۔ براہ راست اس موضوع پہ ضمائر سے بات ہی کب ہوئی تھی۔ اماں جان دانت پیستی رہ گئیں۔

"ترانہ کی شادی بھی ہوجائے گی کچھ دنوں بعد۔ ہماری شادی ہونا تھی ابھی سہی۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" وہ اس کی وسیع النظری کی قائل تھی اس وقت ماورا کے استفسار اور جرأت پہ وہ مسکرا کر اسے مشکل سے دوچار کرگیا تھا۔ اماں جان کی کڑی نگاہوں کا پہرہ، فرزانہ چچی اور عمرانہ بھابی کی موجودگی وہ ہاتھ ملتی رہ گئی۔

"اسے کیوں اعتراض ہوگا بھلا تم دونوں کا نکاح جمعہ کے مبارک دن ہی ہوگا۔" اور درمیان میں فقط ایک دن تھا۔ اس کے سارے خواب چکنا چور ہونے والے تھے۔

"تائی جان...... اس کی مرضی سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری مرضی سے بھی زیادہ۔" وہ مہربان تھا اور منتظر بھی۔

"ماورا تمہاری خوشی سب سے زیادہ ضروری ہے۔" اسے مستقل خاموش دیکھ کر وہ مزید بولا۔

"اونہہ...... اس طرح گردن پہ چھری رکھ کر مرضی پوچھی جاتی ہے۔ رشتے کے لیے عندیہ دینے سے قبل رشتہ طے کرتے وقت اور پورے سال بھر کے درمیانی عرصے میں کبھی آپ کو میری مرضی جاننے کا خیال تک نہیں آیا۔ آج زیادہ اہم ہوگئی میری مرضی۔" وہ سوچ کر رہ گئی۔

"تو میں نے کیا پہلے اپنی دو بیٹیوں سے پوچھ کر شادی کی ہے بھلا اور تمہاری ماں نے کون سا عمرانہ سے اس کی رضا پوچھی تھی یا ترانہ کا رشتہ طے کرتے ہوئے اس سے پوچھا یہ کہاں کی شہزادی ہے جو اس کی خوشی اور مرضی اہم ہوگئی۔" اماں جان برہمی سے بولیں۔

"میں نے تو ترانہ اور فائزہ کے لیے کہا تھا کہ ان سے پوچھ لیں باقی آپ لوگوں نے ہی اسے اہم خیال نہیں کیا۔ یہ میرا معاملہ ہے اور مجھے ماورا کی خوشی عزیز ہے۔" ابا جان کے آجانے سے بات آئی گئی ہوگئی۔ ماورا دل مسوس کے رہ گئی۔ کیسا سنہری موقع گنوادیا تھا اس نے، کاش وہ اسے کہہ دیتی۔

"میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے شادی نہیں کرنی آپ سے۔" وہ پچھتا رہی تھی۔

❀......☆......❀

وہ فیصلہ کر چکی تھی اسے آگے بڑھنا تھا۔ شکیب اعوان کے ساتھ پوری دنیا گھومنی تھی۔ مصائب و آلام جھیلتے چھوٹی چھوٹی خواہشات کی تکمیل کے لیے محنت کرنا مشکل زندگی گزارنا اسے گوارا نہیں تھا۔ آسان اور خوب صورت ترین زندگی اس کی منتظر تھی۔ ایک پورا دن اس کی مہلت کا آخری دن گزر گیا۔ وہ یونیورسٹی نہیں جا سکی تھی اماں جان نے منع کر دیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ سخت پہرے میں ہے۔ رات کو اس کی شکیب سے بات ہوئی تھی۔ اس کے پاس اس صورت حال کا واحد حل کورٹ میرج تھا۔

"جب تم میں گھر والوں سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ مجھے بھی یہ روٹھنے منانے کے جھمیلوں سے چڑ ہوتی ہے۔ مڈل کلاس فیملیز کے ٹیپیکل مسائل......" وہ سن ہی کہاں رہی تھی اس کا ذہن تو لفظ "ہمت" میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے ہم کل صبح کورٹ میرج کریں گے بس تمہیں گھر سے کسی طرح نکلنا ہوگا۔ باقی میرا کام ہے۔" شکیب نے چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا۔ کل شام اس کا نکاح تھا' قریبی رشتے داروں کو نکاح میں شرکت کی دعوت دی جا چکی تھی۔ محلے داروں کی شمولیت بھی لازمی تھی مگر ماورا کو کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ اسے صبح کسی بہانے گھر سے باہر جانا تھا پھر کبھی نہ آنے کے لیے۔

❀......☆......❀

"اماں جان......شرمین میری واحد قریبی سہیلی ہے اگر میں نے اسے نہیں بلایا تو وہ ناراض ہو جائے گی۔ جانے دیں ناں مجھے۔" صبح وہ ماں کی منتیں کر رہی تھی۔ شرمین کا گھر باقی سہیلیوں سے قریب تھا وہاں جانے کی اجازت مل سکتی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی شرمین کینیڈا میں ہے۔

"جانے دیں بھابی......بچی ہے اس کے بھی شوق ہوں گے۔ سہیلیاں ہی رونق بڑھاتی ہیں۔ ایسے موقعوں پہ جاؤ بیٹا تم اور ترانہ کو بھی ساتھ لے جانا اور جلدی آنا۔" چچی جان نے اجازت دے دی۔ شرمین کا گھر دو بڑی بڑی سڑکیں پار کرنے کے بعد قریباً پندرہ منٹ کی پیدل مسافت پہ تھا۔

"ترانہ......تم ایسا کرو روبی بھابی کی طرف چکر لگا لو انہیں میں نے ایک ہفتے پہلے اپنا سوٹ سینے کے لیے دیا تھا انہوں نے اب تک واپس نہیں دیا۔" اس نے بہانے سے ترانہ کو بھیج دیا۔ جب تک ترانہ واپس گلی میں نہیں مڑ گئی ماورا اس وقت تک کھڑی دیکھتی رہی اور جب اس کی تسلی ہوگئی کہ ترانہ چلی گئی وہ خود بھی تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کھلی سڑک پہ آ گئی اس نے ایک سڑک پار کی تھی دوسری طرف شکیب کی گاڑی موجود تھی وہ اس میں جا بیٹھی۔

❀......☆......❀

وہ خستہ حال گھر' تنگ و تاریک بوسیدہ گلیاں' اماں جان کے اندیشے' روک ٹوک اور تربیت' ابا جان کا غصہ اور ایک پرانی صندوق میں بند محبت وہ ہر چیز پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

"آخر تمہیں میری محبت پہ یقین آ ہی گیا۔" شکیب اعوان نے جتایا۔

"مجھے ابھی تک اپنی جرأت پہ یقین نہیں آ رہا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا میں ان سب کو چھوڑ کر آ گئی ہوں مگر میرے پاس اس کنوئیں سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں سدرہ باجی' عمرانہ بھابی اور فائزہ نہیں تھی۔ نہ ہی مجھ میں ان سب جیسی برداشت اور صبر......" اس نے خود کو تاویل دی۔

"کہاں جا رہے ہیں ہم؟" اس نے سوچوں سے پیچھا چھڑا کر پوچھا۔

"میرے گھر...... میں نے وہاں ہمارے نکاح کے تمام انتظامات کر دیئے ہیں۔" شکیب نے اطمینان سے بتایا۔

"مگر گھر پہ......" وہ شش و پنج کا شکار وہاں جانے سے گریزاں تھی۔

"تمہیں مجھ پہ اعتبار کرنا پڑے گا ماورا۔" شکیب کڑے لہجے میں بولا۔ ماورا کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"انسان اعتبار اور محبت جیسی چیزوں کے لیے اپنے دل کو مجبور نہیں کرسکتا۔" وہ برہمی سے بولی۔ موبائل پہ ہونے والی وائبریشن نے اسے چونکایا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود موبائل پہ آنے والے میسج کو دیکھا۔

آسماں میری نظر میں کلبہ تاریک ہے
گر نہ دیکھوں تجھ کو اے چشم و چراغ زندگی

حسب سابق ضمائر کا میسج تھا۔ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ گاڑی تیزی سے منزل مقصود کی جانب گامزن تھی۔ پیچھے رہ جانے والے راستے اور مناظر معدوم ہوتے جارہے تھے۔ سامنے کے تمام راستے بے حد واضح اور شفاف تھے۔

✿......☆......✿

"کہاں تھیں تم آخر؟ اماں جان اور تائی جان نے میری دوڑیں لگوادیں۔ ترانہ کو بھی تم ساتھ لے کر نہیں گئیں اور کیا نام ہے تمہاری سہیلی کا ہاں شرمین...... اس کے گھر کا کوئی فرد بھی گھر پہ موجود نہیں ہے۔ غالباً وہ لوگ اپنے کسی عزیز کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔" وہ اسے سڑک کے اس پار ملا تھا۔ وہ شرمین کے گھر سے پلٹ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اپنی بائیک روک لی۔ شکر تھا کہ وہ بہت پہلے ہی رکشے سے اتر گئی تھی۔ طویل راستہ پیدل طے کرنے کی وجہ سے نہیں اعصابی دباؤ کی وجہ سے وہ نڈھال اور پژمردہ نظر آرہی تھی جیسے صدیوں کی مسافت طے کرکے آئی ہو۔

"کیا ہوا کہاں چلی گئی تھیں تم؟" وہ فکرمند تھا۔

"کہیں نہیں، بس بے سمت چلتے چلتے بہت دور نکل گئی تھی۔ واپسی میں دیر ہوگئی۔" اس نے پست آواز میں جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ چلو اب گھر چلیں ورنہ نکاح کے دن بھی ڈانٹ پڑجائے گی تمہیں۔" وہ شریر و شوخ انداز میں مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ہی دھن میں آگے بڑھا مگر وہ ایک قدم بھی نہیں چل سکی۔

"کیا ہوا ماورا؟" وہ متوحش سا مڑا۔

"کچھ نہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھیں لبالب بھر گئیں۔

"ماورا...... تمہیں اعتراض ہے کیا؟ یار میں بہت جلدی کررہا ہوں ناں۔ اچھا اگر تم خوش نہیں ہو تو میں منع کردیتا ہوں۔ ابھی نہیں کرتے شادی۔ جب تم کہو گی دل کی پوری آمادگی کے ساتھ اس وقت۔" بے تحاشہ ٹریفک کے شور میں وہ اس کی آواز باآسانی سن رہی تھی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں...... میں خوش ہوں۔" وہ مستحکم آواز میں بولی۔

"دل کی پوری آمادگی کے ساتھ۔" ضمائر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مزید اگلوانا چاہا۔ اس کی زبان سے کچھ سنا ہی کب تھا اس نے۔ وہ گڑبڑا کر نظر جھکا گئی۔ تیز رفتار گاڑیوں کا شور، راہ گیروں، فٹ پاتھ پہ بیٹھے دو ہٹے کٹے فقیر، بس کا انتظار کرتی خواتین اور سڑک کے دوسری طرف بنے کیبن والے کی موجودگی کو فراموش کیے اپنی آنکھوں میں وارفتگی سمیٹے وہ اس سے کچھ ہی فاصلے پہ کھڑا اسے مشکل میں ڈال گیا۔

"میں آپ کو ہر بات بتانے کی پابند نہیں ہوں۔ اب چلیں سب ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"ہمیں کوئی گھور گھور کر نہیں دیکھ رہا اور اگر دیکھ بھی رہا ہے تو دیکھنے دو۔ شام تک تم میری پابند ہوجاؤ گی، پھر میں تم سے اپنے ہر سوال کا جواب باآسانی اپنے طریقے سے اگلوالوں گا۔" اس کی آواز، اس کے انداز اور اس کی پُرتپش نگاہیں ماورا کی نظریں خود بخود اس کے قدموں سے الجھ گئیں۔ اس کے سامنے اس کی اعتماد کی چادر یونہی سرکنے لگتی تھی۔ اس کی ساری طراری دور سے ہی سلام کرکے رخصت ہوجاتی تھی۔ وہ خاموش تھی۔ ضمائر اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا تو اسے بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔ دل تو برسوں سے اس کا پابند تھا۔

✿......☆......✿

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

اس نے لب کچلتے ہوئے ضمائر کا میسج پڑھا۔ (ہر خواہش پوری نہیں ہوتی اور میری سوچ میں کتنا سطحی پن ہے میں جس شخص کے ساتھ بیٹھی ہوں اس سے میں نے کبھی محبت نہیں کی نہ ہی کرسکتی ہوں، میں سمندر کو مٹھی میں بند کرنے کی خواہش میں اپنا سب کچھ سمندر برد کرنے نکل کھڑی ہوئی ہوں۔ دنیا کو جس قدر بھی حاصل کرلو کم لگتی ہے۔ سمندر کے کھارے پانی سے میری تشنگی کبھی نہیں مٹ سکتی۔ محبت، محبت پہ ہی قانع ہوتی ہے۔ میں ابا جان، اماں جان اور ضمائر شہریار کی محبت کو ٹھکرا کر ان کے اعتماد کو پاش پاش کرکے کبھی خوش نہیں رہ سکوں گی) اس نے اعتراف کرتے ہی شکیب اعوان کو گاڑی روکنے کے لیے کہا تھا۔ گاڑی فوراً ہی رک گئی۔ سامنے بہت بڑا سنہری رنگ کا آہنی دروازہ تھا۔ جس کے پیچھے ایک بالکل نئی دنیا اس کی منتظر تھی۔

”شکیب میں نے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کردی۔ میں آپ کے ساتھ کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتی۔ میں نے اپنی اندھی خواہشات کے پیچھے خاردار راستوں پہ بھاگتے رہنے کا انتخاب خود کیا تھا مگر میں اور آگے نہیں بڑھ سکتی اپنے والدین کے اعتبار و اعتماد کی دھجیاں اڑا کر، ضمائر تو یہی سمجھیں گے میں ایک دھوکے باز اور سطحی ذہنیت کی حامل لڑکی ہوں حالانکہ میں نے ہمیشہ صرف ان سے ہی محبت کی ہے۔“ شکیب حیران رہ گیا۔

”پاگل ہوگئی ہو تم یہاں تک آنے کے بعد واپس جانے کی باتیں کررہی ہو۔ میں تمہیں کبھی بھی ایسا نہیں کرنے دوں گا۔“ وہ بھڑک اٹھا۔ ماورا گھبرا گئی۔

”ضروری تو نہیں میں چند سال بعد پچھتا کر واپس جاؤں جبکہ میں اچھی طرح جان چکی ہوں میں آپ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی اور کبھی ناں کبھی مجھے پلٹنا پڑے گا پھر ابھی کیوں نہیں۔“ وہ بے خوفی سے بولی۔ گیٹ کھل چکا تھا گاڑی اندر داخل ہوگئی۔

”پلیز شکیب..... میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“ اس کا دل کسی پرندے کی مانند اس کے سینے میں پھڑ پھڑا رہا تھا جیسے کسی نے اس کی گردن پہ تیز دھار چھری رکھ دی ہو اور بس شہ رگ کٹنے ہی والی ہو۔

”شکیب..... اماں جان اور ابا جان نے تمام رشتے داروں کو خبر دے دی ہے ہمارے نکاح کی، میں نے پہلے کیوں نہیں سوچا۔ عین نکاح کے دن گھر چھوڑ کر چلے جانے کا مطلب فقط بدنامی ہے۔ میرے ابا جان تو مر جائیں گے یا پھر اماں جان کا گلہ دبا دیں گے۔ وہ سب کو کیا جواب دیں گے؟“ وہ جیسے ابھی ابھی گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی مگر شکیب کو پرواہی نہیں تھی۔ اس کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی۔

”سب ٹھیک ہوجائے گا۔ سب لوگ بھول جائیں گے، تم پریشان نہیں ہو۔“ وہ اطمینان سے گاڑی سے اتر کر دوسری طرف آیا۔ ماورا کے لیے باقاعدہ دروازہ کھولا۔ وہ متردد تھی مگر پھر گاڑی سے باہر آئی۔

”مجھے واپس جانا ہے۔“ وہ کھلے دروازے کی طرف پلٹنے لگی مگر شکیب نے اس کا بازو سختی سے دبوچ لیا۔

”میں شرافت کا مظاہرہ کررہا ہوں اور تم ہو کہ آپے سے باہر ہوئے جارہی ہو۔ تم جیسی لڑکیاں میرے ایک اشارے پہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔ تم سے تو میں پھر بھی نکاح کررہا ہوں۔“ دھڑ دھڑ دھڑ وہ چاروں طرف سے بلند و بالا پہاڑوں کو خود پہ گرتے محسوس کررہی تھی۔ یہی الفاظ اس نے ہوٹل میں ہونے والی ملاقات میں کہے تھے اور آج الفاظ ہی نہیں اس کا لہجہ اور انداز دونوں اس کی سوچ اور کردار کی پستی کے عکاس بن کر ماورا کو حقیقت کا آئینہ دکھا گئے۔ وہ پہلے دن سے اسے باہر ملنے کے لیے آمادہ کررہا تھا۔ شرمین اس کی کوئی ایسی قریبی سہیلی بھی نہیں تھی مگر اس کا رہن سہن، شرمین آزاد ماحول کی پروردہ تھی وہ جانتی تھی پھر وہ کیوں کر اس کی امارت اور چمک دمک کے دام میں گرفتار ہوگئی۔ اس نے بے یقینی سے شکیب اعوان کی بظاہر اجلی نکھری شخصیت کو دیکھا۔

”چلو شاباش ضد نہیں کرو۔ یہاں تک آگئی ہو تو اب بات مان لو مجھے اور انتظار نہیں کراؤ۔“ وہ کسی برزخ میں راہ

بھول کر آ گئی تھی۔ پتا نہیں اندر کوئی اور تھا بھی یا نہیں۔ پتا نہیں اس کا ارادہ نکاح کرنے کا تھا بھی یا نہیں۔ ماورا کا دل حلق میں آ گیا۔ سوچیں تھیں یا طوفان...... اندیشے وسوسے اس کی ذات کو تنکے سے بھی ہلکا کر گئے تھے۔

"میری جان...... میں تمہیں سب کچھ دوں گا۔ محبت' دولت اور وہ سب جس کی تمہیں خواہش ہے۔" وہ اپنی جگہ جم کر کھڑی تھی۔ شکیب اعوان اسے اندر کی طرف لے جانا چاہتا تھا اور جب وہ خود سے آنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئی اس نے اسے بے رحمی سے اندر کی طرف گھسیٹا۔ اس میں پتا نہیں کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی وہ پورا زور لگا کر اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے ہوئے بیرونی دروازے کی سمت بھاگی۔ چوکیدار نے دروازہ اب تک پوری طرح بند نہیں کیا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ دونوں کی جانب تھی۔

"دروازہ بند کرو۔ پکڑو اسے۔" شکیب چیخا مگر چوکیدار نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی۔ وہ اس وقت تک بھاگتی رہی جب تک کھلی سڑک پہ نہیں آ گئی۔ پھولی سانسوں کے ساتھ اس نے ایک رکشے کو روکا اور بجلی کی سی تیزی سے اندر بیٹھ گئی۔ اس نے بھاگتے ہوئے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا شکیب اس کے پیچھے آیا تھا مگر زیادہ دور اس کے پیچھے نہیں بھاگا تھا۔ اس نے رکشے میں بیٹھنے کے بعد بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ پورے راستے روتی رہی' اگر وہ واپسی کا فیصلہ نہیں کرتی تو اس پہ کس وقت شکیب اعوان کی اصلیت آشکار ہوتی' سوچ کر ہی اس کی روح کانپ اٹھی۔ شاید اپنا سب کچھ گنوا دینے کے بعد وہ اپنے والدین کی عزت کو روندنے چلی تھی۔

واپسی کے سفر میں اس کی روح تک لہولہان تھی۔ اگر وہ بچ کر واپس آ گئی تھی تو اس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں تھا۔ یقیناً اللہ نے ہی اس کی مدد کی تھی۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر اس نے زندگی کا بدترین چہرہ بھی دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھتی تھی کہ اس کے پاس اس کے والدین کے پاس سوائے غربت کے کچھ نہیں حالانکہ اس کی قیمتی متاع اس کے والدین کا اعتبار واعتماد' عزت وناموس اور ضمائر شہریار کی محبت تھی' جسے اس نے خود صندوق میں مقفل کیا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا وہ زندگی بھر اپنی ہر قیمتی متاع کو سنبھال کر رکھے گی۔

......☆......

گھر میں خوب گہما گہمی اور رونق تھی۔ اس کی دونوں شادی شدہ بہنیں آ چکی تھیں۔ ان کے بچے گھر میں خوب شور مچا رہے تھے۔ بہنوئی گردن اکڑائے بیٹھے تھے۔ اماں جان کے عتاب سے اسے ضمائر نے بچا لیا تھا وہ بلاوجہ ہی اماں جان سے لپٹ گئی۔

"اماں جان...... مجھے معاف کردیں۔ بہت تنگ کرتی ہوں ناں میں آپ کو۔" وہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔ اماں جان بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

"باقی دو بچیوں کو بھی رخصت کیا ہے' ابھی دو کو اور کرنا ہے مگر مجھے کیا پتا تھا جو میری جان سے جونک کی طرح چمٹی ہے اسے اتنی دور بھیجنا پڑے گا۔ سات سمندر پار۔" اماں جان کی بات پہ اس نے دھیان ہی نہیں دیا۔

"تائی جان...... لندن کوئی ایسا بھی سات سمندر پار نہیں...... آپ جب کہیں گی میں اسے آپ سے ملانے لے آؤں گا۔" وہ ہنس دیا۔ ماورا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے ترقی مل گئی ہے' اس کی کمپنی اسے باہر بھیج رہی ہے دو مہینے کا وقت ہے اس کے پاس نکاح کے بعد تمہارے کاغذات بھی بن جائیں گے تو تم بھی اس کے ساتھ جاسکو گی۔" سدرہ باجی نے اطلاع دی۔ وہ لب بستہ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ گہری مسکراہٹ کے ہمراہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کا سر جھک گیا۔

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

سب مہمان جا چکے تھے اور گھر کے افراد دن بھر کی مصروفیت کے بعد تھک کر سو گئے تھے۔ مگر ان دونوں کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ضمائر چھت کی چھوٹی سی باؤنڈری وال کے ساتھ پشت ٹکا کر سینے

پہ دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔
''تم خوش ہو۔'' ضمائر کے استفسار پہ اس نے زچ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
''آپ بار بار ایک ہی سوال کیوں کرتے رہتے ہیں۔ اب تو ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ اس سوال کا مطلب......'' اس نے برہمی سے کہا۔
''اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تمہاری خوشی کی فکر ہے۔'' وہ فوراً بولا۔
''یہ بات بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پتا ہے مجھے۔'' وہ اٹھلا کر بولی۔ ضمائر ہنس دیا۔
''میں ڈر گیا تھا تمہاری خاموشی سے' پتا نہیں کیوں وہم ہونے لگا تھا کہ تم خوش نہیں ہو۔'' وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔
''میں کیوں خوش نہیں ہوں گی۔ آپ میرے دل کی اولین خوشی اور خواہش تھے۔ آپ بھی مجھے چاہنے لگیں گے ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں آپ کی محبت اور توجہ کے لائق تھی ہی نہیں۔'' اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ وہ مسکرا دیا۔
''تم کس لائق ہو یہ مجھ سے پوچھو۔'' اس نے پوروں پہ اس کی آنکھوں کی نمی سمیٹ لی۔
''یہ لندن جانے کا کیا معاملہ ہے؟'' وہ اس کی پُرتپش نگاہوں سے پگھلنے لگی تھی۔ گھبرا کر اس کا دھیان خود پہ سے ہٹانا چاہا۔
''میں جس سوفٹ ویئر کمپنی میں دو سال سے کام کر رہا ہوں اس کی مین برانچ لندن میں ہے۔ کمپنی کے پانچ بندوں کو وہاں اچھی کارکردگی کی وجہ سے بھیجا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں وہاں ترقی کے اور آگے تعلیم حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہیں۔ رہائش کا بندوبست بھی کمپنی کی طرف سے ہے۔ فیملی کو ساتھ لے جانے کی سہولت اور اجازت بھی۔ سارا خرچا کمپنی برداشت کرے گی۔ لہٰذا میں نے وقت ضائع کیے بغیر فوراً نکاح کی ضد کی تاکہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکوں۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔
''پہلے کیوں نہیں بتایا تھا آپ نے؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''یار...... تم قابو ہی کب آتی تھیں۔ تمہارا گریز' کترانا' گھبرانا اور شرمانا' اتنی اجازت ہی کب دیتا تھا بلکہ تم نے کبھی بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ دراصل یاور اسی شرم وحیا نے مجھے تمہاری انمول محبت کا اسیر بنایا۔ مجھے تو کبھی تمہاری کسی ادا سے معمولی سا شائبہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ تم مجھے چاہتی ہو اور مجھے تمہاری اس شرم' معصومیت اور محبت پہ فخر ہے اور تمہاری محبت کا علم اس ڈائری کو پڑھ کر ہوا تھا۔ میں خود تم سے اس مضبوط رشتے میں جڑ جانے کے بعد براہ راست اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا مجھے طویل انتظار کرنا پڑا۔ البتہ تمہیں تنگ کرنے کے لیے میں نے پچھلے دنوں تمہارے موبائل پہ میسجز بہت کیے ہیں' مگر یار اتنا تو میرا حق تھا ناں یا نہیں۔ آخر اس محبت میں تمہاری ڈائریوں کے علاوہ میری طرف سے بھی تو کچھ یادگار بلکہ رومینٹک ہونا چاہیے تھا۔''
(میری حماقت مجھے ذلت کے گڑھے میں دھکیلنے والی تھی ہمیشہ کے لیے۔ تیرہ بختی کو میرا نصیب بنانے والی تھی آپ کے اس میسج نے ہی مجھے یاد دلایا تھا کہ اگر میری زندگی میں آپ نہیں ہوں گے تو میرے لیے بھی یہ دنیا تاریک اور بے کشش ہو جائے گی)
''ضمائر میں پانی کا ایک سادہ قطرہ ہوں فقط۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔ ایک احساس جرم اور احساس ندامت اسے ضمائر کے سامنے آنکھ اٹھانے نہیں دے رہا تھا۔
''فقط ایک سادہ قطرہ نہیں گوہر نایاب ہو تم۔ کچھ اسی طرح تم نے اپنی محبت سنبھال کر رکھی تھی جیسے سیپ میں بند موتی مگر اب نہیں وہ کیا کہا ہے شاعر نے کہ۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو' مجھے پاگل کر دو

”ماورا...... میں تمہیں بتاؤں کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں۔“ اس کی آواز ماورا کا دل دھڑکا گئی۔ اس نے محجوب ہوکر پہلے نفی میں سر ہلایا پھر آہستگی سے ضمائر کا ہاتھ اپنے نازک ہاتھوں میں تھام لیا۔

”ضمائر...... ہمیشہ مجھ سے اتنی ہی محبت کیجیے گا۔“ اس نے نظر اٹھائے بغیر کہا۔

”جی نہیں مسز ضمائر...... ہر گزرتے دن کے ساتھ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے اس محبت سے زیادہ محبت کرنی ہوگی میں اتنی ہی محبت پہ ہرگز اکتفا نہیں کروں گا۔“ وہ شرارت سے بائیں آنکھ کو دبا کر بولا تو وہ مسکرا دی۔

☆

ان لوگوں کو لندن آئے ہوئے تین سال ہوگئے تھے۔ سب کچھ پہلے سے زیادہ بہتر اور خوب صورت ہوگیا تھا۔ ماورا کہتی تھی۔

”مجھے میری خواہشات سے زیادہ ملا ہے۔ اتنی محبت‘ اتنی خوشیاں کہ کبھی کبھی دامن تنگ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگتا۔“ مگر ضمائر جواباً ہمیشہ مسکرا کر کہتا۔

”میری جان...... میں اتنی پہ اکتفا نہیں کرسکتا۔ مجھے بہت ساری محبت اور خوشیوں سے اپنی اور تمہاری زندگی کو یادگار اور خوشگوار بنانا ہے۔“ وہ شرم سے سرخ پڑجاتی۔ ضمائر کی محبت‘ اس کی وارفتگی اور اس کا ساتھ ماورا کے لیے کسی خوب صورت خواب سے بھی زیادہ خوب صورت حقیقت تھا۔ لندن آنے کے بعد ان کی زندگی بدل گئی تھی۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد ان کی زندگی میں ایک بے حد پیاری اور معصوم سی پری آگئی تھی۔ جس کا نام ضمائر نے چاہت رکھا تھا۔ وہ محنت کررہا تھا۔ وہ دونوں اپنی بیٹی کے ہمراہ تین ماہ قبل پاکستان ہوکر آئے تھے۔ نہ ہی وہ گھر تھا نہ ہی وہ محلہ‘ مناسب رہائش‘ اچھا محلہ‘ گھر میں کئی سہولتوں کا اضافہ ہوچکا تھا‘ پُرسکون ماحول تھا‘ حاذق بھائی نے بھی کام کرنا شروع کردیا تھا۔ ضمائر انہیں بہت سمجھاتا تھا اور ان کا ساتھ بھی دے رہا تھا۔ ضمائر بیڈ پہ پاؤں پھیلائے گود میں لیپ ٹاپ رکھے بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا اس کے نزدیک اس کی بیٹی سو رہی تھی۔ چاہت کو وہ خود سے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں کرتا تھا۔ آفس میں جو وقت گزرتا اس میں بھی وہ بار بار فون کرکے اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ ماورا سنگل صوفے پہ براجمان تھی۔ اس کی گود میں سیاہ کور والی ڈائری رکھی تھی۔ اس نے نکاح کے اگلے دن ہی اپنی ساری ڈائریاں نکال لی تھیں اور دوبارہ ڈائری لکھنی شروع کردی تھی۔ وہ ضمائر کو یک ٹک تک رہی تھی۔ ضمائر نے نظر اٹھا کر دیکھا مگر اس نے پلک تک نہیں جھپکی۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا‘ جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ماورا کے نزدیک رکھا موبائل وائبریٹ ہوا۔ اس نے چونک کر موبائل اٹھایا۔ ضمائر کا میسج پڑھ کر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ اس کی انگلیاں خود بخود موبائل کی شفاف چکنی سطح پر نظر آتے لفظوں کو چھونے لگیں۔

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
تیرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

اس نے میسج ٹائپ کرنے کے بعد ضمائر کے نمبر پہ بھیج دیا اور خود اپنی ڈائری کی طرف متوجہ ہوگئی۔

عشق کرنا ہے تو دن رات اسے سوچنا ہے
اور کچھ ذہن میں آیا تو خسارہ ہوگا

اس نے ڈائری کے سادہ صفحے پہ شعر لکھا اور پین کا آخری سرا دانتوں میں دبا کر مسکرا دی۔

# تختہ

فرحین اظفر

> ہم کو کس کے غم نے مارا' یہ کہانی پھر سہی
> کس نے توڑا دل ہمارا' یہ کہانی پھر سہی
> دل کے لٹنے کا سبب پوچھو نہ سب کے سامنے
> نام آئے گا تمہارا' یہ کہانی پھر سہی

بے بو صرف نام کی بے بو تھیں ورنہ ان کے کام سارے ان کے اپنے اصلی نام کے عین مطابق تھے۔ ان کا اصل نام افسر سلطانہ تھا۔ زندگی بھر افسروں کی طرح گھر والوں پہ حکم چلایا تھا۔ شادی سے پہلے یہ حال تھا کہ ان کی اماں بھی ان کے غصے اور گز بھر لمبی زبان سے پناہ مانگتی تھیں۔ جاہ وجلال بھی سلطانوں والا پایا تھا۔

جانے یہ تربیت کی کمی تھی یا پہلوٹی کی اولاد کو قدرتی طور پہ ملنے والی اہمیت مگر یہ ہوا کہ ان کی تربیت جس ڈھنگ سے ہونی چاہئے تھی وہ تو رہی ایک طرف' الٹا ان کی مان مان کے سب نے سر پہ چڑھا لیا تھا۔ جوانی کی سرحد پہ قدم رکھتے ہوئے یہ حال ہوا کہ ان کا قد زمین سے چند فٹ ہی بڑھا مگر دماغ ساتویں آسمان پہ پہنچ گیا اور وہ اپنی ہٹ دھرم طبیعت کی وجہ سے سب سے اہم مسئلے میں ابا سے ضد لگا کے بیٹھ گئیں۔ ابا نے زندگی بھر ان کی سنی تھی، اب بھی سنتے اگر ان کا لب ولہجہ اس قدر گستاخ نہ ہوتا تو۔

"میں بتا رہی ہوں ابا' میں اس پرچون کی دکان والے اجڈ گنوار شوکت سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔" دھاڑ سے دروازہ کھول کے ابا اور اماں کی پرائیوٹ گفتگو میں جس بھونڈے انداز میں انہوں نے رخنہ ڈالا تھا۔ اسی سے ابا کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ایک دم سے پھٹنے کے بجائے انھوں نے تب بھی جوان بیٹی کی خودسری کے آگے اپنے آپ کو کنٹرول کیا۔

"افسر میں آپ سے بھی بات کروں گا مگر ابھی آپ جائیں۔" ابا عام طور پر یہ آپ جناب والی گفتگو نہیں کرتے تھے مگر جب کرتے تھے تو اس کا یہی مطلب ہوتا تھا کہ اپنے آپے میں رہو۔ البتہ اماں کے لیے اس کا انداز ہضم کرنا مشکل تھا۔

"یہ تم کس انداز میں بات کر رہی ہو۔ تمیز نہیں ہے تمہیں۔"

"مجھے بدتمیزی پہ بھی آپ نے ہی مجبور کیا ہے۔" وہ اور تنک گئی۔ "اور میں بتائے دیتی ہوں۔ میں اس سے بھی زیادہ بدتمیزی کروں گی اگر......" ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ ابا کے ہاتھ سے پڑنے والا تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ ہونٹ پھٹ گیا تھا۔

اس دن صحیح معنوں میں انہوں نے ابا کے غضب کو آواز دے ڈالی تھی۔ اگر اماں بیچ میں نہ آتیں تو ابا اسی روز ان کا قصہ تمام کر دیتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ڈولی اٹھ گئی اور بے بو کے دل میں ہمیشہ کے لیے بغاوت کا بیج اگ گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

"کس قدر بے ذائقہ اور بکواس سالن ہے۔" آج پھر ان کا موڈ خراب تھا۔ انا نے چپ چاپ سر جھکائے کھانا کھاتی ماں کو دیکھا۔ اسے بری طرح تاؤ آیا۔ بے بو اب مزید نقائص نکال رہی تھیں۔

"اگر آپ کو اچھا نہیں لگ رہا تو رات والی سبزی کھالیں نا۔" بالآخر جب اس سے برداشت نہیں ہوا تو بول اٹھی۔ بے بو کے آگے کچھ بھی بولنا اپنی شامت بلوانے کے مترادف تھا۔

"اے لڑکی...... میں نے تجھ سے بات کی ہے؟ چپ کرکے کھائے جا۔ تجھے کیوں برا لگنے لگا تیری ماں نے جو پکایا ہے۔ جو بھی الٹا سیدھا گھول کے رکھ دے تجھے تو من و سلویٰ ہی لگتا ہے۔" اب ان کی توپوں کا رخ انا کی طرف ہوگیا۔ تھی تو وہ بھی ان ہی کی بھتیجی اور بھی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ماں کا لحاظ کرکے چپ رہ گئی۔ جو کھاپی کے صبر شکر سے دسترخوان سے اٹھ رہی تھی۔

"امی...... آخر آپ بے بو کو کچھ کہتی کیوں نہیں۔ جب دیکھو آپ کا دل دکھاتی رہتی ہیں۔" اسے ماں کی خاموشی سے چڑ تھی۔

"ارے بیٹا زمانہ گزر گیا۔ بری بھلی سنتے۔ اب کیا اس عمر میں منہ ماری کرتی اچھی لگوں گی۔" امی کی ٹھنڈی آواز نے اسے اور بھڑکا دیا۔

"تو کس نے کہا تھا چپ رہنے کو۔ جب عمر تھی تب کرلیتیں۔" عقیلہ کے پاس بیٹی کی بات کا کوئی جواب نہ تھا سوائے ایک سرد آہ کے۔

انا کو بھلا کیا معلوم انھیں کس نے کہا تھا چپ رہنے کے لیے۔

☆☆☆......☆☆☆

افسر بیاہ کے سسرال چلی تو گئی لیکن اس کی بدزبانی نے اسے چین نہ لینے دیا۔ سسرال میں آکر جو ساس نندوں سے پالا پڑا تو بجائے مزاج سدھرنے کے اور دو آتشہ ہوگیا۔ ہفتے میں چار دن میکے میں پائی جاتی۔ ہر دوسرے ہفتے میاں سے جھگڑ کے آجاتی اس ارادے کے ساتھ کہ اب کبھی سسرال کی شکل نہ دیکھوں گی۔ قسمت سے شوہر شریف آدمی تھا۔ ہر بار منا کے لے جاتا۔ وہ واپس جاتے ہوئے اور چوڑی ہوجاتی۔ روز روز کے تماشوں نے سب کو عاجز کردیا تھا۔

ابا اماں سمجھاتے تو ان کے منہ کو آتی کہ آپ لوگوں نے زبردستی میری شادی کروائی اور اس طرح کہتے ہوئے اس کا انداز ایسا ہوتا جیسے ماں باپ سے نہیں دشمنوں سے مخاطب ہے۔ سسرال والوں کے ذکر پہ منہ کے زاویے بگڑ جاتے اور ان کے لیے ایسے الفاظ اور اتنی گندی زبان استعمال کرتی کہ سننے والے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

ایسے ہی ایک دن جب وہ اپنے شوہر کی ماں، بہن کو لعن طعن کررہی تھی، نہ جانے کیسے شوکت میاں ان کو لینے پہنچے اور سب سن لیا۔

"سلطانہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اپنے گھر سے باہر بھی ہم لوگوں کو اتنا بے عزت کرسکتی ہو۔" ان کے انداز میں دکھ تو تھا مگر ساتھ ہی ایک فیصلہ کن احساس بھی تھا' اماں کا ماتھا ٹھنکا وہ بے اختیار ہی داماد کی جی حضوری کے لیے آگے بڑھیں۔

"ارے شوکت میاں اس کی باتوں پہ نہ جائیں۔ دل کی بری نہیں بس غصے میں الٹا سیدھا بول دیتی ہے۔" اماں کو خود بھی پتہ تھا وہ کتنی بے کار بات کررہی ہیں۔ لنگڑا جواز گھڑ رہی ہیں۔

"یہی تو میں سمجھتا تھا کہ سلطانہ دل کی بری نہیں۔ جبھی سب کی شکایتوں کے باوجود ہر بار اپنا دل بڑا کرکے اس کی ہٹ دھرمیوں اور بدتمیزیوں کو برداشت کرتا رہا لیکن اب اور نہیں۔ اب پتہ چلا کہ یہ صرف زبان کی نہیں دل کی بھی اتنی ہی بری ہے۔" شوکت نے بے بو کو دیکھا اور کہا۔

"ٹھیک ہے اگر اسے ہم لوگ اتنے ہی برے لگتے ہیں تو یہ یہیں رہے۔ مجھ میں اور میرے گھر والوں میں مزید بے عزتی برداشت کرنے کی سکت نہیں۔" اس وقت تک ننھا معاذ بے بو کی گود میں آچکا تھا لیکن شوکت کو پھر

کوئی چیز ان کے ارادے سے ہٹا نہ سکی۔ چند ہی دن بعد اسے شوہر کی طرف سے طلاق نامہ موصول ہوگیا۔

بے بو نے جان چھوٹنے پہ شکر ادا کیا۔ اس کے بعد بھی ماں باپ کو اپنی بدنصیبی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اماں اور ابا کے لیے یہ بات شدید دکھ اور صدمے کا باعث بنی کہ ان کی اکلوتی بیٹی تمام تر کوششوں کے باوجود بس نہ سکی۔ ان کے دل کو جو روگ لگا تو یکے بعد دیگرے جان لے کے ہی ٹلا۔ والدین کے چلے جانے سے بے بو کو جو وقتی بے سہارگی کا احساس ہوا تھا بہت جلد اپنی حکومت کی خوشی میں زائل ہوگیا۔ ایک بھائی اور بیٹے کے ساتھ اب وہ ہر قسم کی من مانی کے لیے آزاد تھی، سو خوب رج کے حکومت کی...... گھر اور گھر کے دونوں مردوں پہ اپنا راج عرصے تک بنائے رکھا۔ بھائی تھا تو عمر میں اس سے چھوٹا پر وقت اور حالات نے بڑا کردیا تھا۔

بے بو کی ناکام زندگی، ہٹ دھرمی اور من مانی والی عادتوں نے اس کے دل میں اس خیال کو پختہ کردیا کہ عورت کو بالکل بے زبان ہونا چاہیے۔ ورنہ مرد کی زندگی جہنم بن سکتی ہے۔ جبھی شادی کے پہلے روز بلکہ پہلی رات ہی بیوی کو جتادیا تھا۔

"مجھے خاموش اور فرماں بردار لڑکیاں پسند ہیں۔"

عقیلہ نے ان کی بات کو اس طرح گرہ سے باندھا کہ سب کے دلوں میں جگہ بناتی چلی گئیں بشمول اپنے میاں جی کے مگر نہ بنا سکیں تو ایک افسر سلطانہ عرف بے بو کے دل میں...... گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کا ملال بھی کم ہوگیا۔ انہوں نے اپنے گھر، شوہر اور بچوں میں پناہ ڈھونڈلی۔ اللہ نے ان کو ایک بیٹی انا اور بیٹے فراز کی نعمت سے نوازا تھا۔ شوہر ان کی عزت کرتے تھے اور اولاد تو تھی ہی اپنی نہ صرف اپنی بلکہ پرائی اولاد بھی مڑ مڑ کے ان ہی کے نزدیک آتی تھی اور یہ پرائی اولاد تھی معاذ۔

☆☆☆......☆☆☆

اور ایک تھا معاذ سلطان۔ بے بو کا اکلوتا بیٹا جسے جانے کس دل سے شوکت اپنی سابقہ بیگم کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ شاید ان کے دل میں کہیں نہ کہیں بے بو کے ساتھ

ہوجانے والی زیادتی کا احساس تھا۔ حالانکہ بے بو کی جوتی کو بھی اس احساس کی پروا نہیں تھی۔ یہ ان کی خوش نصیبی ہی تھی کہ ان کو اپنے آس پاس سب احساس کرنے والے مل گئے تھے۔ اس لیے ان کا اپنا دل کبھی اس دولت کو نہ پاسکا تھا۔

معاذ سلطان۔ جس کا نام انہوں نے بہت چاؤ سے لیکن حسب عادت تمام گھر والوں سے فساد کر کے اپنی مرضی کا اور اپنے نام پہ رکھا تھا، ان کی زبان کی کڑواہٹ سے بچ تو نہیں پاتا تھا مگر اکلوتا لخت جگر ہونے کی وجہ سے کسی حد تک رعایت پا جاتا تھا۔ جانتا وہ بھی خوب تھا اپنی ماں کی عادتوں کو..... اس لیے اپنے لاڈ پیار اور ساری ضرورتیں ماما سے پوری کراتا رہا..... جب تک بچہ تھا بے بو نے اپنے طور پہ اسے ان سے دور رکھنا چاہا لیکن کب تک، بڑھتے ہوئے قد کے ساتھ ساتھ عقل بڑھی تو ایک افسوس نے دامن تھام لیا کہ ماں بہت سی جگہوں پہ غلط نظر آئی۔ سیدھی سادھی زندگی میں یہی پانچ لوگ اس کی کل کائنات تھے اور اس سیدھی سادی زندگی میں جب پہلا خم آیا تو.....

”اف.....“ اس نے دل تھام لیا۔

کیا ضروری تھا یہ واردات یہیں وقوع پزیر ہوتی۔ کوئی جائے پناہ نہیں کوئی راہ فرار نہیں، وہ خود کو بھی جانتا تھا اپنی ماں کو بھی اور خود سے جڑے ان رشتوں کی نزاکتوں کو بھی۔ نہیں جانتی تھی تو بس وہ جو، بالکل اچانک چپکے سے اس کی مسند دل پر اس طرح براجمان ہوئی کہ اس کی مزاحمتیں پہلے ہی وار پہ دم توڑ گئیں اور وہ اس سب سے انجان اس کے دل کی بستی کے سب راستوں، سب گھاٹیوں، ٹیلوں، پگڈنڈیوں میں پھیلتی چلی گئی۔ وہ..... یعنی انا وقار عقیلہ اور وقار کی اکلوتی بیٹی۔

☆☆☆.......☆☆☆

بے بو اور انا میں اکثر ہی ٹھنی رہتی تھی۔ جانے کیا بات تھی کہ بچپن سے ماں کی زبان بندی کی عادت نے اسے خاموش رہنے کے بجائے بولنا سکھا دیا تھا یا پھر یہ بدلتے ہوئے وقت، تعلیم کے شعور اور نئے زمانے کے تقاضے تھے۔ ہر چند کہ اس نے کبھی ان سے بدتمیزی کی تھی نہ کوئی غلط بات کرنے میں پہل کی تھی لیکن اکثر ہی یہ ہوتا تھا کہ بے بو کی زبان کے آگے بات سلجھنے یا ختم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اس لیے بات بڑھتی چلی جاتی۔ بے بو چیختی چلاتیں تو عقیلہ ہی انا کو چپ کرا دیتیں۔

لاکھ دفعہ بیٹی کو سمجھایا مگر اس کا موقف تھا کہ ان کی اسی خاموشی نے بے بو کو اتنا شیر کر دیا ہے۔ اگر اول روز سے ہی صحیح غلط کی تمیز دی ہوتی تو آج نوبت یہاں تک نہ آتی۔

عقیلہ اس بات پر آ کر ہمیشہ خاموشی اختیار کر لیتیں۔ کبھی کبھی انہیں لگتا کہ ان کو صرف خاموشی پہ ہی اختیار ہے نہ قسمت پہ کبھی تھا اور نہ اب اولاد پہ..... انا کو ان کی سوچ اور رویہ بہت تکلیف دیتا تھا مگر وہ خود کو اس معاملے میں بے بس پاتی تھی۔

انا کی یہی خوبی اس کی خامی بن کے اس کی شخصیت پر چھا رہی تھی۔ معاذ جب بھی اسے بے بو کے ساتھ تلخ کلامی کرتے دیکھتا، اسے خود پہ خوامخواہ میں ہی ترس آنے لگتا۔

”یا اللہ..... پوری دنیا میں ایک یہی تھی دل لگانے کے لیے۔“

مگر دل لگایا کب جاتا ہے یہ تو بس لگ جاتا ہے خود بخود..... اس کا بھی لگ گیا تھا اور جب سے لگا تو اب کچھ سوچنے سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ وہ جانتا تھا یہ محبت اس کے بس کی بات نہ تھی۔ گھر میں سب اس رشتے کے خلاف ہی جائیں گے اور سب اس کے ساتھ ہوتے تب بھی ایک بے بو کی مخالفت ہی سب پہ بھاری ہوتی اور باقی لوگ اس مخالفت کے شر سے بچنے کے لیے پہلے ہی پیچھے ہٹ جاتے۔ فی الحال اس کو ٹھنڈی سانسیں بھرنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

☆☆☆.......

صبح سے گھر میں رونق اور چہل پہل سی تھی۔ وہ دیر سے سو کر اٹھا تو پتہ چلا کہ روزمرہ معمول کے سارے ہی کام وقت سے پہلے نمٹائے جا چکے تھے۔ روز سے زیادہ صفائیاں ہو رہی تھیں۔

”کیا ہوا ماما کوئی آ رہا ہے کیا آج؟“ اس نے ناشتے

کی ٹرے لاتی مامی سے پوچھا۔
"ہاں کچھ خاص مہمان آرہے ہیں۔" ان کے چہرے پہ بڑی اجلی سی مسکراہٹ تھی۔
"انا کے رشتے کے لیے۔" ان کی مسکراہٹ تو جوں کی توں تھی مگر معاذ کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ وقت آن پہنچا تھا جس کا اسے خطرہ تھا فوری طور پہ سمجھ نہ آیا کہ کیا ردعمل دے۔
"مگر مامی ابھی تو......" وہ کہنا چاہتا تھا کہ ابھی تو وہ مجھے اچھی لگنا شروع ہوئی اور ابھی مگر عقیلہ اس کی بات کچھ اور سمجھیں۔
"ہاں ابھی تو پڑھ رہی ہے مگر ابھی سے کوشش کریں گے تو ہی بات بنے گی۔" آخر میں ان کا لہجہ دھیما ہوگیا جانے کیوں۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے چپ ہوگئیں۔ معاذ بھی خاموش تھا اس نے ان کا یوں چپ ہوجانا محسوس نہیں کیا۔ وہ اپنی ہی ادھیڑ بن میں تھا جب مامی کی آواز نے اسے چونکایا۔
"لڑکیوں کو گھر میں ہی رشتے مل جائیں تو یہ سب چکر کیوں کرنے پڑیں۔" وہ یک دم چونکا مگر عقیلہ باہر جاچکی تھیں۔ وہ دیر تک یونہی بیٹھا ان کی بات کے معنوں میں غوطے کھاتا رہا۔

☆☆☆......☆☆☆

لوگ آئے اور پہلی ہی نظر میں اس کو پسند کر گئے۔ اچھی بات تھی لیکن بے بو کسی بات کو شروع سے آخر تک اچھا کب رہنے دیتی تھیں۔ انھیں اسی کا بہت گلہ تھا کہ سب کام چھپ چھپاتے کیے گئے۔ وقار انھیں سمجھا سمجھا کے تھک گئے کہ ابھی کوئی کام ہوا ہی کب تھا مگر ان کی ایک ہی رٹ تھی کہ انھیں پوچھا نہیں گیا۔
"امی بے بو تو سچ مچ میں فیس بک کی پھوپی بن گئیں ہیں۔" سب باتوں سے قطع نظر انا اپنی بات کہہ کے ہنسنے لگی...... اسی وقت دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ عقیلہ اور انا نے ایک ساتھ مڑ کے دیکھا تو معاذ خاموشی سے واپس پلٹ رہا تھا۔
"ہزار بار کہا ہے کہ سوچ سمجھ کے بولا کرو۔" عقیلہ کو لگا معاذ نے اس کی بات سن لی ہے۔
"لو میں نے کون سا غلط کہہ دیا۔" شرمندگی اسے بھی ہوئی لیکن زیادہ نہیں۔
"بات صحیح غلط کی نہیں...... وہ اس کی ماں ہے اور ماں باپ سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔" عقیلہ نے نصیحت کا موقع جانے نہ دیا۔
"کوئی نہیں میری امی تو سب سے پیاری ہیں۔" انا نے ان کا موڈ دیکھ کے جھٹ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ عقیلہ اس کی چالاکی پہ مسکرا اٹھیں۔
"اچھا زیادہ مکھن مت لگاؤ اور ہو سکے تو معاذ سے معذرت کرلینا۔" اس نے جلدی سے تابعداری میں سر ہلایا۔

☆☆☆......☆☆☆

اس نے انا کی بات نہیں سنی تھی مگر اسے ہنستے دیکھ کر دل میں کسی نے چٹکی سی کاٹی تھی۔ اس سے بات کرنے کے سب ارادے پست پڑنے لگے تھے۔ وہ کون سا اس کی بچپن کی محبت تھی جو آنکھوں سے دل کا حال جان لیتی...... لیکن ایک باؤلا دل کہتا تھا ایک بار مجھے ضرور کھول کے اس کے سامنے رکھ دو، قسمت میں ہوا تو وہی سمیٹے گی ورنہ دل کے ساتھ اپنے جذبوں کو بھی راکھ بنا کے یادداشت کے کسی کونے میں دفن کردینا۔ دل کی منہ زوری آج اور ابھی منکشف ہوئی تھی، گویا اس کے بنا زندگی کا تصور بے روح جسم کی طرح ہوگا؟ وہ سوال کا جواب دینے سے پہلے جی بھر کے حیران بھی نہ ہوسکا تھا کہ سیڑھیوں پہ کسی کے قدموں کی چاپ ابھری اور انا کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس نے نزدیک آکے خاموشی سے ہاتھ میں تھامی ٹرے رکھی تو معاذ نے دیکھا کہ اس میں چائے کے دو کپ رکھے ہوئے تھے۔
"کن سوچوں میں گم ہو۔" وہ بے تکلفی سے برابر میں بیٹھ گئی عمر میں فرق کے باوجود اس نے بھائی وائی جیسے لاحقوں کا تکلف کبھی نہیں کیا تھا۔
"کچھ نہیں، سوچ رہا تھا یہ تمہاری شادی کا چکر کچھ جلدی ہی نہیں چل گیا۔ ابھی تو تم پڑھ رہی ہو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی دل کی بات لبوں تک آنے کے لیے مچلنے لگی۔

اس سے الفاظ سنبھالنا مشکل ہونے لگے۔
"ہمم۔" وہ جواب دینے کے بجائے اندازہ کرنے لگی کہ معاذ نے اس کی بات سنی تھی یا نہیں...... وہ اور ہی سوچوں میں تھا۔
"تم خوش ہو اس سب سے۔" اس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"پتہ نہیں۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"کیا مطلب......!"
"مطلب ناخوشی کا کوئی سوال بھی تو نہیں۔"
"اور اگر سوال پیدا ہو جائے تو۔" اس نے احتیاط سے چن کر لفظ اٹھائے۔
"کیا مطلب؟" اب کے مطلب پوچھنے کی باری اس کی تھی۔
"فرض کرو انا کہ آج اگر تم کسی کو پسند کر رہی ہوتی تو کیا اتنی ہی خوش ہوتیں۔"
"یہ آج کیسی باتیں کرنے لگے ہو تم؟"
"کیوں اس میں عجیب کیا ہے؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا انا کو لگا جواب دیئے بنا کوئی چارہ نہیں۔
"تب شاید مجھے اچھا نہ لگتا مگر...... تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو۔"
"کیوں کہ مجھے بھی اچھا نہیں لگ رہا۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ "کوئی آئے اور تمہیں حق کی نظر سے دیکھے۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی مگر اس آواز میں کتنا شور تھا انا کو واضح سنائی دیا، نہ صرف اس کی بات بلکہ اس بات کے پیچھے چھپی اور کئی باتیں...... جو اسے بن کہے سن لینی چاہئیں تھیں اور شاید اس نے سن لی تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

اسے معلوم تھا یہ اتنا آسان نہیں ہوگا صرف ایک وہ ہی تو نہیں تھی۔ گھر میں اسے صرف مخالفتوں کا ہی سامنا کرنا ہوگا مگر جب اس نے اپنا دل کھول کے رکھ دیا تو کوئی اسے سمیٹے یا ٹھوکر دے مارے، اس بارے میں سوچنا بیکار تھا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ انا نے ان لوگوں کو واپس کر دیا جو اس پہ حق جتانے آئے تھے۔ اس نے معاذ کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ جان گیا تھا اس کا انتخاب غلط تھا نہ اس کا راستہ کھوٹا...... ہاں کچھ دشوار ضرور تھا مگر اب اس دشوار گزار راستے کی باقی کٹھنائیاں کسی کی ہمراہی میں کسی حد تک آسان ضرور لگنے لگی تھیں۔

ماموں اور مامی کو اس نے کیا کہا تھا یہ اسے جاننے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ لوگ اس کی طرف تھے اور اس نے ان کو اپنا مسئلہ سمجھ کے حل کر لیا تھا۔ اب اس کی اپنی باری تھی۔ اپنی سگی ماں سے اس بارے میں بات کرنا کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے جیسا تھا۔ ان کے متوقع ردعمل کا گھر میں سب ہی کو اندازہ تھا۔ عقیلہ اسی بات کی وجہ سے اب بھی کبھی کبھی متذبذب ہو جاتی تھیں۔
"ارے امی آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔" ایک رات انہیں سجدے میں گڑگڑاتے دیکھ کے وہ خود ہی تسلی دینے بیٹھ گئی۔
"بات تو خوشی کی ہے میری بچی مگر بے بو......" یہاں تک آ کر ہر شخص کی زبان پہ ایک سوالیہ گمبھیر خاموشی چھا جاتی تھی۔
"بے بو کیا......؟ معاذ نے بات شروع کی ہے تو اس نے کچھ سوچ سمجھ کے ہی کی ہوگی نا۔"
"وہ سب ٹھیک ہے۔ مجھے اس پہ بھروسہ ہے لیکن تیری پھوپی سے کسی بھلائی کی امید نہیں۔ زندگی بھر دوسروں کو اپنی غلام اور رعایا کا درجہ دینے والی کو اگر یہ بات بری لگ گئی تو وہ بات کو کردار تک بھی لے جا سکتی ہے۔ تم دونوں ہی گھر کے بچے ہو...... وہ کچھ ایسا ویسا بول گئی تو لوگوں کو زندگی بھر کون وضاحتیں دیتا پھرے گا۔" عقیلہ کی ٹھنڈی سانس میں خدشوں کی تپش تھی۔ انا بھی چپ سی ہو گئی۔ زرد رو چاند کی زردی پورے صحن میں چھانے لگی۔ اس نے ماں کے چہرے کی لکیروں میں تیرتے واہموں کو دیکھا۔
"اگر آپ کو لگتا ہے کہ معاذ سنبھال نہیں پائے گا تو منع کر دیں اسے۔" اسے کہتے ہوئے اتنی تکلیف محسوس ہوئی کہ وہ خود بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

محبت نامی آفاقی جذبہ بہت تیزی سے اس کے اندر تک اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا اسے پتہ تک نہ چل سکا۔ عقیلہ نے غور سے اس کے مضبوط لہجے لیکن ڈھلتی ہوئی آواز کو سنا اور لمحے بھر میں بھید پالیا۔

''ارے نہیں پاگل۔ اب اتنی بھی کمزور نہیں میں۔ معاذ بہت اچھا ہے۔ گھر کا بچہ ہے۔ دیکھا بھالا نیک شریف۔ کون ماں نہیں چاہے گی کہ اس کی بیٹی زندگی بھر اس کی نظروں کے سامنے رہے۔''

''تو پھر اتنی پریشان کیوں ہیں۔'' ان کی بات سن کے اس کے دل کو ذرا سہارا ملا۔

''کیا کروں ماں ہوں نا۔'' وہ دھیرے سے ہنس دیں۔

☆☆☆......☆☆☆

پورے چاند کی ٹھنڈی روشنی درو بام سے لپٹی ہوئی تھی۔ سبک خرام ہوا اٹھلا کے چلتی اور لہرا کے رکتی، پھر چلتی تھی۔ اس نے موسم کی چونچالی کو پورے دل سے محسوس کیا پھر مسکراتی ہوئی آنکھیں ہونے والی نصف بہتر پہ ٹکا دیں۔

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''یہی کہ بے بو کا اس طرح اتنی آسانی سے مان جانا کسی خواب سے کم نہیں۔'' وہ ہنس دیا۔

''تم بے بو کی بات کرتی ہو میرے لیے تو کسی کا بھی...... یہاں تک کے تمہارا مان جانا بھی کسی خواب سے کم نہیں لگ رہا۔''

''کیوں؟'' وہ شوخی سے مسکرائی۔ ''خود پہ یقین نہیں تھا کیا......؟''

''خود پہ تھا مگر قسمت پہ یقین نہیں تھا۔'' اس نے گہری سانس لی پھر چائے کے خالی کپ اٹھاتی انا کا ہاتھ تھام لیا۔ انا وہیں تھم گئی۔ زندگی میں پہلی بار یہ خود کی طرف معاذ کی استحقاق بھری پیش قدمی تھی۔

''چھوڑو ہاتھ۔''

''کیوں......؟'' اس کے چہرے پر پھیلے رنگوں نے محتاط کرنے کے بجائے اسے اور شوخ کر دیا۔

''کیوں کا مطلب کوئی آجائے گا...... دیکھ لے گا۔''

## نظم

ہر برستی بارش میں
دل میرا دھڑکتا ہے
تیرا ساتھ پانے کو
دل بہت مچلتا ہے
ان ویران آنکھوں میں
خواب چبھنے لگتے ہیں
ان الجھتی سانسوں میں
ایک نام بستا ہے
جو بہت خاموشی سے
دل کے کونے کونے میں
ہر طرف دھڑکتا ہے
روشنی سی ہوتی ہے
پھول کھلنے لگتے ہیں
تب دل یہ کہتا ہے
جو ہے تیری یادوں میں
جو ہے تیری سانسوں میں
جو ہے تیری دھڑکن میں
جو ہے تیرے خوابوں میں
کیوں اسے تو ڈھونڈتا ہے
وہ تو ہر وقت تیرے پاس
دل بن کر دھڑکتا ہے
سانس بن کر چلتا ہے
کیوں اسے تو کھوجتا ہے؟
آس پاس دنیا میں
وہ تو ساتھ تیرے
''زندگی'' سا رہتا ہے
پھر سکون ملتا ہے
ہر برستی بارش میں
دل میرا دھڑکتا ہے

شفیق راجپوت...... گوجرہ

"آنے دو دیکھنے دو۔" وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر عین اسی وقت بے بو نے چھت پہ قدم رکھا۔ پتہ نہیں وہ ابھی آئی تھیں یا دیر سے کھڑی تھیں۔ انا نے جو اپنا ہاتھ ایک ناز سے اس کے ہاتھ میں دے رکھا تھا، بجلی کی سرعت سے کھینچا مگر منظر بے بو کی زیرک نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا۔ ایکا ایکی ان کی بوڑھی نگاہوں سے شعلے نکلے اور انا کو لگا اس کا وجود خاکستر ہو گیا ہو۔

"اچھا...... میں کب سے تجھے آوازیں لگا رہی ہوں اور تو یہاں بیٹھا عاشقی معشوقی کھیل رہا ہے۔" ان کا لب و لہجہ حد درجہ خراب تھا۔

"کیا ہو گیا ہے اماں میں تو بس......" اس سے بات مکمل نہیں کی گئی کیوں کہ انا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا اس نے بہت ضبط سے خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"کیا میں تو بس اتنی رات میں چھت پہ اکیلے بس یونہی راستہ بھول کے آ گیا ہیں اور تو...... تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ میں نے پیر دبانے کو کہا تو تجھے تکلیف ہو گئی۔ یہاں کیا اپنے ہوتے سوتے سے اپنے ہاتھ دبوانے آئی ہے۔" انا کی برداشت کی حد اتنی سی ہی تھی۔ اس نے ایک کٹیلی نگاہ معاذ پر ڈالی اور ٹرے اٹھا کے جانے لگی۔

"اب کہاں چلیں۔ دل ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جاؤ میں ہی چلی جاتی ہوں۔" وہ بولیں تو مگر ان کا جانے کا ارادہ بالکل نہ تھا۔

انا اور معاذ ان کی باتوں کے سامنے خود کو سخت بے بس محسوس کرنے لگے تھے۔

"بی بی شریف لڑکیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے کہ آدھی رات کو ہونے والے خصم کے کندھوں پہ جھولتی پھریں توبہ آج کل کی لڑکیوں کی تو رگ رگ میں بے حیائی بھر گئی ہے...... پوچھوں گی میں وقار سے کہ اس لیے میرے بیٹے کے کندھے پہ بندوق رکھ کر چلائی اس نے کہ خود کی بیٹی ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔" انہوں نے بھتیجی کے ساتھ ساتھ بھائی کو بھی گھسیٹ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ بھائی کی طرح ان کا بیٹا بھی ان ہی کی مرضی پہ چلے گا اور اب ان کی حکومت تلے گھٹ گھٹ کے جینے والی رعایا میں اضافہ ہونے والا ہے مگر ان کا خیال غلط تھا۔

"بس کریں اماں بہت ہو گیا۔" اچانک بلند ہونے والی معاذ کی آواز میں کچھ ایسا تھا جس نے ان کی فراٹے بھرتی زبان کو بریک لگا دیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگیں۔

"اوئی اللہ میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تجھے پتنگے لگ گئے۔"

"آپ انا کے کردار پہ کیچڑ اچھال رہی ہیں آپ کو بالکل احساس نہیں اس بات کا۔" انا بھی اس کے انداز پہ دنگ رہ گئی اور بے بو نے تو گویا جیسے بھوت دیکھ لیا۔

"واہ رے میاں واہ میں کیچڑ اچھال رہی ہوں یا سچ بول رہی ہوں ارے ایسی نیک تھی تو......"

"نیک تھی نہیں نیک ہے، آج سے پہلے آپ نے اس کے بارے میں کبھی اس طرح بات نہیں کی اور اب جب کہ وہ میرے نام سے منسوب ہے تو آپ اس طرح ذلیل کر رہی ہیں جیسے یہ پلید ہو گئی ہو۔"

"بات کو کہیں سے کہیں مت لے کے جا، میں تو کرتی ہوں کھری بات......" ان کی بات پھر ادھوری رہ گئی۔

"تو پھر ایک کھری بات آپ بھی سن لیں آئندہ آپ انا کے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کریں گی کیونکہ انا میری عزت ہے اور میں اپنی عزت خراب کرنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں دوں گا۔" بے بو ٹک ٹک اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ انا تیزی سے ان کے برابر سے نکل کے نیچے چلی گئی۔ معاذ نے بھی وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور بے بو تن تنہا وہاں کھڑی سوچ رہی تھیں کہ برسوں وہ اپنی جس زبان کے بل بوتے پہ سب پہ حکومت کرتی آئی تھیں۔ اب شاید اس کے تختہ ہونے کے دن آ گئے تھے۔

# جناح کی یادیں

حرا قریشی

بدنظمی وبداتحادی کے سرب سبق قوم بھولی......
جب ملت کے قائد جرار نے آنکھ کھولی......

تاریخ کے حاشیوں پر جو نظر ڈالوں تو ایک قیاس ابھرتا ہے ایک چہرے کی صورت جس کے زریں کارہائے کی زیبائش ایسی تھی کہ ایک جداگانہ ریاست مثل جنت ظاہر ہوئی اور درخشاں باب کا گلزار کھل گیا۔

قوم کے اس فرد کی میں بات کررہی ہوں جس کا ہر عمل تاریخ کے رخ روشن کا غازہ رہا جو وقت کی سنگینیوں سے ایسے ٹکرایا کہ اپنی جان کی بھی پروا نہ کی اور ناموافق حالات میں امت مسلمہ کی کاوشوں کو ایک نئی "اچھوتی" بھرپور اڑان عطا کی تاکہ وہ آزاد فضا میں اپنی مرضی کے مطابق سانس لے سکیں۔

۲۵ دسمبر کو کراچی میں پیدا ہونے والا یہ بچہ بالآخر شاعر مشرق علامہ اقبال کا ستارہ تھا پاک سرزمین کی کہکشاں تھا اسلامی سلطنت کا بانی تھا جس کے والد سوداگر دبلے پتلے جسم کے مالک تھے۔ گجراتی زبان میں دبلے پتلے انسان کو "جینا" کہتے ہیں یہی بعد میں "جناح" بن گیا۔ اس بچے کو اس کی بلند پایہ اعلیٰ ملی خدمات کے ضمن میں قوم نے لیے "قائداعظم" اور "بابائے ملت" کے القابات دیے۔ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہ تھا نہ ہی اس کا بعد میں عام شخص میں شمار ہوا بلکہ یہ تو وہ شخص تھا جن کا جنم تاریخ کے پنوں پر بھی قرنوں کے سفر پر محیط پڑا ہے۔ دوسرے بچپن میں ہی اس قدر بااصول تھے کہ لوگ متوجہ ہوئے بنا نہ رہ سکے اور کیونکر نہ ہوتے یہ تو وہ علم دین بچہ تھا جس کی ذہانت ایک لفظ "کام" پر مبنی تھی جو اتوں کو بس اس بات کے پیش نظر نہ سوتا تھا کہ اگر وہ لوگوں کی طرح میں بھی سو گیا تو "بڑا آدمی" کیسے بنوں گا۔

شروع شروع میں جب زمانہ طالب علمی کے ابتدائی دن تھے۔ ان کے والد پیچ وتاب کھاتے ان سے دریافت کرتے کہ آخر وہ تعلیم پر توجہ کیوں نہیں دیتے۔ ایک دن محمد علی جناح نے جواب میں کہا۔

"ابا...... میں اسکول جانا پسند نہیں کرتا۔" پوچھا۔ "پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" جواب دیا۔ "ابا میں آپ کے ساتھ دفتر میں بیٹھنا اور کاروبار سیکھنا چاہتا ہوں۔" والد صاحب انہیں دفتر لے گئے۔ دو ماہ بعد ہی محمد علی کو اندازہ ہوگیا کہ وہ بغیر پڑھے لکھے دفتر میں کچھ نہیں کرسکتے۔ لہٰذا انہوں نے یہ کہہ کر انہیں حیرت میں ڈال دیا۔

"ابا مجھے دفتر کا کام پسند نہیں۔" پوچھا۔ "پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو محمد علی؟" جواب ملا۔ "میں واپس اسکول جانا چاہتا ہوں۔" اور پھر محمد علی نے کتابوں سے ایسے دل لگایا کہ بقیہ عمر انہی کے ہو کر رہ گئے۔ ("مائی برادر" محترمہ فاطمہ جناح) قائداعظم صحیح معنوں میں عظیم انسان تھے۔

آؤ رہیں خدا کے سہارے پر مطمئن
تلقین مصطفیٰ کے اشارے پر مطمئن
ذوق جمال گنبد خضریٰ لیے ہوئے
آؤ خدا کا نام لیں خود نا خدا بنیں
راہ حیات سامنے ہے راہنما بنیں
مردانہ زندگی کی تمنا لیے ہوئے
اب ساحل مراد سے پہلے نہیں پناہ
دیکھو لٹے پڑے ہیں نئے سیل روسیاہ
دامن میں صد قیامت کبریٰ لیے ہوئے
آؤ بنائیں پنجۂ اسلام کو قوی
ضرب قوی ہے قائداعظم کی پیروی
ضرب قوی ہے مقاصد اعلیٰ لیے ہوئے

ان کے بظاہر منحنی سے نظر آنے والے قالب میں ایک ایسا دل تھا جو یقین واستقلال سے لبریز تھا۔ آپ جب آغاز میں انگلستان گئے تو آپ کے خاندان کی ایک عورت رونے لگی۔ قائد نے اسے تسلی دی اور کہا۔ "بے حوصلہ کیوں ہوتی ہو وہاں سے میں عظیم انسان بن کر آؤں گا میرا ملک فخر کرے گا مجھ پر۔"

جب آپ نے بمبئی میں وکالت کی ابتدا کی تو ایک انگریز نے آپ کو ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار کی ملازمت پیش کی۔ آپ نے مسکرا کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ میں اتنے روپے روز کمانا چاہتا ہوں۔" آپ نے یہ بات سچ بھی کر دکھائی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔

قائد ایک مخلص، دردمند رہنما اور زیرک سیاستدان بھی تھے۔ نمونہ ملاحظہ کیجیے: شملہ کانفرنس میں قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ اپنے مطالبے کے حق میں دلائل دے چکے تو لارڈ ویول نے کہا۔

"مسٹر جناح آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اپنا نقطہ نظر بڑی وضاحت سے پیش کیا لیکن میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ

کے خیالات سے اتفاق نہیں کرسکتا۔" قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ "آپ کے متفق نہ ہونے پر مجھے شکایت ہے نہ افسوس کیونکہ میں واقف تھا کہ مجھے سیاسی گفتگو ایسی محترم شخصیت کے سامنے کرنی ہے جس کی اپنی سیاسی زندگی کا آغاز چند دن پہلے ہوا ہے۔ (یاد رہے کہ ویول صاحب کانفرنس سے چند دن قبل ہی وائسرائے ہند بنائے گئے تھے) قوانین کی پاسداری میں بھی ان کی فہم وفراست بے نظیر تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ کمرۂ عدالت میں اپنے دلائل بڑے دھیمے انداز سے پیش کررہے تھے۔ جج صاحب نے احتجاجاً کہا۔ "ذرا زور سے بولیے۔" قائداعظم نے متانت سے جواب دیا۔ "جناب میں بیرسٹر ہوں ایکٹر نہیں۔"

آکسفورڈ کے مشہور زمانہ بیورلے نکولس نے جب قائد کا انٹرویو لیا تو وہ کہہ اٹھا۔ "برصغیر کی آئندہ قسمت کا دارومدار اس شخص پر ہے۔ میں نے اس سے زیادہ متاثر کن شخص نہیں دیکھا۔"

آکسفورڈ کے مشہور پروفیسر سٹینلے والپرٹ انتہائی تحقیق اور مستند حوالوں کے بعد لکھا کرتے تھے اور کمال یہ تھا کہ خوبیوں سمیت خامیاں بھی بے دھڑک لکھ دیتے تھے۔ وہ راہنماؤں کے رہنما "محمد علی جناح" کے بارے میں یوں رقم کرتے ہیں۔

"کچھ رہنما سرحدیں تبدیل کردیتے ہیں کچھ قوم کو بیدار کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور کچھ تاریخ کو ہی تبدیل کردیتے ہیں مگر وہ دنیا کے واحد رہنما ہیں جنہوں نے یہ تینوں کارنامے سرانجام دیے۔" پاکستان کے سابق آرمی چیف جنرل گل حسن ان کے سیرت وکردار پر روشنی ڈالتے کچھ یوں بتاتے ہیں۔ "میں قائداعظم کا پہلا اے ڈی سی جی تھا۔ ایک مرتبہ ہم گاڑی پر جارہے تھے گاڑی ایک ریلوے پھاٹک کے پاس پہنچی تو پھاٹک بند ہوگیا۔ میں نے قائداعظم سے استفسار کیا۔ "یہ پھاٹک چند لمحوں کے لیے کھولا جاسکتا ہے۔ اس سے ہمارا قیمتی وقت ضائع نہیں ہوگا اگر آپ کہیں تو پھاٹک کھلواؤں۔" قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "نہیں اگر میں (گورنر جنرل) قانون کی پابندی نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا۔"

کچھ لوگ انہیں ایمبیسڈر آف پیس یعنی امن کے سفیر اور جناح آف پاکستان کے اسم خاص سے بھی یاد کرتے ہیں۔

دل میں چٹکیاں لیتی ہے آج بھی اس محسن کی یاد

قائد ملت اسلامی اصولوں کے بھی بہت پاسدار تھے یہ واقعہ اس کا واضح ثبوت ہے۔ مسلم اخبارات کے مدیران کی جانب سے قائد کی خدمت میں یہ استدعا کی گئی کہ جب بمبئی سے لاہور تشریف لائیں تو ایک شام ہمارے ساتھ چائے پی کر ہمیں سرفراز کریں۔ آپ نے التماس قبول کی۔ ۱۹۴۲ء کی شام وہ ایسی ہی ایک محفل میں موجود تھے۔ وہاں مولانا عبدالمجید سالک اور مولانا غلام رسول مہر سمیت دیگر کئی نامور صحافی موجود تھے۔ چائے کا دور شروع ہوا تو قائداعظم نے کہا کہ "اس وقت برصغیر کے مسلمان ایک نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں اگر اس نازک موقع پر آپ نے قوم کا ساتھ نہ دیا تو قوم بھی آپ کا ساتھ نہ دے گی۔" ایک صحافی نے عرض کی کہ "جہاں تک ہم سے ہوسکتا ہے ہم مسلم لیگ کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔" فرمایا: "میں سب جانتا ہوں ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ ایثار سے کام لیں اگر آپ کسی کے ہاتھ بک جائیں گے تو کسی حال میں قوم کی خدمت سرانجام نہ دے سکیں گے۔ زندہ قوموں کے اخبارات بھی روپوں کی خاطر اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دیتے۔" ان کا اشارہ بالکل واضح تھا کہ کچھ مالکان دشمنوں کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ کسی نے اس موقع پر قائد سے کہا۔ "ہمارے اخبارات کی اشاعت بہت کم ہے۔ مسلم لیگ فنڈ سے کچھ رقم مخصوص کیوں نہیں کردیتی۔"

جناح غضب ناک ہوگئے اور میز پر زور سے ہاتھ مارنے لگے۔ جس سے اندیشہ ہوا کہ پیالیاں میز سے گر کر ٹوٹ نہ جائیں۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔ "پاکستان ملے یا نہ ملے میں اس ضمن میں کسی کو ایک کوڑی تک رشوت نہ دوں گا اگر آپ حکومت کے ہاتھوں بک چکے ہیں تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ میں بہرحال اپنا کام جاری رکھوں گا۔" یہ تھے ہمارے ارباب دانش عظیم رہنما۔ بااصول، دلیر، حق پرست، جرأت کا مظہر، اظہار حق وصداقت کی طاقت رکھتا، اعلیٰ نصب العین کی خاطر سودے بازی نہ گوارا کرتا، درد قوم سے لبریز دل اور قوم کی نفسیات سے باخبر رہنے والے۔ فلاح بہبود مطمع نظر رکھنے والا ملت کا ناخدا "محمد علی جناح" تھا۔

مخلص تھا بے ریا تھا محمد علی جناح
ملت کا ناخدا تھا محمد علی جناح
الفت تھی اس کو رحمت عالم کے نام سے
اسلام پہ فدا تھا محمد علی جناح
اسلامیان ہند کی خدمت کے واسطے
اللہ نے دیا تھا محمد علی جناح

محمد علی جناح کون تھے؟ کچھ وہ باتیں ذہن کے گوشے پر ابھارتے ہیں، جن سے ہم، آپ اور بہت سے لوگ واقف ہوں

گئے۔ یہ وہ شخص تھا جس کی ابتدائی تعلیم سندھ مدرستہ الاسلام کراچی سے ہوئی۔ جن کے والد انہیں تاجر یا صنعت کار بنانے کے متمنی تھے۔ لہٰذا اس ضمن میں جناح انگلستان بھی گئے مگر اپنی راہ خود متعین کی قانون کی تعلیم کے لیے لنکن ان میں داخلہ اس بناء پر لیا کہ اس ادارے کے صدر دروازے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک دنیا کے عظیم مقننن میں سرفہرست تھا۔ جناح دوران تعلیم دیر تک راتوں کو مطالعے میں منہمک رہتے تھے۔ قانون کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ دارالعلوم میں انگلستان کے نامور سیاستدانوں گلیڈ اسٹون "ڈزریلی" سالبری اور مورلے کی تقاریر سننا محبوب مشغلہ تھا۔ ایشیا کے سب سے کم عمر طالب علم تھے ۲۹ اپریل ۱۸۹۶ء کو بیرسٹری کی ڈگری ملی۔ وطن واپسی پر ممبئی ہائی کورٹ میں اپنا نام رجسٹر کرالیا اور پریکٹس شروع کردی۔ وکالت اور سیاست میں کوئی خاندانی پس منظر نہ تھا پھر بھی ان دونوں حیثیتوں میں کردار پر کوئی دھبہ نہ لگنے دیا بلکہ جرأت، فہم وفراست، اعلیٰ اخلاق کی پاسداری سے عام وخاص سب کے دل فتح کیے مخالفین پر ثابت کیا کہ نہ انہیں دھوکہ دیا جاسکتا ہے، نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ ہی ڈرایا دھمکایا جاسکتا ہے۔ غازی علم الدین اور مسجد شہید گنج کی پیروی اس امر کی تاباں نظیریں ہیں۔ ہمشیرہ فاطمہ جناح نے بھی ان کی جابجا معاونت کی۔ جناح پاکستان کے ایسے بانی تھے۔ جن پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ ایک خوب صورت شام ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی بات بتاتے ہیں آپ کو۔ گورنر ہاؤس کے وسیع وعریض چبوترے پر قائد مسکرا کر اپنے مداحوں سے مبارک باد وصول کررہے تھے۔ ایک غیر ملکی صحافی نے ان سے کہا۔ "آپ کتنے خوش نصیب ہیں، آپ نے آج اپنی قوم کے لیے ایک ملک حاصل کرلیا۔ آپ بانی پاکستان ہیں۔" جواب دیا۔ "میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پاکستان میری زندگی میں بن گیا لیکن میں پاکستان کا بانی نہیں ہوں۔"

غیر ملکی صحافی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اس مملکت کے بانی نہیں تو پھر کون ہے؟" قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ "ہر ایک مسلمان۔"

شاعر مشرق نے ایک عظیم قائد کے لیے "نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز" کی جن شرائط کو لازم قرار دیا تھا وہ سب بدرجہ اتم جناح میں موجود تھیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کا ابھی بھی صف اول کی شخصیات میں شمار ہوتا ہے پھر ان کے لیے ہی تو اقبال نے کہا تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بطور خراج عقیدت میری ایک نظم
نہ ہوئیں جس کی جرأتیں کبھی کم
درد قوم سے رہتی تھیں
جس کی نگاہیں پرنم
اس نیک دل پیکر کو کیا میں نذر کروں
گل ہائے عقیدت دعاؤں کے
یا کارواں محبت کی صداؤں کے
عظمت پر جس کی اک زمانہ رشک کرتا ہے
بحر وبر اب یاد میں اس کی بہایا اشک کرتا ہے
دشمن جس سے بات کرنے سے ڈرتا تھا
ہر خاص وعام جس کا دم بھرتا تھا
اتحاد، تنظیم، یقین محکم جس کے اصول تھے
قوم کے سپہ گر جس کے لازوال پھول تھے
اس مہرباں
جاوداں راہبر کے لیے میرے دامن میں
چند موتی عقیدت کے ہیں
میرے ہاتھوں میں چند سکے محبت کے ہیں، ہیں وہ سب حوصلے قائد کے
جن سے قلب وروح بن جاتا چٹان ہے
ہر فرد کا جذبہ ہوجاتا جوان ہے
شکست کا ختم ہوجاتا امکان ہے
ملک وملت کے لیے ہمت کا جو سرب آسمان ہے رحمتوں، نعمتوں اور برکتوں کا
جنت میں جس کے لیے امکان ہے
سنو لوگو
بنایا اسی نے
کامل "محکم" دائم اور
مقدس پاکستان ہے
پاکستان زندہ باد

حرا قریشی

# ہمارے پڑوسی

فہمیدہ غوری

ہمارے پڑوسی بہت اچھے' ملنسار' بہت ہی خیال کرنے والے ہیں۔ اتنے اچھے کہ دل کرتا ہے دائیں بائیں آمنے سامنے کہیں بھی رہیں' پڑوسی نہ ہوں۔ اچھے پڑوسی بھی اللہ کی نعمت ہیں اور ہمارے پڑوسی تو نعمت رحمت ساتھ ساتھ ہیں۔ دائیں طرف رہتے ہیں' بیگ صاحب اتنا بھاری بھرکم نام...... مرنجان مرنج اور نہایت ہی شریف انسان ہیں' بس ایک مسئلہ ہے کہ ان کے گھر کے نلکے' پنکھے' فریج' ٹی وی خود بخود خراب ہوجاتے ہیں حالانکہ اس میں ذرا برابر بھی ان کے آدھے درجن بچوں کا ہاتھ نہیں ہوتا' نہ ہی ان کی نابغہ روزگار بیگم کا۔ اب اس میں بے چارے بیگ صاحب کا کیا قصور' نل خراب ہے تو پانی تو چاہیے نا' گٹر خراب ہے تو باتھ روم تو جانا از حد ضروری ہے۔

پنکھے خراب ہیں تو بے چاروں کو گرمی بھی لگے گی' فریج نے داغ مفارقت دے دیا تو ٹھنڈا پانی لینے کہاں جائیں بے چارے اور سب سے بڑھ کر ٹی وی' جب تک چار سے گیارہ تک کی نیوز نہ دیکھ لیں بیگ صاحب کو لو بلڈ پریشر کی شکایت ہوجاتی ہے۔ روزانہ خبریں دیکھ کر طبیعت بحال رہتی ہے اور بیگ صاحب کو جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو ان کی مہربانی کا شکار ہمارا گھر ہی ہوتا ہے کہ حقوق العباد بھی ہم سب پر لازم ہیں سو سارا دن برف' پانی' اسٹینڈ فین' ہتھوڑے' پانے کی برآمد جاری رہتی ہے۔

ٹھیک چار بجے بیگ صاحب ابا جان کے کمرے میں محو استراحت ہوتے ہیں اور چولہے پر چائے ہوتی ہے اور ہماری اماں کے دماغ...... ابا جان ہمارے صدا کے مہمان نواز' جو ان روز روز کے مہمانوں کو بھی نوازنے سے بھی باز نہیں آتے کہ آج کل تو زمانہ ہی نوازنے کا ہے۔ بائیں طرف ہیں مرزا صاحب' یہ اچھے خاصے سرکاری افسر ہیں اس لیے ان سے ہمیں کوئی مسئلہ نہیں کہ ان کے پاس اللہ کا دیا اور بندوں سے لیا بہت کچھ ہے سو ان کی چیزیں کبھی خراب نہیں ہوتیں کیوں کہ تحفے تحائف ہی اتنے مل جاتے ہیں کہ پرانی چیزیں خود بخود بیگم مرزا کی اماں کے گھر پاپوش منتقل ہوجاتی ہیں۔ مرزا صاحب بڑے ہی پرہیزگار اور مذہبی انسان ہیں' صبح نماز فجر سے فارغ ہوکر باآواز بلند قوالی سنتے ہیں اور سب محلے والوں کے دلوں کو بھی اس ثواب میں شامل کرتے ہیں اور اگر کسی دن کم بخت لائٹ چلی جائے تو مرزا صاحب کی حالت جل بن مچھلی جیسی ہوجاتی ہے۔ اب ان کے منجھلے فرزند نے اس کا حل بھی ڈھونڈ لیا' مرزا صاحب کی گاڑی میں ڈیک لگادیا گیا اور اب اگر لائٹ جائے تو پھر محلے والے کم ازکم اس ثواب سے محروم نہیں رہ سکتے۔

پرسوں صبح تو ہم حیران ہوگئے باآواز بلند قولی سنتے مرزا صاحب کو گاڑی میں بیٹھے دیکھا ایسا لگ رہا تھا کہ تشنج کے جھٹکے لگ رہے ہوں' ہم اپنی اماں کو زبردستی اٹھا کر لائے کہ اماں دیکھئے مرزا صاحب کو کیا ہوا۔ ہماری اماں نے ناک کی پھنگ پر عینک ٹکائی اور غور سے دیکھا۔

''ارے کچھ نہیں ہوا لڑکی موئے کو حال آرہے ہیں۔'' تو اب یہ حال کیا ہوتے ہیں' ہماری اماں بھی نا' پتا نہیں کون سے زمانے کی باتیں کرتی ہیں۔

اب آئیں سامنے والے پڑوسی بلکہ پڑوسن کی طرف' میاں ان کے کسی مل میں کام کرتے ہیں اس لیے نائٹ ڈیوٹی بھگتا کر کسی سے ملتے نہیں اور ان کی بیگم بہت ہی سلیقہ مند خاتون ہیں' گھر ان کا ہر

وقت چم چم کرتا ہے' جوتے چپل پہن کر اندر آنے کی کسی کو اجازت نہیں' ان کے میاں کو بھی نہیں۔ بے چارے ساری رات کی ڈیوٹی کے بعد گھر آتے ہیں' جوتے اتروا کر جھڑوا کر اندر آنے دیتی ہیں۔

عقیلہ نام ہے ہماری ان پڑوسن کو جن کا سلیقہ سارے محلے میں مشہور ہے' ہمیں سمجھ نہیں آتی عقیلہ خاتون گھر کی جھاڑ پونچھ کر کے' سارا کچرا ہمارے ڈسٹ بن میں کیوں ڈال جاتی ہیں' ہم نے کبھی ان کے گھر کے آگے ڈسٹ بن نہیں دیکھا۔ اللہ معاف کرے آدھی رات کو بھی یہ صاحبہ کچرا کوڑا لیے چلی آتی ہیں اور ہم گرل میں سے سب دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتے ہیں کہ ہمارے ابا کی دور کی کزن ہیں' جن سے کسی زمانے میں ابا کے رشتے کی بات چلی تھی تو اگر ہم ان کے کچرا ڈالنے کا برا مانیں تو ہمارے ابا پڑوسیوں کے حقوق پر وہ لیکچر دیتے ہیں کہ اس سے بہتر ہے ہم اپنا کوڑا شاپر میں ڈال کر خود ہی کہیں پھینک آئیں۔

ایک پڑوسن عقیلہ کے برابر والے گھر میں رہتی ہیں جہاں آرا بیگم' صبح سویرے اٹھ کر سارے محلے کی خیریت دریافت کرنے نکل پڑتی ہیں' چائے پانی سے فارغ ہو کر چلتے وقت ہر گھر سے کہیں سے ادرک کہیں سے لہسن' کہیں سے ٹماٹر حتیٰ کہ ہلدی' دھنیا' مرچ' نمک تک مانگ لیتی ہیں۔ ہم تو ہیں ہی پڑوسیوں کے حقوق کے علم بردار تو ہمارے کچن سے تو ان کو دودھ' چائے' مہمانوں کے آنے پر ٹی سیٹ' گلاس' دستر خوان اور چمچے سب کی سپلائی جاری رہتی ہے۔

کچھ پڑوسی تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو نایاب نسل سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ گوہر نایاب ہوتے ہیں جن کی شخصیت میں وہ خوبیاں ہوتی ہیں جن کا انہیں خود بھی ادراک نہیں ہوتا جیسے ہمارے محلے میں ایک ملک صاحب ہیں جن کا دودھ دہی کا بہت بڑا بزنس ہے اور سائیڈ بزنس بھی کرتے ہیں۔ بڑے گوشت کا' بہت بڑا کاروبار بھی ہے ماشاءاللہ سے' کاروبار' روزگار اور عیال میں خود کفیل ہیں۔ حلیہ ان کا بھی بہت نرالہ ہے کرتا جس پر چاندی کے بٹن بہار دکھاتے ہیں' سر میں پاؤ بھر سرسوں کا تیل' آنکھوں میں سرمہ' عطر کے کنستر سے تسلسل کیے لگتے ہیں۔ ہر وقت چار خانوں والی لنگی' پاؤں میں سلیم شاہی جوتے جو کبھی گولڈن کبھی سلور اور شادی بیاہ کے موقع پر لال سرخ' یہ ہیں ملک صاحب' ہمیں ان سے کوئی گلہ نہیں مگر ان کا حلیہ ایسا دلچسپ ہے کہ آپ سے شیئر کرنے کو جی چاہا۔ ہمیں تو نہیں مگر اہل محلہ کو ان سے شکایت ہے' ان کے گھر سے چربی پگھلانے کی بساند آتی ہے' چربی سے جانے کیا بناتے ہیں کہ ہر وقت محلے میں چربی کی بساند چکراتی رہتی ہے اور ہر دوسرے دن خوب صورت' خوان پوش سے ڈھکی پلیٹ سارے محلے میں تقسیم ہوتی ہیں اور ان پلیٹوں میں ہوتا کیا ہے چربی سے گھی نکالنے کے بعد بچی چرمیاں...... جی ہاں سارا محلہ ان چرمیاں سے مستفید ہوتا ہے اور ملک صاحب ہر آتے جاتے سے پوچھتے ہیں چرمیاں ملی یا نہیں اور اہل محلہ ہر مرتبہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جی تو یہ تھے ہمارے پڑوسی جن کے لیے کسی نے نہیں بلکہ ہم نے خود فرمایا ہے ''مجھے میرے پڑوسیوں سے بچاؤ۔''

# آس ونراس میں ڈوبی

نرمین سرھیو

میں نے کرسی پہ بیٹھ کر آس پاس نظر دوڑائی تو محض اپنا آپ ہی اکیلا اور تنہا لگا۔ اس ڈھابے نما ہوٹل میں میرے آس پاس کے سب لوگ کسی نہ کسی کے ساتھ تھے۔ ہاں انھیں ہونا بھی چاہیے تھا اکیلا تو میں نے خود کو ہی کیا تھا۔ سب کے جذبوں کی نفی کر کے یہاں آ بیٹھا، جہاں کم از کم یہ اطمینان تو تھا کہ یہاں کوئی جاننے والا نہ ہوگا۔ ہاں اپنوں سے ہی میں تو بھاگا تھا۔ چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے میں نے سوچا۔ سوچوں کی یلغار نے مجھے بہت پریشان کر دیا تھا لیکن میں چاہ کر بھی ان سوچوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔ تبھی ایک قہقہہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ یہ قہقہہ کچھ شناسا سا لگ رہا تھا کچھ جانا پہچانا۔ میں نے قہقہے کی سمت کا اندازہ کرنے کے لیے آس پاس نظر دوڑائی۔ نظر وہاں گئی جہاں دو تقریباً میرے ہم عمر لڑکے بیٹھے تھے۔ جن میں سے ایک قہقہہ لگانے والا تھا۔ وہ دونوں میرے دائیں طرف ایک ٹیبل چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ میں نے غور سے ان کی شکل دیکھی تو بلیو شرٹ والا لڑکا مجھے دیکھا دیکھا سا لگا۔

یہ شاید یونیورسٹی کا نہیں یا شاید اسکول کا لیکن...... نہیں شاید باسکٹ بال میچ...... آں...... ں...... ں...... کون ہے یہ آخر......" میں جھنجلایا پھر غور سے ان کی باتیں سننے لگا۔

"ہاں اور اب ہم کہاں جائیں گے۔" بلیو شرٹ والا لڑکا، سبز شرٹ والے لڑکے کی کسی بات پر سنجیدگی سے بولا۔ آوازیں واضح نہیں تھیں تبھی نامحسوس انداز سے میں اٹھ کر ان کے برابر والی ٹیبل پر آ بیٹھا اور چائے کے کپ کا آرڈر دے دیا۔

"یار لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟" سبز شرٹ والے لڑکے کا انداز کچھ منوانے والا لگا۔

"یار پاکستان میں کیا رکھا ہے۔" نیلی شرٹ والا بیزاری سے بولا۔

"ہاں تمہارے لیے تو کچھ بھی نہیں۔" سبز شرٹ والا جل بھن کر بولا۔

"ہاں مرتضٰی خود دیکھو پاکستان میں کتنی بیروزگاری ہے، کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں میں نیلی شرٹ والے کو پہچان گیا اور اس کی بات سن کر مجھے زبردست جھٹکا لگا تبھی سبز شرٹ والا غالباً مرتضٰی بولا۔

"ہر جگہ تو ایسا نہیں ہوتا ہے یار کہیں نہ کہیں تو سفارش ناکام ہوگی۔" حامد نیلی شرٹ والا لڑکا تلخی سے مسکرایا اور میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ پاکستان کے نام پر اس کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ در آئی کیسا عجیب تجربہ تھا کوئی مجھ سے پوچھتا۔ کالج میں جب بھی بات پاکستان پر آتی وہ پاکستان کے دفاع کے لیے ہر ایک سے لڑتا اور آج وہی لڑکا نوکری نہ ملنے، سفارش کے چلنے پر پاکستان سے متنفر ہو گیا تھا۔ بالکل میری طرح...... میں بھی تو نوکری کے لیے دربدر پھرنے کے بعد اب باہر ملک جانے کا سوچ رہا تھا۔ کسی کی بات اور دلوں کی پروا کیے بغیر بس اپنے مفاد کا سوچ رہا تھا۔ ایسا ہی تو کرنا چاہیے تھا بھلا اس ملک میں کیا رکھا ہے۔ میرے دل ودماغ میں تکرار ہونے لگی تو بمشکل دھیان ان دونوں کی طرف لگایا۔ مرتضٰی جو حامد کی تلخ مسکراہٹ دیکھ کر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا اب قدرے سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"حالات میرے بھی وہی ہیں پھر بھی میں تو ناامید نہیں ہوں۔ کچھ نا کچھ تو کرنا ہوگا کہ ہمارا گزارا ہو۔" مرتضٰی کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی، اچانک نا جانے مجھے کیا ہوا کہ میں بول اٹھا شاید وہ جو کچھ مجھے ہوا تھا وہ حامد سے شناسائی کی بدولت تھا۔

"کچھ نہ کچھ تو ہمیں اپنی فیملی کو سپورٹ کرنے اور اپنے سروائیول کے لیے کرنا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ

حالات اور خراب ہوں۔ تو کیوں نہ باہر جا کر پاکستان کو سپورٹ کریں۔" میری بات پر دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ حامد کی آنکھوں میں کچھ ادھورے سے شناسائی کے رنگ ظاہر ہو رہے تھے جبکہ مرتضٰی خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں گڑبڑا گیا۔

"اس ملک کے لیے کچھ کرنا تو ضروری ہے تو کیوں نا باہر جا کر کما کر ہم سپورٹ کریں سب کو۔" میں نے دوبارہ وضاحت کی۔

"بھائی صاحب مرغی کی دیکھ بھال کر کے انڈے روز پڑوسیوں کو دے دیں تو ایسی مرغی کا کیا فائدہ؟ اس کو پالنے کا، کھلانے کا جبکہ بدلے میں کوئی بھی صلہ نہ ملے کوئی دوسرا ملک ہمیں کیوں پالے گا؟ بھائی صاحب قربانی ادھر دی جاتی ہے جہاں قدر ہو جبکہ ادھر تو حال یہ ہے کہ پڑوسی انڈہ بھی کبھی کھاتے ہوں تو کبھی ضائع کردیتے ہوں۔" مرتضٰی تلخی سے کہنے لگا تو کچھ ثانیے کے لیے میں خاموش ہو گیا۔

"بات پریکٹیکلی دیکھی جائے تو یہاں کیا ہے؟" مجھے ایسا محسوس ہوا...... کہہ تو میں ان سے رہا ہوں کہ یہاں کیا ہے اور اس سے زیادہ خود کو یقین دلا رہا ہوں کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔

"بالکل......" حامد نے ہاں کی تو مجھے کچھ سہارا محسوس ہوا جبکہ مرتضٰی اچانک جوش سے کھڑا ہو گیا۔ جب وہ بولنے لگا تو آس پاس کے لوگ متوجہ ہو گئے۔

"پاکستان میں کوئی روزگار سفارش کے بغیر نہیں بلکہ پاکستان میں کچھ بھی تو نہیں ہے، اسی لیے تم نوجوان اس کو چھوڑ کر جا رہے ہو کیونکہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں۔ تو سن لو کہ اب جب پاکستان کو تمہاری اشد ضرورت ہے تب تم لوگ اسے چھوڑ کر جا رہے ہو لیکن کل کو تم ہی لوگ اپنی شناخت اپنی مٹی کے لیے واپس آؤ گے تب اسے بھی تمہاری ضرورت نہیں رہے گی۔ اسی لیے بہتر ہے کہ جب تم لوگ اس کے لیے کچھ کر نہیں سکتے۔ تو یہ بھی نہ کہو کہ وہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر رہا۔ تمہیں وہ اس دنیا میں اپنے نام کی بارعب، باعزت شناخت دیتا ہے۔ مزید تم کیا چاہتے ہو، تم کچھ کرو گے تو ہی کچھ کر پاؤ گے لیکن تم نے اس کے لیے کیا کیا؟ جواب چاہتے ہو وہ کچھ کرے تمہارے لیے...... کم از کم پہچان ملنے پر تھوڑا حق ہی ادا کردو کم از کم سب کے سامنے اس کی برائی تو نہ کرو کہ جو لوگ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ بھی بدظن ہو جائیں۔" مرتضٰی تلخ انداز میں ایک ایک حقیقت سے پردہ اٹھا رہا تھا جس سے نظریں چرانے کی میں نے بارہا کوشش کی تھی۔ میں ششدر سا ان لفظوں میں کھویا ہوا تھا۔ پھر خفت زدہ سا منہ چھپائے باہر نکل گیا۔ سڑکوں پر بائیک دوڑاتے ہوئے مجھے اپنے دل میں ایک شرمندگی سی محسوس ہوئی ایک نیا انجانا سا جذبہ سر اٹھاتا محسوس ہوا۔ پُر امید اور پُر جوش سا اور کچھ کچھ شرمسار کرتا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ حامد کی سوچ میں کس قدر تبدیلی آئی تھی لیکن آج قسمت نے مجھے بہترین راستہ فراہم کیا تھا۔ ہاں اب میں نے پاکستان کے لیے کچھ کرنا تھا بلکہ بہت کچھ لیکن کس طرح یہ ایک لمبی مسافت تھی جس کی منزل ابھی آزمائشوں کی دھند میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن کچھ تو کرنا تھا اب میں نے اپنے سارے بیروزگار دوستوں کو جمع کرلیا تا کہ مل کر کچھ کیا جا سکے مگر کیا؟ یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔

کیا آپ ہمارے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟
آس و نراس میں ڈوبی ہم نوجوان نسل
التجا کرتے ہیں مدد کی لوگوں تم سے

## ہومیو کارنر

ہومیو ڈاکٹر طلعت نظامی

### اسقاط حمل
### (Miscarriage Abortion)

اسقاط کی اصطلاح حمل میں اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب جنین یا بچہ اٹھائیس ہفتوں یا اس سے پہلے خارج ہوجائے اس مرض کا عام مفہوم یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو اور ایام حمل کے پورا ہونے سے پہلے اس کا حمل ساقط ہوجائے۔

یہ عموماً پہلے چھ ماہ تک ہوتا ہے اس کے بعد ساتویں یا آٹھویں ماہ میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کو قبل از وقت حمل یا (Premature Delievery) کہتے ہیں۔

پہلے چھ ماہ تک جتنے بھی بچے ساقط ہوتے ہیں ان کے اندر شاذ و نادر ہی کسی میں جان پائی جاتی ہے لیکن ساتویں مہینے میں اور اس کے بعد کے بچے زندہ رہ سکتے ہیں۔

وجوہات:۔ اسقاط حمل کی وجوہات میں تین بڑے اسباب ذیل ہیں۔

ماں کی طرف سے خرابی:۔ جب ماں کو کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ جائے جیسے شدید بخار، ہائی بلڈ پریشر، مزمن، امراض گردہ، سفلس یا ذیابیطس میں ماں مبتلا ہو، شدید ذہنی و جسمانی کام ورزش، سخت جسمانی محنت مثلاً گھوڑے کی سواری، ناہموار سڑک پر تانگہ یا گاڑی کی سواری ریل کا سفر، کشتی کی لمبی سیر، بھاری بوجھ کا اٹھانا، دوڑنا بھاگنا وغیرہ، ان حالات میں خون کا دوران تیز ہوجاتا ہے۔

مختلف قسم کی دست آور ادویہ، کونین یا دیگر محرک ادویات جو دانستہ یا غیر دانستہ حاملہ کو دی جائیں انہا بھی بعض اوقات اسقاط کی وجہ بنتا ہے۔

جذباتی تحریکیں مثلاً ایک شدید غصہ، ڈر، خوف، خوشی، خوفناک واقعات کا دیکھنا یا سننا، خطرات کی جگہوں میں جانا، موت کی خبر یا مرتا ہوا آدمی دیکھنا۔

ہارمون کا غیر متوازن ہونا بھی بچے کی اموات کا باعث ہوتے ہیں بعض اوقات پرامسٹرون اور تھائی رائیڈ کی کمی کی وجہ سے بھی اسقاط ہوجاتے ہیں۔

رحم میں ورم، زخم یا کینسر بھی اسقاط کا موجب ہوتے ہیں۔

جسم میں خون کی زیادتی، موٹاپا یا چربی کی زیادتی بھی اسقاط کی وجوہات ہوسکتی ہے خون کی زیادتی سے خون کا اجتماع مقامی طور پر ہوجاتا ہے اس لیے اسقاط ہوجاتا ہے۔

دودھ پلانے والی عورتوں کو قدرتی طور پر حاملہ نہیں ہونا چاہیے لیکن جب ان کو حمل قرار پاجاتا ہے تو پستان کے غدودوں کی تحریک سے حمل ساقط ہوجاتا ہے نتیجتاً ہر حمل پر ان کو عادتاً اسقاط کا خطرہ رہتا ہے۔

معدے اور آنتوں کی مختلف خرابیاں قابل ذکر ہیں مثلاً متلی، قے اور سخت قبض، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خرابیاں بذات خود حمل کو ساقط نہیں کرسکتیں، بلکہ یہ مقامی خرابیاں رحم اور اس سے معلقات کو بھی متاثر کرتی ہیں۔

**RH FACTOR** میاں بیوی کے خون کا نہ ملنا جبکہ ماں RH (نیگیٹیو) اور باپ +RH (پازیٹیو) ہو اور بچہ +RH ہو تو بھی یہ بچے کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔

باپ کی طرف سے آئی گئی خرابی:۔

بعض مثالیں ایسی بھی موجود ہیں جن میں والدہ کی طرف سے کوئی خرابی نہیں ہوتی مگر باپ کی طرف سے نطفہ میں خرابی ہوجانے کی وجہ سے اسقاط ہوجاتا ہے مثلاً آتشک کا اثر والد کی طرف سے جب انڈے میں پہنچتا ہے تو وہ کچھ عرصے کے لیے نشوونما ضرور پاتا ہے لیکن کچھ وقت کے بعد آتشک کے زہر سے حمل ساقط ہوجاتا ہے۔

بچے کی خرابی:۔

جب بیضہ میں خرابی ہو، یہ بچے کی موت کا سبب بنتا

ہے جبکہ بچہ غیر نشو ونما یافتہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کی طبعی کیفیت میں خرابی ہونے کی وجہ سے حمل ساقط ہوتے ہیں۔

علامات:۔

اسقاط کے خدشہ کی علامات بہت سی ہیں اسقاط سے قبل حاملہ کو مندرجہ ذیل علامات ظاہر ہوتی ہیں۔

جاڑا، بخار، متلی، پیاس، سستی، کمزوری شکم، ٹھنڈے پن کا احساس، بازوؤں، ٹانگوں میں سردی، چہرے پہ پیلا پن، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، نا قابل بیاں موت کا احساس، پستانوں میں ورم، دودھ کا ظاہر ہونا، مانجولیا وغیرہ ظاہری علامات ہیں۔

خون ملا سیلان رانوں، شکم اور کمر میں درد، درد ایسے جو حیض کے زمانے سے قبل ہوا کرتے ہیں ان دردوں سے قبل سیلان خون ہو بھی سکتا ہے اور رک بھی ہوسکتا ہے لیکن کچھ عرصہ اگر سیلان خون جاری رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ جلد یا دیر میں حمل ساقط ہوجائے گا تاوقت یہ کہ اس کیفیت کو ٹھیک ادویہ سے درست نہ کر دیا جائے۔

شکم یا پیڑو میں نیچے دبانے والے احساسات یہ احساسات بغیر درد کے بھی ہوسکتے ہیں۔

لعاب دہن بکثرت خارج ہوگا بدن سست اور ڈھیلا ہوگا۔ پستان کا سائز کم ہونے لگے گا اور ڈھیلا پن آجائے گا رحم اپنے مقام سے نیچے کی جانب مائل ہوگا جب اسقاط کا وقت قریب ہو تو حاملہ کے سر میں اکثر غیر معمولی گرانی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہوتا ہے۔

رحم میں بچے کی حرکات کا بند ہوجانا۔ پانچویں مہینے کے بعد اسٹتھو اسکوپ کے نیچے بچے کے دل کی حرکات کا سنائی نہ دینا۔

علاج:۔

وہ اسباب جو موجب اسقاط حمل ہیں ان سے بچنے کی کوشش کریں چوتھے مہینے سے پہلے اور ساتویں مہینے کے بعد اسقاط حمل کا اندیشہ ہوتا ہے ان ایام میں پرہیز لازم ہے تقویت رحم اور تقویت بدن کے لیے خاص ادویات کا استعمال کریں اگر والدین میں سے کوئی ایک امراض فساد خون میں مبتلا ہوں تو مصفیٔ خون ادویہ مفید ہوتی ہیں جب اسقاط کی علامات ظاہر ہوں تو ایسی تدابیر اختیار کریں کہ جن سے عورت کی صحت پر برا اثر نہ پڑے اور وہ مصیبت سے بچ جائے۔

اسقاط حمل کے خطرے کے پیش نظر مندرجہ ذیل ادویہ بوقت ضرورت علامات کے مطابق استعمال ہوسکتی ہیں۔

اکونیٹ:۔ اگر حاملہ ڈر گئی ہو اور ڈر کا اثر اس سے جاتا نہ معلوم ہو سیلان خون کے ساتھ موت کا بھی ڈر ہو مریضہ بستر سے نکلنے سے حرکت سے ڈرے، حادثات کا ڈر۔

الٹرس فاری نوسا:۔ جن کے عادتاً حمل ساقط ہوتے ہوں رحم کے مقام پر بوجھ کا احساس۔

آرنیکا مونٹانا:۔ ایسے حالات میں جب مریضہ کو کوئی صدمہ یا چوٹ وغیرہ لگی ہو یا کہیں سے گری ہو جب درد کے ساتھ یا بغیر درد کے سیلان خون شروع ہوجائے۔

کیمولا:۔ دردزہ کے سے درد جن کے ساتھ سیاہی مائل خون کا سیلان ہو بے حد بے چینی، پریشانی اور مزاج میں، چڑچڑا پن۔

ڈلکا مارا:۔ جہاں اسقاط کا خطرہ مرطوب موسم سے ٹھنڈی جگہ سے یا ٹھنڈے موسم اور مرطوب مکانوں میں رہنے کی وجہ سے پیدا ہو۔

اوپیم:۔ جب اسقاط کا خطرہ آخری مہینوں میں ہو، اس کے علاوہ برائی اونیا، کاربوویج، سمی سی فیوگا، کریا زوٹ، وائی برنم، تھوجا بھی علامات کے مطابق دیے جاسکتے ہیں۔

میمونہ رومان

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

وہ بارش کے تسلسل میں
مجھے بوندوں کی مانند یاد ہے

ثانیہ مسکان...... گوجر خان

گلزار و آبشار میں، سورج میں، چاند میں
شرمارہی ہوں، عکس رخ یار دیکھ کر

فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا

کس نے کہا تجھے کے انجان بن کے آیا کر
میرے دل کے آئینہ میں مہمان بن کے آیا کر
پاگل اک تجھے ہی تو بخشی ہے دل کی حکومت
یہ تیری سلطنت ہے تُو سلطان بن کے آیا کر

تسلیم قادر...... منڈی بہاؤالدین

کہانی میں کوئی تو رد و بدل کرو
میرا تم سے بچھڑنا بنتا ہی نہیں

طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک، وزیرآباد

کرتے ہیں اپنا دل، اپنی جان، اپنی محبت تیرے نام
میری زندگی کی وصیت پر اب حق ہے تمہارا

ناہید چوہدری...... احسان پور

میرے چہرے سے میرا درد نہ پڑپاؤ گے وصی
میری عادت ہے ہر بات پر مسکرادینا

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

دولت نہیں خلوص کی یادوں کے پاس بھی
جیسے نہیں ہے پیار پیاروں کے پاس بھی
جیسی مہک ملی تیری یادوں کی بھیڑ میں
خوشبو نہیں ہے ایسی بہاروں کے پاس بھی

نجم انجم اعوان...... کورنگی کراچی

تم ایک ہی شخص کے بچھڑنے پر روتی ہو ہر دم
زینبؓ (بی بی) کا سوچ جس نے بھرے گھر کو کھودیا

حمدہ چوہدری...... گجرات

پھر کیوں نہ جدائی ہمارا مقدر ٹھہرتی

ہم شریک سفر تو ہیں مگر ندی کے کناروں جیسے

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

دل یہ چاہتا ہے کوئی حسین سی بات ہو
خاموش تارے ہوں اور لمبی سی رات ہو
پھر رات بھر یہی گفتگو رہے
تم میری زندگی تم میری کائنات ہو

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

اس کے ہونٹوں پر شب و روز دلاسہ کیوں تھا
دوست ہی تھا تو مرے خون کا پیاسہ کیوں تھا
جب بھی اٹھتی ہے کوئی ٹیس تو سوچتی ہوں
وہ بھرے شہر میں میرا ہی شناسا کیوں تھا

ایمن احمد...... تلہ گنگ

ساون کے مہینے کی تو بس ساکھ بنی ہے
بادل نہوں تو برسات بھلا کب نہیں ہوتی

شاہ قریشی...... ساہیوال

کرتے تو ہیں وہ یاد مجھے بہت خلوص سے مگر
ہوتا ہے یہ کمال بڑی مدتوں کے بعد

انعم...... برنالی

ماتم کرو میں اپنے دکھوں پر
نہیں ہیں لمحے میسر مجھ کو انعم
اس کی پرانی یادوں میں
بہت مصروف ہوں میں

وقاص عمر بنگو...... حافظ آباد

کس شوق کے اثر میں ہوں
راہی ہوں سو سفر میں ہوں

گڑیا...... حافظ آباد

میں سمجھ بیٹھی ہوں راستے میں
میری مسافتوں کا زوال ہو تم
جس کو سوچا مگر نہ لکھ پائے
شاعر کا وہ خیال ہو تم

اقرا افضل جٹ...... مکھن آباد

آرزو یہ ہے کہ ان کو ہر نظر دیکھا کریں
ہم ہی ان کے سامنے ہوں وہ جدھر دیکھا کریں
اک طرف ہو ہماری دنیا ایک طرف صورت تیری
ہم تجھے دنیا سے ہو کر بے خبر دیکھا کریں

عنزہ یونس...... حافظ آباد

رات ڈھلنے لگی ہے سینوں میں
آگ سلگاؤ آبگینوں میں
دل عشاق کی خبر لینا
پھول کھلتے ہیں ان مہینوں میں

نورین انجم اعوان...... کراچی

کلیاں ہاتھوں میں سجالینا پھول آنچل میں بھرلینا
ایسے بھی کبھی شام ڈھلے ہمیں بھی یاد کرلینا

بنت حوا...... ملتان

سنو تم جب بھی ترازو میں تولنا مجھ کو
تو برابر میں فقط اک لفظ محبت لکھنا
گر کرنا چاہو عمر بھر کی حکومت مجھ پر
میرے ہاتھوں پر مہندی سے محبت لکھنا

مریم...... گجرات

سنا تھا قیامت کے دن کوئی کسی کا نہیں ہوگا
مگر یہ سلسلہ تو آج بھی عروج پر ہے

صدف مختار...... بوسال مصور

قاتل کی یہ دلیل منصف نے مان لی
کہ مقتول خود گرا تھا خنجر کی نوک پر

لائبہ مختار...... بوسال مصور

جو مجھے جانتا ہی نہیں
اس کا حق ہے کہ مجھے بُرا سمجھے

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

پاک پرچم کو گھروں کی چھتوں پر لہرانے والو
اس پرچم کی ردا بنت حوا کے حوالے کردو
اک پرچم لگانے سے تو نہ ہوگی ملک کی قیمت ادا
اپنی جان، مال، اولاد کو اس دھرتی پر قربان کردو

سائرہ خان...... محمد پور دیوان

تجھے بھول جانے کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوسکی اے جان!
تیری یاد اک گلاب ہے جو ہوا چلی تو مہک اٹھی

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

محبت اور نفرت کی گواہی ایک ہوتی ہے
کہ دونوں ہی میں تنکا آنکھ کا شہتیر ہوتا ہے
ہراک کو اپنی اپنی چھت کے نیچے نیند آتی ہے
بہت چھوٹا سا گھر بھی صورت جاگیر ہوتا ہے

ارم کمال...... فیصل آباد

ان سے کہنا ہم مزے میں ہیں
بس اس کی یادیں بہت ستاتی ہیں
ان کی دوری کا غم نہیں ہے
بس ذرا پلکیں بھیگ جاتی ہیں

اقرا کیاقت...... حافظ آباد

کیا روگ دے رہی ہے بدلتے موسم کی رُت
مجھے یاد آرہے ہیں مجھے بھول جانے والے

ایس احمد...... بہاولپور

وہ خفا ہیں ہم سے یہ دل نہیں مانتا
اتنے حسیں لوگ رضا روٹھا نہیں کرتے

فائقہ سکندر رفائی...... لنگڑیال

ہماری بھی سنئے بڑی مزے کی ہے
زندگی سے یوں کھیلتے جیسے دوسروں کی ہے

شہزارہ شبیر...... دوکھوا

جب بھی آتی ہیں میں ہینگ ہوجاتی ہوں
اس کی یادوں نے ایسا وائرس پھیلا رکھا ہے

سعدیہ حورعین حوری...... ہنوں کے پی کے

طمانیت کا جال پھیلا کے اپنی ہستی کے چار سو
اپنے اندر کرب کا اک طوفاں میں نے چھپا رکھا ہے

فائزہ بھٹی...... پتوکی

ایک دن کی جو مل جاتی حکمرانی مجھے
قسم سے اس ملک میں تیری تصویر کا سکہ چلتا

ثریا وقاص...... حافظ آباد

ایک ہی بات ہے محبت میں
چاہے میں جیت جاؤں چاہے وہ

ارم شہزادی...... تلہ گنگ

دل پر کیا گزری وہ انجان کیا جانے
پیار کسے کہتے ہیں وہ نادان کیا جانے
ہوا کے ساتھ گھر اڑ گیا پرندے کا
کیسے بنا تھا گھونسلہ وہ طوفان کیا جانے

biazdill@aanchal.com.pk

# ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

## اورنج پائن ایپل کاک ٹیل

اجزاء

| | |
|---|---|
| اورنج جوس | ایک پیالی |
| پائن ایپل سیرپ | ایک پیالی |
| سوڈا واٹر | ایک پیالی |
| کالی مرچ | ایک ٹی اسپون |
| نمک | حسب ضرورت |

ترکیب!

جوسر میں تمام اشیاء ڈال کر اور برف کے ٹکڑے ڈال کر بلینڈ کر لیں ٹھنڈا خوش ذائقہ شربت تیار ہے۔

(جویریہ ضیاء.....کراچی)

## دال کے رول

اشیاء:

| | |
|---|---|
| چنے کی دال | ایک پیالی |
| انڈے | دو عدد (ابلے ہوئے) |
| مکھن | کھانے کا ایک چمچ |
| پنیر (کدوکش کیا ہوا) | ایک چوتھائی پیالی |
| ڈبل روٹی کا چورا | آدھی پیالی |
| نمک، سرخ مرچ | حسب ضرورت |
| گرم مسالا پاؤڈر | چائے کا ایک چمچ |
| سبز مرچیں | کٹی ہوئی چار عدد |
| ابلے ہوئے آلو | دو عدد |
| سبز دھنیا | نصف گٹھی |
| چکن کیوبز | دو عدد |
| آئل | ایک کپ (تلنے کے لیے) |

ترکیب:

دال ابال لیں۔ پانی میں حل شدہ چکن کیوبز، ابلے ہوئے آلو اور انڈے کے ٹکڑے تمام اشیاء ملا کر رول کی شیپ دے لیں پھر پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈبو کر ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر تل لیں۔ پودینے کی چٹنی کے ساتھ لذیذ دال کے رول سرو کریں۔

(صباء عقیل......بھاگووال)

## چائنیز پکوڑے

اشیاء:

| | |
|---|---|
| بند گوبھی | ایک پاؤ |
| سبز پیاز | چار عدد |
| گاجر | دو عدد |
| انڈے | دو عدد |
| پیاز | ایک عدد |
| سبز دھنیا | نصف پیالی |
| سبز مرچیں | چار عدد |
| نمک | حسب ذائقہ |
| میدہ | ایک پیالی |
| چائنیز نمک | چائے کا آدھا چمچ |
| کارن فلور | دو کھانے کے چمچ |
| دگی مرچ پاؤڈر | چائے کا ایک چمچ |
| سرکہ | ایک کھانے کا چمچ |
| سویا ساس | ایک کھانے کا چمچ |
| بیکنگ پاؤڈر | چوتھائی چائے کا چمچ |
| آئل | تلنے کے لیے |

ترکیب:

تمام سبزیوں کو کاٹ لیں۔ انڈے پھینٹ کر ان میں میدہ، کارن فلور اور تمام مصالحے ملا لیں۔ اچھی طرح یک جان کر لیں پھر سبزیاں ملا کر مکس کر لیں۔ آئل گرم کر کے پکوڑوں کی طرح دونوں جانب سے فرائی کر لیں۔

(ہالہ سلیم......کراچی)

## فرائیڈ چلی

اجزاء:

| | |
|---|---|
| چکن بریسٹ پیس (پتلی اور لمبی شکل میں کاٹ کر بوائل کرلیں) | ڈیڑھ کپ |
| ہری مرچ | دس عدد |

**اجزاء برائے چکن فلنگ سوس**

| | |
|---|---|
| مینگو مایونیز | ایک کپ |
| چلی سوس | ایک کھانے کا چمچ |
| چلی گارلک سوس | تین کھانے کے چمچ |
| گارلک پیسٹ | ایک چائے کا چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| کالی مرچ | آدھا چائے کا چمچ |

**اجزاء برائے بٹر**

| | |
|---|---|
| میدہ | ایک کپ |
| کارن فلور | آدھا کپ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| کالی مرچ | حسب ذائقہ |
| انڈا (پھینٹ لیں) | ایک عدد |
| پانی | حسب ضرورت |

**اجزاء برائے کوٹنگ**

| | |
|---|---|
| کارن فلور | آدھا کپ |
| بریڈ کرمز یا رسک کا چورا | آدھا کپ |
| میدہ | ایک کپ |
| کوکنگ آئل | فرائی کے لیے |

ترکیب:۔

چکن فلنگ سوس بنانے کے لیے تمام اجزاء کو مینگو مایونیز کے ساتھ اچھی طرح مکس کر کے سوس تیار کرلیں۔ اب اس سوس میں چکن کے ٹکڑوں کو شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں۔ بٹر بنانے کے لیے تمام اجزاء کو پانی میں مکس کرلیں۔ کوٹنگ تیار کرنے کے لیے بریڈ کرمز یا رسک کا چورا، کارن فلور اور میدہ اچھی طرح مکس کرلیں۔ ہری مرچوں کو درمیان سے لمبا کٹ لگا کر بیج نکال لیں، اب ایک ہری مرچ لے کر اس میں پہلے چکن سوس کی فلنگ کرلیں۔ اس کے بٹر میں ڈیپ کرلیں اور پھر کوٹنگ کرلیں پھر ڈیپ فرائی کرلیں۔ فرائیڈ چلی تیار ہوجائے گی باقی مرچوں کو بھی ایسے ہی تیار کرلیں۔ کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں اور اگر اچھی تیار ہوئی تو مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے نہ بھی ہوئی پھر بھی یاد رکھیں۔

(نزہت جبین ضیاء..... کراچی)

## پکوڑے سینڈوچ

اشیاء:

| | |
|---|---|
| آلو (ابلے ہوئے) | ایک پاؤ |
| چاول (ابلے ہوئے) | آدھا کلو |
| ڈبل روٹی | ایک پیکٹ |
| نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ اور کالی مرچ (پسی ہوئی) | حسب ذائقہ |
| لہسن، ادرک، ٹماٹر اور سبز مرچ | پیسٹ کی شکل میں بنالیں |
| انڈے | 6 عدد (پھینٹے ہوئے) |
| گھی (تلنے کے لئے) | آدھا کلو |
| بیسن | آدھا کلو |

چٹنی بنانے کے اجزاء:

| | |
|---|---|
| املی | 200 گرام |
| آلو (ابلے ہوئے) | 2 عدد درمیانے سائز |
| گرم مصالحہ | آدھا چائے کا چمچ |
| پودینہ، ٹماٹر، سبز مرچ | پیسٹ کی شکل میں |
| دہی | ایک پاؤ |
| لال مرچ، نمک | حسب ذائقہ |

ترکیب: ابلے ہوئے آلوؤں کو اچھی طرح مسل لیں اب اس میں ابلے ہوئے چاول، نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ، کالی مرچ، ادرک، لہسن، ٹماٹر اور سبز مرچ والے آمیزے کو شامل کردیں اور اچھی طرح مکس کریں۔ ڈبل روٹی کے کناروں کو کاٹ کر تکون شکل بنالیں۔ آلوؤں والے مرکب کو ڈبل روٹی کے تکون ٹکڑوں پر لگائیں اور اب پھینٹے ہوئے انڈوں کو بیسن میں شامل کریں۔ بیسن کو پانی سے ذرا پتلا کرلیں اور انڈے (پھینٹے ہوئے) کو بیسن میں مکس کردیں۔ نمک، مرچ اور گرم مصالحہ حسب ذائقہ شامل

کریں تاکہ کوٹنگ کا ذائقہ پھیکا نہ لگے۔ انڈے اور بیسن کے آمیزے میں ڈبل روٹی کو ڈبو کر ڈیپ فرائی کریں اور کسی ڈش میں ٹشو پیپر پر نکال لیں۔

چٹنی بنانے کا طریقہ: املی بھگو کر بیج نکال دیں۔ ابلے ہوئے آلوؤں کو اچھی طرح مسل لیں۔ بھیگی ہوئی املی کو گرائنڈ کرلیں تاکہ املی کا گودہ بالکل ختم ہوجائے۔ دہی کو پانی ملاکر پھینٹ لیں اب اس میں املی، نمک، لال مرچ، پودینہ، ٹماٹر، سبز مرچ، گرم مصالحہ اور ابلے ہوئے آلو شامل کردیں اور اچھی طرح مکس کرلیں۔ اگر یہ مرکب گاڑھا لگے تو لسی (کھٹی) ڈال کر پتلا کرلیں اور مندرجہ بالا پکوڑے سینڈوچ اس چٹنی کے ہمراہ پیش کریں۔ یقیناً آپ لوگوں کو بھی یہ ڈش بہت پسند آئے گی کیوں کہ ہم خود بھی اس ڈش کو ٹرائی کرچکے ہیں۔ اب جلدی سے یہ ڈش بنایئے اور ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

(طلعت نظامی..... کراچی)

## مرغی کے پکوڑے

اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| مرغی | ایک کلو (بغیر ہڈی کے) |
| لہسن ادرک کا پیسٹ | ایک چمچہ کھانے کا |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سرخ مرچ | حسب ذائقہ |
| بیسن | آدھا پاؤ |
| ٹماٹر (چھوٹے سائز کے) | چار پانچ عدد |
| ہرا دھنیا، پودینہ | حسب منشاء |
| ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) | چار پانچ عدد |
| ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی) | تین چار عدد |
| میٹھا سوڈا | آدھا چائے کا چمچہ |
| چائنیز نمک | ایک چائے کا چمچہ |
| گھی (تلنے کے لئے) | حسب ضرورت |

ترکیب:۔

مرغی کی مناسب سائز کی بوٹیاں کرلیں۔ ایک دیگچی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر مرغی کی بوٹیاں، نمک اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر ابال لیں۔ گل جانے پر اتار لیں۔

اب بیسن میں نمک، چائنیز نمک، سرخ مرچ، ٹماٹر باریک کٹے ہوئے، ہرا دھنیا، ہرا پودینہ، ہری مرچ، ہری پیاز ڈال کر پھینٹ لیں۔ زیادہ پتلا نہ ہو میٹھا سوڈا بھی ڈال لیں۔

اب ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں پھر ایک ایک بوٹی بیسن میں ڈبو ڈبو کر درمیانی آنچ پر فرائی کرلیں۔ گولڈن ہونے پر اتار لیں اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

(سدرہ شاہین..... پیرودال)

## چنے کی دال کا حلوہ

اشیاء:۔

| | |
|---|---|
| چنے کی دال | ایک کلو |
| چینی | ایک کلو |
| دودھ | دو کلو |
| گھی | آدھا کلو |
| کھویا | ایک پاؤ |
| بادام کی گری | آدھا پاؤ |
| ناریل | آدھا پاؤ |
| الائچی چھوٹی | چند دانے |

ترکیب:۔

چنے کی دال کو اچھی طرح دھو کر دودھ میں ڈال لیں اور ابال کر گلا لیں پھر اس کو باریک پیس لیں۔

گھی میں الائچی کے چند دانے کڑکڑائیں اور پھر پسی ہوئی دال بھون لیں۔ اچھی طرح بھون لینے کے بعد چینی اور کدوکش کیا ہوا ناریل بادام کی کتری گریاں ڈال دیں۔ اگر دال گلنے کے بعد دودھ باقی بچ گیا ہے تو وہ بھی ڈال دیں۔ خوب اچھی طرح بھون لیں۔ جب گھی چھوڑ دے تب اتار لیں۔ مزیدار چنے کی دال کا حلوہ تیار ہے۔

(سمیہ عثمان..... ملتان)

## انڈے کا ماسک

انڈا قدرت نے ایک ایسی چیز بنائی ہے کہ ہر نفس کو اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے چنانچہ انڈے کا ماسک ہر جلد کے لیے مفید سمجھا جاتا ہے' اس کے تیار کرنے کا طریقہ کچھ یوں ہے کہ ایک انڈے کی سفیدی لے کر اس میں چند قطرے لیموں کا رس اور آدھا چمچ شہد ملا کر اچھی طرح یکجا کرلیں۔ چہرے پر اس کا لیپ کریں' بیس منٹ بعد گرم پانی میں روئی بھگو کر چہرے سے ماسک اتار لیں۔ یہ خشک جلد کو ملائم بنانے کے لیے بہترین ہے۔ خشک جلد کے لیے بہترین ماسک کچھ اس طرح تیار کیا جاسکتا ہے کہ ایک انڈے کی زردی لے کر اس میں ذرا سا بادام یا زیتون کا خالص تیل ملالیں اچھی طرح پھینٹ کر چہرے پر لگائیں اور گرم پانی سے صاف کریں۔ اگر آپ کی جلد روغنی ہے تو اس کے لیے بھی انڈا مفید ہے وہ اس طرح کے انڈے کی زردی میں چند قطرے لیموں یا سنگترے کے شامل کرلیں' بیس منٹ تک یہ ماسک چہرے پر لگا رہنے دیں پھر صاف کرلیں زائد چکنائی کا مسئلہ گرمیوں میں باآسانی حل ہوجائے گا۔

## شہد کا ماسک

چمکیلی اور نرم جلد کے لیے شہد کا ماسک بہت مفید ہے' ایک چائے کا چمچ شہد لے کر اس میں چند قطرے لیموں کا رس ملالیں' اس مرکب کو بطور ماسک استعمال کریں۔ خیال رہے ماسک گرم پانی اور روئی کی مدد سے صاف کرنا بے حد ضروری ہے۔ اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو شہد لے کر اس میں گیہوں کا آٹا ملا کر ماسک بنالیں اس کے علاوہ آٹے میں پانی یا دودھ ملا کر بھی بہترین ماسک تیار کیا جاسکتا ہے۔

## مولی کا ماسک

مولی کے بیج آپ کو حکیم یا پنساریوں کے پاس باآسانی مل سکتے ہیں' ایک ٹیبل اسپون بیج لے کر باریک پیس لیں پھر دہی میں ملا کر بطور ماسک استعمال کریں آپ کا چہرہ ایسا نکھرا ہوا اور تر و تازہ محسوس ہوگا جیسے آپ آپ نہیں رہیں۔

## کھیرے کا ماسک

کھیرا چھیل کر باریک پیس لیں اور پھر چہرے پر اس کا لیپ کرلیں چہرے کے عضلات کا ڈھیلا پن غائب ہوجائے گا۔

## گریپ فروٹ کا ماسک

گریپ فروٹ چھیل لیں' چھلکے کے زرد حصے کو باریک پیس لیں اب اس میں ایک ٹیبل اسپون جو کا آٹا اور دہی شامل کرلیں۔ لیپ کرنے کے نصف گھنٹے بعد نیم گرم پانی سے چہرہ صاف کرلیں اب ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر ماریں' چہرہ ایسا جگمگائے گا جیسے اندھیرے میں کوئی دیا جگمگا اٹھے۔

## آلو کا ماسک

چکنی جلد کے لیے آلو ابال کر باریک پیس لیں' ذرا سا دودھ آلوؤں میں ملا کر چہرے پر لیپ کریں۔

## بیسن کا ماسک

ایک ٹیبل اسپون بیسن لے کر مولی کا رس اس میں ملالیں۔ مولی کا رس آپ بلینڈر کے ذریعے نکال سکتی ہیں جب ماسک خشک ہوجائے تو نیم گرم پانی سے چہرہ صاف کرلیں' چہرے پر پانی کے چھینٹے ماریں چہرہ دمک اٹھے گا۔

ماسک کے فوائد کا انحصار اس میں شامل اجزاء پر ہے یہ جلد میں کھنچاؤ پیدا کرتا ہے' مردہ خلیوں کو کھینچ کر باہر نکال دیتا ہے اور جلد میں چمک پیدا کرتا ہے' بہت سے ماسک چہرے کے ان گندی دھبوں کو بھی دور کردیتے ہیں جو سورج کی الٹراوائلٹ کرنوں کے باعث پڑجاتے ہیں۔

بیشتر ماسک کی تیاری میں قدرتی پھل اور سبزیاں استعمال کی جاتی ہیں لہٰذا یہ جلد کے لیے قطعی بے ضرر

ہوتے ہیں البتہ ایک احتیاط ضرور لازم ہے بعض خواتین ماسک میں شامل کسی جز کے خلاف الرجی کا شکار ہوجاتی ہیں حالانکہ ہوسکتا ہے کہ اسی پھل یا سبزی کو کھانے سے الرجی پیدا نہ ہوتی ہو مثال کے طور پر کوئی عورت آڑو سے بنے ہوئے ماسک کو استعمال کرے تو اس کی جلد سرخ ہوجاتی ہے اور اس میں جلن پیدا ہوجاتی ہے حالانکہ وہ کسی تکلیف کے بغیر آڑو کھالیتی ہے' فیشل ماسک کے اچھے اثرات بہت مختصر مدت کے لیے ہوتے ہیں' جیسے آٹھ سے دس دن تک کے لیے' اس لیے اس عمل کو بار بار دہرانا ضروری ہے اسی طرح نوجوانوں میں یہ اثر نہ صرف زیادہ عرصہ تک برقرار رہتا ہے بلکہ انہیں اس کی کم ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے' زیادہ عمر کی خواتین کو چہرے کی خوب صورتی برقرار رکھنے کے لیے جلدی جلدی ماسک استعمال کرنا پڑتا ہے۔

بیس برس کی عمر کے بعد ہر ایک کو بعض اوقات اس سے بھی کم عمر خواتین کو اس کی ضرورت پڑسکتی ہے یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس میں جلد کو غذائیت باہر کی طرف سے پہنچائی جاتی ہے قدرتی ذرائع سے حاصل شدہ توانائی جلد کو روشن کرتی ہے اور اس میں تازگی پیدا کرتی ہے۔

گھر میں تیار کیے جانے والے ماسک زیادہ معیاری اور آئیڈیل ہوتے ہیں کیونکہ آپ ان میں خالص اجزا شامل کرسکتی ہیں آج کل ماسک ٹیوب اور چھوٹی شیشی میں بھی دستیاب ہیں یہ بھی بلاخوف استعمال کیے جاسکتے ہیں تاہم نامعلوم برانڈ کے ماسک استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔

اس کے علاوہ کارٹن پر لکھے ہوئے شامل اجزاء کے نام بھی پڑھ لیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کسی شے سے الرجک تو نہیں ہیں ان کے استعمال کی انتہائی تاریخ چیک کرلیں انہیں استعمال کرنے کے بارے میں لکھی ہوئی ہدایات پر پوری طرح عمل کریں انہیں صاف ستھری جگہ پر رکھیں اور ان کے اندر انگلی یا گندہ چمچ ڈال کر انہیں گندہ مت کریں۔

اگر آپ ماسک گھر میں تیار کررہی ہیں تو پھل' سبزیاں اور دوسرے اجزا عمدہ کوالٹی کے لیں اور انہیں استعمال کرنے سے قبل اچھی طرح دھوکر سکھالیں پھر اسے صاف ستھرے برتن میں اسٹور کریں' بیشتر پیسٹ فریج کے اندر دو ہفتوں تک آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں اگر ان میں بو آنے لگے تو پھینک دیں یا اگر اس پر پھپھوند نظر آئے تب بھی اسے ضائع کردیں۔

## غسل سے تازگی حاصل کیجیے

ایک اچھا غسل آپ کی گردن اور کانوں کے پیچھے سے میل اتارنے کے لیے بہترین چیز ہے' آپ کے دن بھر کی تھکن اور ٹینشن کو دور بھگانے کے لیے ایک فرحت بخش غسل سے زیادہ اچھی کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ دن بھر کچھ بھی کرتی رہی ہوں' اسٹریس آپ کو جکڑنے کے لیے ڈھونڈ لیتا ہے۔ گھریلو کام کاج' غیر یقینی یا غیر حتمی کام کے اوقات' مسلسل آپ کا سیل فون بجنا اور آلودگی' دن کے اختتام پر آپ سے اپنا محصول وصول کرتے ہیں۔ ایسے میں آپ کو صرف پرسکون ہونے اور ایک اچھے شاور یا غسل کے ذریعے اپنے اندر ترو تازہ فیلنگ کے بے دار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اپنے نہانے کے پانی میں تین قطرے لیونڈر آئل' تین قطرے Neroli Oli اور قطرے گیرینیم آئل ملائیں اس سے آپ خود کو ترو تازہ محسوس کریں گی۔

❁

# نیرنگِ خیال

## ایمان وقار

حمد باری تعالیٰ

اول بھی تُو آخر بھی تُو
باطن بھی تُو ظاہر بھی تُو
ہر شے کا مالک یوں ہے کہ
رازق بھی تُو قادر بھی تُو
تجھے دیکھ نہیں سکتے لیکن
ہر اک جا پہ حاضر بھی تُو
من میں جھانکا ہے جو اپنے
اندر بھی تُو باہر بھی تُو
رحم و کرم ہیں تیری صفات
اور ان میں ہے ماہر بھی تُو
تیری پاکی بیان میں کیسے کروں
سبحان بھی تُو طاہر بھی تُو
ہر لمحے میں جس کی حمد کروں
وہ عہد بھی تُو خاطر بھی تُو

عائشہ اختر بٹ...... سرگودھا

ذرا شام ڈھلنے دو

بجھے دیے اٹھائے
چپکے چپکے آہستہ آہستہ
آئیں گی یادیں
ذرا شام ڈھلنے دو
سرگوشیوں میں لپٹی
اداسی کی لیے صدا
آئے گی ہوا
ذرا شام ڈھلنے دو
من کو جلاتی' روح کو تڑپاتی
ہجر کے نغمے گنگناتی
پر پھیلائیں گی چاندنی پریاں
ذرا شام ڈھلنے دو
قطرہ قطرہ' بوند بوند
بن بادل' سمندر آنکھیں
برسائیں گی ساون
ذرا شام ڈھلنے دو

مشاعل مسکان...... کرمشانی

نظم

پیار کے پودے کو اگر
اعتبار کا پانی نہ ملے
تو وہ مرجھا کر ختم ہو جاتا ہے
کہ پھر اگر اس پودے کی
بوسیدہ جڑوں میں
پیار' اعتماد و اعتبار
کا سمندر بھی چھوڑ دیا جائے
تو اس کی شگفتگی و تازگی
واپس نہیں لوٹتی

انیلا سخاوت...... میانوالی

غزل

کوئی وقت سہانا یاد آیا
کوئی دوست پرانا یاد آیا
اور چاک سے ان دیواروں پر
کچھ لکھ کر جانا یاد آیا
تیرا ملنا نیم کی چھاؤں میں
اور سر رکھ دینا کندھے پر
میرا یہ کہنا کوئی دیکھ نہ لے
تیرا وہ گھبرانا یاد آیا
کبھی ایسا بھی تو ہوتا تھا
میں تجھ کو چھوڑنے جاتا تھا
جب واپس آنے لگتا تھا
تیرا ہاتھ ہلانا یاد آیا
وہ وقت گیا لمحے بیتے
اب ہر جانب تنہائی ہے
اب ایک ہے منظر آنکھوں میں
تیرا چھوڑ کے جانا یاد آیا

محمد علی عباس...... سوہاوہ گجر خان

نظم

لوگ کہتے ہیں
کیوں میں دل جلی تحریر
لکھ رہی ہوں
میری شاعری میں لفظ مسکائیں گے کب؟
کب لفظوں پہ ہنسی کی پھوار ہوگی
اور کہانیوں میں قہقہوں کی
برسات ہوگی
میں کیسے بولوں؟
میری انگلیوں سے
رنگوں کی تتلیاں اڑ چکی ہیں
لفظ درد کی سولی چڑھ چکے ہیں
ہنسی کی پھوار کہاں سے لاؤں
یہاں خوشیوں کا قحط پڑا ہے
کہانی حالت سوگ میں ہے
نفرتوں کے تیر سے لفظ میرے لہولہو ہیں
قلم میرا الم ہی لکھ رہا ہے
میرا وطن بھی جل رہا ہے
کہیں یتیمی، کہیں جدائی
تو کوئی بیوہ سفید چادر کا کفن اوڑھے
کہیں پہ ممتا بھی لٹ گئی ہے
میں کیسے لفظوں میں عشق رکھوں
کہاں سے لاؤں رنگوں کی بارش
ہر سمت دکھ کا پنپ رہا ہے
کہاں کے جگنو اور ننھا بچہ
چھوٹا سا آنگن اور اک دریچہ
لڑکی میں ایسی کہاں سے ڈھونڈوں
ہر ایک مانگے محل مینارے
بچوں سے بھی جو کوسوں دور بھاگیں
نہ ہیر ہے نہ کوئی رانجھا
خزاں کی رت میں مجھے بتاؤ؟
میں کیسے لکھوں......
بہار قصے بہار قصے

شاعرہ: طیبہ عنصر مغل

## ایک لمحہ

ایک دن میں نے کہا
مجھے تم سے پیار ہے جاناں
میں سمجھا جواب میں
وہ تھوڑی گھبرائے گی
وہ تھوڑی شرمائے گی
اور کہے گی
مجھے بھی تم سے پیار ہے میری جان
مگر......
وہ ہنستی ہی رہی
وہ پھر حیراں حیران سی
آنکھوں سے دیکھ کر
آنکھوں سے دل میں اتارتی ہوئی مجھے
اپنے شیریں لب و لہجے میں
دھیمے سے بولی
یہ پیار محبت کچھ نہیں ہے
اک ادھورا رشتہ ہے
سب بھول جاتے ہیں اس رشتے کو
بس کچھ عرصہ لگتا ہے
تم مجھ کو بھول جانا
اور میں تم کو بھول جاؤں گی
اور پھر وہ اداسی سے مسکرا دی
میں حیراں سا اسے دیکھے گیا
کیا تم مجھے بھول سکتی ہو
اور وہ مجھے دیکھے گئی
جیسے صدیوں کی پیاس بجھانی ہو
اور پھر چپ چاپ چلی گئی
اور میں اس کی خاموشی سے
درد بھری ہنسی سے
اور ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں میں
موجودگی سے
سب کچھ جان گیا
اسے بھی مجھ سے پیار ہے
اسے بھی مجھ سے پیار ہے
کیا ہوا اگر اسے پا نہ سکا

اسے بھی میرا خیال ہے
میرے لیے یہی کافی ہے
اسے بھی مجھ سے پیار ہے

دعا رانی..... ڈھوک پراچہ

غزل

کئی رتوں سے یہ زندگی بہت گراں ہوگئی مجھ پر
کہ اب دل کے موسم مجھے مسکرانے نہیں دیتے
کب یہ دل اس کے طلسم نگاہ سے بے اثر ہو رہا ہے مگر
ہیں کچھ تقاضے ایسے چاہوں بھی تو ساتھ نبھانے نہیں دیتے
محبت تو کی تھی اس نے ٹوٹ کر مگر تماشہ بھی مجھ کو بنا دیا
انا کو مری یہ غم بہت ہیں جو خواب اس کا سجاتے نہیں دیتے
مجھے معلوم ہے بہت بے سود ہے لاحاصل محبت کا روگ دل کو لگانا
مگر کچھ قصے خوشنما ایسے دل پر سے نام اس کا مٹانے نہیں دیتے
میں خود تو راہ بدل بھی لوں کشش مگر اس کا عشق اور وہ
بولتی نگاہیں اور ان کہے فقرے اس کے مجھے دامن چھڑانے نہیں دیتے

مدیحہ اکرم کشش..... کیلنگ ہری پور

غزل

بہت فرصت میں ہیں ہم تم، چلو اب عشق کرتے ہیں
نہ دل میں ہے کوئی بھی غم چلو اب عشق کرتے ہیں
سنا ہے دل کو یوں خالی کبھی چھوڑا نہیں کرتے
میرا دل بھی تو ہے گم صم چلو اب عشق کرتے ہیں
زمانے والے کہتے ہیں بہت خوش باش ہوں میں تو
زمانے کو دکھانے کو چلو اب عشق کرتے ہیں
تمہیں بھی غم بہت جاناں، ہمیں بھی دکھ ہزاروں ہیں
ہم اپنا دکھ بتانے کو چلو اب عشق کرتے ہیں
ذرا سوچو کے یوں تنہا بھلا کب عمر کٹتی ہے
ہم اپنی عمر بتانے کو چلو اب عشق کرتے ہیں
بہت ہی تھک چکی ہوں میں دھڑکن سے خفا رہ کر
دل کو آزمانے کو چلو اب عشق کرتے ہیں

ایس اے صنم..... نواب شاہ، سندھ

غزل

میری دوست نیناں شاہ کے لیے

اک ستم گر سے رابطہ رکھنا
درد سے دل کو آشنا رکھنا
میری آواز بھی نہ سن پاؤ
اس قدر بھی نہ فاصلہ رکھنا
گزری باتوں کو یاد کیا رکھنا
چھپ کے تنہائیوں میں رو لینا
سامنے سب کے سامنے حوصلہ رکھنا
کیا خبر جب جان نکل جائے
تم جہاں کہیں بھی رہو نیناں
میری یادوں سے رابطہ رکھنا

شہزادی سعادت..... ڈی آئی خان

نظم

تم اتنا یقین رکھنا
اس دل کے دروازے پر
تمہارے نام کی ہی
تختی لگی ہے
اور اس مکان کے
تالے کی چابی
تمہارے داخل ہونے کے بعد
دریا برد
ہو چکی ہے
تم اتنا یقین رکھنا
اور خود کو صرف میرا..... صرف میرا ہی
مکین رکھنا

فضہ بشریٰ..... خوجیانوالی، گجرات

نظم

میری ایک نظم سے دوستی ہوگئی ہے
اب وہ سورج ڈھلتے ہی
رات کے پچھلے پہر کا انتظار کیے بغیر
میری کالونی کی چوڑی سڑکوں پر
گھنٹوں تلک آوارہ گردی کرتی رہتی ہے
اونچے لمبے سرو کے درختوں سے لپٹتی ہے
تو کبھی......
سفید مرمریں مجسمے سے اٹکھیلیاں کرتی ہے
کبھی سنگی بنچ پر لیٹ جاتی ہے
تو کبھی......

نرم شبنمی کارپٹ گراس پر ننگے پاؤں چلتی ہے
کبھی علاقے کی واحد سپر مارکیٹ میں کھڑی
شوکیسوں میں سجی چیزوں کو حسرت سے دیکھتی ہے
تو کبھی......
خوشیاں بانٹتے ہوئے داتا بن جاتی ہے
میری ایک نظم سے دوستی ہوگئی ہے
اب اکثر وہ رات ڈھلے
میری آنگن کی اونچی باڑ ناپ کر
پورچ میں کھڑی گاڑی کے پاس سے سرکتے ہوئے
روش پر رکھے گملوں سے بچتے بچاتے
گلاب کے کانٹوں سے زخم کھاتے
دبیز گھاس پر چل کر فوارے تک جا کر
اچھلتے پانی سے منہ پر چھینٹے اڑاتی ہے
پھر مستی میں رقص کرتی گنگناتی ہے
تھکن جب اس کی دودھیا پنڈلیوں میں سرسراتی ہے
تب وہ برآمدے میں لگے کین کے جھولے پر
بیٹھ کر گھنٹوں تک آوارہ غزلیں گاتی ہے
اسے جب میرے جاگنے کا احساس ہوتا ہے
میرے کمرے سے آتی روشنی کا ادراک ہوتا ہے
تب وہ میری فرنچ طرز کی بنی کھڑکی کو
بڑے ہی پیار سے کھٹکھٹاتی ہے
اس کی نازک کلائی میں پڑی چھ کالی چوڑیاں
بہت ہی کھنکھناتی ہیں
میں جب اسے سہارا دے کر کمرے میں لاتا ہوں
وہ میری رائٹنگ ٹیبل پر جھکی
میری تحریریں پڑھتی ہے مجھ سے باتیں کرتی ہے
پھر جب صبح کاذب ہوتی ہے وہ میرے بیڈ پر آتی ہے
میرے گھنے سنہری بالوں میں انگلیاں پھیر کر مجھ کو سلاتی ہے
مجھے تمہارا احساس دلا کر میرے جذبات سے کھیلتی ہے
میرے کانوں میں میٹھی سی سرگوشیاں کرتی ہے
گہری نیند میں جانے سے قبل اسے باہوں میں بھرنے کو
اپنی باہیں پھیلاتا ہوں
وہ میرے سینے پر لیٹی مچل مچل ہی جاتی ہے
پر بڑی بے وفا ہے وہ
آنکھ کے جھپکتے ہی اوجھل ہو جاتی ہے

نازسلوش زشے...... آزاد جموں کشمیر

**مجھے آزار مت دینا**

کبھی محسوس کر لو تم
میرے حرفوں کی سچائی
میری آنکھوں کی گہرائی
مجھے جو کچھ بھی کہنا ہے
ذرا سا دھیان کر لینا
بس اتنا مان رکھ لینا
مجھے آزار مت دینا
میرے سب حرف زخمی ہیں
میرے سب لفظ روتے ہیں
ذرا سی سانس لے لوں میں
مجھے پھر قید کر لینا
میری جو شاعری ہے ناں
اسے آزاد کر دینا

صائمہ احمد سحر...... سرگودھا

**غزل**

اسی ایک خواب میں آج تک......
میں بندھا ہوں آس کے جال میں
کوئی شہریار وفاؤں کا کبھی آئے جو تخت عشق پر
مجھے مجھ سے چھین کر لے چلے، کہیں شہر جمال میں
جہاں میں ہوں اس کے سوال میں......
وہاں وہ ہے میرے جواب میں
میرے سرد جسم کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
نہ ہو ایک سانس کا فاصلہ
جہاں اس کے میرے وصال میں

مسکان جبین...... مریدکے

**غزل**

تمہارے عشق سے سیکھے ہیں زیست کے آداب
کہ زخم کھائے ہیں اور پھر بھی مسکرائے ہیں
اٹھا کے چوم لیے فرط عشق میں وہ سنگ
جو جان جاں تیرے قدموں کے نیچے آئے ہیں

بے وفائی جفا آنسو کسک درد غم دل
تمہاری طرف سے کیا کیا خزانے پائے ہیں
رکا ہے دل تھمیں سانسیں ہوئے ہیں ہمہ تن گوش
نجانے کیا کہیں گے کیوں وہ ہچکچائے ہیں
لگا کے چوٹ پوچھتے ہیں وہ کیا درد ہے کچھ؟
کیوں وہ اس طرح میرا ضبط آزمائے ہیں
مہر ناراض کیوں ہو کیا یہی احسان ہے کم
وہ وقت نزع ہی آئے ہیں مگر آئے ہیں

مہر گل...... اورنگی ٹاؤن کراچی

آشنائی

وارد ہوا ایک لمحہ
مجھ پر ایسا کہ
حقیقت کھول گیا میرے کسی اپنے کی
دے گیا آشنائی
اپنے اور پرائے کی

کوثر ناز...... حیدرآباد

غزل

میں انتظار کروں گی سحر ہونے تک
میں سانس بھی نہیں لوں گی سحر ہونے تک
رقم کروں گی مسلسل ستم کی تحریریں
تو آئینہ نہ سہی آئینے سے کم بھی نہیں
میں تیرا عکس پڑھوں گی سحر ہونے تک
چراغ جلے تو میں سوچوں گی روشنی کیا ہے
کسی سے کچھ نہ کہوں گی سحر ہونے تک
ہوائیں تیز چلیں یا چمن میں پھول کھلیں
میں اپنے گھر میں رہوں گی سحر ہونے تک
چراغ جلنے کے بعد آئینہ میں دیکھوں گی
فری میں سب کی سنوں گی سحر ہونے تک

فریدہ فری...... لاہور

نظم

کشمیریوں کے دل کی آواز

جلتے دیوں کو جلتا رہنے دو
معصوم خوابوں کو پروان چڑھنے دو
نوخیز کلیوں کو نہ مسلو
پھولوں کو کھلا رہنے دو
محبت کی زبان کو
چاہت کے نغمے کہنے دو
شاہین ہوں میں
مجھے رفعتوں میں
رہنے دو
آزادی خواب ہے میرا
ہم کشمیریوں کو آزادی سے
رہنے دو

شفقت شاہین...... چکوال

غزل

موسم زندگی کے عجب سہانے دیکھے
برسات میں جلتے سرسبز گھرانے دیکھے
کتاب تاریخ کے بوسیدہ اوراق جو پلٹے
بکھرے حال کے صفحے پر وہی فسانے دیکھے
ستم خزاں نہیں اب کے وار قسمت کا ہے
جوبن بہار میں گلشن کے ویرانے دیکھے
دشت جنگل بیابانوں کے کھنڈر
عشق کے ماروں کے عجب ٹھکانے دیکھے
کوئی مجنوں و جوگی کوہ کن و مہینوال ہوا
اک رستے پر کئی روپ کے دیوانے دیکھے
کیا تھا عہد وفا سمیٹ لیے سنگ تہمت ورنہ
رسوائی سے دامن بچانے کے کتنے بہانے دیکھے
زخم ہیں مانند سیاہ آنچل میں سجے تارے
شب تاریک میں سپنوں میں چمکتے خزانے دیکھے
سب کہاں نکلی کچھ اسیر دنیا ہوئے ورنہ
یادِ خدا میں کھوئے کئی دنیا سے بیگانے دیکھے

بلیو فری...... کوٹلہ جام بھکر

نظم

کوئی دوست ہم درد ہوا ایسا
تپتی دھوپ میں چھاؤں کے جیسا
جس کے بنا جینے کا تصور محال ہو
جسے چاہتوں میں آتا کمال ہو
وہ دل کا غنی حسن کا جمال ہو

پھر نہ کبھی آنا ہم میں وصال ہو
جس میں بدل جائے دنیا میری
کاش ایسا کوئی سال ہو
کوئی دوست ہم سفر ہو ایسا
پھر غم اور درد ہو کیسا
دھیرے سے آئے میرے سپنے سجائے
کچھ میری سنے کچھ اپنی سنائے
جب میں روٹھوں مجھے وہ منائے
کاش اک دن وہ چپکے سے آ جائے
کوئی دوست ہم قدم ہو ایسا
تپتی دھوپ میں چھاؤں جیسا

بحیرا نیلم...... گجرات

کالج کی یاد

ہمیں وہ کالج کا زمانہ یاد آتا ہے
مت پوچھ پھر کیا یاد آتا ہے
سبق نہ آنے پر کھڑے ہو جاتے تھے پل بھر میں
اپنی ان نادانیوں پر مسکرانا یاد آتا ہے
ٹیچر کی موجودگی میں اتنا سکوت کہ مت پوچھ
فری پیریڈ میں وہ چلانا یاد آتا ہے
ٹولیو کی شکل میں بیٹھنا سدا ہم نے
بنچ کو دف بنا کر بجانا یاد آتا ہے
ذہانت تو ایسے جھاڑتے تھے دوستوں کے سامنے
سبق نہ آنے پر وہ سر کھجانا یاد آتا ہے
گزر جاتا تھا سارا سال مستیوں میں یوں تو
مگر امتحان نزدیک آنے پر وہ گھبرانا یاد آتا ہے
مینا بازار اور پارٹی کا جوش و خروش مت پوچھ
وہ پرنسپل کو منت کر کے منانا یاد آتا ہے
وہ ذرا سی بات پر کلاس میں بلند قہقہے لگانا
مس کی ڈانٹ پر وہ کتابوں میں سر چھپانا یاد آتا ہے
مانا کہ سب کچھ خواب و خیال بنا مگر اے گوہر
دوستوں اور ٹیچرز کا وہ یارانہ یاد آتا ہے
ہمیں وہ کالج کا زمانہ یاد آتا ہے
مت پوچھ پھر کیا یاد آتا ہے

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ، فیصل آباد

غزل

مسئلہ خدوخال کا بھی نہیں
اور بجز اک خیال کا بھی نہیں
سرخوشی وہ تو خیر تھی ہی نہیں
اب یہ آنسو ملال کا بھی نہیں
ایک تم تھے جو میرا ماضی تھے
ایک میں ہوں جو حال کا بھی نہیں
ٹال دینا جسے نہیں آتا
وہ مرے اک سوال کا بھی نہیں
سحر جو ٹوٹنے ہی والا تھا
وہ کسی کے جمال کا بھی نہیں

عمار اقبال...... کراچی

غزل

سدا الجھے رہے ہیں جو گناہوں میں ثوابوں میں
زمانہ لے گیا سبقت انہی پر انقلابوں میں
کتاب زیست تیرے نام کر ڈالی تو باقی کیا
تمہارے نام کر ڈالا ہے خود انتسابوں میں
اگر کچھ بھی نہیں دل میں تو کیسی ہے یہ بے چینی
جھلکتی ہے کہانی کون سی ان اضطرابوں میں
تجھے شوریدہ سر ہو کے بھلا ڈالوں تو کیا حاصل
اجارہ داریاں تو تیری ہی ہیں میرے خوابوں میں
دم رخصت بھلا کیسے نظر آتا کوئی چہرہ
ہر اک ڈوبا ہوا منظر تھا آنکھوں کے سیلابوں میں

ماریہ زکی...... سکھر

biazdill@aanchal.com.pk

# دوست کا پیغام آئے

**ہما احمد**

### آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! پیاری نٹ کھٹ کیوٹ سی دوستو! میں بات کروں گی پہلے احمد پور شرقیہ کے بارے میں وہاں جو حادثہ ہوا وہ بہت جان لیوا تھا سب کی آنکھیں نم تھیں۔ عید کے دن جب بھی میں ہیلی کاپٹر دیکھتی تھی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے میں وزیراعظم نواز شریف وزیراعلیٰ شہباز شریف آرمی والوں اور پولیس والوں کی بلکہ سب کی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی خوشی کا دن دوسرے لوگوں کے دکھ درد میں گزارا یہ ہمارا فرض بھی بنتا ہے۔ فاخرہ آپی آپ کی امی جان کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ عزوجل آپ کی امی جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اللہ عزوجل آپ کو اور آپ کی پوری فیملی کو صبر دے آپ کی امی کے نام.......

ماں مجھے تو تیرے ساتھ جینے کی عادت تھی
اب تو نہیں تو سب کچھ بیگانہ لگتا ہے
تجھ سے ہی ملتی تھی مجھے ہر خوشی
ماں میں اب تجھ سے بچھڑنے کا غم کس کو سناؤں

میری کیوٹ سی پری کائنات آئی لو یو کائنات تمہیں میری عید کے دن بھی یاد نہیں آئی۔ کائنات میں تمہیں بہت مس کرتی ہوں اب تو تم مجھ پر ترس کھاؤ ثوبیہ سحر ریما رضوان کوثر خالد پروین افضل اقرا جٹ آپ کے شعر مجھے بہت پسند آئے۔ پروین افضل آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اس کے لیے بہت شکریہ۔ میں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن ہاتھ کسی نے نہیں تھاما افسوس۔ میں اب اتنی بھی بری نہیں پاکیزہ ایمان سیدہ لوبا سجاد آپ دونوں کہروڑ پکا کے شہر میں کس جگہ رہتی ہو گاؤں کا نام ضرور بتانا۔ سب کے لیے ایک چھوٹا سا پیغام سب ایک دوسرے کی خوشیوں کا خیال رکھیں کسی کا دل نہ توڑیں کیونکہ دل میں اللہ کا بسیرا ہے کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دو اگر کسی کو کسی سے شکایت ہے تو اس کو بتادو اس طرح جو بدگمانیاں پیدا ہوتی ہے وہ جلد ختم ہوسکتی ہیں سب اپنا اپنا خیال رکھیں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

روبیہ کوثر...... بستی ملوک

### سب اپنوں کے نام

السلام علیکم! امید واثق ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے میں آنچل کے اس نوخیز ستارے (شاہ زندگی) کے بارے میں کہوں گی جو ہم سب فرینڈز میں اب نہیں رہی میں اسے بہت شوق سے پڑھتی تھی بہت دکھ ہوا اس کی رحلت کا سن کر بالکل ہی اچانک وہ اس دنیا سے چلی گئی۔ ہمارا بھی یہی حال ہوگا سب دوستیں اس کی مغفرت کے لیے دعا گو رہیں ارم کمال آنٹی اینڈ عابدہ مغل بہت شکریہ مجھے یاد رکھنے کا اپریل کے شمارے میں آپ دونوں کے سوا مجھے کسی نے مس نہیں کیا۔ آمنہ رحمٰن ہنی آپ نے مجھے معصوم کہا یار بالکل بھی ایسا نہیں ہے بلکہ معصوم تو آپ مجھے لگتی ہیں (سمائل) چلیں جی پھر بن گئی نا آنچل فرینڈ نورین انجم کہکشاں مریم مدیحہ نورین حسینہ ایچ ایچ (مائے لولی فرینڈ آصف لبو)۔ طیبہ خاور پھول ارم کمال اینڈ کوثر خالد آسٹیر) نورین مسکان شاہ رسول ہاشمی شبنم کنول ثانیہ مسکان صائمہ سکندر سومرو نورالشال شہزادی دعا سحر لتا احب پروین افضل فصیحہ آصف ثانیہ جہاں عائشہ پرویز عظمیٰ بٹ عائشہ ملک کرن شہزادی نازیہ عباسی عائشہ رحمٰن ہنی اقصیٰ کشش روی علی فائزہ بھٹی پلیز دوستو آپ زیادہ سے زیادہ آنچل میں لکھا کریں۔ بہت اچھا لگتا ہے آپ سب کو پڑھنا عائشہ پرویز شادی کی مبارک ہو۔ عابدہ مغل کیا آپ ہائی اسکول میں پڑھتی ہیں اور کون سی کلاس میں سویٹ راسٹرز فاخرہ گل عائشہ پرویز نازی کنول ریحانہ آفتاب فرح بھٹو سمیرا شریف طور اقرا اصغر احمد آپ بہت گہرائی میں لکھتی ہیں۔ بیسٹ وشز فار نو کنول سراج آمنہ میری معصوم سی دوست کنزہ (خاکی) آپ لوگ کیسی ہیں۔ کنزہ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا اب بھی کہ تم نے مجھے یاد کیا ہے۔ بہت اچھی ہو تم۔ سمیعہ کنول یہ میں کنزہ لیاز کا کہہ رہی ہوں اب ہم لوگ بہت ہی اچھی دوستیں بن گئی ہیں (یقین نہیں آ رہا نہ تمہیں کنزہ بہت بدل گئی ہے) فیملی ممبرز ہاؤ آر یو عالیان مائے سویٹ کنزہ آمنہ اور نور شادی مبارک (آل ویری ہیپی) نادیہ تم کیسی ہو رحمت بھائی اور راحت کا سناؤ۔ ثوبیہ شادی مبارک ہو گول گپے کے ساتھ (ہاہا) او کے فرینڈز بہت باتیں ہوگئیں فی امان اللہ۔

سمیرا اسوتی...... بھیر کنڈ

### آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب آنچل گرلز مجھے آپ سب سے دوستی کرنی ہے۔ جو بھی آنچل پڑھتی ہیں اس میں شرکت

کرتی ہیں یا پھر آپ آنچل کی خاموش قارئین ہیں۔ میں آپ سب کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں' جو بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہے موسٹ ویلکم مجھ سے رابطہ کریں۔ میں نے پہلی بار آنچل میں شرکت کی ہے آنچل پچھلے چار سال سے پڑھ رہی ہوں' اس کی سب رائٹرز اور ریڈرز بہت اچھی ہیں۔ اس لیے میں نے آپ سب گرلز کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے' پلیز جواب ضرور دینا آپ سب میں منتظر رہوں گی' اللہ حافظ۔

حور خان...... چکوال

آنچل کی چڑیوں کے نام

السلام علیکم! امید ہے آنچل کی بھی چڑیاں ٹھیک ٹھاک اور خوش باش ہوں گی۔ میرے چڑیا کہنے پر آپ لوگ مائنڈ تو نہیں کریں گی بھئی سیدھی سی بات ہے آپ سب کو پڑھ کر تو مجھے چڑیوں کا گمان ہوتا ہے۔ ہر کوئی چوں چوں کر رہی ہوتی ہے اور بھئی میرے قصور والے اہل علاقہ کیسے ہو آپ سب' یار بھی میرے نام بھی کچھ لکھ دیا کرو تجھو۔ نور الشال آپ کیسی ہو؟ یار میں بھی آپ کی اپنی ہوں' مجھے بھی یاد کرلیا کرو اور باقی ساری کھڈیاں کی چڑیوں کو میرا اسلام اور پیار' ڈھیر ساری دعائیں۔ میری طرف سے بھی آنچل کی چڑیوں کو دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔ ڈھیر ساری دعائیں آپ کے لیے' میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ دعاؤں میں یاد رکھیں یہ ضرور کہوں گی کہ ایک ہی بار کوئی اچھی دعا ضرور دے دیں جو اللہ پوری کردے' ویسے بھی آج کل مجھے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے اللہ حافظ' اپنا ڈھیر سارا خیال رکھیے گا اور دعا میں ضرور دیں مجھے۔

میزاب...... قصور

پرخلوص جذبات رکھنے والوں کے نام

نازیہ کنول نازی اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو مکمل صحت عطا فرمائے آمین۔ حبا قریشی آپ کے دادا جان کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ صائمہ مشتاق اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ کا آپریشن کامیاب ہو' اللہ تعالیٰ آپ کو آئندہ ہر غم اور ہر آزمائش سے بچا کر رکھے آمین۔ تمنا بلوچ آپ کے لیے دل بہت افسردہ ہے آپ کی پہلی اولاد دنیا میں آئی اور چلی گئی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہتر نعم البدل عطا کرے آمین۔ نینا خان آپ کو اپنا نیا سفر اور ہمسفر بہت بہت مبارک ہو' راؤ سمیرا آپ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ صحت تندرستی عطا فرمائے آمین۔ طیبہ خاور چھول زندگی کا نیا سفر آپ کو مبارک ہو آپ نے لکھا نجم انجم پروین افضل اور میں ایک جیسی لگتی ہیں ذرا وضاحت کریں گی ایک جیسی کی۔ عائش کشمالے آپ نے مجھے یاد رکھا بہت شکریہ اور نھا فوزان بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہے۔ پروین افضل شاہین شکریہ کی ضرورت نہیں یہ ہمارا ایک دوسرے پر حق اور محبت ہے۔ انیلا طالب میرے سوالات پسند کرنے کا شکریہ' ندیحہ نورین مہک آپ کو بہت جزاک اللہ۔ کوثر خالد آپ تو آنچل کی آن بان اور شان ہیں' مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ مسز نگہت غفار آپ کی دعاؤں کے لیے میں آپ کی تہہ دل سے مشکور ہوں اور ہمیشہ میں آپ سے دعاؤں کی طالب رہوں گی آپ کی دعائیں میری اندھیر راتوں میں کہکشاں کا کام دیتی ہیں۔

ارم کمال...... فیصل آباد

اپنوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں سب' سعدیہ اشرف میری گول مٹول اور سویٹ سی سسٹر تم نے اتنے اچھے مارکس کیسے لے لیے ویسے مجھے امید نہیں تھی (اب اتنی خوشی بھی نہ ہو اتنے اچھے بھی نہیں) انیس منیر تمہیں بھی بہت بہت مبارک ہو۔ بھوکی نے مٹھائی تو کھلائی نہیں مگر بلی نبیلہ منیر اور نازک سی راحیلہ آپ دونوں کو کالج جوائن کرنے کی بہت بہت مبارک ہو۔ شمائلہ کوثر اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا کے ہر ایگزام میں کامیاب کرے ویسے تمہیں بشیراں کہنے پر اتنی چڑ کیوں چڑھتی ہے (یہ بھی ایک نام ہی ہے اتنی نیلی پیلی ہونے کا مقصد) تمہارا میرے لیے چھوٹی سی بات پر پریشان ہونا اور ہر بات مجھ سے شیئر کرنا دل کو بہت بھاتا ہے' لویو۔ آپی روبی کیسی ہو' کیا ہو رہا ہے آج کل۔ فیضہ' مائرہ' لائبہ' سعدیہ رمضان' شبانہ شہزادی سب کو میری طرف سے سلام قبول ہو۔ سعدیہ تو پیا دیس سدھار چکی ہوگی' عاصمہ ناصر تمسن کو آنچل میں ویلکم کہوں وکی اور موم جٹ کو بھی ویلکم جٹی جی ہم دوست کے پیغام میں جٹ گروپ نہ بنائیں کیا خیال ہے آپ لوگوں کا ضرور آگاہ کریے گا۔ مسرت تم تھوڑی موٹی ہو جاؤ یار آپی فوزیہ آپ کو شادی کی ڈھیروں مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنی خوشیوں سے نوازے کہ آپ کا دامن کم پڑ جائے اب یہ نہ کہنا کہ اتنی دیر سے مبارک' میں نے سوچا کہ سب سے الگ طریقے سے مبارک دوں (کیونکہ آپ کو پتا ہے فری سب سے مختلف کام کرتی ہے) کیسا لگا یہ طریقہ ضرور بتایئے گا۔ ہم آپ کو بہت مس کرتی ہیں' آنچل فرینڈز اگر آپ نے یا کسی نے مجھ سے دوستی کرنی ہے تو میرے دل کا دروازہ ہمیشہ کھلا ملے گا' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

**فرحت اشرف گھمن..... سیدوالا**

بہت خاص لوگوں کے نام

السلام علیکم! آنچل سے وابستہ سب لوگ کیسے ہیں؟ آنچل کی بزم میں ایک لمبے عرصے بعد حاضر ہو رہی ہوں' وجہ بہت زیادہ مصروفیات رہی لکھا نہیں لیکن آنچل کا ساتھ نہیں چھوڑا ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھتی رہی ہوں۔ دوست کا پیغام آئے میں کسی بھی دوست نے یاد نہیں کیا' مئی میں روبی علی کا پیغام دیکھ کر اچھا لگا کہ چلو ہم یاد تو ہیں کسی کو شاہ زندگی سے۔ بہت گلہ تھا لیکن مئی کے آنچل میں ان کی وفات کا سن کر میں شاک رہ گئی' مجھے یقین ہی نہیں آیا پھر جون کے آنچل میں بھی ان کے بارے میں پڑھا' اللہ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ وہ تو آنچل کی رونق تھیں پلیز ان کے بارے میں جو کوئی بھی جانتا ہو تفصیل سے بتائے کہ ان کو کیا ہوگیا تھا۔ روبی علی آپ کیسی ہیں میں آپ لوگوں کو یاد کرتی تھی بس یار زندگی بہت مصروف ہوگئی ہے بچے بڑے ہوگئے ہیں۔ ہادی وان میں ہوگئی ہے اور عبید پلے میں۔ عبید کی شرارتیں سارا دن بیٹھنے نہیں دیتیں۔ جیا آپ کیسی ہیں؟ آپ بھی غائب ہوگئیں آپ کے گھر میں سب کیسے ہیں۔ پروین افضل آپ کیسی ہیں' بہن میں آپ کی خوشیوں کے لیے بہت دعائیں کرتی ہوں' اللہ رب العزت آپ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازے آمین۔ دوستو آپ سب کی دعاؤں سے اللہ نے سحر کو بیٹی جیسی رحمت سے نوازا ہے میری پیاری سی بھانجی عیزا فاطمہ کے لیے دعا کیجیے گا۔ 4 جون کو میری مما کی برسی تھی 4 دفعہ سورۃ اخلاص پڑھ کر مما اور بابا کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے گا۔ نازیہ کنول نازی آپ کو بیٹا اور بیٹی کی بہت بہت مبارک ہو فیس بک پر پڑھا تھا' سمیرا جی آپ کو نئی زندگی کی بہت بہت مبارک ہو' اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ 5 جولائی میں بہت عزیز سی دوست کی سالگرہ تھی' اس کی خوشیوں کے لیے دعا کیجیے گا۔ 8 اگست کو حنا' 15 کو عمران' 16 کو سحر کی سالگرہ ہے سب کو بہت مبارک ہو' اللہ آپ کو ہزاروں خوشیاں دے۔ دوستوں دعاؤں میں یاد رکھیے گا' دعاؤں کی طلب گار۔

**نگینہ سحر..... چیچہ وطنی**

آمنہ یٰسین کے نام

السلام علیکم! پیاری آمنہ تم ہمیشہ کہتی ہو کہ میرا نام آنچل میں کیوں نہیں لکھتیں' اب لکھ لیا نا خوش ہو جاؤ تمہاری نذر ایک شعر.....

نیلی نیلی روشنی کمرے میں بند ہے
میں کیا کروں مجھے آمنہ ہی پسند ہے

تمہاری ایج کے حساب سے یہی شعر بنتا ہے' چلو اب تو خوش ہونا خوش رہو ہمیشہ۔

**اقرأ حفیظ..... کھلابٹ ٹاؤن شپ**

سب پڑھنے والوں کے نام

گزشتہ دنوں میری عظیم ہستی میری ماں' ہمیں اکیلا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں' بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ میری ماں کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں کیونکہ فقط یہ تحفہ ہی ان کے کام آئے گا۔

اے پیاری ماں میں آج تجھے کر کے یوں رخصت
محسوس کر رہی ہوں میری چھن گئی جنت

آنچل کی لکھاری شبانہ شوکت کے شوہر کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ ان کے شوہر کو جنت میں جگہ دے آمین۔ اقرأ اجٹ' میرے لیے وظیفہ تجویز کرنے کا شکریہ۔ سیدہ عابدہ شاہ! اپنی مما سے میرے لیے دعا کرانے کا بہت بہت شکریہ۔

**پروین افضل شاہین..... بہاولنگر**

پیاروں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں سب یقیناً ٹھیک ہوں گے پیارے بھائی محسن 10 کو آپ کی اور پیارے بھائی فیصل 14 کو آپ کی سالگرہ ہے' بہت بہت مبارک ہو' اللہ تم دونوں کو صحت' تندرستی اور کامیابیاں عطا کرے' آمین۔ اقرأ اسحاق تمہاری اور عنادل کی سالگرہ ہے۔ بہت بہت مبارک باد۔ پیاری باجی صغراں آپ کو شادی کی بہت مبارک ہو' اللہ آپ کو خوشیوں بھری زندگی نصیب کرے' آمین۔ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں اور آنچل فرینڈز میں پیاری طیبہ خاور' عائشہ رحمان' ارم کمال' فریدہ جاوید فری' پروین افضل شاہین' جیا آپی' آنٹی کوثر خالد' انیلا طالب کیسی ہو آپ سب' اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ اقصیٰ کشش میں ٹھیک ہوں' سویٹ لڑکی تمہیں میں نے کیوں بھولنا ہے کیسی ہو تم؟ جیا عباس پیاری آپی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات ختم کرے' آپ کو خوشیوں بھری پرسکون زندگی عطا کرے آمین۔ پیاری عظمیٰ شفیق کیسی ہو آپ' مجھ سے امپریس ہیں ہائے میں مرجاواں' خوش رہو اور ایک پیاری سی ان دیکھی دوست سلمیٰ گوری خان السلام علیکم! کیسی ہیں آپ امید ہے ٹھیک ہوں گی۔ آپ کا پیغام مجھے نوشی آپی نے دے دیا تھا' اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں دے آمین۔ خوش رہو اپنا خیال رکھنا اور دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

**مدیحہ نورین مہک...... گجرات**

**کچھ اپنوں کے نام**

السلام علیکم! تمام پڑھنے والوں کو میرا پیار اور محبت بھرا اسلام۔ آپ سب تو مجھے بھول گئے ہیں مگر میں آپ کو نہیں بھولی اتنا عرصہ آنچل میں انٹری نہ دی تو کسی نے یاد بھی نہیں کیا۔ بے وفا لوگ چلو کوئی گل نہیں' سب سے پہلے میری تمام دوستوں کو جو آج کل کالج کی ہوا لگنے سے تیز ہوگئی ہیں ان کو میرا اسلام اور بہت سا پیار' جن میں شامل ہیں رمشاء آرزو' مریم خالد' خزینہ الیاس' عائشہ عروج' سمعیہ عزیز' رومائلہ غزل' ربیعہ ارشد' خدیجہ صادق' رومیا اصغر تم لوگ میرے ہاتھ لگو اس کے بعد آنچل کی ایک قاری آمنہ رحمٰن مسکان ملک کو ساری سوری زیادہ آپ نے مجھ سے میرا بائیو ڈیٹا پوچھا سوری ڈیئر جلدی لکھ نہ سکی' وجہ میرے امتحان تھے۔ اب فری ہوں تو سوچا کہ آنچل میں ہی کچھ لکھ لو تو جناب میرا نام انعم اسحاق ہے' میرا تعلق برنالی سے ہے' ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ فرسٹ ائیر کے ایگزامز دیئے ہیں اور آج کل بالکل فری ہوں' دوستیں میری کافی زیادہ ہیں' خوش مزاج لڑکی ہوں۔ پریشان ہونے کے باوجود خوش رہتی ہوں' میری ماں کی وفات ہو چکی ہے جو میری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا' اللہ میری ماں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے' آمین۔ پینٹنگ' شاعری' مہندی' آرٹس کا کام سب کرلیتی ہوں' کچھ شوق میرے لڑکوں جیسے ہیں جیسے والی بال کھیلنے کا شوق وغیرہ اور اس سے زیادہ میں آپ کو کیا بتاؤں اپنے بارے میں ڈیئر! اتنا ہی کافی ہے اگر ہضم ہوگیا تو ہاہاہا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اگر کوئی ساڈا سجن بننا چاوے تے ویلکم رب دا کھا۔ خدا حافظ۔

**انعم...... برنالی**

**آنچل کی پریوں اور اپنے سوئٹ بھانجے کے نام**

السلام علیکم! میری فیملی اور تمام آنچل پڑھنے والے قارئین یقیناً آپ سب بالکل خیریت سے ہوں۔ سات سال ہوگئے مجھے آنچل پڑھتے ہوئے' پچھلے سال آنچل میں انٹری دی میرا تعارف شائع ہوا جس کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ دوست کا پیغام آئے ضرور پڑھتی ہوں' بے شک میرے لیے کوئی پیغام نہیں ہوتا لیکن ہے تو آنچل کا حصہ' اس لیے چھوڑ نہیں سکتی اور سوچتی تھی کبھی تو اس میں میرے لیے بھی پیغام ہوں گے ہائے رے حسرت' آپ سب کے نام مجھے یاد ہیں ان سے دوستی کی خواہش مند ہوں یقیناً آپ سب میرا ہاتھ ضرور تھامیں گی اور مجھے مایوس نہیں کریں گی۔ سب سے پہلے دعائے سحر مجھے بہت عزیز اور اپنی سی لگتی ہیں' کیا مجھ سے دوستی کریں گی؟ لاریب انشال آپ کا نام مجھے اچھا لگا' دلکش مریم کا تعارف پسند آیا اس لیے دل میں گھر کرگئیں۔ مونا شاہ قریشی اور آپی پروین افضل شاہین آپ کی تو میں پکی فین ہوں اور آپ کے لیے دعا بھی کرتی ہوں۔ لاڈو ملک' جاناں ملک' طیبہ نذیر جس کی اب شادی ہوگئی ہے مبارکاں جی۔ فوزیہ سلطان' فائقہ سکندر آپ کہاں ہیں؟ مجمع انجم' مدیحہ نورین مہک' صائمہ سکندر سومرو' حرا قریشی آپ لکھتی ہیں یا پھر جادو کرتی ہیں کہ بندہ پڑھ کر اس سحر سے نکلتا ہی نہیں۔ سنیاں زرگر شادی کی مبارک باد۔ ماہ رخ سیال' عنزہ یونس' پارس شاہ' انشال' کرن شاہ' عائشہ پرویز' شمع مسکان' نبیلہ ناز اور اقرا مادیہ برنالی آپ کا پیغام دسمبر کے شمارے میں پڑھا آپ کی امی کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ واقعی ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے' ہماری امی اگر ایک دن کے لیے کہیں چلی جائیں تو رات بڑی مشکل سے گزرتی ہے' گھر سونا سونا لگتا ہے۔ امی آتی ہیں تو گلے لگ جاتی ہوں' آپ کا کیا حال ہوا ہوگا اللہ سے دعا ہے آپ کی امی کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب ہو اور آپ سب کو اللہ صبر عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کے تایا ابو کو جلد صحت یاب کرے' آمین۔ جن کے نام لکھے اس میں سے کوئی بھی اگر دوستی کرنا چاہے میں ویٹ کروں گی اور اپنے بھانجے کو پہلی سالگرہ مبارک ہو' ہم نے عبدالہادی کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی آخر پہلا بھانجا اور نواسہ ہے' سب کا بے حد لاڈلا اور بے حد شرارتی اور ڈانس تو ایسے کرتا ہے جیسے کب سے سیکھ رہا ہو۔ سب کو خوب ہنساتا ہے' اس کے آنے سے بہت رونق لگتی ہے ہمارے گھر اور جب جاتا ہے تو پھر دل اداس ہوجاتا ہے اور میں بہت مس کرتی ہوں اور بائیک پر کک بھی مارتا ہے اور اب تالیاں بھی بجالیتا ہے مگر اپنی سالگرہ پر موڈ خراب تھا۔ اب یہ پیغام میں اپنے بھانجے عبدالہادی کے لیے لکھ رہی ہوں تاکہ جب وہ بڑا ہو تو پھر میں اسے دوں گی' پڑھنے کے لیے وہ کتنا خوش ہوگا اپنے بارے میں پڑھ کر۔ کیک کھا کر سب مہمانوں کو چاٹ پیش کی اور اس کے بعد کھانا کھایا گیا اور یہ ہماری فیملی کی یادگار برتھ ڈے پارٹی تھی۔ ہم سب نے بہت انجوائے کیا' خوب رونق لگی' سب نے گفٹ اور پھونے پیسے دیئے۔ ہم اس کے لیے بڑی گاڑی لے کر آئے تھے جس پر اب بیٹھ کر خوب گھومتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ ہمارا بھائی نہیں ہے اس لیے یہ بھانجا بڑی مرادوں سے ملا' جس کے آنے کے بعد بہت خوشیاں منائی گئیں' ہمارے گھر سے بھی

مٹھائی اور چینی بانٹی گئی بس اللہ سے یہی دعا ہے میری باجی کا گھر ہمیشہ آباد رہے سدا خوشیاں نصیب ہوں۔ اللہ میرے بھانجے کو لمبی زندگی اور خوشیوں والی زندگی نصیب ہو اور کوئی غم اس کی زندگی میں نہ آئے آمین۔ اپنی خالہ جانی کا لاڈلا شہزادہ ہمیشہ خوش رہے آمین اور میری فیملی کو بھی اللہ خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں اور کوئی غم نہ آئے۔ میری امی اور ابو کو لمبی زندگی دے اور ان کو میرے ساتھ حج کرنے کی سعادت نصیب کرنا' آمین' سب کے لیے نیک تمنائیں' جہاں بھی رہیں خوش رہیں' والسلام۔

زاہرہ فاطمہ...... نامعلوم

اپنوں کے نام

میں نے یہ پیغام اپنوں کے نام لکھا ہے' ان اپنوں کے نام جنہیں مجھ سے بہت محبت اور پیار ہے مگر میرے اپنوں نے میرے ساتھ بالکل دشمن جیسا سلوک کیا۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا' جیتے جی ہی برزخ میں دھکیل دیا' میری ذات پر میرے کردار پر کیچڑ اچھالا بھی کس ہستی نے وہ جس کو خدا نے اتنا اونچا مقام دیا' اس کے پیروں تلے جنت رکھ دی۔ کیا آپ واقعی میری حقیقی ماں ہیں' میں آپ لوگوں کو معاف کروں بھی تو کیوں اور سمعیہ تم میری بیسٹ فرینڈ تھیں نہ پھر تم نے میرے ساتھ کیوں کیا ایسا' کیا ملا تم سب کو میرے ساتھ یہ سب کرکے میرے لیے سب کے دل میں نفرت پیدا کرکے۔

ناہید چوہدری...... احسان پور

دل کے قریب رہنے والوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں جناب! دو مہینے سے غائب تھی مگر مجال ہے کسی نے کمی محسوس کی ہو' خیر ہم پھر سے آگئے اپنی موجودگی کا احساس دلوانے کے لیے' امید ہے اچھا لگے گا۔ سب سے پہلے کوثر آنی کو تھینکس و دسوری کرنا چاہوں گی آپ نے اتنی محبت سے تحفہ پیش کیا مگر میں آپ کو ایک میسج کرکے بھی شکریہ ادا نہیں کرسکی۔ کوثر آنی وجہ تو آپ کو میں نے بتائی بھی تھی' جس دن مجھے حوض کوثر ملی اس دن میری پھوپو کا تیسرے کا ختم پاک ہو رہا تھا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کیا جائے' اس کے بعد ڈاکٹر امی (میرے ہونے والی ساس) کو ہارٹ اٹیک پھر اچانک سے ان کی وفات نے بہت زیادہ پریشان کردیا تھا۔ حالات ٹھیک ہونے کا نام تک نہیں لے رہے تھے اب شادی کا زور و شور شروع ہوچکا ہے چونکہ مجبوری ہے ہماری کسی نے سنی نہیں' چٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات ہو رہی ہے۔ جناب عید کے بعد ہم بھی سنگل سے ڈبل ہونے جارہے ہیں۔ دعا کریں خدا ہمیں بھی اس امتحان میں کامیاب کرے' آمین ہاہاہا۔ زندگی میں نشیب و فراز چلتے رہتے ہیں' بہت مشکل وقت دیکھا ہے' بہت سے امتحانوں سے گزرے ہیں' اب خدا کا کرم ہے بابا جان کی طبیعت سنبھل چکی ہے' میں ریلیکس ہوئی ہوں تو پھر سے کاغذ قلم تھام لیا ہے۔ میں دل سے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی' بہت بہت شکریہ میری سسٹر کی جانب سے بھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیوں سے نوازے' آمین۔ انیلا طالب میں نے آپ کے نام خط اور ہدیہ بھیجا تھا مگر "دعا تقدیر دیتی ہے" نہیں پہنچی' خیر۔ پروین آپی کیسی ہیں آپ؟ امید ہے خدا کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گی' انا احب' دلکش' عائشہ پرویز' دعا ہاشمی کدھر غائب ہو جناب۔ میری منگنی ہوچکی ہے اور اب پندرہ دن بعد شادی بھی ہوجائے گی' پھر ہم بھی ایک سے دو ہوجائیں گے ہاہاہا۔ ثمرین گل' ثانیہ عثمان' ایشل' عائشہ' اریبہ اور ایمن کیسی ہو؟ آرہی ہو یا نہیں؟ وی ٹی آئی فرینڈز کیسے ہو؟ میم رانا آئی مس یو' ہمیشہ خوش رہیں۔ زیب ناراض نہ ہو پلیز' لاریب تم ہم سب کو بہت پیاری ہو۔ خضریٰ بھول جاؤ سلو بھائی کو' ذیشان بے چاری کی سوچو' ہاہاہا۔ زرگر سسٹر کہاں غائب ہو' آنچل فرینڈز میری ہم نام ملالہ اسلم دراصل ملتان کی ہے' میں خانیوال کی ملالہ ہوں۔ میرے پاس اکثر ان سے ریلیٹڈ کومنٹ آتے ہیں' مشال ڈیئر ہم آپ کے ہی ہیں پریشان نہیں ہونا۔ آنچل فرینڈز میری کیوٹ سی فرینڈ ہاجرہ علی کو برتھ ڈے وش کردیا' بہت دعا ہے اس کے لیے۔ ہاجرہ علی 7 جولائی کو تمہاری برتھ ڈے ہے تمہیں تمہارا جنم دن بہت بہت مبارک ہو' ہزاروں نہیں کروڑوں سال جیو۔ جیسے ہی ٹائم ملا پھر انٹری دوں گی۔ پروین آپی' حرا قریشی سو گریٹ' حرا قریشی تمہارے نام ایک میسج دیا تھا تم نے جواب نہیں دیا۔ کوثر خالد آپ بہت گریٹ اور نائس خاتون ہیں تھینکس کرنا چاہوں گی' بہت بہت شکریہ۔ میرے بابا جان کو آپ کا تحفہ بہت پسند آیا' میری پیاری بھانجی نور النساء اور آ کاش آئی لو یو سو مچ' آنی دور جارہی ہے۔ بہت مس کروں گی' اب اجازت چاہتی ہوں' پھر موقع ملا تو آؤں گی تب تک اپنا بہت سا خیال رکھنا' اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم...... خانیوال

حریم فاطمہ کے نام

السلام علیکم دوستو! ہاتھ میں کاغذ اور قلم تھامے اور اس دل کے ساتھ آپ کی تمنا آپ کی محفل میں ایک بار پھر سے حاضر ہے۔

آہ..... دل خوش فہم نے کیا کیا نہ سوچا تھا کہ آپ میں آپ کو ایک ننھے مہمان کے آنے کی خوش خبری سناؤں گی پر شاید اس پاک ذات کو کچھ اور ہی منظور تھا اور آج مجھے یوں اس طرح آپ سے مخاطب ہونا پڑ رہا ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں یہ خبر اتنی عام ہوگئی ہے کہ اب ہم اس کا اتنا اثر ہی نہیں لیتے اتنا محسوس بھی نہیں کرتے کیونکہ آئے روز مرنے مارنے کی خبریں عام ہوگئی ہیں اکثر یہ سننے کو آتا ہے کہ فلاح کا چند دن کا یا چند ماہ کا بچہ مر گیا ہے ہم سنتے ہیں افسوس کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں مگر جب یہی سب کچھ ہمارے اپنے ساتھ ہوتا ہے تب ہمیں ان ماں باپ کی تکلیف اور دکھ کا احساس ہوتا ہے اور ماں باپ کے دل پر جو آرے چلتے ہیں یہ تو صرف وہی جانتے ہیں یا وہ جو اس دکھ سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ ہمارے کان اس خبر کے اتنی عادی ہوچکے ہیں کہ ہمیں فرق ہی نہیں پڑتا میں بچپن میں اکثر جب کوئی ایسی خبر سنتی تو مجھے لگتا کہ بچوں کی موت کا اتنا دکھ نہیں ہوتا ہوگا جتنا بڑوں کے اس دنیا سے چلے جانے پر ہوتا ہے مگر جب 16 اپریل 2017ء کی دوپہر میری اپنی لخت جگر میری ننھی کلی میری "حریم گل" اس دنیائے فانی سے رخ موڑے میرے گھر آنگن اور دامن کو خالی کیے خالق حقیقی سے جا ملی تو تب یہ احساس ہوا کہ واقعی بچے ہوں یا بڑے دکھ بہت گہرا ہوتا ہے دونوں کا اور اس پر ظلم یہ ہوا کہ جس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی میں نے ہزاروں خواب سجائے اسے ہر پل ہر گھڑی ہر لمحہ پل پل اسے محسوس کیا مگر اس کی شکل بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی اسے اپنے ہاتھوں میں نہ لے سکی اس کے لمس کو محسوس تک نہ کرسکی۔ میں اس وقت نیم بے ہوشی میں تھی جب "حریم گل" اس کائنات میں ہوا کے اس جھونکے کی طرح آئی اور اس دنیا میں آنکھ کھولنے سے پہلے ہی بند کرلی اور میں بار بار ایک ہی سوال کرتی "میرا بچہ رویا کیوں نہیں..... رو کیوں نہیں رہا میرا بچہ..... ٹھیک تو ہے نا؟" پر سب یہی کہتے ہاں تمہارا بچہ بالکل ٹھیک ہے امی نے بھی یہی کہا بھابی (جٹھانی) نے بھی ساس اور چھوٹی پھوپو نے بھی یہی کہا اور ڈاکٹر بولی کہ تمہاری بیٹی ہوئی ہے اور ٹھیک ہے تم ٹینشن نہ لو کبھی کبھی بچے چپ ہوتے ہیں کچھ دیر بعد روتے ہیں شاید میری ممتا یہ بات جان گئی تھی کہ کچھ نہ کچھ تو ضرور عجیب ہے پھر میرا شک یقین میں تب بدلا جب میں نے اپنی کزن (جٹھانی) کے رونے کی آواز سنی وہ بے چاری روئی کیا اس کی کوشش کے باوجود اس کی سسکی نکل گئی اور وہیں سے مجھے فکر ہونے لگی اور پھر میں پوچھتی کہ میرا بچہ ٹھیک تو ہے نا؟ تو امی اور باقی نے یہی کہا ہاں ٹھیک ہے تو پھر بھابی رو کیوں رہی ہیں؟ میرا ایک ہی سوال تھا میرا بچہ رویا کیوں نہیں؟ سچ بتائیں ٹھیک ہے نہ؟ تو ڈاکٹر بولی بیٹی سب ٹھیک ہے یہ سب تمہارے لیے پریشان ہیں اور اس لیے تمہاری بھابی رو رہی ہیں بچی امی کے پاس ہے اور ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میری حالت کافی بگڑ گئی تھی اور کئی گھنٹے مسلسل آپریشن تھیٹر میں رہنے کے بعد جب میں اپنوں کی دعاؤں سے ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آئی تو میری ننھی کلی میری راج دلاری اپنی آخری آرام گاہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چین کی نیند سو چکی تھی۔ اپنی مما کو تڑپتا روتا ہوا چھوڑ کر میں نے اس کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اتنے خواب بنے تھے اسے اپنی گود میں لیے تو کبھی سلاتے ہوئے کبھی ہنستے مسکراتے ہوئے تو کبھی کھلکھلاتے ہوئے کبھی قدم قدم چلتے میری انگلی تھامے ہوئے اس کے لیے ڈھیروں خواب دیکھے تھے۔ میں اور حریم کے پاپا رات دیر تک اپنے آنے والے مہمان کی ڈھیروں باتیں کرتے میں کہتی کہ وہ اپنے پاپا سے زیادہ پیار کرے گا اور ایک دن یونہی باتوں میں میں نے کہا کہ لوگ اکثر حج یا عمرہ پر جاتے ہیں تو اپنے بچوں کو چھوڑ جاتے ہیں مگر میں تب تک نہیں جاؤں گی جب تک اپنے بچے کے لیے پیسے نہ جمع کرلوں ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے ٹھیک ہے نا؟ تو حریم فاطمہ کے پاپا نے بھی میری ہاں میں ہاں ملائی تھی کہ ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا پر شاید اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا پھر چار دن کے بعد جب میں اسپتال سے واپس لوٹی تو خالی دامن حریم کے بغیر آئی رئیلی مس یو حریم گل مما آپ کو بہت مس کرتی ہے اینڈ آئی لو یو سو مچ۔ دوستوں آپ سب سے ایک التجا ہے کہ میری حریم گل کے لیے اور میری تڑپتی ممتا کے لیے دعا ضرور کیجیے گا اللہ ہمیں صبر عطا فرمائے اور سب کو نیک اور صالح اولاد عطا فرمائے آمین۔ آپی پروین افضل شاہین کو بھی اور مجھے بھی آمین ثم آمین۔ زندگی رہی اور اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی تب تک کے لیے اللہ حافظ فی امان اللہ۔

تمنا بلوچ..... ڈیرہ اسماعیل خان

## یادگار لمحے

جویریہ سالک

### سورۃ خاطر کی منتخب آیات کی تشریح

☆ ''شیطان اصل میں تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو وہ تو اپنی راہ پر اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہیں بھی دوزخیوں میں شامل کرلے۔

☆ کفر کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

☆ جو گمراہی میں حد سے گزر جائے وہ اپنے برے عمل کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

☆ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہیں وہ بالکل بے حیثیت ہیں اللہ مالک و مختار ہے لوگ ہی اللہ کے محتاج ہیں۔ اللہ چاہے تو تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئے۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے جو ہدایت کا طالب ہو بے دیکھے اللہ سے ڈرے نماز قائم کرے پاکیزگی اختیار کرے وہی نبی کی پیروی کرکے دنیا میں ہدایت پاتا اور آخرت میں فلاح پاتا ہے۔

☆ دنیاوی تجارت میں خسارہ ہوسکتا ہے لیکن اللہ کی راہ میں جان و مال لگانے والے کو کوئی خسارہ نہیں اللہ اس کی کوتاہیوں سے درگزر کرکے اجر سے نوازے گا۔''

غلام سرور...... ناظم آباد کراچی

### نیل پالش

نیل پالش لگاتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ زندگی کا کچھ پتا نہیں اگر اچانک موت آجائے اور نیل پالش لگی ہو تو یاد رکھنا وہ مٹے گی نہیں
کیونکہ......
مرنے کے بعد ہمارے جسم ٹھنڈے ہوجاتے ہیں اور ایسے میں کوئی سلوشن نیل پالش ریمو نہیں کرسکتا اور نیل پالش نہ اترنے سے ہمارا غسل نہیں ہوگا۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

### زندگی

زندگی برف ہے......
برف پر ایک لکھا ہوا ہے حرف
زندگی آس ہے......
میل ہا میل پھیلی ہوئی پیاس ہے
زندگی رات ہے......
بند ہونٹوں سے نکلی ہوئی بات ہے
زندگی شام ہے......
تند لہروں پر لکھا ہوا نام ہے
زندگی پھول ہے......
راستوں میں مچلتی ہوئی دھول ہے
زندگی جال ہے......
سات پردوں میں لپٹا ہوا مال ہے
زندگی طور ہے......
فکر اکلیم ہے دارِ منصور ہے
زندگی چیز کیا......
زندگی کربلا زندگی منتہیٰ زندگی انتہا

انتخاب: سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

### تم بن

جو ہم محسوس کرتے ہیں اگر تم تک پہنچ جائے تو بس اتنا سمجھ لینا یہ ان جذبوں کی خوشبو ہے جنہیں ہم کہہ نہیں سکتے مگر تم جو اجازت دو تو چند الفاظ میں کہہ دوں کہ تم بن مر نہیں سکتے تم بن جی نہیں سکتے......

ناہید چوہدری...... احسان پور

### سوچیے

میں اکثر سوچتی ہوں کہ آنسو بہانے کے لیے لوگوں کو کندھے کی ضرورت ہوتی ہے اگر کندھا میسر نہ ہو تو لوگ تکیے کا استعمال کرتے ہیں......
مگر......
خوشی میں لوگ اپنوں کو کیا خدا کو بھی بھول جاتے ہیں جب کوئی دکھ ملتا ہے تو اپنے اللہ سے شکوہ شکایت کرتے

ہیں مگر خوشی میں اس کا شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں نہ کسی اپنے کے کندھے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تکیے کی۔ ہوش تو تب آتا ہے جب ہمیں کوئی دکھ تکلیف ملتی ہیں تو فوراً ہم رونے کے لیے کسی کا کندھا تلاش کرتے ہیں اگر کندھا نہ ملے تو تکیے کا استعمال اور اپنے رب سے شکوے شکایت کرتے ہیں۔ تکلیف میں ہمارا دل کرتا ہے کہ کسی اپنے کا کندھا میسر ہو جس کے کندھے پر سر رکھ کر ہم اپنے سارے آنسو بہا دیں مگر خوشی میں ہم ان اپنوں کو کیوں بھول جاتے ہیں جن کا کندھا ہم آنسو بہانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس رب کو کیوں بھول جاتے ہیں جس سے تکلیف کے وقت شکوے شکایت کرتے ہیں ذرا سوچیے۔

انعم...... برنالی

## کام کی باتیں

☆ جب دوست مانگے تو کل کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

☆ کچی بات کرنے سے پہلے اگر اسے بار بار تولا جائے تو اس کا وزن گھٹ جاتا ہے۔

☆ خاموشی اعلیٰ ترین تقریر ہے۔

☆ شیر کی وحشت دور سے نظر آتی ہے مگر انسان کی وحشت دکھائی نہیں دیتی۔

☆ کامیابی کی سیڑھی جیبوں میں ہاتھ رکھ کر طے نہیں کی جاتی۔

☆ ایک لمبی زبان زندگی کو چھوٹا کر دیتی ہے۔

☆ جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں وہ کرتے ہیں جو کچھ کر نہیں سکتے وہ باتیں بنانے لگتے ہیں۔

☆ جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو وہ کچھ نہیں سیکھتا۔

مشی خان...... بھیر کنڈ' مانسرہ

## ضمیر

ضمیر سڑک پر لگے اس معلوماتی بورڈ کی طرح ہے جو راستہ اور درست سمت تو بتاتا ہے مگر چلنے کے لیے مجبور نہیں کرتا۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

## ادبی لطائف

ایک مرتبہ سرسید' مولانا شبلی اور سید ممتاز علی ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ سرسید کا ایک بہت ضروری کاغذ گم ہو گیا تھا' وہ اسے تلاش کر رہے تھے مگر وہ کاغذ مل نہ رہا تھا اتفاقاً مولانا شبلی کو وہ کاغذ نظر آ گیا۔ انہوں نے مزاقاً اس کاغذ پر ہاتھ رکھ دیا تا کہ سرسید کو دق کیا جائے' مگر سرسید بھانپ گئے کہ کاغذ شبلی دبائے بیٹھے ہیں۔ اس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں کہ جو چیز گم ہو جاتی ہے شیطان اسے اپنے ہاتھ کے نیچے دبا کر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت مولانا ذرا دیکھیے! کہیں میرا کاغذ آپ کے ہاتھ کے نیچے تو نہیں۔''

سائرہ خان...... محمد پور دیوان' پنجاب

## میاں جانی دل تمہارا ہوا

میرے دل کا دروازہ بہت بلند اور اس کی دیواریں بہت مضبوط تھیں' نہ تو کوئی اس کے دروازے تک پہنچ سکا اور نہ ہی اس کی دیواروں کو توڑ سکا لیکن یہ صرف تم ہو کہ جو اپنے اور میرے والدین کو سیڑھی بنا کر آسانی سے میرے دل تک تو کیا میرے دل کے اس کونے تک پہنچ گئے جس کو کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ اب تم میرے دل کی دھڑکن ہو اور تم جانتے ہو کہ دل دھڑکنا بند کر دے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

## مسکراہٹ کے پھول

ایک دن حکیم کے پاس اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا ''حکیم صاحب! کل رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے پیٹ میں چوہا گھس گیا ہے اب کیا کروں؟''

حکیم نے کہا۔ ''کرنا کیا ہے فوراً ایک بلی پکڑ کر نگل لو یہی واحد علاج ہے۔''

نمرہ آزاد...... خیر پور ٹامیوالی

صبر

پوچھا گیا ایک بندے سے صبر جمیل کیا ہوتا ہے
کہا جب تم آزمائے جارہے ہو
اور دل تمہارا کہہ رہا ہو
الحمدللہ...... سبحان اللہ

طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک وزیر آباد

## اک خواہش

کبھی کبھی یہ دل کرتا ہے......
کاش کوئی تو ایسا ہو کہ جس سے باتیں کرتے کرتے پہروں گزریں لمحوں میں اور اسی دوران یکدم ضروری کام اس کو یاد آئے وہ جانا چاہے اور مجھ سے پوچھے دل کو ایک طرف رکھ کر میں اس کے کہوں اچھا جاؤ پر وہ کچھ ایسے میرے من سے واقف ہو کہ میری اجازت پاکر بھی چاہ کر بھی جا نہ پائے۔
میرا دل اور میرا مان ایسا کچھ مجھ سے کہہ کر وہ یوں رکھ لے کہ کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں آؤ آج بہت سے لمحے دونوں ساتھ میں جیتے ہیں۔

عظمیٰ نفیس بٹ...... سمندری

## قہقہہ

ایک مرغی انڈوں پر بیٹھی اور اللہ سے دعا کی۔
"اے اللہ! میرے بچوں کو فرماں بردار بنانا۔"
پہلا بچہ جیسے ہی انڈے سے نکلا بھاگ کر وضو کرنے گیا۔
دوسرا بچہ انڈے سے نکلا قرآن کی تلاوت کرنے لگا۔
تیسرا بچہ نہ نکلا تو مرغی پریشان ہوگئی انڈے کے اندر سے آواز آئی۔
"ماں پریشان نہ ہونا میں اعتکاف میں بیٹھ گیا ہوں۔"

صائمہ مشتاق...... سرگودھا

## محنت کے فوائد

☆محنت کرنے والے کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔
☆محنت کرنے سے خوشحالی آتی ہے۔
☆محنت سے عزت نفس میں اضافہ ہوتا ہے۔
☆محنت کرنے سے خودداری قائم رہتی ہے۔
☆محنت والا غرور اور تکبر سے دور رہتا ہے۔
☆محنت سے صحت اچھی رہتی ہے۔
☆محنت سے معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

علیشبہ نور...... بھیر کنڈ

## محبت

محبت دل نہیں مانگتی
البتہ دل کی "مہار" ضرور مانگ لیتی ہے
محبت اختیار بھی نہیں مانگتی
البتہ آپ کے "اختیار" کے اندر چھپا "اعتبار" ضرور مانگ لیتی ہے
مگر اس پیار کے پروں کا سوار ضرور مانگ لیتی ہے
محبت آپ سے نیند کبھی نہیں مانگے گی
خواب مانگے گی
یاد رکھیے......
محبت سوال نہیں کرتی
ہمیشہ جواب مانگے گی
اور کبھی آپ سے یہ بھی نہیں کہے گی کہ
صرف "میرے" ہو کے رہو
مگر......
کبھی کسی اور کا ہونے نہیں دے گی

روبی علی...... سید والا

## انمول موتی

حد سے زیادہ بے پروائی اور ضرورت سے زیادہ خیال یہ دونوں ہی ایک نتیجے پر پہنچتے ہیں اس شخص کو کھو دینا جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔
جو قیمتی چیزیں بن مانگے مل جائے بدقسمتی سے ہم انہیں "قیمتی" کے زمرے میں رکھتے ہی نہیں۔
دھوکہ اور دکھ اس وقت انتہائی شدید ہوتے ہیں جب وہ اس شخص کی جانب سے ملے جس پر ہمیں بہت گہرا مان ہوتا ہے۔
انسان کبھی کسی کے لیے اتنا ضروری نہیں ہوتا جتنا گمان کر لیتا ہے۔

اس تعلق سے لاتعلقی اچھی جس تعلق میں "احساس" نہ ہو۔
اور جس سے محبت کی جاتی ہے اس کا مان نہیں توڑا جاتا۔
شگفتہ خان..... ٹوبی بھلوال

سچ ہے

سچ ہے.....
کہ کسی کا بچھڑنا
خواب توڑ دیتا ہے
مگر کسی کا ساتھ چھوڑ دینا
خواب ہی نہیں
انسان کو بھی توڑ دیتا ہے۔
فری..... لیڑی عمرال

سوچ

بعض لوگوں کی سوچ کی خوب صورتی ان کے عام سے چہرے کو بھی پاکیزہ اور جاذب نظر بنادیتی ہے۔
گڑیا..... حافظ آباد

پہلی بارش

آج ساون کی پہلی بارش
کے ساتھ ہی
تیری یاد کی کتنی ہی بوندیں
پلکوں کی باڑ توڑ کر
میرے چہرے کو بھگو کر
تن کو جل تھل کر گئیں
وقاص عمر..... بنگرٹو حافظ آباد

اعزاز

❖ وہ کہتی ہے اب بھی کسی کے لیے لال، ہری چوڑیاں خریدتے ہو؟
❖ میں کہتا ہوں، ہر کسی کی کلائی پر یہ رنگ اچھا نہیں لگتا۔
❖ وہ کہتی ہے اب بھی کسی کے آنچل کو آکاش لکھتے ہو؟
❖ میں کہتا ہوں اب کسی کے آنچل میں اتنی وسعت کہاں۔
❖ وہ کہتی ہے تمہارے لہجے میں بہت اداسی ہے؟
❖ میں کہتا ہوں تتلیوں نے بھی میرے دکھ کو محسوس کیا ہے۔
❖ وہ کہتی ہے مجھے اب بے وفا کے نام سے یاد کرتے ہو؟
❖ میں کہتا ہوں میرے نصاب میں یہ لفظ شامل نہیں ہے۔
❖ وہ کہتی ہے کبھی میرے ذکر پر روتے بھی ہو گے؟
❖ میں کہتا ہوں میری آنکھوں کو ہر وقت کی پھوار اچھی لگتی ہے۔
❖ وہ کہتی ہے چاند رات میں چھت پر اب بھی عید کا چاند دیکھتے ہو؟
❖ میں کہتا ہوں، میرا چاند تو تم تھیں جسے زمانے نے بادلوں میں چھپادیا۔
❖ وہ کہتی ہے تمہیں اب بھی مہندی کی خوشبو پسند ہے؟
❖ میں کہتا ہوں مہندی میں خوشبو کہاں، وہ تو تمہارے ہاتھوں میں رچ کر خوشبودار ہوتی تھی۔
❖ وہ کہتی ہے تمہاری باتوں میں اتنی گہرائی کیوں ہے؟
❖ میں کہتا ہوں، تمہاری جدائی کے بعد مجھ کو یہ اعزاز ملا ہے۔
وجیہہ سحر..... کراچی

yaadgar@aanchal.com.pk

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو ارض وسماں کا مالک ہے۔ پیارے قارئین کو جشن آزادی مبارک، آپ بہنوں کے ہر ماہ تبصرے آئینہ کی محفل کی زینت بڑھاتے اور مصنفین کی تحریروں کو یقینی طور پر حسن بخشتے ہیں۔ اس محفل کو اسی لیے سجایا جاتا ہے کہ مصنفین آپ کی رائے جان سکیں اس لیے بھرپور طریقے سے شرکت کیا کریں اب بڑھتے ہیں آپ کی محفل آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

**حمیدہ چوھدری...... گجرات۔** السلام علیکم ٹو آل! کیا حال ہے یقیناً ٹھیک ہوں گی آپ سب ہم بھی ٹھیک ہیں اتنے مہینوں سے قلم نہیں اٹھایا وجہ نیا گھر' جی ہم نئے گھر کی تعمیر اور پھر شفٹنگ میں مصروف تھے۔ پورا آنچل بہترین تھا ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے "تیری زلف کے سر ہونے تک" پھر "شب ہجر کی پہلی بارش" نے بھگو دیا جب حریم عشق اختتام ہوا تو فاخرہ گل نے کہا "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" پھر جب ملا اپنا "چراغ خانہ" پھر سوچا کہ دیکھوں کہ کیا آیا ہے "دوست کا پیغام" دوستوں نے خوب "آئینہ" دکھایا کسی میں بھی ہمارا ذکر نہیں آیا۔ شمائلہ کاشف نے کہا "ہم سے پوچھیے" ہم نے کہا پہلے ہو جائیں کچھ "کام کی باتیں" ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کیسی ہے "آپ کی صحت" ہم نے کہا لگا آتے ہیں تھوڑا "ہومیو کارنر" کا چکر ہم ابھی سوچ رہے تھے کہ اپنی زندگی کے "یادگار لمحے" تو امی کی آواز آئی حمیدہ ہنڈیا پکا لیجیے ہم نے کھولا "ڈش مقابلہ" لیا نہ پھر بھی ان سے مشورہ اور پکا لیا بھنڈی کا سالن۔ عید کا خیال آتے ہی یاد آیا بیوٹی کا حال تو چکر لگا لیا "بیوٹی گائیڈ" کی طرف اب دیکھیے ہمیں اجازت ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔

**پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔** اس بار آنچل پر تبصرہ اس لیے نہیں کروں گی کہ گزشتہ دنوں میری عظیم ہستی میری والدہ ماجدہ ہمیں اکیلا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی ہیں اور میں اپنے آپ کو تنہا' اکیلی اور بدقسمت سمجھنے لگی ہوں۔ پہلے پاپا چلے گئے اب والدہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔

گھر سونا کر جاتی ہیں' مائیں کیوں مر جاتی ہیں
سبز دعاؤں کی کونجیں کیوں ہجرت کر جاتی ہیں

آنچل بہنوں سے اپیل ہے کہ وہ میری والدہ ماجدہ کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں۔

☆ ڈیئر پروین! آپ کی والدہ کو اللہ سبحان وتعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

**نور المثال شہزادی...... کھڈیاں قصور۔** السلام علیکم! ٹھک ٹھک آنچل کے دروازے پر دستک دی تو گیٹ پر حمد ونعت کو موجود پایا' حمد ونعت سے خوب جی بھر کر باتیں کیں۔ در جواب آں چلا چلا کر بتانے لگا مثال' مدیرہ نے تمہارے سوالوں کا جواب دے دیا ہے وہاں سے باغ باغ ہو کر نکلے تو آگے مریم خان اور حمیرا سعید سے گپ شپ کی جبکہ سعدیہ اور سمیرا ٹائم لیتی رہ گئی' سب سے عید بھی مل لیے آنچل کی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ہوا لیتے ہوئے کمروں تک پہنچ گئے ہال کمرے میں نازی براجمان تھی۔ "شب ہجر" لیے شہزادا اپنی بساط کے مہرے بچھانے میں کامیاب نظر آئی۔ سدید علوی مجاہدین کے ہاتھ آ کے محفوظ ہو گیا اب عائلہ کی کالی راتیں ختم ہونے والی ہے "تیری زلف کے سر ہونے تک" ابھی تو سمجھ ہی نہیں آ رہی ہے وصل کی بارش بھی اچھی لگی آنچل کے گراؤنڈ میں شمائلہ جی ہمارے سوالوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھیں۔ نیرنگ خیال میں بھی خوب ہوا چل رہی تھی عید کے حوالے سے یادگار لمحوں میں شازیہ ہاشم چھا گئی' اچھا جی اللہ حافظ۔

**اقرأ حفیظ...... کھلابٹ ٹاؤن شپ۔** ابتداء ہے رب جلیل کے بابرکت نام سے جو دلوں کے بھید خوب جانتا ہے' قابل احترام آنچل اسٹاف پیاری شہلا جی اور مسکراتی کھلکھلاتی آنچل قارئین' السلام علیکم! طارق عزیز کی طرح انٹری دینے کے بعد تبصرے سے پہلے ایک شعر۔

ڈھلی ہجر کی شام
آئی وصل کی صبح
چمکتا دمکتا گلاب سا چہرہ

کیوں پڑ گیا پژمردہ
نجانے کیوں وہ کر گئے فراموش
مجھے صبح بخیر کہنا

اب چلتی ہوں جولائی عید نمبر پر تبصرے کی جانب' 29 جون کو شمارہ ہاتھ میں آیا (بھیا کی سستی کا نتیجہ) سرورق پر حمیرا مغل اپنے منفرد انداز میں نظر آئی' جلدی سے فہرست کھولی زندگی تنویر کا نام پڑھ کر اچھا لگا' مبارک ہو زندگی جی پچھلی بار آپ نے بہت شکوے کیے تھے رنگ لے آئے اب پتا نہیں میرا نام کب آئے گا فہرست میں۔

کب ہوگا انتظار ختم' ہے اب یہ انتظار

سرگوشیاں میں پھر سے ہماری پیاری قیصر جی کا صفحات کی کمیابی اور تحاریر کی زیادتی کا رونا۔ مدیرہ جی اب ہم نئے لکھاری بھی کیا کریں اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر ہاتھ پیر تو ماریں گے نا۔ حمد و نعت سے دل کو سکون ملا تو آگے بڑھی در جواب آں میں خود کو پایا اچھا لگا۔ ایک امید بڑھی کہ اگست میں اپنا آرٹیکل آ ہی جائے ورنہ اب تک تو "کوئی امید بر نہیں آتی" کی کیفیت تھی۔ سروے کے جوابات تمام اچھے تھے "نظر کے سامنے" صدف آصف کی تحریر دلکش لگی۔

فقط ایک تقاضہ کرتی ہے شام غم
خواہ خواب ہو یا حقیقت تم رہو نظر کے سامنے

"بے مشروط محبت" رفاقت جاوید کی دل موہتی تصنیف۔ ام ایمن کا "سرپرائز عید" سرپرائز لگا تو عمارہ خان کا "عید مزہ" کھٹا میٹھا مزہ دے گیا۔ یاسمین نشاط' طلعت نظامی اور زندگی تنویر نے بھی خوب لکھا۔ قسط وار کہانیاں بھی بہترین چل رہی ہیں' بیاض دل میں سب اشعار اچھے تھے' دوست کا پیغام آئے میں طاہرہ منور' اقرا لیاقت اور سیدہ رابعہ کے پیغامات پسند آئے باقی اچھے تھے آئینہ میں میزاب' ثانیہ' مریم اور دیگر نے اچھا تبصرہ کیا۔ باقی تمام سلسلے بھی اپنی مثال آپ۔ اگست کا مہینہ ہے ایک شعر (اپنے وطن سے متعلق) سے اختتام کروں گی۔

جس پہ شجاع شہیدوں نے اپنا لہو بہایا
میرے وطن کی مٹی بہت خوش نصیب ہے

قیمتی وقت دینے کا شکریہ' زندگی رہی تو پھر شریک محفل ہوں گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر اقراء! امید کا دامن تھامے رکھو اور آنچل کے ساتھ حجاب بھی دیکھیں۔ آنچل میں جگہ کم ہونے کی صورت حجاب میں جگہ دی جاتی ہے آپ کا آرٹیکل بھی حجاب میں لگے گا۔

**مدیحہ نورین مہک...... گجرات۔** السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں یقیناً عید تو بہت ہی اچھی گزری ہوگی آپ کی' اس دفعہ آنچل میرے ہاتھ تھوڑا دیر سے لگا ماڈل بہت پیاری تھی نائس ڈریسنگ میں کیوٹ لگ رہی تھی اس دفعہ جلدی میں ہوں کوئی کہانی نہیں پڑھ پائی اور نہ ہی تبصرہ کر پاؤں گی بس جلدی جلدی میں اپنی فیورٹ اسٹوری پڑھی۔ "حریم عشق" ماشاء اللہ کیا خوب صورت اختتام ہوا' حریم اور ارحام کے بیچ کی غلط فہمیاں دیر سے سہی مگر ختم تو ہوئیں شکر ہے دونوں ایک ہوگئے اور ارما عرف یمنی کتنی بدتمیز تھی تو بہ ایسی بھی دوست ہوتی ہے رامین اور رضی بھی ایک ہوگئے ان کی ماں کا سچ بھی سب کے سامنے آ گیا کتنی عجیب ماں تھی وہ ارحام کے دادا جی کتنے گریٹ ہیں دادا ہو تو ایسا ہو ہاہاہا۔ ہمارا آنچل میں میرا سوالی کا تعارف ٹھیک لگا "عید من" میں سب کے جوابات اچھے تھے۔ بیاض دل میں مدیحہ کنول سرور' گل مینا خان' راؤ رفاقت علی کے اشعار من کو بھائے ڈش مقابلہ میں مرچ بھرے ٹماٹر اور پھلی گوشت پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں نجم انجم اعوان' شگفتہ شفیق' سباس گل کی شاعری عمدہ تھی۔ یادگار لمحے میں مشی خان' پروین افضل شاہین' صبا عیشل کے انتخاب پسند آئے' انیلا طالب' شمع' ادہ شبیر' ارم کمال پسندیدگی کا شکریہ۔ پیاری دوست شبنم کنول آپ کو اعتکاف میں بیٹھنے کی بہت مبارک باد خوش رہو' ہم سے پوچھے میں نورین انجم' رانی اسلام' ارم کمال کے سوالات کرارے تھے' اب چلتی ہوں' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر مدیحہ! خوش رہو جلدی کی وجہ نہیں بتائی۔ ایک تحریر پڑھی باقی مصنفین سے کوئی ناراضگی تھی۔ آئندہ ماہ آپ کے بھرپور تبصرے کا انتظار رہے گا۔

**صائمہ مشتاق...... سرگودھا۔** السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں آپ آپی کبھی تو ہمیں بھی جواب دے دیا کریں کہ تبصرہ ہم کیسے کرتے ہیں اب آتی ہوں آنچل کی جانب تو جی جناب اس دفعہ آنچل 22 کو ملا ٹائٹل گرل کا دوپٹا اگر کندھوں پر ہوتا تو زیادہ اچھا لگتا۔ سب سے پہلے مدیرہ جی کی سرگوشیاں سنیں' جناب نجم کی حمد اور عبدالستار نیازی کی نعت اچھی لگی۔ در جواب آں میں قیصر آرا آنی نے مجھے شامل نہیں کیا بہت دکھ ہوا چلو کوئی گل نہیں فیر سہی۔ دانش کدہ میں مشتاق احمد قریشی علم میں اضافہ کرتے اچھے لگے۔ ہمارا آنچل میں مریم خان' حمیرا سعید احمد' سعدیہ اجمل' میرا سوالی کو جان کر اچھا لگا۔ عید من سروے میں سب کے جوابات پسند آئے اب آتی ہوں ناولز کی جانب تو جی جناب رفعت سراج کا مکمل ناول "چراغ خانہ" رفعت جی مشہود کے دل سے پیاری کے لیے نفرت ختم ہوئی اچھا لگا۔ بھائی چاہے کتنے ہی سنگ دل کیوں نہ ہوں' جب بہن کی عزت کی بات آتی ہے تو ٹھنڈا سائبان بن جاتے ہیں۔ رفعت جی عالی کو تو کوئی سزا دینی چاہئے تھی

آپ کو کہ دوسروں کی عزت کو دوبارہ بدنام کرنے کا سوچنا تک نہ رفعت سراج جی جلدی سے نیا ناول لے کرآ ئیں' ہم آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ سمیرا شریف طور کا "جنوں سے عشق تک" سمیرا جی ہمیں پتا ہے کہ افگن اور شہرینہ کی ہی شادی ہوگی دونوں کی نوک جھونک پسند آئی۔ دوسری جانب میرا دل کرتا ہے کہ رخشندہ بیگم کو اٹھا کر باہر پھینک دوں' سیدہ غزل زیدی کا "حریم عشق" یہ کیا رامین کی منگنی تمہیں علی رضا سے ہونی چاہیے تھی چلو آگے دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا ہے' باقی شمارہ ابھی پڑھا نہیں ہے۔ دوست کا پیغام آئے میں شام میں اتری شام اقرا لیاقت کا لکھا بہت پسند آیا' یادگار لمحے میں پروین افضل شاہین کا کیا خیال ہے۔ صباء عیشل کا زندگی کیا ہے' بہت پسند ہے آئینہ میں پروین افضل شاہین اور ان کی نند فریدہ فری کی کمی محسوس ہوئی' فائزہ بھٹی یاد کیا شکریہ' اب اجازت چاہوں گی' اللہ نگہبان۔

☆ ڈیئر صائمہ! اگر آپ "حریم عشق" ٹھیک سے پڑھیں تو آپ کو اس کے اختتام کا پتا چلے۔

**انیقہ احمد...... تلہ گنگ۔** السلام علیکم! کیا حال ہے شہلا آپی اور آنچل فرینڈز سب کیسے ہیں؟ امید کرتی ہوں سب ٹھیک ہوں گے اس دفعہ آنچل کا بے تابی سے انتظار تھا اس انتظار کو بھائی ضیاء نے ختم کیا چاند رات کو عید کا تحفہ ملا ٹائٹل پسند آیا سب سے پہلے سرگوشیاں سنیں اس کے بعد حمد ونعت سے فیض یاب ہوئے پھر سب سے پہلے سمیرا شریف طور کا ناول "جنوں سے عشق تک" پڑھا زبردست ناول ہے آپی زیادہ لکھا کریں پلیز شہرینہ اور افگن کے بارے میں اتنا ہی کہوں گی۔

پھر یوں ہوا کہ دونوں کے رستے نہ ہو سکے یکجا
وہ بھی انا پرست تھا میں بھی انا پرست

اگلی اسٹوری "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھی زبردست ناول ہے ویل ڈن آپی "چراغ خانہ" کا اینڈ اچھا تھا شکر ہے بھائی مشہود کو بہن کا احساس تو ہوا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" میں اربش کی ماں کا رویہ بہت برا ہے پڑھی لکھی ماں کا رویہ جاہلانہ ہے بے چاری اجیہ پر ترس آتا ہے خوشیوں اور سکون کی ترسی ہوئی ہے' شکر ہے اربش نے ساتھ دیا۔

"حریم عشق" زبردست ناولٹ تھا میرے مطابق اینڈ ہوا۔

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

"تیری زلف کے سر ہونے تک" آخر میں سودہ کی شادی صرف زید کے ساتھ ہونی چاہیے مائدہ جیسی لڑکیوں سے اللہ بچائے نوفل اور انشراح کا کردار پاور فل ہے۔ صدف آصف کا ناول زبردست رہا افسانے بھی اچھے تھے' بیاض دل میں تھری اسٹار گروپ کا شعر بہت اچھا لگا۔ بیوٹی گائیڈ کو پڑھا نیرنگ خیال میں بھی ستارے جگمگا رہے تھے' یادگار لمحے میں سب بہترین تھے' آئینہ میں بھی تبصرے اچھے تھے لیکن میری کمی تھی (ہاہاہا) اس آنچل نے عید کا مزہ دوبالا کردیا' اللہ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' اللہ حافظ پاکستان زندہ باد۔

**روبینہ کوثر...... بستی ملوک۔** السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' شہلا آپی آپ کیسی ہو' امید تو یہی ہے آپ خوش ہوں گی آپ سے شکایت ہے ہم تجھے پورے آنچل میں کہیں بھی جگہ نہیں ملی میں جو کچھ بھی لکھتی ہوں صرف آنچل کے لیے لکھتی ہوں مجھے آنچل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے' چھپ چھپ کر تو کبھی جھوٹ بول کر پڑھتی ہوں میں آپ سے گزارش کرتی ہوں اب مجھے آپ نظرانداز نہیں کریں گی۔ جی تو اب آتے ہیں آنچل میں تبصرے کی طرف بہت زیادہ انتظار کرنے کے بعد جولائی کی پہلی تاریخ کو ملا' سرورق پر حمیرا اجمل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ مریم خان' سعدیہ اجمل' حمیرا' سمیرا سے ملاقات اچھی رہی' فاخرہ گل نے جو جون میں ماں کے بارے میں لکھا اچھا لگا' ماں پیار ہی اتنا کرتی ہے کہ اس کے پیار کو ہم لفظوں میں بیان نہیں کرسکتے لفظ ختم ہوسکتے ہیں لیکن ماں کا پیار ختم نہیں ہوسکتا۔ سب کے تبصرے پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا' سب نے اپنے اپنے لفظوں میں بہت پیارا بیان کیا۔ "حریم عشق" واہ کیا اسٹوری تھی' پڑھ کر روئے بھی بہت اور انجوائے بھی کیا۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ سب ارماہ کی چال ہوگی آپ نے اسٹوری کا اختتام بہت اچھا کیا' ویل ڈن۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ آپی یہ آپ نے کیا کردیا' اربش کی امی کو اتنا سنگ دل کیوں بنادیا' اس شرمین کی بچی کو میں خود شوٹ کردوں کی اگر آپ نے اربش کو اجیہ سے جدا کیا۔ شرمین تجھے تو کچھ بھی نہیں ملے گا' جتنا دل چاہے اربش کی امی کی خدمت کرلو۔ "چراغ خانہ" اتنی طویل اسٹوری پڑھنے کے بعد اختتام کچھ خاص نہ تھا۔ "جنوں سے عشق تک" سمیرا آپی پہلے تو میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اسٹوری بھی بہت زیادہ اچھی لگی۔ شہرینہ کچھ تو عقل سے کام لیتی تم نے جو افگن کے کمرے کی حالت کی اب تو اللہ خیر کرے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اقرا صغیر آپ نے بھی اسٹوری کو اچھا رنگ دیا' انشراح دل میں بدگمانی پیدا نہ کرو نوفل نے ایسا کچھ نہیں کیا جو کچھ تم سوچ رہی ہو۔ نیرنگ خیال میں مہوش ظہور' نجم انجم اعوان' سباس گل' عروسہ شہوار' فریدہ فری آپ نے بہت اچھا لکھا جتنا آنچل پڑھا اس کا تبصرہ کردیا باقی جو رہ گیا وہ آئندہ ماہ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو' سب اپنا خیال رکھیں مجھے دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا' اللہ حافظ۔

☆ پیاری روبینہ! خوش رہو۔ مکمل تبصرہ پسند آیا۔

**انیلا طالب...... گوجرانوالہ۔** السلام علیکم! محبوب من آنچل سرپرائز کی صورت 23 جون کو ملا' حمیرا اجمل کے سرورق سے سجا عید نمبر دو کا شمارہ بہت پیارا لگا۔ حمد ونعت' سرگوشیاں' در جواب آں سلسلے پڑھتے ہوئے سب سے پہلے "حریم عشق" پر آئے بہت خوب

صورت غزل آپی! جتنی تعریف کروں کم ہے' کمال لکھا۔ عید وطن سرورے خوب رہا' حمیرا سعید احمد کا تعارف اچھا لگا' "چراغ خانہ" ختم ہو گیا اچھا کیا بہت لمبا ہو گیا تھا۔ سمیرا آپی کا "جنوں سے عشق تک" پڑھا پیارا لگا شہرینہ جیسی لڑکیاں زہر لگتی ہیں مجھے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" ابھی پڑھا نہیں' افسانوں میں "تیری خوشبو کا نرم جھونکا" بازی لے گیا اور "بابو بینڈ والے" تو اس سے بھی کمال۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" زبردست رہا' نازی آپی پلیز صیام کے دل میں زیادہ دیر نہیں در مکنون کے حوالے سے غلط فہمی رہنی چاہیے۔ مکمل ناول میں نظر کے سامنے ٹھیک تھا "ذرا سنگر امیرے گمشدہ" واہ کیا ہی الفاظ سموئے فاخرہ آپی پلیز اجیہ کو اب مشکلوں سے نکال لیں۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں آنچل سے کہ پرانے اور بڑے رائٹرز کو ہی بار بار نہ لایا کریں' ہمیں بھی موقع دیں۔ سالوں سے ہم "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" دل کو سنا کر دلاسہ دے رہے ہیں' بڑے مکمل بھیجے "لہو کا سراغ' میری ڈولی شوہ دریا" مگر بے چاروں کا پتا نہیں لیکن پھر بھی ہماری آنچل سے محبت دیکھیں بجائے کسی اور ڈائجسٹ میں ٹرائی کرنے کے پھر اسی کے لیے دو افسانے لکھ دیئے۔ آہ کیا کریں کیسے صبر کریں' دل برداشتہ ہو جاتا ہے مگر چلو چھوڑو ہم بھی کیا باتیں لے کے بیٹھ گئے' کبھی نہ کبھی تو ہم پر بھی نظر کرم ہوگی یقین مانیں دل رو رہا ہے بڑا انتظار کیا مگر چلیں خیر صبر کا پھل میٹھا...... ڈش مقابلہ زبردست رہا' بیاض دل میں سب کے اشعار من کو بھائے۔ نیرنگ خیال میں مہوش ظہور مغل' نجم انجم اعوان' سلمیٰ غزل کی شاعری دل کو چھو گئی۔ مجھے بھی جگہ دی آپی ایمان وقار دل سے مشکور ہوں' یادگار لمحے' کام کی باتیں' بیوٹی گائیڈ' ہومیو کارنر' تمام سلسلے پسند آئے۔ آئینہ میں سب سے پہلے شہلا آپی آپ نے میرا تبصرہ شائع کیا' دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں۔ کوثر آنٹی کا تبصرہ بے حد پسند آیا اور مدیحہ نورین مہک اینڈ ارم کمال جی کا بھی۔ اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر انیلا! خوش رہو آپ کی تحریریں جلد ہی آنچل یا حجاب میں جھلملائیں گی۔

**لبنیٰ شکیلہ...... اولکھ جٹاں' سیالکوٹ۔**

آئینہ دل میں سجا کر تجھ کو<br>
روز ہی تیرا دیدار کرتے ہیں

باعث عزم و تکریم شہلا جی! سدا خوش رہیں' شاد و آباد رہیں' ہمیشہ مسکرائیں۔ السلام علیکم سب سے پہلے میری طرف سے آپ کو آنچل کے پورے اسٹاف اس سے وابستہ تمام لوگوں اور اہل پاکستان کو جشن آزادی بہت بہت مبارک ہو' اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے ملک کو قیامت تک شاد و آباد اور آزاد رکھے اور اس وطن کو میلی آنکھ سے دیکھنے والوں کو نیست و نابود فرمائے' آمین۔ آنچل اس دفعہ 29 کو ملا' حمد و نعت سے دلوں کے زنگ اتارے اس ماہ کی نعت میری پسندیدہ نعتوں میں سے ہے۔ اس کے بعد بیاض دل' یادگار لمحے اور نیرنگ خیال کی طرف دوڑ لگائی لیکن ہر جگہ ہی مایوسی ہوئی۔

تم نے تو بے وفائی کی حد ہی عبور کر دی<br>
ہم نے تو وفاؤں کے کئی سلسلے بنے تھے

چلو خیر کوئی بات نہیں آگے بڑھے رفعت سراج کے "چراغ خانہ" کی طرف صد شکر کہ پیاری کی مشکلات بھی دور ہوئیں' عالی جاہ نے انجانے میں ہی پیاری کے ساتھ نیکی کر کے اسے بھائی کی محبت اور میکے کا مان واپس دلا دیا' اچھا اختتام تھا۔ موسٹ فیورٹ "تیری زلف کے سر ہونے تک" کی طرف دوڑ لگائی اقرا جی ویل ڈن' کیا بات ہے آپ کی نوفل اور انشراح کے درمیان نفرت کب ختم ہوگی اسے جلدی ختم کریں اور جہاں آرا کی لالچی فطرت اپنی تو اپنی کی عزت کی دھجیاں بکھیر رہی ہے اگر میں غلط نہیں تو اس کا تعلق کسی ایسی ویسی جگہ سے تو نہیں اور انشراح کہیں یوسف صاحب سے تعلق تو نہیں رکھتی یہ میرا خیال ہے۔ مائدہ کتنی بولڈ ہے بھائی اتنا شریف اور بہن اللہ تعالیٰ ہدایت دے عمرانہ اور اس کی بیٹی کو "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ جی زبردست شکر ہے کہ مریرہ کو ہوش آ گیا اب ان کے درمیان جو غلط فہمیاں سارا بی بی نے پیدا کی تھیں ان کو دور کریں اور سارا کو ان کی زندگیوں سے دفعان کریں' ایسے بے ضمیر لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے جو دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھول کر اپنی خوشیوں کی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ نازیہ جی صیام کا دل در مکنون کی طرف سے میلا مت کیجیے گا' امید کا دامن تھامے ہوئے ہیں ضرور اس کا اینڈ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوگا اور صد شکر کہ زاویار کو مریرہ کے ساتھ ساتھ عائلہ کا بھی خیال آیا۔ "حریم عشق" غزل جی بہت اچھا رہا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں جن پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں وہی لوگ ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں ارحام کی والدہ نے جو اپنے بیٹے کے ساتھ کیا اس کے لیے میں اتنا ہی کہوں گی۔

کسی راہزن کے ہاتھوں لٹنا تو بات اور تھی<br>
میرے کارواں کو خود ہی میرے راہنما نے لوٹا

بہر حال جب اللہ تبارک و تعالیٰ پر مکمل بھروسہ ہو اور جذبہ صادق ہوں تو منزل خود بخود قریب آ جاتی ہے۔ "ذرا سنگر امیرے گمشدہ" اس کے اختتام پر مکمل تبصرہ ہوگا' فاخرہ گل صاحبہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی والدہ کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے' آمین۔ باقی آنچل ابھی پڑھا نہیں اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ میرے ملک کو قیامت تک قائم و دائم رکھے اور کوئی ایسا خلیفہ بھیج دے' جو حضرت عمر فاروقؓ کے دور کی یاد دوبارہ سے تازہ کر دے۔ سب اہل وطن کو آزادی کی خوشیاں مبارک ہوں اگر کوئی غلطی ہوگئی تو

پلیز معاف کردیجیے گا' والسلام۔

☆ ڈیئر لبنیٰ! خوش رہو شب ہجر کی بارش میں مریرہ کو ابھی ہوش نہیں آیا۔ جہاں سے آپ نے پڑھا وہ ماضی ہے۔

**شزا شبیر...... دو کھوا۔** السلام علیکم! شہلا آپی امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گی میری طرف سے تمام رائٹرز' قارئین اور آنچل اسٹاف کو محبتوں بھرا سلام ہو۔ جولائی کا آنچل عید سے ایک دن پہلے ملا اس لیے عید کا مزہ دوبالا ہوگیا' سرورق حمیرا اعظل اچھی لگ رہی تھی خاص طور پر اس کا ڈریس زیادہ پیارا تھا۔ سب سے پہلے اپنی فیورٹ کہانی "جنوں سے عشق تک" پڑھی پڑھ کر مزہ آیا۔ رخشندہ اور فریحہ کا کردار پڑھ کر بے ساختہ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی طاہرہ بیگم اور قیصرہ بیگم یاد آگئیں لیکن ہماری شہری بھی کسی سے کم نہیں ہے وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتی ہے۔ اب افگن پتا نہیں شہری کے ساتھ کیا کرتا ہے ویسے افگن کے ساتھ بھی اچھا ہوا ہے' اسے کیا ضرورت تھی شہری سے جان بوجھ کر پنگا لینے کی۔ میں شہری کو شاباش دوں گی' اس کے بعد "شب ہجر کی پہلی بارش" پڑھی آپی نازی پلیز صیام کی غلط فہمی دور کردیں جو وہ دری کے بارے میں سمجھ رہا ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے زاویار کو تھوڑی سزا اور ملنی چاہیے تاکہ آج کے بعد وہ کبھی عائلہ اور مریرہ کا دل نہ دکھا سکے' آپی پلیز پری کو ایلی کے ساتھ ملائیں ساویز کے ساتھ نہیں (کھڑوس کہیں کا)۔ نازی آپی سارا بیگم کو اچھی سی سزا دیجیے گا اس کے بعد "حریم عشق" پڑھی ہمیشہ کی طرح سیدہ غزل اس بار بھی چھا گئیں' یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اذان اور جمیرہ کا کیوٹ سا جنا بھی ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ارماہ ہی گڑبڑ کررہی ہے' ابرار کے بارے میں جان کر دل دکھ سے بھر گیا' شکر ہے ارحام اور حریم مل گئے۔ دانیال کے لیے بھی دل اداس ہوگیا ویسے یمنیٰ کو اپنے بھائی کے ساتھ اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا' کیسی بہن تھی یمنیٰ' ایسے لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیے جو یمنیٰ کا ہوا۔ اس کہانی کا سب سے پیارا اور اس کہانی کی جان جو کردار مجھے لگا وہ عالم آفندی کا تھا۔ دادا کا رشتہ مجھے بہت پیارا لگتا تھا' میرے دادا بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے' اب تو وہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کا پیار ہمیں ابھی بھی یاد ہے۔ وہ اچھی طرح یاد ہیں چھوڑ کر گئے ہیں' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ میرے دادا جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے' آمین۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی "حریم عشق" کے اینڈ کی' ویل ڈن' سیدہ غزل اچھا اینڈ کیا ہے۔ "کروں سجدہ ایک خدا کو" کی طرح یہ ناول بھی مدتوں یاد رہے گا پھر "تیری زلف کے سر ہونے تک" پڑھی' یہ ناول بھی مزے کا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ نوفل اور انشراح آپس میں کزن ہیں' مائدہ پر سخت غصہ آتا ہے' بے چارے جنید کو یہ ضرور زید جیسے مخلص دوست سے الگ کرے گی ویسے اب زید کو مائدہ کی اصلیت کا پتا چل گیا ہے' اس لیے مجھے لگتا ہے کہ وہ جنید کی باتوں پر یقین کرے گا۔ اقرا آپی پلیز سودہ کو پیارے میاں کا نہ کریں' ہمیں سودہ اکڑو میاں (زید) کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے' زید پلیز سودہ کو روک لو۔ مجھے تو لگتا ہے سودہ جسے بڑے ماموں سمجھ رہی ہے وہ زید ہی ہے' اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اس کے بعد "نظر کے سامنے" بھی رانیہ کے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا' مسکان اور عارب کی جوڑی زبردست تھی۔ صدف آصف نے اچھا لکھا' شکر ہے "چراغ خانہ" کا اینڈ ہوا ہے' پھر باری آئی افسانوں کی' سب افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "بابو بینڈ والے" پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا' "تیری خوشبو کا نرم جھونکا" پڑھ کر مزہ آیا' شبنم نے اچھا فیصلہ کیا (شاباش شبنم بچے) ویسے شنید کو بھی دکھ ہوا (لیکن تھوڑا سا)۔ "سرپرائز عید" پڑھ کر خوشی ہمیں بھی اینڈ پر سرپرائز ہی ملا' یہ جان کر کہ نمرہ ہی شمع ہے اچھا افسانہ تھا۔ "سچی محبت" میں فرح طاہر نے اچھا سبق دیا' "آنچل کی لاج" بھی اچھا تھا' آنچل نے حقیقت میں زیبی کی لاج رکھ لی' آسیہ کی کہانی پڑھ کر ہمارے بھی بے ساختہ آنسو نکل آئے۔ "عید مزہ" نے پھر اداسی دور کی' عید سروے میں سب کے جوابات مزے کے لگے۔ بیاض دل میں کبریٰ مہتاب' کوثر خالد اور پروین افضل کا انتخاب اچھا لگا۔ ہما احمد پلیز میتھ گروپ کے نام میں نے جو پیغام لکھا تھا وہ شائع کردیں۔ یہ چڑیلیں میری جان ہی نہیں چھوڑ رہیں' شکریہ ایک پیغام شائع کرنے کا۔ یادگار لمحوں میں سیدہ رابعہ شاہ نے اچھا لکھا' اس کے ساتھ نورین مسکان سرور نے اچھا لکھا' سیدہ رابعہ شاہ کی مسکراہٹوں نے مسکرانے پر مجبور کردیا۔ آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے تھے' اس کے علاوہ اپنی فیورٹ رائٹر شبانہ شوکت کے شوہر کے بارے میں جان کر دکھ ہوا' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شبانہ آپی کے شوہر کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین' زندگی رہی تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے' اللہ نگہبان۔

**جی کنول خان...... موسیٰ خیل۔** السلام علیکم! آنچل پریوں کیا حال ہیں یقیناً آپ نے ہمیں بہت مس کیا ہوگا تو جناب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں (ہائے رے خوش فہمی) دو ماہ آئینہ میں غیر حاضری کی وجہ ہمارے پیپرز تھے تو اللہ اللہ کرکے جیسے ہی ختم ہوئے ہم فوراً آئینہ میں جھانک کر اپنا عکس دیکھنے کے لیے حاضر ہوگئے۔ اس ماہ تو آنچل نے حیران کرکے رکھ دیا (بھئی 24 کو جو مل گیا) ویسے تو ہر ماہ 27 یا 28 کو اپنا دیدار کراتا ہے' ونڈر فل ٹائٹل حمیرا اعظل بہت پیاری لگ رہی تھی پھر مدیرہ آپی کی سرگوشیاں سنیں حمد و نعت سے دل و روح کو سکون ملا' در جواب آں میں جھانکنے کے بعد ہمارا آنچل میں آنچل پریوں سے ملاقات ہوئی' حمیرا سعید احمد میں کچھ کچھ آپ جیسی ہوں اور پھر فوراً دوڑ لگائی کئی اسٹوریز کو پھلانگتے ہوئے پہنچے "شب ہجر کی پہلی بارش" تک آپی پرہیان کو دوبارہ ساویز کی طرف نہیں جانا چاہیے۔ ایلی اور پرہیان کی جوڑی خوب رہے گی' سارا نے مریرہ کے ساتھ بہت برا کیا' اللہ کرے مریرہ ٹھیک ہوجائے۔ آپی سدید کے بارے میں زیادہ لکھا کریں میرا فیورٹ کریکٹر ہے۔ "بابو بینڈ والے" یاسمین جی نے دکھی کردیا ہمارے معاشرے میں غریب لوگوں کو کتنے ہی کڑے امتحانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ "نظر کے سامنے" بھی اچھی اسٹوری تھی کچھ لوگ بظاہر تو دوست ہوتے ہیں لیکن اندر ہی اندر وہ دوسروں کی جڑیں کاٹنے میں لگے رہتے ہیں جیسے رانیہ نے مسکان کے ساتھ کیا' اچھا ہوا مسکان کو اپنی خوشیاں مل گئیں اور رانیہ اپنا سا منہ لے

کر رہ گئی' بچی محبت فرح طاہر ویری گڈ خوشیوں کے موقع پر جب ہم اپنی تیاریوں میں مگن ہوتے ہیں تو ہمیں ان لوگوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے جو افورڈ نہیں کرسکتے۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" اسٹوری اچھی جارہی ہے۔ "سرپرائز عید' حریم عشق" بھی لاجواب تھیں۔ آنچل کی لاج ہمارے سویٹ سے آنچل کی تو کیا ہی بات ہے ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ زینی گڈ آپ نے آنچل کی لاج رکھی' لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے' بیاض دل میں مہوش' ارم کمال کے اشعار اچھے لگے اور فوراً ہی ڈائری کی زینت بنادیے۔ ڈش مقابلہ کی تو ہر ڈش ایک سے بڑھ کر ایک تھی لیکن ٹرائی ایک بھی نہیں کی اتنی گرمی میں کچن میں کھڑے ہونے کی ہمت ہی نہیں ہورہی تھی (بھئی نکمے جو ٹھہرے) نیرنگ خیال سلمٰی غزل کی غزل اچھی لگی۔ آئینہ میں شہزادہ فائزہ کا عکس واضح تھا' باقی تمام اسٹوریز زبردست تھیں سمیعہ کیسی ہو تم اچھاجی اب اجازت چاہتی ہوں' اس دعا کے ساتھ کہ اللہ آنچل کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین اللہ حافظ۔

**محسن عزیز حلیم...... کوٹھا کلاں۔** ڈیئر سسٹر شہلا آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز کو ہماری طرف سے چاہت بھرا سلام۔ جولائی کا شمارہ چاند رات والے دن ملا تو یقین جانئے ہماری اسی دن ہی عید ہوگی۔ سرورق حمیرا مغل کے ساتھ جگمگا رہا تھا' میرا فیورٹ ہیئر اسٹائل اور فیورٹ کلر پہنے حمیرا اسٹر بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ سب سے پہلے مدیرہ جی کی سرگوشیاں پڑھیں اور پھر حمد و نعت سے مستفید ہوئے' درجواب آں میں انٹری دی تو ہمارا "جواب" ندارد' خیر کوئی بات نہیں۔ ہمیں ڈاک ارسال کرتے ہوئے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ٹائم پر ہی ہم ڈاک ارسال کردیتے ہیں مگر پھر بھی شائع نہ ہو تو ہمیں کتنا دکھ ہوتا ہے یہ آپ بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں آ ئی ہوپ اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ دانش کدہ میں پہنچے تو وہاں الکوثر کا مطالعہ کیا اور پھر ہمارا آنچل میں مریم خان' حمیرا سعید احمد' سعدیہ اجمل' سمیرا سواتی کا تعارف پڑھا بہت اچھا لگا۔ عید ملن میں سب کے خیالات اچھے لگے' سلسلہ وار ناول میں "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرا صغیر احمد یہ قسط بھی بیسٹ رہی۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ کنول نازی گزشتہ اقساط کی طرح یہ قسط بھی لاجواب رہی۔ مکمل ناول میں "چراغ خانہ" رفعت سراج نے بہت زبردست اختتام کیا' ویری گڈ۔ "جنوں سے عشق تک" سمیرا شریف طور پہلی قسط کی طرح یہ بھی قسط بیسٹ رہی۔ "نظر کے سامنے" صدف آصف آئیں اور کمال کردیا' ویل ڈن۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" فاخرہ گل بے چاری اجیہ کی قسمت کبھی تو کھلے گی خیر آگے دیکھتے ہیں۔ ناولٹ میں "بے مشروط محبت" رفاقت جاوید ویری نائس۔ "حریم عشق" سیدہ غزل زیدی کیا خوب اینڈ کیا' کمال کردیا آپ نے ویری گڈ۔ افسانوں میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے باقی سب ہی سلسلے بیسٹ رہے' اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ آنچل ہمیشہ لہراتا رہے آمین۔

**شزا بلوچ...... جھنگ صدر۔** السلام علیکم! مہکتی کلی شہلا عامر کیسی ہیں آپ؟ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات آپ کی نذر کررہے ہیں' ایگزام کے باعث آنچل 27 کو منگوایا' ٹائٹل بس نارمل تھا۔ آنٹی قیصر آرا کی سرگوشیاں پڑھیں' اتنا خوب صورت آنچل سجانے پر بہت بہت مبارک باد' میں نے اپنی بہت سی فرینڈز کو بھی آنچل کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جہاں تک اسٹوریز لکھنے کی بات ہے تو ہمیں رائٹر بننے کا کوئی شوق نہیں اور نہ ہی اتنا ٹائم' بس پڑھنا پسند ہے۔ ہمارا آنچل میں چاروں بہنوں کا تعارف بس ٹھیک ہی تھا "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کیا بات ہے اس ناول کی' بہت زبردست۔ پتا نہیں اجیہ کی زندگی میں آنے والی پے درپے مشکلات کب ختم ہوں گی یہ تو بس آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی بات ہوئی۔ مانا کہ اجیہ ارتش کی ممی کا نشانہ تھی مگر ارتش تو ان کی سگی اولاد ہے شرمین کی باتوں میں آ کر اپنا بیٹا کھودیا' کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا انہیں۔ "چراغ خانہ" موتیوں جیسے خوب صورت الفاظ سے مزین' برجستہ مکالمے بازی اور کرداروں کی ذہنی نفسیات کا اتنی گہرائی سے مطالعہ ویل ڈن رفعت سراج۔ بالآخر ناول اختتام پذیر ہوا' مشہود کو تھوڑی دیر سے ہی سہی' بات سمجھ آ گئی۔ مبارک باد ڈیئر آپی! مشہود کے ٹھیک ہونے سے سب کچھ ٹھیک ہوگیا۔ "حریم عشق" محبت سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے بالکل جیسے علی اور ارحام سرخرو ہوئے ویسے مجھے اسٹارٹ سے تھوڑا ڈاؤٹ تھا کہ یہ ارماہ ضرور ڈبل پرسنالٹی ہے جب انہوں نے حریم کو وائس ریکارڈنگ سنائی تھی۔ اسی وقت لگا تھا کچھ مبالغہ آرائی ہے ارحام کا اس دن یمنیٰ کو غنڈوں سے بچانا' یمنیٰ کا آل ریڈی طے کردہ پلان تھا' چھ سال کے طویل انتظار کے بعد حریم حیات "حریم ارحام" بن گئیں (اتنی مستقل مزاجی اسٹوریز میں تو ضرور پڑھی ہے کیا حقیقت میں بھی......) "جنون سے عشق تک" سمیرا جی ٹوٹا ہوا تارا کے بعد امید ہے یہ ناول بھی شاہکار ثابت ہوگا۔ شہرینہ میں مجھے اپنی جھلک نظر آتی ہے (آ ہم) جس کام کا فیصلہ خود کرلیا کہ یہ ٹھیک ہے بس اسے کرکے چھوڑنا (ویسے لڑکی شرارتیں اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں)۔ ہر خاندان میں ہوتی ہیں نہ کوئی نہ کوئی ایسی آنٹی جو محلے میں فساد ڈلواتی ہیں' زخشندہ خالہ بھی انہی میں سے ایک ہیں' جو شہرینہ اور افگن کے درمیان ولن کا رول اپنی بیٹی فریحہ کے ذریعے پلے کروا رہی ہیں۔ بہرحال آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا' "تیری زلف کے سر ہونے تک" آپی اقرا صغیر احمد جہاں آرا کے کریکٹر سے تو مجھے اب نفرت محسوس ہورہی ہے کوئی ایسے بھی کرتا ہے بھلا اور یہ یوسف صاحب کا ماضی میں سیف فاروقی کے پیرنٹس...... یا رشتہ داروں سے ضرور کوئی تعلق ہے۔ "نظر کے سامنے" مسز صدف آصف گو کہ موضوع تھوڑا پرانا تھا مگر اسے نئے انداز میں پیش کیا۔ یہ اچھا سبق دیا کہ صرف فیشن کرنے والی لڑکیاں (ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی) کے مانند ہوتی ہیں۔ اچھی تعلیم و تربیت' سگھڑ پن اور نرم مزاجی (ایسے گن بھی ہونے چاہئیں لڑکی میں)۔ شکریہ صدف آصف میں بھی آج کل اپنے بھائیوں کے لیے سرچ کررہی ہوں بھابیاں (آسانی ہوگئی)۔ حیرت تو مجھے رانیہ پر ہے بظاہر مخلص و ہمدرد نظر آنے والی لڑکی اندر سے اتنی سازشی اُف...... ویسے ہر اسٹوری میں شرمین' یمنیٰ'

رخشندہ خالہ رانیہ جیسی لڑکیاں نہ ہوں تو اسٹوری کیسے مکمل ہو (ہی ہی ہی)۔ بیاض دل میں ماہ رخ سیال، روبی علی، مہوش افرا لیاقت کے اشعار اچھے لگے۔ ڈش مقابلہ (کوئی کچھ بنا کے بھیجے تو کمنٹ بھی کریں)۔ بیوٹی گائیڈ (نو نیڈ) بہرحال ہمیر سے متعلق ٹپس اچھے تھے نیرنگ خیال میں مہوش ظہور مغل، انیلا طالب، نجم انجم عروسہ شہوار اور شاعر راشد ترین کی شاعری اچھی لگی گمران میں سب سے بیسٹ ربیعہ شریف کی نظم لگی (ویری گڈ)۔ یادگار لمحے میں ماریہ کنول اور نورین مسکان، علیشبہ نور کے جوک اچھے لگے۔ منزہ عطا، صبا عبدالستار، صبا عقیل نے بھی اچھا لکھا، ہم سے پوچھیے تحریم اکرم، عائشہ رحمان، خزینہ طاہر اور مدیحہ نورین مہک کے سوالات لاجواب تھے۔

**فریدہ فری...... لاہور۔** پیاری شہلا جی! السلام علیکم، جولائی کا آنچل ملا ٹائٹل دلکش لگا جون کے شمارے میں ہم نے تبصرہ کیا تھا مگر شائع نہیں ہوا صرف غزل لگی ہے، اس مرتبہ تبصرہ ضرور لگائیے گا۔ سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں جیسے قیصر آرا نے خوب لکھا، حمد و نعت سے پڑھ کر سرور ملا۔ افسانے سب کے سب بہترین لگے ''بابو جینڈ والے کی خوشی، عید مزہ، آنچل کی لاج'' خوش رہو مزا آ گیا۔ مکمل ناول صدف آصف کیا خوب لکھتی ہو اور میرے دل میں بستی ہو۔ ''نظر کے سامنے'' پڑھ کر مزا آ گیا، بہت بہت سلام اور دعا۔ گرمی سے برا حال ہے، ہر سال مری جاتی ہوں مگر اس مرتبہ ایبٹ آباد جاؤں گی، دو ماہ وہاں گزاروں گی۔ ڈش مقابلہ میری فیورٹ دوست نزہت جبیں کی پھلیاں خوب کھائیں کیونکہ میں پھلیوں کی بہت شوقین ہوں، سب کی شاعری پسند آئی خاص کر راشد بھائی کی، عید مبارک آپ کو اور بھابی نگینہ کو دعا اور سلام۔ آپ کے پیغام میں عنزہ یونس اور کوثر خالد نے یاد کیا، کوثر جی فون اس لیے نہ کر سکی کہ میری سم ٹوٹ گئی تھی، اب سم نکلوائی ہے، فون کروں گی، دوست کا پیغام آئے میں جن دوستوں نے یاد کیا اقصیٰ کشش، عنزہ یونس، عائش جی پچھلے ماہ آپ نے یاد کیا آپ سب کا شکریہ۔ افرا جٹ آپ نے پروین افضل کو وظائف بتائے آپ کا بہت شکریہ کیونکہ وہ میری بہت پیاری نند ہیں، افرا جی مجھے بھی کچھ بتائیں کوئی وظیفہ میری ہڈیوں میں بہت ہی درد رہتا ہے خاص کر ریڑھ کی ہڈی میں درد ہے، چلا بھی نہیں جاتا بے حد شکریہ۔ سب کو دعا اور سلام۔

**رباب اصغر...... گجرات۔** السلام علیکم! ڈیئر شہلا آپی! امید کرتی ہوں کہ آپ اس گرمی میں خیریت سے ہوں گی۔ اس بار کا آنچل جیسے ہی ہاتھ میں آیا میرے تو ارد گرد ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، یہ فہرست میں کیا دیکھا، سمیرا شریف طور کی ''جنوں سے عشق تک'' وہ بھی دوسری قسط جھٹ پٹ پچھلا ڈائجسٹ دراز سے نکالا کیونکہ رمضان المبارک میں ڈانٹ پڑنے کی وجہ سے پڑھ نہ سکی مگر چاند رات پر رہا نہ گیا، دونوں اقساط جلدی سے پڑھیں، شروعات تو بہت زبردست ہوئی ہے بلکہ دھماکہ خیز مجھے تو رخشندہ خالہ میں ''یہ جاہلیں یہ شدتیں'' کی شائستہ آپا اور فریحہ میں فوزیہ کی جھلک نظر آئی ہے مگر فوزیہ تو اب بڑی معصوم بچی لگ رہی ہے جبکہ شہزارہ شبیر دو کھوانے بھی خوب ہی کرائکس اور شہرینہ نئے ٹوئسٹ کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کے بعد ہم دوڑے اپنے فیورٹ ناول ''چراغ خانہ'' کی طرف پڑھنے میں اتنے محو ہوئے کہ آخر میں لکھا ختم شد پڑھ کر بھی یقین نہ آیا بالکل ''موم کی محبت'' کی طرح، زبردست رفعت سراج جی ہر کردار کو آپ نے بخوبی آخر تک نبھایا۔ پیاری اور دانیال جیسے کردار ہی ہماری آج کے دور کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو اپنا مشرقی پن یاد رکھنے میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں خاص طور پر مانو آپا کا کردار تو میرا سب سے پسندیدہ تھا اگر ہر گھر یا خاندان میں ایسا کوئی ایک بھی انسان ہو تو کبھی بھی لڑائی جھگڑے میں پڑ کر لوگ ایک دوسرے سے بدظن نہ ہوں میرا تو ہر بار پڑھنے کے ساتھ یہ ہی دل کرتا ہے کہ میں بھی اس کردار میں ڈھل جاؤں۔ اس کے بعد تیسرا اشاک ''حریم عشق'' پڑھ کر ہوا وہ اس لیے کہ اتنی جلدی اینڈ لیکن اچھا اینڈ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آخر کار حریم اور ارحام اپنی منزل کو پہنچ گئے۔ سیدہ غزل زیدی صاحبہ نے بھی کیا ہی خوب لکھا، اس کے بعد پڑھی افرا صغیر احمد کی ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' جس میں مائدہ کو راہ سے بھٹکتا ہوا دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، سودہ اور زید کو اللہ جلد ملائے ویسے ایک بار سودہ اپنے والد کے گھر جائے ضرور تا کہ زید میاں کو بھی کچھ تو احساس ہو جبکہ نوفل کا تو دماغ ہی کریک ہے اپنی ماں کی سزا وہ اب ہر لڑکی سے لے گا۔ انشراح کا تعلق ضرور نوفل کے تایا ابا سے نکل آئے گا جنہیں وہ بابا کہتا ہے، اس کے بعد ہم نے پڑھی ''شب ہجر کی پہلی بارش'' نازیہ کنول نازی کے بارے میں جو کہیں جو لکھیں وہ کم ہے، نہایت زبردست طریقے سے وہ الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا رہی ہیں۔ اس کے بعد ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' کی طرف بڑھے جہاں غزنی سے تو خوف محسوس ہوا کہ اب یہ کچھ اچھا تو نہ کرے گا جبکہ حسنین صاحب پر افسوس شرمین بی بی سے تو کسی اچھے کی امید بھی نہ تھی کیونکہ وہ تو کوئی انڈیا سے امپورٹ کرائی گئی ہیں، مجھے تو بلورانی کا دوسرا پارٹ لگتی ہے۔ بس مجھے تو اربش کی امی اور راجیہ کے والد کی ملاقات کا انتظار ہے کہ اب یہ اونٹ بھی کسی کروٹ بیٹھے۔ مکمل ناول میں صدف آصف کا ''نظر کے سامنے'' زیادہ اچھا لگا مگر رفاقت جاوید کا ''بے مشروط محبت بھی'' دل کو بڑا بھایا، باقی تمام سلسلے بھی بے حد دلچسپ تھے خاص کر بیاض دل کے تمام کے تمام اشعار سے ہم سب بہت لطف اندوز ہوئے ہم کزنز قریب ہونے کی وجہ سے آپس میں ڈسکس ضرور کرتی ہیں مگر لکھ کر بھیجنے کی ہمت صرف میں ہی کر پائی ہوں، آخر میں سب پڑھنے والوں اور آنچل کے تمام اسٹاف کو بہت سا سلام فی امان اللہ۔

**ثانیہ مسکان...... گوجر خان۔** سلام ٹو آل پاکستان، تمام اہل وطن کو یوم آزادی مبارک ہو۔ اللہ ہم تمام پاکستانیوں کو اتنی ہمت اور توفیق دے کہ ہم اس ارض مقدس کو مشکلات کے منجدھار سے نکال کر کامیابیوں کی راہ پر گامزن کر سکیں آمین۔ رفعت آپی اور سیدہ غزل صاحبہ کو اپنے ناولز کے شاندار اختتام پر بے حد مبارک باد۔ رفعت آپی آپ کو پیاری اور دانیال کے بارے میں تھوڑا زیادہ لکھنا تھا، ان میں اتنے خوب صورت کرداروں کو بہت مس کروں گی۔ دونوں ناولز بے مثال تھے ارماہ نے ڈبل گیم کھیلی، ہم تو بے چاری کو نفسیاتی مریضہ سمجھ کر

اس سے ہمدردی محسوس کرتے تھے مگر اصلیت جان کر دل چاہا کہ اسے تو وہاں پٹخنا چاہیے جہاں اسے پانی نہ ملے مگر اسے ارحام نہیں ملا یہ سزا بھی کافی ہے۔ رضی اور رامین کا کپل یادر ہے گا پلیز آپ دونوں مصنف اب کم بیک ہو جایئے گا' رفعت آپی آپ کے ناول کا ہر لفظ ایک سبق تھا' تھینکس فار گریٹ ناول' باقی آنچل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ عید کے باعث آنچل دیر سے پڑھنے کو ملا اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ' پاکستان زندہ باد' پاک فوج پائندہ باد۔

**پرنس افو...... تلہ گنگ۔**

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

پیارے اور عزیز آنچل اسٹاف' شہلا آنی اور سویٹ سے قارئین کو افو کا پیار بھرا اور مودت سے لبریز سلام۔ امید ہے آپ سب بخیر و عافیت ہوں گے اور زندگی کی رنگینیوں سے لطف اٹھار ہے ہوں گے۔ میں بھی گردش دوراں کا شکار رہی مگر آنچل سے رابطہ ہنوز برقرار رہتا ہے دم آخر یہ رشتہ قائم و دائم رہے گا ان شاء اللہ۔ آج جب کہ سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور اہل زمین اس کی حرارت کی تاب نہیں لا رہے ہیں تو ہم اپنی اماں جان کے تمام کام نمٹا کے بیٹھ گئے جولائی کے آنچل پر تبصرہ کرنے۔ آنچل اس بار 23 کو مل گیا' سب سے پہلے سرورق پر براجمان حمیرا مغل کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا اور حمیرا کا اسٹائل' پیراہن' آویزے' مالا اور خصوصاً لپ اسٹک بہت پسند آئی۔ ہیئر اسٹائل بھی کم نہیں تھا' تمام نکات جمع کر کے یہ نتیجہ نکلا کہ سرورق پر سجی سنوری حمیرا مغل شاہ کر کے دل میں لگی اور بس گئی۔ اس کے بعد آئے سرگوشیاں کی جانب اور سرگوشیاں سننے کی بعد آئے حمد و نعت کی جانب جو مشک و زعفران کی مانند تھیں۔ پڑھ کے دل کو تسکین اور روح کو قرار آ گیا۔ در جواب آں میں جھانکا تو رفاقت جاوید کے لیے بے ساختہ صحت یابی کی دعا نے لبوں کا احاطہ کر لیا اور عمرہ کی بہت بہت مبارک باد رفاقت جی۔ باقی تمام بہنوں کو بھی دیئے گئے جوابات پڑھے' اس کے بعد باری آئی دانش کدہ کی مگر نہ نہ پہلے انتقال پر ملال پڑھا' شبانہ شوکت جی آپ کے مجازی خدا کا اجل کو لبیک کہنا یقیناً آپ کے لیے اذیت اور کرب کا باعث ہوگا رب جلیل ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور غریق رحمت کرے آمین۔ ہاں تو جناب دانش کدہ سے قلب و روح کو منور کرنے کے بعد جا پہنچے جان قلب شمائلہ کی محفل میں پروین افضل شاہین کے اور عائشہ رحمن ہنی' ارم کمال اور سرور فاطمہ ہنی کے سوال پسند آئے اور شمائلہ کے کھرے اور مزاح سے بھرپور جواب قابل ستائش لگے۔ اس کے بعد شہلا جی کی محفل میں جھانکا تو کوثر خالد کا جھلملاتا عکس پسند آیا۔ کوثر جی میں آپ کی دوستی کے قابل تو نہیں مگر پھر بھی گزارش عاجزانہ ہے کہ ناچیز کو دوستی کا شرف بخش دیں اور کوثر جی آپ نے سنبل جی کے نام شعر لکھا تو بے اختیار ہی جلن ہوئی۔ کوثر جی ایک خوب صورت سا شعر ناچیز کے نام بھی...... اچھا جی پھر گئے فہرست میں سب سے پہلے صدف آصف کا نظر کے سامنے پڑھا اور مسکان کا کردار پسند آیا اور صدف جی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا یہ ہمارے معاشرے کا المیہ تنگین بن چکا ہے۔ ہر کالے رنگ والے کو ٹھکرایا جا رہا ہے بے شک اس کا قلب سفید بلکہ ہیروں کی مانند دمکتا ہوا ہی کیوں نہیں ہو مگر قلب کو دیکھتا ہی کون ہے ہر کوئی ظاہری حلیے پر توجہ دیتا ہے مگر ایک بات کہ خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ رنگ کا ہے مگر پھر بھی سب اس سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں مگر کفن ہوتا تو سفید ہے مگر باعث خوف ہے لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

اس کے بعد افسانوں میں "بابو بینڈ والے" کی پڑھا پڑھ کر آنسو پلکوں کی بار توڑ کر باہر آ گئے۔ بے شک غربت وہ خطرناک چڑیل ہے جو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی' "بچی خوشی" میں فرح طاہر نے عائشہ کی صورت ایک بہترین پیام دیا ہے' باقی افسانے "عید مزہ" "سرپرائز عید" بھی زبردست تھے آنچل کی لاج میں زہی نے سچ آنچل کی لاج رکھی اور افسانہ بہترین قرار پایا ہماری نظر میں۔ اس کے بعد "شب ہجر کی پہلی بارش" میں زاویار کو اس کے کیے کی سزا مل گئی اور مجھے تو صمید حسن جیسے سوبر شخص پر حیرانی ہے کہ کیسے وہ پٹڑی سے سرکا اور میرو کے خلاف اس کے ہی بیٹے کے کان بھرنے لگا' الامان۔ "جنوں سے عشق تک" پر تبصرہ ادھار اور باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے' بادولت ابھی بی کام پارٹ ون کے پیپرز سے فارغ ہوئی تھیں تو سوچا جتنا پڑھا اتنا ہی آنچل پر تبصرہ کر ڈالیں اور کر ڈالا پلیز میرے بہترین رزلٹ کے لیے دعا کو رہیے گا اور آنچل میں سے کوئی بادولت سے دوستی کرنا چاہے تو ہم حاضر ویسے ہم بھی منتظر ہی رہتے ہیں کہ کوئی کڑی افو کے نام سے بھی کچھ لکھے مگر یہ آرزو دل میں ہی رہ جاتی ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

خیر جی ہر کسی کی اپنی پسند اپنی مرضی ہم کیا کہہ سکتے ہیں مگر جناب اپنی یہ حرا قریشی صاحبہ تو ایسی روپوش ہوئیں کہ خبر ہی نہیں ہے' مسنگ یو ڈارلنگ ویری مچ' آپ نے ہماری دوستی کو قبول نہیں کیا تو کیا ہوا ہم نے تو مقام عظیم دیا ناں آپ کو اور ویسے بھی ہم ذرا ضدی لوگوں میں سے ہیں زور زبردستی سے جگہ بنانے والے (آہم آہم) جسٹ کڈنگ یار اب دیجیے اجازت پھر آئیں گے اگر زندگی نے وفا کی تو' رب را کھا۔

**سائرہ راؤ...... دنیا پور ستی۔** السلام علیکم! کیسی ہیں نزہت آپی یقیناً آپ اللہ پاک کے کرم سے ٹھیک اور خوش و خرم ہوں گی۔ آپ کی کہانی "میکے کی عید" پڑھی بہت زبردست لکھا آپ نے اور میکے کی عید تو میکے کی عید ہی ہوتی ہے۔ میری امی کی بھی شادی کے

پچیس سال تک میکے سے عیدی آتی رہی اور اس عید کی خوشی میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اب ہو جائے میکے کی عید پر تبصرہ تو شہاب الدین کی خود پسندی بالکل اچھی نہیں لگی کسی کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیے لیکن جھانکیں کیسے گردن جھکانی پڑتی ہے نا پھر لیکن خیر آخر میں انہیں احساس ہو ہی گیا" دیر آید درست آید" نجم نے آبگینہ اور بازف کا کردار بہت پسند آیا بازف نے بہت اچھا کیا تھا آبگینہ کو ساتھ لے جا کر۔ رفیعہ بیگم اور کبری بیگم دونوں کا کردار بھی بہت زبردست تھا' نزہت آپی ایسے ہی لفظ لفظ موتی بکھیرتی رہیں' بہت اچھا لکھا' اللہ پاک آپ کے قلمی سفر کو مزید کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے' آمین۔

**زیبا حسن مخدوم**...... السلام علیکم! میری طرف سے سب کو سلام اور عید مبارک۔ آتے ہیں اس دفعہ کے شمارے کی طرف' اس دفعہ ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا پتا نہیں کیوں؟ رہی سہی کسر میرے بھائی نے اس کی مونچھیں داڑھی بنا کر نکال دی (ہی ہی ہی)۔ نعت اور حمد تو اس دفعہ تو چھوٹی بہن کے ساتھ مل کے اونچی اونچی اپنی بھونڈی آواز میں پڑھی۔ سمیرا شریف طور کا ناول دیکھ کے خوشی ہوئی۔ "چراغ خانہ" میں پیاری ابھی تک مشکل میں ہے۔ میں محبت اور تم پسند نہیں آئی وہ ٹائم پاس کر رہا تھا کیا کچی دیتا تو اسے دھوکا ہی رہا تھا۔ دی آئی پی اور میکے کی عید بھی اچھی تھی۔ عید سعید تم سے اچھی تھی مگر پتا نہیں کیوں اس میں ہاتف کا نام پڑھ پڑھ کے مجھے فیقا کی یاد آتی رہی۔ تیرہ شبوں کا حاصل چاند میں سمجھ نہیں آئی کہ کہاں زیادہ سفید تھا یا اٹکا تھا۔ باقی تمام ناول بھی اچھے تھے۔ "حریم عشق" ابھی نہیں پڑھا اس کی ایک قسط مس ہے وہ بعد میں پڑھوں گی۔ مہندی کے ڈیزائن پسند آئے۔ پورے کا پورا آنچل بہت اچھا تھا میری طرح۔ اللہ دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ سب کو پھر سے عید مبارک۔ اللہ حافظ والسلام۔

☆ ڈیئر زیبا! آئندہ ماہ نئے پرچے کے تبصرے کے ساتھ شامل محفل رہیے گا۔

**زونا خرم**...... **دینہ**۔ السلام علیکم! کیسی ہیں شہلا آپی! بات کچھ یوں ہے کہ زندگی میں پہلی بار خط لکھنے بیٹھی ہوں' سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ شوق تو بچپن ہی سے تھا کہ کسی کو خط لکھیں مگر کرتے کیا اگر اس فون اور کمپیوٹر کے دور میں کسی عزیز یا رشتہ دار کو خط لکھ بیٹھتے تو وہ ہمیں پاگل ہی کہتا سو بچپن کے شوق کو جوانی میں پورا کر رہے ہیں آپ کو خط لکھ کر۔ اب آتی ہوں جولائی کے شمارے کی طرف' سب سے پہلے کبھی نہ پڑھنے والا سلسلہ در جواب آں پڑھا وہاں سے تسلی کرنے کے بعد دل و جذبات کے ساتھ "بے مشروط محبت" پڑھی مگر شاید کہانی کی چوائس میں غلطی ہوگئی بے شک بعد میں دانیال نے معافی مانگ لی تھی مگر جہاں آراء کے ساتھ ہوئے ظلم نے دل دکھی کر دیا پھر باری آئی "بابو بینڈ والے" کی اسٹوری یہ بھی غموں اور دکھوں سے بھری ہوئی تھی مگر ساتھ ہی خاصی دلچسپ بھی تھی۔ باری باری سب کہانیاں پڑھیں سب ہی لاجواب تحریریں تھیں مگر جس تحریر نے مزہ دیا وہ عمارہ خان کی "عید مزہ" تھی' کافی منفرد کوشش تھی ان کی پڑھ کر خوب ہنسی آئی' دل و دماغ فریش ہو گئے۔ کوشش کیا کریں ہر ماہ ایک آدھ فنی اسٹوری کو بھی جگہ دیا کریں۔ سلسلہ وار ناولز بھی یقیناً اچھے ہی ہوں گے مگر معذرت کے ساتھ میں سلسلہ وار ناولز نہیں پڑھ سکتی' مجھے اگلے ماہ کا انتظار بہت مشکل لگتا ہے ہاں جب اقساط اکٹھی ہو جائیں تب پڑھ لیتی ہوں۔ بیاض دل' ڈش مقابلہ' بیوٹی گائیڈ' ہم سے پوچھئے سب ہی سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہوتے ہیں۔ باقی تعارف اور دوست کا پیغام آئے میں بالکل نہیں پڑھتی کافی بورنگ ہوتے ہیں تعارف اگر ہو سکے تو بند ہی کر دیں۔ اچھا اب اجازت اگر اللہ کو منظور ہوا تو باقی اگلے ماہ اگست کے شمارے کا بے چینی سے انتظار ہے اور ایک آخری بات اگر کوئی بات مزاج پر گراں گزری ہو تو معافی چاہتی ہوں میرا ابھی قصور نہیں شاید موسم کا اثر ہے۔ جولائی کی سڑی گرمی میں ایسی سڑی ہوئی باتیں ہی ذہن میں آئی ہیں ذرا موسم بہتر ہونے دیں پھر دیکھئے گا خط میں کیسے پھول کھلاتی ہوں' او کے جی اگلی بار تک کے لیے اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر زونا! آپ کی تحریر موصول ہوگئی ہے جلد پڑھ کر اپنی رائے دیں گے۔

☆ اب اس بات کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ زندگی مختصر سی ہے اس لیے دوسروں کی غلطیوں کو ایسے معاف کر دیں جیسے آپ اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید رکھتے ہیں' پاکستان زندہ باد۔

aayna@aanchal.com.pk

شمائلہ کاشف

نجم انجم اعوان...... کراچی

س: کوئی ایسا طریقہ بتایئے کہ میں آپ کی آنکھوں کے ذریعے سیدھی دل میں گھس جاؤں؟

ج: تم ویسے ہی میرے دل میں سما جاؤ اگر جو میک اپ ڈھنگ سے کرکے آؤ۔

س: سب لوگ کہتے ہیں کہ میں دلوں میں جگہ بنانے میں ماہر ہوں مگر میرے ملک صاحب کہتے ہیں کہ اف اللہ...... جملہ مکمل کریں؟

ج: کس چڑیل سے پالا پڑ گیا ہے سچ کہتے ہیں۔

س: چل کر آئی ہوں سانس پھول گیا مگر وزن کم نہیں ہوا؟

ج: اپنے ساتھ جو دو مہینوں کا کھانا لے کر آئی اور ایک لمحے میں کھا گئی تو کیسے وزن کم ہوگا۔

ناہید چوہدری...... احسان پور

س: میری آمد کیسی لگی؟

ج: بالکل ویسے ہی جیسے تیز بارش میں لائٹ چلی جائے۔

س: آپی جی! جب لگے کہ ہم زندگی پر بوجھ بن گئے ہیں اور مائنڈ اذیت میں رہے تو کیا کریں؟

ج: فوراً سے بیشتر شادی کرلینا تاکہ دوسروں کو اذیت دے سکو۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

س: کنجوس آپی مجھے عیدی کیوں نہیں بھیجی؟

ج: بھیجی تھی تمہاری ہونے والی نند نے وصول کرلی۔

س: اگر چائے کو آئس کریم کپ میں جما کر کھایا جائے تو کیسا لگے گا؟

ج: پہلے یہ بتاؤ پتی کے ساتھ کھاؤ گی یا چھان کے۔

س: آپی الو کی مونث کیا ہے؟

ج: تم...... بس اس سے آگے مزید کچھ نہیں۔

س: سرف ایکسل سے چہرے کے داغ دھبے کیوں نہیں ختم ہوتے؟

ج: آزما کر دیکھو اگر ہو جائیں تو دوسروں کو بھی بتانا۔

س: کاش کہ میں خوب صورت ہوتی؟

ج: اس کے ساتھ عقل کا بھی اضافہ کرلو اور روز دعا کیا کرو دونوں میں سے ایک تو مل ہی جائے گی۔

س: آپی کوئی مجھ سے جلتا ہی نہیں بھلا کیوں؟

ج: کیونکہ تم میں ماچس کی تیلی جیسی صلاحیت نہیں۔

سمیرا تعبیر...... سرگودھا

س: شمائلہ آپی! کیسی ہیں آپ، قسم سے بہت بے وفا ہیں آپ، مجھے بالکل لفٹ نہیں کراتی ہیں۔ کیا میں نے آپ کی کوئی بھینس چرالی ہے کچھ خفا سی لگتی ہیں؟

ج: چلو شاباش بھینس کے ساتھ جو جو سامان لے کر گئی تھی وہ واپس کردو۔

س: آپی ان کی اماں جب بھی ہمارے گھر آتی ہیں میرے ہاتھوں کے چڑیاں طوطے کبوتر سبھی کچھ اڑ جاتے ہے بھلا کیوں؟

ج: کیوں تم سدا کی نکمی جو ہو بستر توڑتی رہتی ہوگی اس لیے۔

س: آپی یہ شاعر اور رائٹر دل اجڑنے کی وجہ ہمیشہ محبت ہی کیوں بتاتے ہیں کوئی اور بھی ہوسکتا ہے دل اجڑنے کا سبب؟

ج: ہاں تمہاری ساس سے ابھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی ورنہ اسی کو وجہ بتائیں۔

مدیحہ مدو...... بورے والا

س: ہماری طرف سے خوش آمدید کیونکہ آپ نے تو ہمیں خوش آمدید کہنا نہیں ہے وجہ آپ خود سے پوچھئے کیونکہ ہم تو خود آپ سے پوچھنے آئیں ہیں کہ......؟

ج: کہ آپ آئیں ہماری بزم میں اس طرح کہ پھر لائیٹ چلی گی۔

س: کسی کو ہم سے ہوا ہے پیار ہم کیا کریں...... آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں؟

ج: آری سے اس کا دل چیر کر دیکھو سچ میں پیار ہوا ہے یا تمہاری بریانی پر نظر ہے۔

س: نجانے کیوں آج ہنسی بہت آرہی ہے؟ اور چپ ہوجانے کا کوئی سبب ہی نہیں، چلیں آپ سے پوچھ لیتی ہوں اب آفریدی ہے تو......؟

ج: پاگل پن ہے اور کچھ نہیں۔

س: اتنی دیر سے میں کہہ رہی ہوں کہ...... ہم ہوگئے آپ کے، مگر کوئی سنتا نہیں آخر کیوں؟

ج: کیونکہ تم جتنی موٹی ہو اگر کسی نے غلطی سے سن اور مان بھی لیا تو تمہارے بوجھ تلے دب جائے گا۔

حفصہ اعوان...... بی پور2

س: آپ کیسی ہیں؟

ج: بہت خوب صورت، اسمارٹ، ذہین، فطین، اب جل نہ جانا۔

س: مجھے امید ہے کہ آپ نے مجھے اچھے لفظوں میں یاد کیا ہوگا میری غیر موجودگی میں؟

ج: واللہ رے خوش فہمی۔

س: کہتے ہیں کہ پیار و محبت کرنے والے تھوڑے بے وقوف ہوتے ہیں آپ کیا کہیں گی؟

ج: تم اپنی بات کرو چالاک وماسی۔

س: مجھے آپ سے مل کے بہت اچھا لگا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے آمین، اللہ نگہبان۔

ج: خوش رہو۔

ثروت عزیز، نوشی اینڈ محسن عزیز جلیم...... کوٹھا کلاں

س: لولی شمی آپا! ہم بنا پوچھے ہی آپ کی محفل میں آ گئے ہیں؟

ج: اس کو کہتے ہیں ڈھٹائی۔

س: آپی سنا ہے آپ سوتے ہوئے بھی سوالوں کے جواب کائیں کائیں کر کے دیتی ہیں؟

ج: سنی سنائی کو چھوڑو یہ تو تم اپنی آپ بیتی سنا رہی ہو۔

س: آپی اگر ایک درخت پر دس کوے بیٹھے ہوں اور آپ ان میں سے کسی ایک کو اپنی بندوق سے مار دیں تو باقی کتنے رہ گئے بولو بولو؟

ج: ایک بات بتاؤ تم کیا کوا بریانی کھا کر آئی ہو جو اُن کے سوال کر رہی ہو کووں کی ملکہ۔

س: جب بھی آپ کا ذکر ہمارے ہاؤس میں ہوتا ہے تو ہم سب ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں، اُف آپ بڑھیا ہیں کہ......

ج: حسن کی ملکہ اور میرے حسن کے تاب نہ لا کر تم جیسے سب لوگ حسد سے جل جاتے ہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: عید کے موقع پر درزی کو سلائی کے لیے سوٹ دیا تھا تو کہنے لگا عید کے بعد لے جانا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ اس عید پر کیا اپنے میاں کے کپڑے پہنوں؟

ج: اب تو عید قرباں آنے والی ہے اس پر پہن لینا قصائیوں والے کپڑے۔

س: عید کے موقع پر بھلا میں اپنے میاں جانی کے آگے پیچھے کیوں پھرتی رہتی ہوں؟

ج: عیدی لینے کے لیے اور عید قربان پر گوشت حاصل کرنے کے لیے تاکہ اپنے میکے میں بانٹ سکوں۔

س: جیولری مہنگی ہوگئی تو اس عید پر کیا پہنیں؟

ج: عید تو گزر گئی ہے بہنا! تم کیا آنے والی عید کے بارے میں پوچھ رہی ہو تو بکرے کی کھال پہن لینا۔

اقرا حفیظ...... کے ٹی ایس، ہری پور

س: شمائلہ جی آپ اتنی خوب صورت ہیں، کون سی کریم لگاتی ہیں؟ آج بتا ہی دیں۔

ج: اگر بتا دیا تو تم کالی سے گوری ہو جاؤ گی۔

س: اگر آپ کے پاس الٰہ دین کا چراغ ہوتا تو اسے رگڑ کر حاضر ہونے والے جن سے کیا فرمائش کرتیں؟

ج: اس چڑیل کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔

س: آخری بار بھی مجھ میں ہمت ہے بڑی ڈھیٹ ہوں، کیسے لگے سوال دل پر؟

ج: تمہارے انداز سے تمہاری یہ خوبی ظاہر ہوگئی تھی بتانے کی ضرورت نہیں۔

عزہ یونس...... حافظ آباد

س: ملکہ عالیہ! بزم آنچل میں خوش آمدید تو کہیں؟

ج: کس کو...... تمہاری ساس کو یا نند کو۔

س: اگر آپ کی نشست مجھے نواز دی جائے تو کیا بنے گا آپ کا ممی ڈیئر؟

ج: میرا تو کچھ نہیں بنے گا البتہ جو تمہارا بنے گا وہ وبس تمہارے شوہر اور نندیں جانے۔

س: عید، ساحل سمندر، زرات اور آپ کا ساتھ کیسا رہے گا؟

ج: سوری میں چڑیلوں کے ساتھ سیر و تفریح نہیں کرتی۔

س: پچھلی نشست میں آپ نے ایسے ٹکر کے جواب دیے کہ طبیعت ہری ہوگئی سوچا اب پھر آپ کی زبان کے جوہر دیکھ لوں؟

ج: میری زبان کے جوہر سنبھال کر رکھو اپنی ساس کو دکھانا۔

س: آج کل آپ بڑی چمک دمک رہی ہیں خیریت تو ہے

ناں؟

ج: میری چمک دمک کو چھوڑو اپنے اس منہ کی فکر کرو بس۔

س: ہم آنچل اور آپ کنکشن کیا ہے؟

ج: جس کی کوئی سم نہیں۔

س: سنیں آپی! امیم سمیعہ آج کل کچھ خفا خفا ہیں مجھ سے کیا کروں؟

ج: پڑھائی پر توجہ دو راضی ہو جائیں گی ایک کلاس میں دو تین سال لگاؤ گی تو ناراض ہی ہوں گی۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: شمائلہ جانو! اس عید پر میں نے آپ کے لیے چوں چوں کا مربہ بنا کر بھیجا تھا کھا کر بتایا نہیں کہ کیسا تھا؟

ج: بالکل تمہارے جیسا تھا ہماری بلی کو بھی پسند نہیں آیا۔

س: بے وفا سے وفا کر کے بھی وفا کیوں نہیں ملتی؟

ج: صاف صاف کہو اپنے شوہر نامدار سے عاجز آ گئی ہو۔

س: میاں اناڑی ساس کھلاڑی ایسے میں بے چاری کیا کروں؟

ج: میاں اناڑی ساس کھلاڑی اس کے باوجود بھی چلاتی رہو زندگی کی گاڑی دھکا لگا کر۔

س: مسکرانے کو جھوم جانے کو گنگنانے کو جی چاہتا ہے بھلا بوجھیں تو کیا؟

ج: ساون میں یہی جی چاہتا ہے مگر ذرا دیکھ بھال کر اگر اس عمر میں گر گئیں تو اٹھائے گا کون۔

سحرش مہوش...... میانوالی

س: شمائل جی! پہلے تو آپ یہ بتائیں میرے سوال کیوں شائع نہیں کرتیں ڈرتی ہیں مجھ سے؟

ج: کیوں تم بل بتوڑی ہو جو میں ڈروں گی۔

س: یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ بیٹیاں کام کرتی اچھی لگتی ہیں نہ کہ ہنستی ہوئی؟

ج: تمہارے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں گے اس لیے سب ایسا کہتے ہوں گے ورنہ میں تو سب کو ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہوں۔

س: رخصتی کے وقت لڑکی کو نصیحت کی جاتی ہے کہ سسرال والوں کی عزت کرنا لڑکے کو کیوں نہیں؟

ج: اس کو اس کے والد لڑکی کو برداشت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

س: لڑکے لڑکیوں کو دیکھ کر بالوں میں انگلیاں کیوں پھیرنے لگ جاتے ہیں؟

ج: کیونکہ اس لیے کہ تمہاری طرح ان کا سر جوؤں کی آرام گاہ نہیں بنا ہوا۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

س: پیاری آپی جان میرے سر کے بال پتا نہیں کیوں گرنے لگے کیا کروں؟

ج: اس عمر میں گرتے ہیں چاہے کچھ بھی کرلو۔

س: چوزے چوں چوں کر رہے ہیں سورج ڈوب رہا ہے بتایئے میں بیٹھی بھلا کیا کر رہی ہوں؟

ج: جوئیں مار رہی ہو اپنے سر کی اور کیا کر سکتی ہو۔

س: یادداشت کیسے بہتر بناؤں؟

ج: جوؤں سے نجات پاؤ تو خودبخود یادداشت بہتر ہو جائے گی۔

س: میرا چھوٹا بھائی صابی اسکول نہیں جاتا کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ وہ اسکول چلا جائے؟

ج: اس کے ساتھ اس کی فیڈر بھی اسکول بھیج دو۔

س: کبھی کبھی مجھے ارفع کریم بہت یاد آتی ہے بھلا کیوں؟

ج: وہ اچھی لڑکی سب کو یاد رہتی ہے۔

شہز ابلوچ...... جھنگ صدر

س: گفتگو کب اختتام پذیر ہونی چاہیے؟

ج: جب تم گفتگو میں حصہ لو۔

س: محبت ہو یا مچھر کاٹ جائے انجام ایک ہی ہوتا ہے رات بھر نیند نہیں آتی؟

ج: ٹھیک کہا ہے لیکن تم سچ بتاؤ تمہیں مچھر نے کاٹا ہے یا نیند کی سواری کرنے چلی ہو جنگل کی بلی۔

س: آج کل لوگ اس لیے سوتے ہیں کہ ان کا فون چارج ہو جائے کیا واقعی؟

ج: تم تو اس لیے سوتی ہو کہ تمہاری زبان چارج ہو جائے۔

س: آج کل کے حکمرانوں کا مسکن تو افریقہ کے جنگلوں میں ہونا چاہیے تھا؟

ج: اور وہاں تمہیں ان پر مسلط کر دینا چاہیے۔

# آپ کی صحت

عبیداللہ، سکھر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر چالیس سال ہے اور میرا کام محنت طلب ہے، جس کی وجہ سے اکثر میرے گھٹنوں میں درد رہتا ہے جبکہ سکائی کرنے سے یا دبانے سے تھوڑا آرام محسوس ہوتا ہے برائے مہربانی میرے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں۔

محترم آپ Bryonia 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ جوڑوں کے درد کے لیے ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ سات سو روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، ایک بوتل Apherodite Pain Killer آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

فاطمہ، ملتان سے لکھتی ہیں کہ میری عمر سترہ سال ہے، میں جسمانی طور پر بہت کمزور ہوں۔

محترمہ آپ Alfalfa Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

غلام مصطفیٰ، ساہیوال سے لکھتے ہیں کہ اُن کی عمر انیس سال ہے اور انہیں احتلام کی زیادتی کی شکایت ہے۔

محترم Alfalfa Q کھانے سے پہلے دس قطرے آدھا کپ پانی میں پئیں اور Acid Phas 30 کھانے کے بعد پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں پئیں۔ بُری صحبت سے پرہیز کریں اور نماز باقاعدگی سے پڑھیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

آسیہ ندیم، خانیوال سے لکھتی ہیں کہ اُن کی بہن کی عمر اکیس سال ہے مگر ان کے پیریڈز ابھی تک شروع نہیں ہوئے، جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہیں، دوسرا مسئلہ اُن کے بالوں کا ہے، جو بڑھ نہیں رہے اور کافی کمزور ہیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کی Pelvis کا الٹرا ساؤنڈ کروا کر رپورٹ ہمارے کلینک کے پتے پر بھیجیں تاکہ مرض کی تشخیص ہوسکے، اپنے بالوں کے لیے ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ سات سو روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، Hair Grower آپ کے گھر پہنچ جائے۔

صباء حسن، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ٹائیفائیڈ ایسے ہوتا ہے، جیسا کوئی عام بخار ہے۔ ٹائیفائیڈ بخار میں بہت زیادہ ڈرپ وغیرہ لگتی ہیں جن پر بہت روپے خرچ ہوجاتے ہیں، برائے مہربانی ٹائیفائیڈ بیماری کے خاتمے کے لیے ایسی دوائی بتائیے جو ٹائیفائیڈ میں مفید ثابت ہو۔

محترمہ آپ Eupatorium 30 اور Echinacea 30 دونوں کے 5،5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ ان شاء اللہ اس مرض سے نجات مل جائے گی۔

پروین بیگم، کھوٹہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ China 30 کے 5 قطرے دن میں تین بار آدھا کپ پانی میں پئیں اور Onosomodium CM کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہر 15 دن کے بعد پئیں۔ ان شاء اللہ تمام مسئلے حل ہوجائیں گے۔

شمیم اختر، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں، میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ Alumina 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار کھانے سے پہلے پئیں اور Calcium Phos 6x کی 2 گولیاں کھانے کے بعد کھائیں ان شاء اللہ تمام تکالیف ختم ہوجائیں گی۔

فرحانہ فرید، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میری چھوٹی بہن کے سر میں سفید چھالے نما دانے ہیں بہت علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا، پہلے دانے ختم ہوجاتے ہیں اسی جگہ پر نئے دانے نکل آتے ہیں، مہربانی کرکے دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کو Mezerium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

شبانہ علی، سوات سے لکھتی ہیں کہ میرے بیٹے کو ایک سال کی عمر سے مٹی کھانے کی عادت تھی، اب اس کی عمر 12 سال ہے مگر یہ عادت ابھی تک نہیں چھوٹی ہے، برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتادیں کہ یہ عادت چھوٹ جائے۔

محترمہ آپ اپنے بیٹے کو Cicuta Virosa 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

ماہم علی، لاہور سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 23 سال ہے اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں جب میں 5 یا 6 سال کی تھی تو کھانا کھانے کے بعد میرے پیٹ

میں درد ہوتا تھا پیٹ خراب رہتا تھا تو ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ میرے پیٹ میں کیڑے ہیں، مجھے کیڑوں کے خاتمے کے لیے دوائی کھلائی گئی تو میں ٹھیک ہوگئی مگر کچھ عرصے بعد پھر وہی حال ہونے لگا جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی میں بہت کمزور سی ہوگئی مجھے بہت بھوک لگتی ہے اور میں پیٹ بھر کر کھاتی ہوں مگر پھر بھی مجھے خون کی شدید کمی ہے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہیں منہ پر پیپ والے دانے بنتے ہیں جب میں سو کر اٹھتی ہوں تو آنکھیں سوجی ہوتی ہیں اکثر قبض رہتا ہے یا موشن لگ جاتے ہیں اب ڈاکٹر نے مجھے کیڑے بتائے ہیں پلیز اس کا علاج بتادیں۔

محترمہ آپ Cina-6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اس کے علاوہ Graphites-200 کے 5 قطرے ہر آٹھویں دن پیا کریں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائیگا۔

نائلہ اکبر، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ میرے بالوں کی حالت بہت خراب ہے کسی بھی تقریب میں کھلا چھوڑ کر نہیں جاسکتی، کیونکہ یہ پھول جاتے ہیں اور روکھے اور بے رونق ہیں، میں چاہتی ہوں کہ میرے بال سیدھے اور سلکی ہوجائیں، اکثر کراچی آنا ہوتا ہے آپ کے کلینک آنے کے لیے پہلے سے اپوائنمنٹ لینا ہوگا؟

محترمہ آپ ہمارے کلینک تشریف لاسکتی ہیں، ہیئر گروور سے آپ کے تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔ گھر پر منگوانے کے لیے مبلغ 700 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی۔

حمیرا کوکب، اٹک سے لکھتی ہیں کہ میری گردن پر کچھ ایسے نشان ہیں جیسے چائے گرجائے اور وہ سوکھ کر نشان چھوڑ دے پہلے یہ نشان صرف گردن پر تھے اب آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں، سردیوں میں یہ نشان بالکل ہلکے ہوجاتے ہیں لیکن گرمیوں میں یہ نشان زیادہ واضح ہوجاتے ہیں جو کہ بہت برے لگتے ہیں نہانے سے یہ نشان ہلکے ہوجاتے ہیں اور ان پر خشکی سی ابھر جاتی ہے، دو تین دن بعد دوبارہ یہ نشان ظاہر ہوجاتے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں یہ ایگزیما کے داغ ہیں میں بہت پریشان ہوں برائے مہربانی مجھے اس کا علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ Arsenic Alb-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

زاہدہ، کوٹلی آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں، جس کی وجہ سے چہرے کی رنگت بھی سانولی لگتی ہے، میں نے ایفروڈائٹ کی بڑی تعریف سنی ہے، کیا میں یہ استعمال کرسکتی ہوں اور کتنے عرصے استعمال کرنے سے غیر اضافی بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے؟

محترمہ آپ ایفروڈائٹ استعمال کرسکتی ہیں، 900/= روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں، ایفروڈائٹ ہیئر انہیبٹر آپ کے گھر پہنچ جائے گا، اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔

عبید الرحمٰن، ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری والدہ محترمہ کی کمر میں ہر وقت درد رہتا ہے اس کا علاج بتادیں۔

محترم آپ اپنی والدہ کو Thridion-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

جلال الدین، شیخوپورہ سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 42 سال ہے مجھے ازدواجی زندگی میں مسائل کا سامنا ہے، جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں، بڑی امید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے مسئلے کا مناسب حل بتائیں۔

محترم آپ Staphisagaria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بنایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگوا سکتے ہیں۔ جس کی قیمت 800/= روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افاقہ ہوگا۔

فاطمہ رضوی، ملتان سے لکھتی ہیں کہ شادی کے 8 ماہ بعد میرا ماہانہ نظام بالکل بند ہوگیا ہے اب تک اولاد سے محروم ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ Pulsatilla CM کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہر آٹھویں دن میں ایک بار پئیں، ماہانہ اخراج جاری ہونے پر دوا کا استعمال بند کردیں، اس کے بعد Ashoka Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں ان شاء اللہ صاحب اولاد ہوں گی۔

زارا خان، اٹک سے لکھتی ہیں کہ میری ایک سہیلی کے ساتھ ناخوشگوار حادثہ ہوگیا تھا، کچھ مہینے بعد اس کی شادی ہے، اس وجہ سے وہ کافی پریشان ہے۔

محترمہ آپ اپنی سہیلی کے مسئلے کے لیے 1600 کا منی

آرڈر کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام "خاص دوا" ضرور لکھیں ،ایک ہفتے میں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی ،ترکیب استعمال کے مطابق دوا استعمال کرنے سے ان شاء اللہ آپ کی سہیلی کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

ادریس خان ،پشین سے لکھتے ہیں کہ صبح اٹھ کر دانت صاف کرتا ہوں تو دانتوں سے خون آتا ہے، اکثر مسوڑھے بھی پھولے ہوئے رہتے ہیں۔

محترم آپ Merc Sol-6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

عبدالقیوم ،مانسہرہ سے لکھتے ہیں کہ پروسٹیٹ گلینڈ بڑھا ہوا ہے، پیشاب کرنے کے باوجود لگتا ہے ابھی اور آئے گا کافی دیر تک قطرہ قطرہ آتا ہے۔

محترم آپ Conium-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

لیاقت علی ،بہاولپور سے لکھتے ہیں کہ میری بیگم کو پرانا سر درد ہے، بہت علاج کروایا وقتی طور پر کم ہوجاتا ہے مگر مکمل ختم نہیں ہوتا آپ کو بڑی امید کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ حل ہوجائے۔

محترم آپ اپنی بیگم کو Unsea-3x کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پلائیں۔

شائلہ سلیم ،اسلام پورہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 45 سال ہے، 10 سال سے ماہانہ اخراج بند ہے، اس کے علاوہ میں Chimaphilla 30 اور بریسٹ بیوٹی استعمال کررہی ہوں کیا اس سے مجھے فائدہ ہوگا۔

محترمہ آپ کی عمر سن یاس کو پہنچ چکی ہے اس عمر میں قدرتی طور پر ماہانہ اخراج بند ہوجاتا ہے، لہٰذا اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ Chimaphilla 30 اور بریسٹ بیوٹی کا استعمال جاری رکھیں ،ان شاء اللہ بہتری ہوگی۔

حرا قریشی ،چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرا ماہانہ نظام درست نہیں ہے، پیٹ بہت بڑھ گیا ہے، جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ Apis-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

قمر عباس ،جھنگ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم آپ Erngium 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

اریبہ بتول ،سکھر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 21 سال ہے، میرا پیٹ بہت بڑھ گیا ہے، میں اَن میرڈ ہوں پلیز اس کا علاج بتادیں میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ Calc Flour 6x کی 2 گولیاں دن میں تین بار کھائیں، مرغن غذاؤں سے پرہیز کریں۔

رفیعہ خالد ،قصور سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کے دائیں گردے میں پتھری ہے، گردے کی رپورٹ ساتھ بھیج رہی ہوں، برائے مہربانی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ Epigea 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

علیشاہ خان، مانسہرہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے، نسوانی حسن کی کمی ہے، میری ہم عمر لڑکیاں مذاق اڑاتی ہے، کچھ مہینے بعد میری شادی ہے، میرا مسئلہ بھی حل کردیں۔

محترمہ آپ Sabal Serulatta Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ 600 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں، بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا، دونوں دواؤں کے استعمال سے ان شاء اللہ تعالیٰ قدرتی حسن بحال ہوجائے گا۔

منی آرڈر کرنے کا پتا:

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دکان نمبر C-5، کے ڈی اے فلیٹس، فیز 4، شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی۔ 75850

فون نمبر: 021-36997059

صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔

خط لکھنے کا پتا:

آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

# کام کی باتیں

حنا احمد

## سر کے آدھے حصے کا درد

آدھے سر کا درد بہت سے لوگوں کے لیے عذاب جاں سے کم نہیں ہوتا اور سچ تو یہ ہے کہ جو اس عذاب سے گزرتے ہیں وہی اس حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ درد کی شدت نہ صرف روزمرہ کے معمولات پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ اس سے تعلقات میں بھی دراڑ پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں لگ بھگ دس فیصد افراد اس کا شکار ہوتے ہیں' آدھے سر کے درد پر ہونے والی تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ذہنی کھنچاؤ پیدا کرنے والے حالات کے علاوہ کچھ غذائیں بھی اس کا سبب بنتی ہیں۔ یہ غذائیں کون سی ہیں اس حوالے سے کوئی یقینی بات کہنا تو دشوار ہے کہ کس شخص کے لیے کون سی غذا نقصان دہ ہے یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غذا کسی شخص کے لیے سر درد کا باعث بنے لیکن وہی غذا کسی اور کے لیے دوا کا کام کرے تاہم یہ ضرور ہے کہ تھوڑی سی توجہ سے آدھے سر کے درد کے مریض ایسی غذاؤں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ان کے لیے تکلیف کا باعث بن رہی ہوں' یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اس بات کا درست اندازہ نہ لگا پائے تاہم ایسا فرد اپنی غذائی عادات میں تبدیلی کرکے بہتر نتائج حاصل کرسکتا ہے۔ آدھے سر کے درد کے مریضوں کو چاہیے کہ وہ ان باتوں پر توجہ دیں۔

## وجہ معلوم کرنے کی کوشش

ایک ڈائری میں یہ نوٹ کریں کہ درد کا حملہ ہونے سے قبل گزرے ہوئے 36 گھنٹوں کے دوران آپ نے کیا کیا کھایا' ڈائری کے باقاعدہ اندراجات کا تجزیہ کریں' آپ مشتبہ اشیاء کو باری باری ترک کرکے فیصلہ کرسکتی ہیں کہ کون سی غذا چھوڑنا بہتر ہوا۔

## نقصان دہ غذائوں سے احتیاط برتیں

ڈیری کی اشیاء' کافی' نشہ اور مشروب' چاکلیٹ وغیرہ۔ آدھے سر کا درد پیدا کرتی ہیں یہ سب اشیاء Amines نامی کیمیائی مادے کی خاصی مقدار رکھتی ہیں جو انسانی جسم میں بھی موجود ہوتا ہے۔ یہ مادہ خون کی نالیوں کو سکیڑتا ہے جس کی وجہ سے خون کی نقل و حرکت پر اثر پڑتا ہے اور سر کا درد شروع ہوجاتا ہے۔

## مصنوعی طریقوں سے تیار شدہ غذائیں

تیار شدہ غذائیں لذیذ بنانے اور زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھنے کے لیے بہت سے کیمیائی مادے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں سے کچھ سر درد کا باعث بن سکتے ہیں' ایسی غذائیں استعمال کرتے ہوئے ڈبے کی لیبل پر درج اجزاء پر نظر ڈالیے تاکہ نقصان کی صورت میں آپ اس قسم کے اجزا سے پرہیز کرسکیں۔

## ادرک کا استعمال کریں

جب بھی آپ محسوس کریں کہ سر میں درد کے آثار ہیں تو ادرک چبائیں بہت ممکن ہے کہ ادرک چبانے سے ہی آپ آدھے سر کے درد سے بچ جائیں۔

## کھانے کا ناغہ مت کریں

وقت پر کھانا خون میں مٹھاس کی سطح کو متوازن رکھتا ہے' کچھ لوگ خالی پیٹ ہوں تو انہیں درد سر کی شکایت ہوجاتی ہے لہٰذا اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بھی وقت کے کھانے کا چاہے وہ صبح کا ناشتا ہی کیوں نہ ہو ناغہ مت کریں۔

## کھٹی چیزوں سے پرہیز کریں

یہ بات درست ہے کہ ترش پھلوں میں وٹامنز وافر مقدار میں ہوتے ہیں اور یہ وٹامنز آپ کے مدافعتی نظام کو تقویت پہنچاتے ہیں لیکن ان میں Synephrine کی مقدار ہوتی ہے جو آدھے سر کے درد کا سبب بن جاتی ہے اندازہ لگایئے کہ آپ ترش

آمیز پھلوں یا ایسی غذاؤں سے کیا محسوس کرتے ہیں اور پھر ان سے دور رہنے میں آپ خود میں کیسی تبدیلی پاتے ہیں اگر اس طرح آپ کو خود تشخیصی انداز اپنی تکلیف کا جائزہ اور کھوج لگانے کی عادت پڑ گئی تو آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانے کی کبھی ضرورت نہیں رہے گی۔

## غذائیت میں اضافہ ضروری ہے

اگر آپ وٹامنز سے بھرپور غذائیں کھانا اپنا معمول بنالیں تب بھی بہت حد تک افاقہ ہوگا اور کسی قدر یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کو اس سر کے درد کی مصیبت سے نجات ہی مل جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ اضافی وٹامنز اور معدنیات بھی لے سکتی ہیں روزنہ وٹامن بی کمپلیکس لیا جائے۔ میگنیشیم بھی اس مرض کے خاتمے میں مدد فراہم کرتا ہے سویابین' اخروٹ اور سی فوڈ میں میگنیشیم کی وافر مقدار ہوتی ہے۔ پھلوں' سبزیوں اور اس نوع کی دیگر غذاؤں سے نہ صرف جسمانی نظام درست رہتا ہے بلکہ صحت پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

## گھٹنے کا درد

یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ انسانی جسم میں ایک سو ستاسی جوڑ ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ تکلیف دینے والا جوڑ گھٹنے کا جوڑ ہے۔ اب چونکہ زندگی بہت تیز ہوگئی ہے اس لیے گھٹنے کے مسائل بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پچاس ملین سے زائد افراد گھٹنے کے درد میں مبتلا ہیں مگر آپ کو یہ پتا لگانا مشکل ہوگا کہ یہ درد کیوں ہوتا ہے؟ مطلب اس کی ٹھیک ٹھیک تشخیص مشکل ہے۔ کیا اس کی وجہ ہمارا ماحول ہے یا چھوٹے موٹے واقعات مثلاً سیڑھیاں چڑھنا' فرش پر پھسل کر گر جانا' راستہ میں گر پڑنا فہرست طویل ہے۔

گھٹنے کی سب سے مشکل بات یہ ہے کہ نہ تو اس کی نقل بنائی جاسکتی ہے اور اگر ٹوٹ پھوٹ ہوجائے تو اس کی ٹھیک طرح سے مرمت بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔

اصل میں گھٹنے ان کاموں کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں جو ہم کرتے ہیں مثلاً فٹ بال کھیلنا' بائیک کے حادثات' کارپینٹر ہونا' پلمبنگ کا کام کرنا یا ایسے کام کرنا جن میں گھٹنوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کیلی فورنیا انسٹی ٹیوٹ کی ڈائریکٹر جیمز فوکس نے بتایا ''بے شک یہ بہت کارآمد اور مضبوط پرزہ ہے مگر ہم اس پر ضرورت سے زیادہ ہی بوجھ ڈالتے ہیں جو کہ مناسب نہیں ہے۔''

اگر آپ گھٹنے کا ضرورت سے زیادہ اور بے دردی سے استعمال کرتے رہے تو آپ کو چاہیے کہ آپ ذیل کے مشوروں پر عمل کریں۔

## وزن کم کریں

جسم کا اپنا وزن گھٹنے پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اگر آپ کا وزن ایک پونڈ بڑھتا ہے تو گھٹنوں کے پاس پہنچتے پہنچتے یہ وزن چھ گنا بڑھ جاتا ہے' اگر آپ کا وزن دس پونڈ بڑھا ہوا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ آپ کے گھٹنوں کے آس پاس ساٹھ پونڈ کا دباؤ پڑ رہا ہے آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ وزن کم کریں۔

## گیٹس استعمال نہ کریں

اگر آپ گھٹنوں کے مسائل کے لیے گیٹس استعمال کرتے ہیں تو اس کا استعمال فوراً ترک کردیں کیونکہ یہ آپ کو مسلسل یاد دلاتا رہے گا کہ آپ کے گھٹنے کمزور ہیں اس کی بجائے ''نی کیپ'' استعمال کریں جو کم قیمت ہوتے ہیں اور گیٹس کے مقابلہ میں کئی گناہ فائدہ مند بھی۔